صُلحاءُ العربِ وأبْدالُ الشّام

وعبادُ اللّٰہِ مِنَ العرب

عرب احباب کے قبولِ احمدیت کی روح پرور داستانیں

اور ایمان افروز واقعات

جلد اوّل

مؤلفہ

محمّد طاہر ندیم

مربی سلسلہ

عربک ڈیسک یو۔کے۔

Ṣulaḥāul-‘Arabi wa Abdālush-Shāmi Wa ‘Ibādullahi minal ‘Arab —Vol: 1

(Urdu)

Compiled by: Muhammad Tahir Nadeem

First Published in UK in 2012 by:
Islam International Publications Limited
Islamabad
Sheephatch Lane
Tilford, Surrey GU10 2AQ
United Kingdom

Printed in UK at:

ISBN: 978-1-84880-114-1

بسم الله الرحمن الرحيم

''مصالح العرب'' کے بارہ میں

حضرت امامِ ہُمام ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا مکتوب گرامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی عَبْدِهِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّــاصر

لندن

5-1-12

پیارے مکرم محمد طاہر ندیم صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے اطلاع دی ہے کہ آپ جماعت احمدیہ کی عرب ممالک میں تاریخ وواقعات جو آپ کے تحریر کردہ ہیں اور الفضل میں شائع ہور ہے ہیں، کو کتابی شکل میں شائع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو پڑھنے والوں کے لئے معلوماتی اور ازدیادِ ایمان کا باعث بنائے۔ آمین

میں تو پورا ہفتہ الفضل انٹرنیشنل کا خاص طور پر آپ کے مضمون کی وجہ سے انتظار کرتا ہوں۔ خلافت ثانیہ کے دور کے تاریخی اور ایمان افروز واقعات اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے پیغامات اور ابتدائی مبلغین جن کے ذریعہ بعض عرب ممالک میں احمدیت کا پیغام پہنچا اور سعید روحوں کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق ملی، یہ سب تو ایمان افروز اور دل کو جلا بخشنے والے ہیں ہی لیکن اس دور میں جس طرح عرب ممالک میں احمدیت کا نفوذ ہو رہا ہے اور جس ایمانی حرارت کا نئے شامل ہونے والے مظاہرہ کر رہے ہیں، کن کن مشکلات سے گزر رہے ہیں وہ بھی پڑھنے والے پرانے احمدیوں کو اپنے جائزے لینے پر مجبور کرتا ہے اور نئے آنے والوں کو حوصلہ اور جرأت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اس کام کی بے انتہا جزاء دے کہ اپنے تمام علمی کام کے ساتھ اس ایمان افروز تاریخ کو بھی محفوظ کر رہے ہیں اور پھر ان واقعات کے بیان کے دوران کسی علمی یا عقیدے کے مسئلہ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام کی روشنی میں آپ کا بیان علمی، تفسیری اور عقیدے کے مسائل بھی حل کر دیتا ہے اور اسی طرح غیروں کی بدعقیدگی اور بدعات کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے اور یوں ایک احمدی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے مقصد کا مزید ادراک ہو جاتا ہے بلکہ ہر سعید فطرت کو ہوتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ آپ کو اس کام کی بہترین جزاء دے اور پڑھنے والے اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ آمین

والسلام

خاکسار

[signature]

خلیفۃ المسیح الخامس

نقل دفتر PS لندن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　　نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

وعلی عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ　ھُوَالنَّاصِرُ

عرضِ حال

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صلحائے عرب اور ابدال الشام اور عربوں میں سے خدا کے نیک بندوں کے آپ کی جماعت میں شامل ہونے کی بشارت اس وقت عطا فرمائی تھی جبکہ ابھی آپ نے جماعت کی بنیاد بھی نہیں رکھی تھی نہ ہی سلسلۂ بیعت شروع ہوا تھا۔

عربوں میں آپؑ کا دعویٰ آپؑ کی زندگی میں ہی پہنچنا شروع ہو گیا تھا اور بعض سعید فطرت عرب آپؑ کے پاس پہنچ کر آپ پر ایمان بھی لے آئے۔ مگر عربوں کے اندر باقاعدہ تبلیغ کا آغاز خلافت ثانیہ کے دَور میں ہوا جس کے نتیجے میں فلسطین ،مصر اور سیریا وغیرہ میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں قائم ہو گئیں۔ یہ سلسلہ خلافت ثالثہ اور خلافت رابعہ کے ادوار میں بھی جاری رہا۔مگر عرب ممالک میں کھلی تبلیغ پر پابندی کی وجہ سے اس میں کچھ زیادہ پیش رفت نہ ہوئی۔

1984ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی ہجرت کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار برکتوں اور فضلوں کے پھل لگائے ،جن میں سے ایک عظیم پھل ایم ٹی اے کی شکل میں جماعت احمدیہ کو عطا ہوا۔ اور ایم ٹی اے کے پروگرام ’’لقاء مع العرب‘‘ کے ذریعہ عرب ممالک تک بھی احمدیت کا پیغام پہنچنے لگا،اور سعید فطرت عرب احباب احمدیت کی آغوش میں آنا شروع ہو گئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دَور میں عربوں میں تبلیغ کے سلسلہ میں بعض خصوصی اقدامات بروئے کار لائے گئے جن میں عربی ویب سائٹ کا قیام اور عربوں کے لئے ایم ٹی اے 3العربیہ کا اجراء وغیرہ سرفہرست ہیں۔ان اقدامات کے نتیجہ میں عرب دنیا میں احمدیت کی طرف ایک غیر معمولی رجحان دیکھنے میں آ رہا ہے، اور آئے دن ہم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عربوں کے احمدیت کی آغوش میں آنے سے متعلق الہامات کو پورا ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں ان احباب کی سیرت اور سوانح، انکی دینِ اسلام اور نبیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیرت، حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے محبت اور خلافتِ احمدیہ سے اخلاص ووفا کے تعلق کے ایمان افروز واقعات کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خدا تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے ان مضامین کی تیاری میں گاہے گاہے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی خاص راہنمائی، شفقت اور دعائیں حاصل رہی ہیں اور انہی شفقتوں اور دعاؤں کے فیض سے یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ **فالحمدُ للّٰہِ علیٰ ذلک.**

پہلی جلد میں خلافتِ رابعہ کے زمانے تک کے بعض صلحاء کے حالات زندگی اور ایمان افروز واقعات بیان ہوئے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز اس کی دوسری جلد میں خلافتِ رابعہ کے زمانے میں بیعت کرنے والے بعض صلحاء کے علاوہ عہدِ خلافتِ خامسہ میں احمدیت کی آغوش میں آنے والے بعض سعید فطرت مخلصین کے بارہ میں لکھا جائے گا۔ **واللّٰہُ ولیُّ التوفیق۔**

اس جلد کی تیاری میں جن احباب نے تعاون اور مدد فرمائی ان کے نام بغرض دعا یہاں درج کئے جاتے ہیں: مکرم میر انجم پرویز صاحب، مکرم شیخ مسعود احمد صاحب، مکرم طارق حیات صاحب اور انکی اہلیہ مکرمہ عائشہ طارق صاحبہ، مکرم تنویر احمد صاحب، مکرم نوید احمد سعید صاحب، مکرم محمد داؤد ظفر صاحب اور مکرم ڈاکٹر نعیم الجابی صاحب۔ اس فہرست میں خاکسار اپنی اہلیہ مکرمہ شازیہ نورین صاحبہ کا بھی بطور خاص ذکر کرنا چاہتا ہے جنہوں نے اس کام کی انجام دہی میں خاکسار کا بھرپور ساتھ دیا۔ **فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا أَحْسَنَ الْجَزَاءِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ۔**

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر سی کوشش کو قبول فرمائے اور قارئین کرام کے لئے ازدیادِ ایمان کا باعث بنائے۔ آمین

خاکسار

محمد طاہر ندیم مربی سلسلہ

عربک ڈیسک اسلام آباد ٹلفورڈ

30/جولائی 2012

فہرست مضامین

صلحائے عرب اور ابدالِ شام کے بارہ میں بشارات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تقریباً 1880ء سے ہی عربوں کے بارہ میں خوشخبریوں، ان کے امور کی اصلاح، انہیں سیدھا راستہ دکھانے اور انکے احمدیت میں داخل ہونے کی بشارات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کی آپ کے عقیدتمندوں کے گروہ میں شمولیت اختیار کرنے، آپ کے لئے دعائیں کرنے اور آپ پر درود وسلام بھیجنے کی بھی بشارات عطا فرمائیں۔ ان میں سے دو بطور خاص یہاں درج کی جاتی ہیں۔

......6/اپریل 1885ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ایک مکتوب بنام میر عباس علی شاہ میں اپنا مندرجہ ذیل الہام تحریر فرمایا:

يَدْعُونَ لَكَ أَبْدَالُ الشَّامِ وَعِبادُ اللّٰهِ مِنَ الْعَرَبِ۔ یعنی تیرے لئے ابدال شام کے دعا کرتے ہیں۔ اور بندے خدا کے عرب میں سے دعا کرتے ہیں۔

(از مکتوب مورخہ 6/اپریل 1885۔ مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ 86)

......اگست 1888ء میں آپؑ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے مجھے خبر دی ہے کہ: يُصَلُّوْنَ عَلَيْكَ صُلَحَاءُ الْعَرَبِ وَأَبْدَالُ الشَّام ۔

(از مکتوب حضرت اقدسؑ، اگست 1888ء مندرجہ الحکم جلد 5 نمبر 32 مؤرخہ 31/اگست 1901ء صفحہ 6)

یعنی عرب کے صلحاء اور شام کے ابدال تجھ پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔

عربوں کو دعوت احمدیت

خدا تعالیٰ کی طرف سے صلحائے عرب وابدالِ شام کے جماعت میں شامل ہونے کی پیشگوئی کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی عربی کتب میں عربوں کو مخاطب فرماتے ہوئے نہایت مؤثر رنگ میں اپنی طرف بلایا ہے۔نمونہ کے طور پر ایک دو اقتباسات کا ترجمہ پیش ہے۔حضورؑ فرماتے ہیں:

السلام علیکم! اے عرب کے تقوی شعار اور برگزیدہ لوگو!

السلام علیکم! اے سرزمینِ نبوت کے باسیو اور خدا کے عظیم گھر کی ہمسائیگی میں رہنے والو۔

تم اقوام اسلام میں سے بہترین قوم ہو اور خدائے بزرگ وبرتر کا سب سے چنیدہ گروہ ہو۔کوئی قوم تمہاری عظمت کو نہیں پہنچ سکتی۔تم شرف وبزرگی اور مقام ومرتبہ میں سب پر سبقت لے گئے ہو۔تمہارے لئے تو یہی فخر کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کا آغاز حضرت آدم سے کر کے اُسے اُس نبی پر ختم کیا جو تم میں سے تھا اور تمہاری ہی زمین اس کا وطن اور مولد ومسکن تھی۔

تم کیا جانو کہ اس نبی کی کیا شان ہے۔وہ محمد مصطفیٰ ہے، برگزیدوں کا سردار، نبیوں کا فخر، خاتم الرسل اور دنیا کا امام۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہر انسان پر ثابت ہے۔اور آپ کی وحی نے تمام گزشتہ رموز ومعارف ونکات عالیہ کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔اور جو معارف حقہ اور ہدایت کے راستے معدوم ہو چکے تھے ان سب کو آپؐ کے دین نے زندہ کر دیا۔

اے اللہ تو روئے زمین پر موجود پانی کے تمام قطروں اور ذرّوں اور زندوں اور مُردوں اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ ظاہر یا مخفی ہے ان سب کی تعداد کے برابر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت اور سلامتی اور برکت بھیج۔ اور ہماری طرف سے آپ کو اس قدر سلام پہنچا جس سے آسمان کناروں تک بھر جائے۔

مبارک ہے وہ قوم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جؤا اپنی گردن پر رکھا۔ اور مبارک ہے وہ دل جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچا اور آپ میں کھو گیا اور آپ کی محبت میں فنا ہو گیا۔

اے اُس زمین کے باسیو جس پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدم پڑے! اللہ تم پر رحم کرے اور تم سے راضی ہو جائے اور تمہیں راضی برضا کر دے۔

اے بندگانِ خدا! مجھے تم پر بہت حسن ظن ہے۔ اور میری روح تم سے ملنے کے لئے پیاسی ہے۔ میں تمہارے وطن اور تمہارے بابرکت وجودوں کو دیکھنے کے لئے تڑپ رہا ہوں تا کہ میں اس سرزمین کی زیارت کر سکوں جہاں حضرتِ خیرُ الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدم پڑے، اور اس مٹی کو اپنی آنکھوں کے لئے سرمہ بنا لوں۔ اور میں مکہ اور اس کے صلحاء اور اس کے مقدس مقامات اور اس کے علماء کو دیکھ سکوں۔ اور تا کہ میری آنکھیں وہاں کے اولیائے کرام سے مل کر اور وہاں کے عظیم مناظر کو دیکھ کر ٹھنڈی ہوں۔ پس میری خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اپنی بے پایاں عنایت سے آپ لوگوں کی سرزمین کی زیارت نصیب فرمائے اور آپ لوگوں کے دیدار سے مجھے خوش کر دے۔

اے میرے بھائیو! مجھے تم سے اور تمہارے وطنوں سے بے پناہ محبت ہے۔ مجھے تمہاری راہوں کی خاک اور تمہاری گلیوں کے پتھروں سے محبت ہے۔ اور مَیں تمہی کو دنیا کی ہر چیز پر ترجیح دیتا ہوں۔

اے عرب کے جگر گوشو! اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو خاص طور پر بے پناہ برکات، بے شمار خوبیوں اور عظیم فضلوں کا وارث بنایا ہے۔ تمہارے ہاں خدا کا وہ گھر ہے جس کی وجہ سے اُمُّ القُریٰ کو برکت بخشی گئی۔ اور تمہارے درمیان اس مبارک نبی کا روضہ ہے جس نے توحید کو دنیا کے تمام ممالک میں پھیلایا اور اللہ تعالیٰ کا جلال ظاہر کیا۔

تمہی میں سے وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے سارے دل اور ساری روح اور کامل عقل وسمجھ کے ساتھ اللہ اور اسکے رسول کی مدد کی ،اور خدا کے دین اور اس کی پاک کتاب کی اشاعت کے لئے اپنے مال اور جانیں فدا کردیں۔ بے شک یہ فضائل آپ لوگوں ہی کا خاصہ ہیں اور جو آپ کی شایانِ شان عزت واحترام نہیں کرتا وہ یقیناً ظلم وزیادتی کا مرتکب ہوتا ہے۔

اے میرے بھائیو! میں آپ کی خدمت میں یہ خط ایک زخمی دل اور بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ لکھ رہا ہوں۔ پس میری بات سنو، اللہ تعالیٰ تمہیں اسکی بہترین جزاء عطا فرمائے۔

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 419۔422)

پھر اسی کتاب میں دوسری جگہ حضورؑ نے فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اے عرب اور مصر اور بلاد شام وغیرہ کے برادران، جب مَیں نے دیکھا کہ یہ ایک عظیم نعمت ہے اور آسمان سے نازل ہونے والا مائدہ ہے اور عطاؤں والے خدا کی طرف سے ایک قابل قدر نشان ہے تو میرے دل نے پسند نہیں کیا کہ میں آپ کو اس مَیں شریک نہ کروں۔ چنانچہ مَیں نے اس کی تبلیغ کرنا فرض سمجھا اور اسے ایسے قرض کے مشابہ دیکھا جس کا حق اس کو ادا کیئے بغیر ادا نہیں ہوتا۔

اب مَیں نے آپ کو وہ سب کہہ دیا ہے جو میرے لئے میرے رب کی طرف سے ظاہر ہوا ہے اور میں اس بات کے انتظار میں ہوں کہ تم کس طرح اس کا جواب دیتے ہو"۔

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 488-490)

نیز آپؑ نے اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ میں عربوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے عرب کے شریف النفس اور عالی نسب لوگو! مَیں قلب وروح سے آپ کے ساتھ ہوں۔ مجھے میرے ربّ نے عربوں کے بارہ میں بشارت دی ہے اور الہامًا فرمایا ہے کہ مَیں اُن کی مدد کروں اور انہیں اُن کا سیدھا راستہ دکھلاؤں، اوران کے معاملات کی اصلاح کروں، اور اِس کام کی انجام دہی میں مجھے آپ لوگ انشاء اللہ تعالیٰ کامیاب وکامران پائیں گے۔

اے عزیزو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کی تائید اور اس کی تجدید کے لئے مجھ پر اپنی خاص تجلّیات فرمائی ہیں اور مجھ پر اپنی برکات کی بارش برسائی ہے۔ اور مجھ پر قسما قسم کے انعامات کئے ہیں، اور مجھے اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی بدحالی کے وقت میں اپنے خاص فضلوں اور فتوحات اور تائیدات کی بشارت دی ہے۔ پس اے قومِ عرب! مَیں نے چاہا کہ تم لوگوں کو بھی ان نعمتوں میں شامل کروں۔ میں اس دن کا شدت سے منتظر تھا، پس کیا تم خدائے رب العالمین کی خاطر میرا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو؟

(حمامۃ البشریٰ، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 182-183)

❁❁❁❁❁

ابدال کون ہیں؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’دیکھو! جس جس قدر انسان تبدیلی کرتا جاتا ہے، اسی قدر وہ ابدال کے زمرہ میں داخل ہوتا جاتا ہے۔ حقائق قرآنی نہیں کھلتے، جب تک ابدال کے زمرہ میں داخل نہ ہو۔ لوگوں نے ابدال کے معنی سمجھنے میں غلطی کھائی ہے اور اپنے طور پر کچھ کا کچھ سمجھ لیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ابدال وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرتے ہیں اور اس تبدیلی کی وجہ سے ان کے قلب گناہ کی تاریکی اور زنگ سے صاف ہو جاتے ہیں۔ شیطان کی حکومت کا استیصال ہو کر اللہ تعالیٰ کا عرش ان کے دل پر ہوتا ہے۔ پھر وہ روح القدس سے قوت پاتے اور خدا تعالیٰ سے فیض پاتے ہیں۔ تم لوگوں کو میں بشارت دیتا ہوں کہ تم میں سے جو اپنے اندر تبدیلی کرے گا، وہ ابدال ہے۔ انسان اگر خدا کی طرف قدم اٹھائے، تو اللہ تعالیٰ کا فضل دوڑ کر اس کی دستگیری کرتا ہے۔ یہ سچی بات ہے اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ چالاکی سے علوم القرآن نہیں آتے۔ دماغی قوت اور ذہنی ترقی قرآنی علوم کو جذب کرنے کا اکیلا باعث نہیں ہوسکتا۔ اصل ذریعہ تقویٰ ہی ہے۔ متقی کا معلم خدا ہوتا ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد اول صفحہ 284)

اس وضاحت کے بعد اب ہم بعض صلحاء اور ابدال الشام کا ذکر خیر کرتے ہیں۔

جیسا کہ ان الہامات اور رؤیا وکشوف سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تقریباً 1880ء سے ہی یعنی اپنے دعویٰ سے قبل ہی عربوں کے بارہ میں بشارات ملنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، تاہم 1891ء تک نہ تو حضورؑ نے کوئی عربی کتاب لکھی تھی، نہ ہی عربوں

میں تبلیغ کی راہ نکل سکی، لیکن وہ خدا جس نے یہ بشارات عطا فرمائی تھیں خود ہی ان کے پورا ہونے کے سامان کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے خود ہی تبلیغ کے سامان پیدا فرما دیئے اور دیارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سعادت منداور نیک فطرت انسان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں لا ڈالا۔ یوں عربوں میں احمدیت کا پہلا پودا لگا اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی متعدد سعید فطرت عربوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی میں آنے کا شرف حاصل ہوا۔ صلحاء العرب وابدال الشام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کی غلامی میں آنے کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے جو اس خدائی وعدہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر ایک روشن دلیل ہے۔ یہ کتاب اسی حقیقت کے مفصل بیان سے عبارت ہے۔

عرب دنیا سے پہلا احمدی
حضرت الشیخ محمد بن احمد المکی صاحب رضی اللہ عنہ

(بیعت: 10 جولائی 1891ء۔ وفات: 28 جولائی 1940)

تعارف، سلسلہ احمدیہ سے رابطہ اور بیعت:

حضرت الشیخ محمد بن احمد المکی رضی اللہ عنہ مکہ میں شعب بنی عامر میں رہائش رکھتے تھے۔ جہاں مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مولد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بنو ہاشم کے مکانات واقع تھے۔

ان کے سلسلہ سے رابطہ اور بیعت کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

"حِبّی فِی اللّٰہ محمد ابن أحمد مکی من حارة شعب عامر۔ یہ صاحب عربی ہیں اور خاص مکہ معظّمہ کے رہنے والے ہیں صلاحیت اور رشد اور سعادت کے آثار ان کے چہرے پر ظاہر ہیں۔ اپنے وطن خاص مکہ معظّمہ سے زادہ اللّٰہ مجدًا و شرفًا بطور سیر و سیاحت اس ملک میں آئے اور ان دنوں میں بعض بد اندیش لوگوں نے خلاف واقعہ باتیں بلکہ تہمتیں اپنی طرف سے اس عاجز کی نسبت انکو سنائیں اور کہا کہ یہ شخص رسالت کا دعویٰ کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم سے منکر ہے اور کہتا ہے کہ مسیح جس پر انجیل نازل ہوئی تھی وہ میں ہی ہوں۔ ان باتوں سے عربی صاحب کے دل میں بہ مقتضائے غیرت اسلامی ایک اشتعال پیدا ہوا تب انہوں نے عربی زبان میں اس عاجز کی طرف ایک

خط لکھا جس میں یہ فقرات بھی درج تھے:

إنْ كُنْتَ عِيسىٰ ابن مرْيم فأنزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً أيّها الْكَذّاب۔ إنْ كُنْتَ عيسىٰ ابن مريَم فَأنزِل عَلَيْنا مَائِدَةً أيّها الدَّجّال۔

یعنی اگر تو عیسی بن مریم ہے تو اے کذاب اے دجال ہم پر مائدہ نازل کر۔ لیکن معلوم نہیں کہ یہ کس وقت کی دعا تھی کہ جو منظور ہوگئی اور جس مائدہ کو دے کر خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے آخر وہ قادر خدا انہیں اس طرف کھینچ لایا۔ لودھیانہ میں آئے اور اس عاجز کی ملاقات کی اور سلسلہء بیعت میں داخل ہوگئے۔ فالحَمدُ لِلّٰهِ الّذِى نَجّاهُ مِنَ النّار و أنزَلَ عَلَيْهِ مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ۔

ان کا بیان ہے کہ جب مَیں آپ کی نسبت بُرے اور فاسد ظنون میں مبتلا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے کہتا ہے کہ: يَا مُحَمّدُ أنْتَ كَذّابٌ۔ یعنی اے محمد کذاب تُو ہی ہے۔

اور ان کا یہ بھی بیان ہے کہ تین برس ہوئے کہ مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ عیسیٰ آسمان سے نازل ہوگیا ہے اور مَیں نے اپنے دل میں کہا تھا کہ انشاء اللہ القدیر مَیں اپنی زندگی میں عیسیٰ کو دیکھ لوں گا۔''

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 538-539)

اظہار ندامت اور بیعت کا خط

حضرت الشیخ محمد بن احمد المکی رضی اللہ عنہ جمّوں میں تھے جب آپ کو احمدیت کا پیغام ملا اور اس پر آپ کے ردّ عمل کا ذکر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ لگتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انکے سخت جارحانہ الفاظ کے جواب میں ایک خط تحریر فرمایا تھا جس کو پڑھتے ہی ان پر حق آشکار ہوگیا، لہٰذا انہوں نے اپنے الفاظ پر ندامت کا اظہار کیا اور حضورؑ کی خدمت میں معافی اور بیعت کا خط لکھا جسے حضورؑ نے اپنی کتاب ''سچائی کا اظہار'' میں درج فرمایا ہے جہاں حضورؑ فرماتے ہیں:

''اسلام کے مستند علماء کا تخت گاہ حرمین شریفین ہے زادھما اللّٰہ مجدًا و شرفًا و برکۃً،

اور اسلام میں یہی بلادِ عرب، خاص کر کے مکہ ومدینہ، دین کا گھر سمجھے جاتے ہیں۔ سوان متبرک مقامات کے جگر گوشہ اور فاضل مستند بھی اس عاجز کے ساتھ شامل ہوتے جاتے ہیں۔‘‘

(سچائی کا اظہار، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 75)

ذیل میں حضرت الشیخ محمد بن احمد المکیؓ کا مذکورہ خط مع ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

ایک عالم عرب مکّی کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰه رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الخلق أجمعين۔ إلى حضرة الجناب المحترم المكرم العزيز الأكرم مولانا ومرشدنا وهادينا ومسيح زماننا غلام أحمد حفظه اللّٰه تعالى آمين ثم آمين يارب العلمين۔

أما بعد السلام عليكم ورحمة اللّٰه وبركاته۔ قد وصلنا كتابكم العزيز قرأنا وفهمنا ما فيه وحمدنا اللّٰه الذى أنتم بخير وعافية۔ ويا سيدى أطلب من اللّٰه ثم من جنابكم العفو والسماح فيما قد أخطأت ويا سيدى أنا ولدك وخادمك ومحسوب على اللّٰه، ثم إلى جنابكم وإن شاء اللّٰه تعالى أنا تبت وعزمت على أن لا أعود أبدا ولا أتكلم بمثل الكلام الذى ذُكر قطّ۔ جمّل اللّٰه حالكم و شكر اللّٰه فضلكم۔

والسلام۔ الراقم أحقر العباد محمد ابن أحمد مكى

قد عجبنى الكلام الذى ذكرتم فى الكتاب۔ الحمد للّٰه الذى وعدنى بملاقاة جنابكم لا شك ولاريب أنك أنت من عند اللّٰه آمنا وصدقنا وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين۔ راقم محمد ابن أحمد مكى۔

(سچائی کا اظہار، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 79)

بسم اللہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دورد وسلام بھیجنے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مسیح ومہدی تسلیم کرنے اور آپ کو عزت واحترام کے اعلیٰ القاب سے مخاطب کرنے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضورؑ کا نامہ گرامی ملا۔ ہم نے اسے پڑھ لیا ہے اور اسکے مضمون کو سمجھ لیا ہے، اور حضورؑ کے بخیر وعافیت ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا ہے۔

سیدی، مَیں پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور اور اس کے بعد آپ کی خدمت میں اپنی غلطی پر عفو ودرگزر کی درخواست کرتا ہوں۔ سیدی، میں حضور کا بیٹا اور حضور کا خادم ہوں، اور اللہ کے سامنے اور بعد ازاں حضورؑ کو جوابدہ ہوں۔ میں اپنی غلطی پر توبہ کرتا ہوں اور یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی ایسی بات نہیں کہوں گا جیسی پہلے مجھ سے سرزد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حالات بہتر فرمائے اور آپ کے فضل واحسان کی بہتر جزا عطا فرمائے۔

والسلام راقم: احقر عباد محمد بن احمد مکی۔

آپ نے اپنے مکتوب میں جو کچھ لکھا ہے وہ مجھے بہت پسند آیا ہے۔ شکر ہے اس خداوند کریم کا جس نے مجھے آپ کی ملاقات کا وعدہ عطا فرمایا ہے۔ آپ کے خدا کی طرف سے ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، اس پر ہم ایمان لاتے ہیں اور اسکی تصدیق کرتے ہیں۔ وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین۔

راقم: محمد بن احمد مکی

یہاں پر قارئین کرام کی یاد دہانی کے لئے تحریر ہے کہ 4/اپریل 1885ء کو حضورؑ کو الہام ہوا: يَدْعُونَ لَكَ أَبْدَالُ الشَّامِ وَعِبَادُ اللّٰهِ مِنَ الْعَرَبِ۔ یعنی تیرے لئے ابدال شام اور عرب کے نیک بندے دعا کرتے ہیں۔ اس آسمانی خبر کے تقریبًا چھ سال بعد لدھیانہ میں 10/ جولائی 1891ء کو پہلے عرب احمدی کی حیثیت سے حضرت محمد بن احمد مکی صاحبؓ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ آپ کی بیعت 141 نمبر پر رجسٹر بیعت میں درج ہے جہاں آپ کا پورا نام یوں لکھا ہے:

شیخ محمد بن شیخ احمد مکی من حارۃ شعب عامر۔

(تاریخ احمدیت جلد 1 صفحہ 355)

دوسرے جلسہ سالانہ میں شرکت

بیعت کے بعد آپ نے کچھ عرصہ قادیان میں قیام فرمایا اور 1892ء کے جلسہ سالانہ میں بھی شرکت فرمائی۔ یہ جماعت کی تاریخ کا دوسرا جلسہ سالانہ تھا جس میں (327) احباب نے شمولیت اختیار کی جن میں سے ایک حضرت شیخ محمد بن احمد مکی تھے۔ ان تمام احباب کی فہرست حضور علیہ السلام نے اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام کے آخر پر دی ہے۔

کچھ عرصہ برکات سے مستفیض ہونے کے بعد 1893ء میں آپؓ مکہ شریف بخیریت پہنچ گئے۔ فریضۂ حج کی بجاآوری کے بعد 4/اگست 1893ء کو آپ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں اپنے بخیریت مکہ معظّمہ پہنچنے اور مختلف لوگوں سے حضورؑ کا ذکر کرنے کے بعد یہ خوشخبری لکھی کہ مَیں نے شعب عامر کے اپنے ایک دوست تاجر السید علی طایع تک پیغامِ حق پہنچایا اور اسے حضورؑ کے دعویٰ سے مفصل خبر دی تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے کہا ہے کہ میں حضورؑ کی خدمت میں عرض کروں کہ حضورؑ انہیں اپنی کتب ارسال فرمائیں تو وہ انہیں شرفاء وعلماءِ ملّہ مکرمہ میں تقسیم کریں گے۔ اس خط کے ملنے پر حضورؑ نے اسے تبلیغِ حق کا ایک غیبی سامان سمجھتے ہوئے ''حمامة البشرى'' عربی زبان میں تصنیف فرمائی جس میں حضورؑ نے دعویٰ مسیحیت، دلائل وفات مسیح اور نزول مسیح اور خروج دجال کی حقیقت کا مفصل بیان اور مکفّرین علماء کی طرف سے آپ کے عقائد اور دعویٰ پر اعتراضات کا جواب دیا ہے۔

(ازالہ اوہام، آئینہ کمالات اسلام، حمامة البشرى، رجسٹر بیعت مطبوعہ تاریخ احمدیت جلد 1 صفحہ 355، مضمون حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفة المسیح الأولؓ کی مالی تحریکات روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ 4/جنوری 2002ء، روزنامہ الفضل 19 مئی 1983ء، تین سو تیرہ اصحاب صدق وصفا صفحہ 147-148)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجام آتھم کے آخر میں اپنے تین سو تیرہ اصحاب باصفا کی فہرست درج فرمائی ہے اس میں آپ کا نام نمبر 98 پر مذکور ہے۔

ایک تصحیح

ہمارے لٹریچر میں بعض جگہ حضرت محمد سعید الشامی الطرابلسی صاحبؓ کو پہلا عرب احمدی لکھا گیا ہے۔ لیکن حالات وواقعات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے عرب احمدی حضرت محمد بن احمد مکی صاحبؓ تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کا مفصل ذکر اپنی کتاب ازالہ اوہام میں فرمایا ہے جو 1891ء کی تصنیف ہے۔ جبکہ حضرت محمد سعید الشامی الطرابلسی صاحبؓ آئینہ کمالات اسلام کے عربی حصہ کو پڑھ کر احمدی ہوئے تھے جو کہ 1893ء کی تالیف ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ عرب علاقوں میں حضور کی کتب کی اشاعت کے لئے ضروری ہے کہ ان بلاد سے کوئی مخلص اس سلسلہ میں کوشش اور تعاون کرے، تو حضورؑ نے ایسے سلطان نصیر کے عطاء ہونے کے لئے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت شامی صاحب کو حضورؑ کی دعا کے ثمرہ کے طور پر احمدیت کی آغوش میں ڈال دیا۔ چنانچہ حضورؑ نے خود انہیں اپنی دعا کا پہلا پھل قرار دیا۔ شاید اس بات سے سہوًا انہیں پہلا عرب احمدی سمجھ لیا گیا۔ واللہ اعلم۔

اوّل ابدال الشام

حضرت محمد سعید الشامی الطرابلسی رضی اللہ عنہ

مکرم السید محمد سعید الشامی صاحب رضی اللہ عنہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے الہامات کے مطابق ابدالِ شام میں سے وہ پہلے صالح انسان تھے جنہیں حضرت مسیح موعود کی بیعت کا شرف حاصل ہوا۔

آپ نہایت درجہ بزرگ اور نابغۂ روزگار عالم تھے، فخر الشعراء اور مجد الأدباء کے ناموں سے یاد کئے جاتے تھے اور طرابلس کے رہائشی تھے جو کہ بیروت سے تیس کوس کے فاصلے پر ہے۔آپ طرابلس سے براستہ کراچی کرنال گئے، وہاں سے دہلی بغرض علاج حکیم اجمل خان دہلوی کے پاس گئے اور دہلی کے مشہور مدرسہ فتح پوری میں علوم عربیہ کی تدریس کے فرائض بجا لاتے رہے۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ سے تعلق

حضرت حافظ محمد یعقوب رضی اللہ عنہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے صحابی تھے جو ڈیرہ دُون میں رہتے تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت محمد سعید الشامی صاحب کا تعارف ہوا تو ایک دوسرے سے ملاقات کا سلسلہ چل نکلا۔ ایک دفعہ آپ محترم حافظ صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حافظ صاحب نے آئینہ کمالات اسلام (جس کا عربی حصہ التبلیغ کے نام سے شائع ہوا) میں مندرجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نعتیہ قصیدہ سے آپ کا تعارف کروایا

جسے پڑھ کر آپ بے ساختہ پکار اٹھے کہ:۔

''عرب بھی اس سے بہتر کلام نہیں لا سکتے''۔

ازاں بعد آپ کو سیالکوٹ جانے کا اتفاق ہوا جہاں آپ کی ملاقات حضرت میر حسام الدینؓ سے ہوئی جنہوں نے آئینہ کمالات اسلام کے عربی حصہ کی بابت گفتگو کے دوران اس کا ردّ لکھنے پر ایک ہزار روپیہ انعام دینے کا وعدہ کیا۔اس ملاقات میں حضرت مولانا عبد الکریم صاحب سیالکوٹیؓ بھی موجود تھے جن سے حضرت محمد سعید صاحب الشامیؓ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں مزید معلومات اور تعارف حاصل کیا۔

التبلیغ کی عربی زبان کا سحر اور نعتیہ قصیدہ کی ادبی بلاغت اور معانی کے بحر زخار نے آپ کی سوچ میں تلاطم برپا کر دیا اور آپ کشاں کشاں قادیان چلے آئے۔

قادیان میں قیام اور بیعت

آپ تقریباً سات ماہ تک تحقیق میں مصروف رہے۔حضرت اقدس علیہ السلام کو نہایت قریب سے دیکھا اور حضورؑ کے علمی فیضان سے متمتع ہونے کے بعد بالآخر بعض مبشر رؤیا کی بناء پر سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔

دینی خدمات

حضرت محمد سعید صاحب الشامی رضی اللہ عنہ نے دو کتابیں تصنیف کیں۔ ایک ''الإنصاف بين الأحباء''اور دوسری ''إيقاظ الناس'' ہے۔

تذکرۂ واقعات

آپ کے حضرت اقدس علیہ السلام کی صحبت میں رہنے کے ایام میں چند ایمان افروز واقعات کا ذکر ملتا ہے جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

۞...... حضرت محمد سعید صاحب الشامی رضی اللہ عنہ ایک دفعہ اپنے حجرہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دھوبی آپ کے دھلے ہوئے کپڑے لایا۔آپ کے دل میں خیال گزرا کہ اگر حضرت مسیح

موعود علیہ السلام اس وقت موجود ہوتے تو اسے اُجرت دے دیتے۔عین اسی لمحہ جب حضرت محمد سعید صاحب الشامی رضی اللہ عنہ یہ بات سوچ رہے تھے کہ یکا یک حضور علیہ السلام رونق افروز ہوئے اور اپنے دست مبارک سے دھوبی کو اس کی مطلوبہ رقم عطاء فرما دی۔

...... ایک امر شرعی نے آپ کو سخت مشکل میں ڈال رکھا تھا اور اس بارہ میں اکثر احباب تشفی کرانے سے قاصر تھے۔حضرت محمد سعید صاحب الشامی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز ظہر کے لئے تشریف لائیں گے تو آپؑ سے دریافت کروں گا۔ آپؑ نے ظہر کی نماز میں آتے ہی فرمایا کہ جس مسئلہ نے آپ کو اور دیگر حضرات کو الجھن میں مبتلا کر رکھا ہے اس کا حل یہ ہے۔حالانکہ آپ نے اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے قطعاً کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

(عالم روحانی کے لعل وجواہر نمبر 167۔مطبوعہ روزنامہ الفضل ربوہ 21 جولائی 2001ء، صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام تقریر جلسہ سالانہ 1964ء، ذکر حبیب صفحہ 42، بحوالہ تین سو تیرہ اصحاب صدق وصفا از نصر اللہ خان ناصر وعاصم جمالی صفحہ 101-103)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں آپؓ کا ذکر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجام آتھم کے آخر میں تین سو تیرہ اصحاب کی جو فہرست دی ہے اس میں آپ کا نام 55 نمبر پر مذکور ہے۔

......حضورؑ نے اپنی کتاب ''سچائی کا اظہار'' میں حضرت شامی صاحبؓ کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:

''ایک فاضل عرب کی اس عاجز کی کتاب آئینہ کمالات اسلام اور تبلیغ کے اعلیٰ درجہ کی بلاغت پر گواہی جو ایک بلدہ عظیمہ میں تعلیم ادب وغیرہ کے مدرس ہیں۔

اخی مکرم مولوی حافظ محمد یعقوب صاحب سلّمہٗ۔ڈیرہ دون سے لکھتے ہیں کہ مَیں ایمان لاتا ہوں اس بات پر کہ آپ امام زمانہ ہیں،مؤید من اللہ ہیں۔علماء کو اللہ تعالیٰ نے ضرور آپ کا شکار بنایا ہے یا غلام۔آپ کا مخالف کبھی کامیاب نہ ہوگا۔مجھے اللہ تعالیٰ آپ کے خادموں میں زندہ رکھے اور اسی میں مارے۔اے خدا تو ایسا ہی کر۔ایک عرب عالم اس وقت میرے پاس بیٹھے

ہیں۔شامی ہیں، سیدی ہیں، بڑے ادیب ہیں۔ ہزاروں اشعار عرب عاربہ کے حفظ ہیں۔ان سے آپ کے بارے گفتگو ہوئی وہ عالم متبحر اور میں عامی محض۔مگر توفّی کے معنے میں کچھ بَن نہ پڑا۔آپ کی عبارت ''آئینہ کمالات اسلام'' جو عربی ہے ان کو دکھائی گئی۔کہا واللہ ایسی عبارت عرب نہیں لکھ سکتا ہندوستانی کو تو کیا طاقت ہے۔قصیدہ نعتیہ دکھایا۔ پڑھ کر رو دیا۔اور کہا خدا کی قسم مَیں نے اس زمانہ کے عربوں کے اشعار کو کبھی پسند نہیں کیا اور ہندیوں کا تو کیا ذکر ہے،مگر ان اشعار کو حفظ کروں گا۔اور کہا واللہ جو شخص اس سے بہتر عبارت کا دعویٰ کرے چاہے عرب ہی کیوں نہ ہو۔وہ ملعون مسیلمہ کذاب ہے۔ تَمَّ كَلَامُهٗ۔

مَیں یقین رکھتا ہوں کہ یہ کلام ربّانی اور تائید سبحانی کا اعجاز ہے آدمی کا کام نہیں۔مَیں نے حضرت کو اپنی جان اور اپنی اہل اور اولاد میں مالک کر دیا۔

(سچائی کا اظہار، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 75-76)

❁......اسی طرح آپؑ نے اپنی کتاب ''سچائی کا اظہار'' میں حضرت شامی صاحبؓ کا ایک خط اور اس پر حضورؑ کا جواب بھی عربی زبان میں درج فرمایا ہے جو اپنی ذات میں عربی ادب کا ایک شہ پارہ معلوم ہوتا ہے۔اس خط کا خلاصہ قارئین کی نذر کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے انہوں نے حضورؑ کو مخاطب کرنے کا سحر انگیز طریق اختیار کیا ہے عرض کرتے ہیں:

اے وہ عظیم الشان وجود کہ جس کے اوصاف حمیدہ کے بارہ میں مجھے نسیمِ شوق نے آگاہی دی ہے، اور اے وہ ہستی کہ جس کے فیوض کے عطر سے نرگس کے پھولوں نے مہک مستعار لی ہے۔

پھر دعا گو ہوتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

اللہ کرے کہ حضور کے نجات بخش سفینے علوم وفنون کے سمندروں میں محو سفر رہیں۔اور لوگوں کے سر آپ کے بلند و بالا مرتبہ کے سامنے جھکے رہیں،اور زبانیں آپ کے محاسن کی گواہی دیتی رہیں۔

پھر لکھتے ہیں کہ: میرا آپ سے ملنے کا شوق نا قابل بیان ہے۔مجھے قضا وقدر نے ملک ملک پھراتے ہوئے اس علاقے میں لا پھینکا اور ایک شفیق بھائی مولوی محمد یعقوب سے ملا دیا۔

اس کے ساتھ باتوں میں آپ کا ذکر چل نکلا اور جب آپ کے اخلاق ومحاسن سے آگاہی ہوئی تو آپ سے ملاقات کی جستجو پیدا ہوگئی۔لیکن راہ کی تکلیف، گرمی کی تپش، تہی دستی، اور قلت زاد جیسے امور میری راہ میں حائل ہیں۔

اس کے آگے انہوں نے دوشعروں میں اپنی حالت کا نقشہ کھینچا ہے جن کا ترجمہ ہے:
اگر مجھے قوت پرواز ہوتی تو مَیں وفورِشوق سے آپ کی طرف اڑتا چلا جاتا اور کبھی گریز نہ کرتا۔لیکن کیا کروں کہ میرے پر کٹے ہوئے ہیں اور پر کٹا پرندہ پرواز کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔

تاہم جب تک قدم آپ کی طرف چل کے نہیں جاسکتے تب تک قلم سے ہی یہ پیاس بجھاتا ہوں کیوں کہ خط بھی تو آدھی ملاقات ہے اور ویسے بھی جب پانی میسر نہ آسکتا ہو تو اسکے متبادل کو ہی اختیار کرنا چاہئے۔

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کا جواب

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے ان کے اس خط کے جواب میں اعلیٰ درجہ کی فصیح وبلیغ عربی زبان میں خط لکھا جس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

''اے میرے پیارے اور مخلص مجھے تمہارا نامہ گرامی ملا۔اسے کھول کر دیکھا اور اس کے مندرجات کو پڑھا تو پتہ چلا کہ یہ ایک سچے، پارسا، صاحب فہم وعقل اور صائب الرائے، صاحبِ بصیرت ناقد دوست کی طرف سے اس عاجز کے نام آیا ہے جسے تکفیر کا نشانہ بنایا گیا ہے اور ہر چھوٹا بڑا اسے چھوڑ کر الگ ہوگیا ہے۔ ایسی حالت میں آپ جیسا تسلی دینے والا فاضل عربی محبّ عطا ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے مجھے آپ جیسے شرفاء کی محبت کی بشارت دی ہوئی ہے۔مَیں نے عرب ممالک اور شام بھجوانے کے لئے ایک کتاب لکھی ہے تا مَیں ان معزز لوگوں کی طرف سے مدد پاؤں۔ان بابرکت ایام میں آپ کا خط ملا تو مَیں نے اسے عرب ممالک کے اثمار میں سے پہلا ثمر خیال کیا۔اور اسے شرق وغرب کی اصلاح کے کام کے لئے نیک فال کے طور پر لیا۔اور میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ خدا تعالیٰ مجھے آپ کے ممالک میں لے جائے تا میں آپ

لوگوں کے دیدار سے متمتع ہوسکوں۔

برادرِ من! اس ملک کے علماء نے مجھے کافر قرار دیا، میری تکذیب کی، مجھ پر بہتان لگائے اور لعن طعن و بیہودہ گوئی کی مجھ پر بھر مار کر دی ہے۔ لہٰذا مَیں ان علماء اور ان کے علم سے بیزار ہوگیا ہوں اور ان لوگوں کے اسلام میں شک کرنے والوں میں سے ہوگیا ہوں۔ ان کے دلوں کو بدظنّی کرنے اور خدائے معبود کی گستاخی کرنے میں یہود کے مشابہ پاتا ہوں۔

یہ مجھے کافر قرار دینے پر مصر ہیں اور انہوں نے مجھے تکلیف دینے کی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ انہوں نے ایک موٴحد اور مومن کو تحریر و تقریر میں کافر کہا ہے اور میری تکفیر میں جلد بازی پر نادم نہیں ہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وقت تجدید دین اور شیطان کو شکست دینے کے لئے آنے والے مجدد کے ظہور کا نہیں ہے۔ وہ نہیں دیکھتے کہ ظلمت چھا گئی ہے اور دشمن اسلام پر حملہ آور اور نقب زن ہے۔ زمین پر صلیب کی عبادت کرنے والی قوم کا غلبہ ہے جو ہر ایک کو گمراہ کرنے پر کمر بستہ ہو گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کی اس حالت پر رحم فرماتے ہوئے ایک بندہ کو تجدید دین اور اتمام حجت کے لئے کھڑا کیا تا وہ ان کو ظلمتوں سے نکال کر روشنیوں کی طرف لائے۔

مَیں نے یہ دکھ درد آپ کے سامنے اس لئے بیان کئے ہیں کہ تا آپ کو اسلام کی کمزور حالت پر رحم آئے۔ مَیں آپ کو نیک اور مخلص نوجوان سمجھتا ہوں۔ آپ نے اپنے الفاظ سے مجھے خوش کر دیا ہے اور پیار بھری باتوں سے اس عاجز مورد طعن و ملامت کو تسلی دی ہے۔ اللہ آپ کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے اور آپ پر رحم فرمائے۔ وہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے‘‘۔ (سچائی کا اظہار، روحانی خزائن جلد 6 ص 77-78)

حضرت مسیح موعودؑ کے قلم مبارک سے آپؓ کے اوصاف کا بیان

۞......آپ علیہ السلام فرماتے ہیں (اردو ترجمہ منقول از نور الحق حصہ اوّل):

’’اور مَیں نے ان کتابوں (التبلیغ، تحفہ بغداد، کرامات الصادقین، حمامة البشریٰ۔ ناقل) کو صرف زمین عرب کے جگر گوشوں کے لئے تالیف کیا ہے۔ اور میری بڑی مراد یہی تھی کہ ان مقدس جگہوں اور مبارک شہروں میں میری کتابیں شائع ہو جائیں۔ پس مَیں نے دیکھا کہ

کتابوں کا ان ملکوں میں شائع ہونا ایک ایسے نیک انسان کے وجود کی فرع ہے جو شائع کرنے والا ہو............سومَیں تضرع کے ہاتھ اٹھاتا اور دعائیں عاجزی سے کرتا تھا کہ یہ آرزو اور مراد میرے لئے حاصل اور متحقق ہو یہاں تک کہ میری دعا قبول کی گئی اور میری مراد مجھے دی گئی، اور میری طرف خدا کا فضل ایک ایسے آدمی کو کھینچ لایا جو صاحبِ علم اور فہم اور مناسبت تھا اور نیک بختوں میں سے تھا۔ اور مَیں نے اس کو پاک اصل اور پسندیدہ خلق والا اور پاک فطرت والا اور دانا اور پرہیز گار پایا۔

سومَیں اس کی ملاقات سے جو میری عین مراد تھی خوش ہوا اور اپنی دعا کا پہلا پھل مَیں نے اس کو خیال کیا......۔اس مجمل بیان کی تفصیل یہ ہے کہ بلاد شام سے ایک جوان صالح خوشرو میرے پاس آیا، یعنی طرابلس سے، اور حکیم وعلیم اس کو میری طرف کھینچ لایا اور قریب سات مہینے کے یعنی اس وقت تک میرے پاس رہا اور مَیں نے فراست سے اس کے وجود کو باخیر دیکھا اور اس میں رُشد پایا اور اس کے چہرہ میں صلاحیت کے انوار پائے اور صلحاء کے نشان پائے۔ پھر مَیں نے اس کے حال اور قال میں غور کی اور اس کے ظاہر اور باطن میں تفحص کیا اور اس نور اور الہام کے ساتھ دیکھا جو مجھ کو عطا کیا گیا ہے۔ سومَیں نے مشاہدہ کیا کہ وہ حقیقت میں نیک ہے اور متانت عقل اس کو حاصل ہے اور آدمی نیک بخت ہے جس نے جذبات نفس پر لات ماری اور ان کو الگ کر دیا ہے اور ریاضت کش انسان ہے۔ پھر خدا نے اس کو کچھ حصہ میری شناخت کا عطا کیا، سو وہ بیعت کرنے والوں میں داخل ہو گیا۔ اور خدا تعالیٰ نے ہماری معرفت کی باتوں میں سے ایک عجیب دروازہ اس پر کھول دیا۔ اور اس نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام ''ایقاظ الناس'' رکھا اور وہ کتاب اس کے وسعت معلومات پر دلیل واضح ہے اور اس کی رائے صائب پر ایک روشن حجت ہے اور وہ کتاب ہر ایک مباحث کے لئے ہر ایک میدان میں کفایت کرتی ہے۔ اور جب اس نے اس کتاب کا تالیف کرنا شروع کیا تو بہت سی کتابیں حدیث اور تفسیر کی جمع کیں اور ہر ایک امر میں پوری پوری غور کی سو یہ کتاب اس کے فکروں کا ایک دودھ اور اس کی نظروں کا ایک نور ہے اور عارف کی علامت اس کی معرفت کی باتیں ہی ہوتی ہیں۔ اور جب میں نے اس کی کتاب کو پڑھا اور صفحہ صفحہ کر کے اس کے باب دیکھے اور اس کی چادر اٹھائی تو مَیں نے

اس کے بیان کو ملیح پایا اور اس کی شان کی مَیں نے تعریف کی اور مَیں نے اس میں کوئی ایسی بات نہ پائی جو اس کو بٹہ لگائے۔ اور مَیں دعا کرتا ہوں کہ خدا اس کی کتاب کو میری کتابوں کے ساتھ شائع کرے اور اس میں قبولیت رکھ دیوے اور اس میں اپنی طرف سے ایک روح داخل کرے اور بعض دل پیدا کرے جو اس کی طرف جھک جاویں۔ اور اس کے مؤلف کو دونوں جہانوں میں بدلہ دے اور اس کے مقاصد میں برکت ڈالے اور اس کو مقبولوں میں داخل کرے۔ اور جب وہ اپنی تالیف سے فارغ ہوا تو اس کے اخلاص نے اس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ ہماری معرفت کی باتوں کو اپنے وطن کے علماء تک پہنچاوے اور ہماری خبریں ان میں پھیلاوے۔ اور منادی بن کر ہر ایک طرف آوازیں پہنچاوے اور کتابوں کو شائع کرے تا ان لوگوں پر حقیقت کھل جاوے اور یہ وہی مراد ہے جس کے لئے ہم دن رات دعائیں کرتے تھے۔

اور مَیں دیکھتا ہوں کہ یہ شخص اپنے قول اور وعدہ میں مرد صادق ہے۔ بیہودہ کلام سے پرہیز کرتا ہے۔ اور زبان کو ہر ایک چراگاہ میں مطلق العنان نہیں چھوڑتا اور خدا تعالیٰ نے ہماری محبت اس کے دل میں ڈال دی۔ سو ہم سے وہ محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے۔ جو کچھ اس نے کہا اور وعدہ کیا میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ اس کا اہل ہے اور جیسا کہ کہا ویسا ہی کرے گا اور میں امید رکھتا ہوں کہ خدا اس کو ہمارے بیج کی نشو ونما اور تروتازگی کا باعث کرے اور ہمارا دودھ اس کے ذریعہ سے خوشگوار ہو جاوے۔ اور خدا سب مسبّبوں سے نیک تر ہے۔ اور مَیں نے دیکھا کہ یہ شخص ریاضت کش اور صابر ہے شکوہ اور جزع فزع اس کی سیرت نہیں اور میں نے بارہا دیکھا کہ یہ شخص ادنیٰ چیزوں کے کھانے پر کفایت کرتا ہے اور ایسا ہی ادنیٰ ملبوسات پر اگر لحاف نہ ہو تو اس کو مانگتا نہیں بلکہ دھوپ میں بیٹھنے اور آگ سینکنے سے گزارہ کر لیتا ہے اور تکلیف اٹھا کر اپنے تئیں سوال سے باز رکھتا ہے۔ مَیں نے اس میں فروتنی اور حلم اور انابت اور نرمیٔ دل کو پایا اور خدا بہتر جانتا ہے اور وہ اس کا حسیب ہے۔ مَیں نے جو دیکھا سو کہا۔ پس خدا کی رحمت سے کچھ تعجب مت کرو کہ وہ اس شخص کی سعی سے ان حرجوں کو اٹھاوے جو ہمیں پہنچ گئے۔ اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے جس بات کو وہ چاہے کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور جو کچھ وہ دیوے کوئی اس کو رد نہیں کرسکتا۔ وہ اپنے دین کا حافظ ہے اور تمام ان

لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اس کے دین کی مدد کریں۔

اور بھائیو یہ بھی تمہیں معلوم رہے کہ دیار عرب میں کتابوں کے شائع کرنے کا معاملہ اور ہماری کتابوں کے عمدہ مطالب عرب کے لوگوں تک پہنچانا کچھ تھوڑی سی بات نہیں بلکہ ایک عظیم الشان امر ہے اور اس کو وہی پورا کرسکتا ہے جو اس کا اہل ہو۔ کیونکہ یہ باریک مسائل جن کے لئے ہم کافر ٹھہرائے گئے اور جھٹلائے گئے کچھ شک نہیں کہ وہ عرب کے علماء پر بھی ایسے سخت گزریں گے جیسا کہ اس ملک کے مولویوں پر سخت گزر رہے ہیں۔ بالخصوص عرب کے اہل بادیہ کو تو بہت ہی ناگوار ہوں گے کیونکہ وہ باریک مسائل سے بے خبر ہیں اور وہ جیسا کہ حق سوچنے کا ہے سوچتے نہیں اور ان کی نظریں سطحی اور دل جلد باز ہیں مگر ان میں قلیل المقدار ایسے بھی ہیں جن کی فطرتیں روشن ہیں اور ایسے لوگ کم پائے جاتے ہیں۔

سو ان مشکلات کی وجہ سے جو تم سن چکے مصلحت دینی نے تقاضا کیا جو اس کام کے لئے ہم اس عالم مذکور کو منتخب کریں جس کا نام محمد سعیدی النشار الحمیدی الشامی ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس کا وجود اس مہم کے لئے از بس غنیمت ہے اور اس کا اس جگہ آنا خدا تعالیٰ کے فضل میں سے ہے اور وہ نیک دل اور بہت اچھا آدمی ہے اور اس طرف ضرورت بھی سخت ہے پس شاید خدا اس کے ہاتھ پر ہمارے کام کی اصلاح کرے اور وہ اس تقریب سے اپنے وطن میں پہنچ جاوے اور سفر کی سخت مشقتوں سے نجات پاوے اور وطن اور دوستوں کی جدائی سے بھی رہائی ہو اور تم کو خدا تعالیٰ سے اجر ملے۔ اور مَیں نے صرف اللہ کے لئے یہ باتیں کی ہیں اور مَیں نے امانت سے نصیحت کرنے والا ہوں۔ اور وہ لوگ جن کا یہ گمان ہے کہ عرب کے لوگ قبول نہیں کریں گے اور نہ سنیں گے پس ہمارے پاس اس نادانی کا بجز اس کے اور کوئی جواب نہیں کہ ہم ان کے اس خیال پر لاحول پڑھیں اور ان کی سمجھ پر اِنَّا لِلّٰہ کہیں۔ کیا انہیں جانتے کہ عرب کے لوگ حق کے قبول کرنے میں ہمیشہ اور قدیم زمانہ سے پیش دست رہے ہیں بلکہ وہ اس بات میں جڑ کی طرح ہیں اور دوسرے ان کی شاخیں ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ ہمارا کاروبار خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت ہے اور عرب کے لوگ الٰہی رحمت کے قبول کرنے کے لئے سب سے زیادہ حقدار اور قریب اور نزدیک ہیں اور مجھے خدا تعالیٰ کے فضل کی خوشبو آ رہی ہے۔ سو تم نو امیدی کی باتیں مت کرو اور ناامیدوں میں سے مت ہو جاؤ اور بدگمانیوں میں مت پڑو اور بعض ظن گناہ ہیں۔ سو

تم ایسے ظن مت کرو جن سے بدگمان انسان کی ایمانی زمین ہل جاتی ہے اور نیت صالحہ میں جنبش آ جاتی ہے اور شیطانی وساوس بڑھتے ہیں۔ اور خدا کے توکل پر کھڑے ہو جاؤ اور کوئی نیکی کرلو جو کر سکتے ہو اور اپنے بھائی کے لئے کچھ زادِ سفر بہم پہنچاؤ جو اس کے سفر بحری اور بری کے لئے کافی ہو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو اور تمہیں توفیق دے ....اور چاہئے کہ بھیجنے والے بھیجنے کے لئے جلدی کریں کیونکہ وقت تنگ ہے اور مہمان عزیز سفر کو تیار ہے اور ہم پر واجب ہو چکا ہے کہ جو غفلت میں ہیں ان کو بہت جلد متنبہ کریں۔ پس مناسب نہیں کہ تم سستی کر کے بیٹھے رہو بعد اس کے جو میں نے اس امر کی ضرورت بیان کر دی۔ پس تم مدد کے لئے آگے قدم بڑھاؤ اور مت پیچھے ہٹو اور ہاتھوں کو جھاڑو تا مدد دیئے جاؤ اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ایک دوسرے سے سبقت کرو"۔

(اردو ترجمہ منقول از نور الحق حصہ اوّل، روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 19 تا 29)

سیرۃ المہدی کی روایات میں آپ کا ذکر

سیرۃ المہدی کی بعض روایات میں حضرت محمد سعید الشامی صاحب کے حوالے سے بعض روایات کا ذکر ملتا ہے جس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت طیبہ کے بعض پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے، یہ روایات درج ذیل ہیں:

"منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک شخص محمد سعید صاحب عرب تھے اور وہ ڈاڑھی منڈوایا کرتے تھے۔ جب وہ قادیان میں زیادہ عرصہ رہے تو لوگوں نے انہیں داڑھی رکھنے کے لئے مجبور کیا۔ آخر انہوں نے داڑھی رکھ لی۔ ایک دفعہ میرے سامنے عرب صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ حضور میری داڑھی دیکھیں ٹھیک ہے۔ آپ نے فرمایا اچھی ہے اور پہلے کیسی تھی۔ گویا آپ کو یہ خیال ہی نہ تھا کہ پہلے یہ داڑھی منڈایا کرتے تھے۔" (سیرۃ المہدی روایت نمبر 1105)

منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دن محمد سعید صاحب عرب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اپنی داڑھی کے متعلق پوچھا۔ اُس وقت ایک شخص نے عرض کی کہ حضور داڑھی کتنی لمبی رکھنی چاہئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں داڑھیوں کی

اصلاح کے لئے نہیں آیا۔ اس پر سب چپ ہو گئے۔ (سیرۃ المہدی روایت نمبر 1106)

❁ میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عرب غالباً اس کا نام محمد سعید تھا۔ قادیان میں دیر تک رہا تھا۔ ایک روز حضور علیہ السلام بعد نماز مسجد مبارک میں حاضرین مسجد میں بیٹھے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک فرما رہے تھے کہ اس عرب کے منہ سے یہ فقرہ نکل گیا کہ ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غریب تھے۔'' پس عرب کا یہ کہنا ہی تھا کہ حضور علیہ السلام کو اس قدر رنج ہوا کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور محمد سعید عرب پر وہ جھاڑ ڈالی کہ وہ متحیر اور مبہوت ہو کر خاموش ہو گیا اور اس کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا۔ فرمایا کہ ''کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غریب تھا جس نے ایک رومی شاہی ایلچی کو اُحد پہاڑ پر سارا کا سارا مال مویشی عطا کر دیا تھا وغیرہ۔ اس کو مال دنیا سے لگاؤ اور محبت نہ تھی۔'' (سیرۃ المہدی روایت نمبر 1246)

ایک روایت اور وضاحت

حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

غالباً 1894ء کے قریب دو عرب شامی جو علوم عربیہ کے ماہر اور فاضل تھے قادیان آئے، ایک عرصہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں رہے۔ ہر دو کا نام محمد سعید تھا اور طرابلس علاقہ شام کے رہنے والے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب شاعر بھی تھے۔ مالیر کوٹلہ میں ایک ہندوستانی لڑکی سے حضرت نواب محمد علی رضی اللہ عنہ نے شادی کروا دی۔ دوسرے محمد سعید نے ایک رسالہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تائید میں تصنیف کیا تھا اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تحریر جو بصورت رسالہ چھپی تھی لے کر اپنے وطن ملک شام سلسلہ کی تبلیغ کے واسطے چلے گئے۔ (ذکر حبیب صفحہ 42)

اسی مضمون کی سیرۃ المہدی کی ایک روایت یوں ہے:

''حافظ نور محمد صاحب نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک نوجوان عرب جو حافظ قرآن اور عالم تھا، آ کر رہا اور آپ کی تائید میں اس نے ایک عربی رسالہ بھی تصنیف کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی شادی کا فکر کیا۔ میرے

گھر کے ایک حصہ میں میرے استاد حافظ محمد جمیل صاحب مرحوم رہا کرتے تھے۔ ان کی بیوی کی ایک ہمشیرہ نوجوان تھی۔ حضرت صاحب نے ان کو رشتہ کے لئے فرمایا۔ انہوں نے جواباً عرض کیا کہ لڑکی کے والد سے دریافت کرنا ضروری ہے۔ لیکن مَیں حضور کی تائید کروں گا۔ اتنے میں خاکسار حسب عادت قادیان گیا۔ جب مَیں نے مسجد مبارک میں قدم رکھا۔ تو اس وقت حضرت صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور وہ عرب صاحب موجود تھے۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ کہ ’’ هٰذَا رَجُلٌ حَافِظُ نُوُر مُحَمَّد ‘‘ اور حضور نے فرمایا۔ کہ میاں نور محمد آپ عرب صاحب کو ہمراہ لے جائیں اور وہ لڑکی دکھلا دیں۔ بعد نماز ظہر مَیں عرب صاحب کو ساتھ لے کر فیض اللہ چک کو روانہ ہوا۔ آپ کے ارشاد کے ماتحت کارروائی کی گئی۔ مگر انہوں نے پسند نہ کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السَّلام نے ان کی شادی مالیر کوٹلہ میں کرادی۔‘‘

(سیرۃ المہدی روایت نمبر 508)

حضرت مفتی صاحب کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ دو محمد سعید نامی عرب احمدی ہوئے تھے۔ ایک شاعر تھے جو شادی کر کے ہندوستان میں ہی رہ گئے۔ جبکہ دوسرے وہ ہیں جنہوں نے حضورؑ کی تائید میں ایقاظ الناس رسالہ لکھا اور بعد ازاں اپنے وطن ملک شام سلسلہ کی تبلیغ کے واسطے چلے گئے۔ لیکن سیرۃ المہدی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ایقاظ الناس رسالہ لکھنے والے محمد سعید صاحب کی شادی ہندوستان میں ہوئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب نور الحق میں جس محمد سعید الشامی کا ذکر کیا ہے وہ رسالہ ایقاظ الناس کے مصنف ہیں، اور آپؑ نے انکے شاعر ہونے کا ذکر نہیں فرمایا، جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب کرامات الصادقین کے آخر پر محمد سعید الشامی صاحب کے بعض قصائد درج ہیں جن میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی بعض عربی کتب کی بہت زیادہ تعریف وتوصیف بیان کی ہے۔ اسی طرح مکرم مولوی حافظ محمد یعقوب صاحبؓ آف دیرہ دون نے جب آپؓ کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ارسال کیا تو لکھا کہ شامی ہیں، سیدی ہیں، بڑے ادیب ہیں۔ ہزاروں اشعار عرب عاربہ کے حفظ ہیں۔ لیکن یہ نہیں لکھا کہ آپ خود بھی بڑے شاعر ہیں۔

ان تمام روایات اور حقائق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد سعید الشامی الطرابلسی

جو کچھ عرصہ رہ کر تبلیغ کی غرض سے واپس اپنے ملک چلے گئے وہ بڑے ادیب فاضل اور عالم بزرگ تھے جنہوں نے حضورؑ کی تائید میں ایقاظ الناس رسالہ لکھا۔جبکہ دوسرے محمد سعید صاحب شاعر تھے جنکی شادی مالیر کوٹلہ میں ہوئی۔

شاید نام کی مماثلت اور ایک ہی ملک سے تعلق رکھنے کی وجہ سے سلسلہ کے لٹریچر میں اکثر اوقات ایک ہی محمد سعید الشامی کو جملہ صفات کا حامل قرار دیا گیا ہے۔علاوہ ازیں یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ ایقاظ الناس رسالہ کے مصنف محمد سعید الشامی صاحب شاعر بھی ہوں اور ان کے اوصاف وواقعات اس لئے محفوظ رہ گئے کیونکہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کا ثمرہ بنے اور بعد میں اپنے ممالک میں حضورؑ کی کتب شائع کرنے کی کوششیں کرتے رہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے صحابہ کے درمیان تشریف فرما ہیں۔آپ کے
پیچھے کھڑے ہوئے ترکی ٹوپی والے صحابی حضرت عبداللہ العربؓ صاحب ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے صحابہ کے درمیان تشریف فرما ہیں، حضرت عبداللہ العربؓ آپؑ کے پیچھے کھڑے ہوئے صحابہ کرامؓ میں دائیں سے دوسرے نمبر پر ہیں۔

حضرت عبداللہ العرب صاحبؓ

آپ کا زمانہ بیعت بھی 1891ء سے 1893ء کے درمیانی عرصہ کا ہے کیونکہ آپ کا ذکر حضرت اقدس نے حَمَامَةُ الْبُشْریٰ میں فرمایا ہے جو کہ 1893ء کی تصنیف ہے۔

آپ بہت بڑے تاجر تھے اور بلاد سندھ کے ایک بہت مشہور پیر جن کا نام پیر صاحبِ علم تھا، کے مرید خاص تھے۔ان پیر صاحب کے پیروکاروں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی (یہ پاکستان کے مشہور سیاسی لیڈر پیر صاحب پگاڑا کے آباء میں سے تھے)۔ان پیر صاحب کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو انہوں نے آپؐ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں دریافت کیا،اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خواب میں جواب دیا کہ یہ سچا ہے اور خدا کی طرف سے ہے۔

اس پر ان پیر صاحب نے اپنے دو خاص مرید عبد اللطیف اور عبداللہ العرب صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا جو آپؑ سے فیروز پور میں ملے اور عرض کی کہ اس طرح ہمارے پیر صاحبِ علم نے خواب میں دیکھا ہے اور انہیں آپ کی صداقت میں ادنیٰ شک بھی نہیں رہا لہٰذا انہوں نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا تا یہ عرض کریں کہ ہم آپ کے حکم اور اشارہ کے غلام ہیں جیسے آپ ارشاد فرمائیں گے ہم ویسا کرنے کے لئے تیار ہیں۔اگر آپ ہمیں یہ فرمائیں کہ جاؤ امریکا کی سرزمین کی طرف سفر کرو تو ہمیں اس میں ذرا بھی تأمل نہیں ہوگا بلکہ آپ اس معاملہ میں ہمیں کامل اطاعت کرنے والا پائیں گے۔

(ماخوذ از حمامة البشریٰ، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 309-310)

......حضرت عبد اللہ العرب صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں

آ کرر ہے۔ ان کا سابقہ مسلک شیعہ تھا اور جب احمدیت قبول کی تو کئی دفعہ اپنے سابقہ عقیدہ پر بہت پشیمان ہوتے تھے۔

۞......ایک دفعہ انہوں نے اپنے شیعہ عقیدہ ’’تقیہ‘‘ کے حالات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کئے پھر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے ان کو نجات دی۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:

’’خدا تعالیٰ کا بڑا فضل ہے جب تک آنکھ نہ کھلے انسان کیا کر سکتا ہے‘‘۔

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 173)

۞......حضرت اقدس کے ایماء پر عبداللہ العرب صاحب نے کشتی نوح کے چند اوراق کا ترجمہ عربی زبان میں کیا اور پھر حضرت اقدس کو سنایا تو حضرت اقدس نے فرمایا:

’’اگر یہ مشق کر لیں کہ اُردو سے عربی اور عربی سے اردو ترجمہ کر لیا کریں تو ہم ایک عربی پرچہ یہاں سے جاری کر دیں۔‘‘

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 166)

۞......سید عبداللہ العرب صاحب نے ایک رسالہ ایک شیعہ علی حائری کے ردّ میں عربی زبان میں لکھا تھا جس کا نام سبیل الرشاد رکھا تھا، جب یہ رسالہ انہوں نے حضرت اقدس کو سنایا تو حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ ساتھ ساتھ اُردو ترجمہ بھی کرتے جاؤ تا کہ تم کو مشق ہو مگر عرب صاحب کو جرأت نہ ہوئی کہ اتنی مجلس میں ترجمہ ٹوٹی پھوٹی اُردو میں سناویں۔ یہ رسالہ سن کر حضرت اقدس نے تعریف کی کہ:

’’عمدہ لکھا ہے اور معقول جواب دیئے ہیں‘‘۔

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 168-169)

۞......10 رستمبر 1901ء کو سید عبداللہ عرب صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا کہ مَیں اپنے ملک عرب میں جاتا ہوں وہاں میں ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں؟

فرمایا: مصدقین کے سوا کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔

عرب صاحب نے عرض کیا وہ لوگ حضور کے حالات سے واقف نہیں ہیں اور ان کو تبلیغ

نہیں ہوئی۔

فرمایا: ان کو پہلے تبلیغ کر دینا پھر یا وہ مصدق ہو جائیں گے یا مکذّب۔

عرب صاحب نے عرض کیا کہ ہمارے ملک کے لوگ بہت سخت ہیں اور ہماری قوم شیعہ ہے۔

فرمایا: تم خدا کے بنو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس کا معاملہ صاف ہو جائے اللہ تعالیٰ آپ اس کا متولی اور متکفل ہو جاتا ہے۔

(از ملفوظات جلد 2 صفحہ 343)

علاوہ ازیں سلسلہ کی تاریخ میں دو ایسے اصحاب کا ذکر بھی ملتا ہے جن کا تعلق بغداد سے تھا اورانہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں شمولیت کی سعادت حاصل کی۔ان دو اصحاب کے جس قدر حالات ملتے ہیں وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

حضرت حاجی مہدی صاحب عربی بغدادیؓ نزیل مدراس

تعارف وبیعت:

آپ کا تعارف عربی بغدادی کے طور پر ہوا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے 31/جولائی 1897ء کے مکتوب بنام سیٹھ عبد الرحمٰنؓ مدراس میں ذکر ہے کہ آپ نے ایک فضیلت والی مسجد کیلئے چندہ کی تحریک کی تھی جس کا تذکرہ براہین احمدیہ میں ہے۔اس پر حاجی مہدیؓ نے بھی چندہ دیا۔ اس کا ذکر حضرت اقدس نے اپنے9/اکتوبر 1897ء کے مکتوب میں فرمایا ہے۔مزید برآں آپ نے 22/نومبر 1898ء کے خط میں حضرت حاجی مہدیؓ کے پچاس روپیہ بھجوانے کی رسید لکھی ہے۔آپ مدراس میں وارد ہوئے ،اور مدراس کے دیگر مبایعین کے ساتھ ہی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی۔

حضرت اقدسؑ کی کتب میں ذکر

حضرت اقدس علیہ السلام نے آپ کا ذکر 'سراج منیر' میں چندہ دہندگان کے ضمن میں کیا ہے۔

(ماٴ خذ ضمیمہ انجام آتھم ،سراج منیر، ذکر حبیب ،مکتوبات احمدیہ جلد پنجم حصہ اول صفحہ 10، 22، بحوالہ تین سو تیرہ اصحاب صدق وصفا از نصر اللہ خان ناصر وعاصم جمالی صفحہ 170)

حضرت عبدالوہاب صاحب بغدادیؓ

حضرت عبدالوہاب صاحب بغدادی سیاحت یا کاروبار کے لئے ملک ہند میں وارد ہوئے اور قبول حق کی توفیق پائی۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے کتاب البریہ میں آپ کا نام قاضی عبدالوہاب نائب قاضی ضلع بلاسپور ممالک متوسط 268 نمبر پر درج فرمایا ہے۔ (ممالک متوسط Middle East کو کہتے ہیں اور شاید بغداد کا علاقہ اس میں شامل تھا۔ واللہ اعلم بالصواب)۔

(بحوالہ تین سو تیرہ اصحاب صدق وصفا از نصراللہ خان ناصر وعاصم جمالی صفحہ 306)

حضرت سید علیؓ ولد شریف مصطفیٰ عرب

حضرت سید علی ولد شریف مصطفیٰ عرب صاحب کی بیعت بھی غالباً 1891ء تا 1893ء کے درمیانی عرصہ کی ہے جس عرصہ میں حضرت شیخ محمد بن احمد مکی صاحب نے بیعت کی۔ ان کا ایک خط حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ''سچائی کا اظہار'' میں درج فرمایا ہے جو کہ 1893ء کی تالیف ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں:

خلاصہ خط ایک عالم عربی سید علی ولد شریف مصطفٰے عرب:

سید صاحب عرب نے اپنے ایک لمبے خط میں بہت سے اشعار قصیدہ نعتیہ کے طور پر اور ایک لمبی عبارت نثر میں بطور مدح لکھی ہے چنانچہ اس کی طوفانی عبارتوں میں سے ایک یہ عبارت بھی ہے:۔

> إلى جناب الأجلّ الناقد البصير طود العقل الغزير و كوكب الشرق المنير۔۔۔الإلهام ركن الدولة الأبدية سلطان الرعية الإسلامية ميرزا غلام أحمد۔ فضائله تلوح كالكوكب فى الآفاق للجاهل والعاقل بحر الندى الذى لا يرى له الساحل ومنبع العلوم والعطايا التى هى صافية المناهل۔

امید ہے کہ کسی دوسرے موقعہ پر اس فاضل عرب کا قصیدہ اور مفصل خط بھی چھاپ دیا جائے گا۔ بالفعل بطور شہادت اسی قدر کافی ہے۔ (سچائی کا اظہار، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 76 تا 80)

اس خط میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مشرق کا درخشندہ ستارہ، صاحب الہام، ابدی سلطنت کے شہنشاہ جیسے عظیم القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی کہا ہے کہ آپ کے علمِ باصفا کے سمندر کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔

حضرت سید علیؓ عرب صاحب کے بارہ میں مزید معلومات میسر نہیں آسکیں۔

حضرت عثمان عرب صاحبؓ

حضرت عثمان عرب رضی اللہ عنہ کا تعلق طائف شریف سے تھا۔ ان کی بیعت ابتدائی زمانہ کی ہے۔ ان کے بارہ میں مزید تفصیلات میسر نہیں آ سکیں، ان کا ذکر حضورؑ نے ضمیمہ انجام آتھم میں 313 صحابہ میں 292 نمبر پر کیا ہے۔ اور انجام آتھم آپؑ نے 1896ء میں تالیف فرمائی تھی۔

(انجام آتھم، روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 328)

حضرت عبدالمحی عرب الحویریؓ

تعارف اور بیعت

آپ کا تعلق بھی عراق سے تھا اور شیعوں سے احمدی ہوئے تھے۔آپ کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔سیرۃ المہدی کی روایت نمبر 1200 میں آپ کی بیعت کا واقعہ اس طرح سے درج ہے:

''ملک مولا بخش صاحب پنشنر نے بذریعہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر بذریعہ تحریر بیان کیا کہ ایک صاحب عبدالمحی عرب قادیان میں آئے تھے۔انہوں نے سنایا کہ میں نے حضرت اقدس کی بعض عربی تصانیف دیکھ کر یقین کرلیا تھا کہ ایسی عربی بجز خداوندی تائید کے کوئی نہیں لکھ سکتا۔ چنانچہ میں قادیان آیا۔ اور حضور سے دریافت کیا کہ کیا یہ عربی حضورؑ کی خود لکھی ہوئی ہے۔حضورؑ نے فرمایا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے فضل وتائید سے۔اس پر میں نے کہا کہ اگر آپ میرے سامنے ایسی عربی لکھ دیں تو میں آپ کے دعاوی کو تسلیم کرلوں گا۔حضور نے فرمایا یہ تو اقتراحی معجزہ کا مطالبہ ہے۔ایسا معجزہ دکھانا انبیاء کی سنت کے خلاف ہے۔ میں تو تب ہی لکھ سکتا ہوں جب میرا خدا مجھ سے لکھوائے۔اس پر میں مہمان خانہ میں چلا گیا اور بعد میں ایک چٹھی عربی میں حضور کو لکھی۔جس کا حضور نے عربی میں جواب دیا۔ جو ویسا ہی تھا۔ چنانچہ میں داخل بیعت ہوگیا۔''

شادی اور بعض سعادتوں کا ذکر

اسی طرح سیرۃ المہدی ہی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی زندگی میں ہی آپ کی شادی ریاست پٹیالہ کے ایک گھرانے میں ہوئی تھی،لیکن یہ شادی چل

نہ سکی اور علیحدگی ہوگئی۔ایسا لگتا ہے کہ عبدالمحیی عرب صاحب بھی بیعت کے بعد قادیان کے ہی ہوکر رہ گئے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے عہد مبارک میں آپ کا ذکر متعدد امور کے ضمن میں بار بار آتا ہے۔عبدالمحیی عربؓ نے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد رضی اللہ عنہ کے ساتھ 1912 میں عہد خلافت اولیٰ میں سفر بلاد عربیہ اور حج بھی کیا۔

آپ کو جماعت احمدیہ کے پہلے عربی رسالہ ''مصالح العرب'' کے مدیر ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

سیرۃ المہدی میں ایک اور روایت میں آپ کے حوالے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جود وسخا کا ذکر اس طرح ہوا ہے:

''ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ عبدالمحیی صاحب عرب نے مجھ سے ایک روز حضرت خلیفہ اوّلؓ کے زمانہ میں ہی ذکر کیا کہ حضرت صاحب کی سخاوت کا کیا کہنا ہے۔ مجھے کبھی آپ کے زمانہ میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ جو ضرورت ہوتی۔ بلا تکلف مانگ لیتا اور حضور میری ضرورت سے زیادہ دے دیتے اور خود بخود بھی دیتے رہتے۔ جب حضور کا وصال ہو گیا تو حضرت خلیفہ اوّلؓ حالانکہ وہ اتنے سخی مشہور ہیں میری حاجت براری نہ کر سکے۔آخر تنگ ہوکر مَیں نے ان کو لکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلیفہ تو بن گئے مگر میری حاجات پوری کرنے میں تو ان کی خلافت نہ فرمائی۔ حضرت صاحب تو میرے ساتھ اس طرح کا سلوک کیا کرتے تھے۔اس پر حضرت خلیفہ اوّلؓ نے میری امداد کی۔مگر خدا کی قسم! کہاں حضرت صاحب اور کہاں یہ۔اُن کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔''

(مآخذ تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 410۔سیرت المہدی روایت نمبر 562و1200و1273)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں آپؓ کا ذکر

آپ کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب نزول المسیح میں پیشگوئی نمبر 90 کے گواہان میں کیا ہے جہاں آپ کا نام یوں تحریر ہے: ''سید عبدالمحیی عرب حویری''۔

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 ص 594)

اسی طرح آپ کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی میں سخت زلزلہ والی پیشگوئی مورخہ 28/فروری 1907ء کے قبل از وقت سُننے والے گواہوں میں فرمایا ہے۔ چنانچہ تتمہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 کے صفحہ 491 پر آپ کا نام یوں تحریر ہے: ''عبدالمحیی عرب مصنف لغات القرآن۔''

حضور علیہ السلام کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالمحیی عرب صاحب نے لغات قرآن کی تالیف بھی فرمائی۔ استاذی المکرّم والمحترم سید میر محمود احمد صاحب ناصر سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ نے ایک دفعہ بتایا تھا کہ انہوں نے اس لغات قرآن کا وہ نسخہ بھی دیکھا ہے جو حضرت عبدالمحیی عرب صاحب نے حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا اور اس پر اپنے دستخط بھی کئے تھے۔

سلسلہ کی تاریخ میں عبدالمحیی عرب کو عبدالحی عرب بھی لکھا گیا ہے، جیسا کہ حیات نور میں ہے، لیکن دراصل یہ حضرت عبدالمحیی عرب صاحب ہی کی شخصیت ہے جنہیں حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ سفرِ حج پر جانے کی سعادت ملی۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اپریل 1912 میں ایک وفد کے ہمراہ ہندوستان کے دینی مدارس کا دورہ کیا۔اس دورہ کے دوران لکھنؤ میں لی گئی ایک تصویر

کرسیوں پر دائیں سے بائیں:

حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ

عرفانی صاحبؓ کے ساتھ کھڑے ہوئے:

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ، حضرت قاضی سید امیر حسین صاحبؓ، اور عقب میں دائیں سے دوسرے نمبر پر حضرت سید عبدالحیی العرب صاحبؓ کھڑے ہیں۔

(باقی لکھنؤ جماعت کے بعض مخلص احباب جماعت)

حضرت سیٹھ ابوبکر یوسف صاحب رضی اللہ عنہ

حضرت سیٹھ ابوبکر یوسفؓ

تعارف اور ابتدائی خاندانی حالات

حضرت ابوبکر یوسف صاحب رضی اللہ عنہ المعروف بہ سیٹھ ابوبکر یوسف آف جدہ ابن مکرم محمد جمال یوسف صاحب مرحوم و مغفور متوطن و متولد پٹن ضلع گجرات احمد آباد ریاست بڑودہ ہندوستان۔آپ کی تاریخ پیدائش غالباً 1865 بنتی ہے۔

آپ صدیقی النسب تھے اور قبولیت احمدیت سے پہلے رفاعی الطریقت اور حنفی المشرب تھے۔اولاً رفاعی خاندان کے خلیفہ محمد زاہد سے اور پھر اسی خاندان کے خلیفہ سید نور الدین رفاعی سے بیعت ہوئے۔گو ہندوستان کے بعض صدیقی النسب اپنے آپ کو خاندان سادات میں شمار کرتے ہیں مگر آپ نے اپنے آپ کو سادات (جنہیں عربوں میں شریف کہتے ہیں) کی طرف منسوب نہیں کیا۔گذشتہ تین سو سال سے آپ کے آباؤ اجداد کے مستقل گھر دو ملکوں میں تھے۔ ایک گھر گجرات کاٹھیاواڑ میں تھا اور ایک عرب میں۔عرب میں آپ کے دو گھر تھے ایک مکہ معظّمہ میں اور دوسرا جدہ میں جو آپ کی تجارت کا مرکز ہونے کی وجہ سے زیادہ معروف و مشہور تھا۔دو ممالک میں گھر ہونے کی وجہ سے عرب سے ہندوستان آپ کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔

اعلیٰ ساکھ کے تاجر اور عالم دین

عرب اور ہندوستان میں آپ ایک بڑی اعلیٰ ساکھ کے مالک تاجر تھے۔کپڑے کی تجارت کا ذکر آپ کی تحریرات سے ملتا ہے۔تاریخ احمدیت حیدر آباد دکن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بمبئی سے سفید جوار لے کر مدینہ کے عربوں میں فروخت کرتے تھے۔اسی طرح چاول اور کالی

مرچ کا بہت بڑا کاروبار تھا مگر زیادہ نام آپ نے ہیرے جواہرات کی تجارت میں کمایا۔

تجارت کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کی تحصیل کی لگن بھی تھی، اور عبادات، مناجات، اور مجاہدات کی طرف بھی رجحان تھا۔ علماءِ وقت کی صحبت اور مجالس میں بیٹھک رہتی تھی اور آپ کو اپنے وسیع حلقہ احباب میں علوم دینیہ میں سند تسلیم کیا جاتا تھا۔ فقہ حنفیہ میں گہرا تفقہ تھا اور عنفوانِ شباب میں جب بیت اللہ اور رضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں قیام کی سعادت نصیب میں آئی تو تصوف میں شغف بڑھا۔

مردِ کامل کی تلاش

ایک تاجر ہونے کی حیثیت سے عامۃ المسلمین کی اخلاقی، علمی، اور روحانی درماندگی سے پالا پڑا اور خصوصًا مسلمان تجار کی دنیا طلبی اور دینی غفلت، حلال وحرام کی تمیز سے لاپرواہی غیر اسلامی مشرکانہ رسومات اور بدعتوں میں دلچسپی دیکھ کر دنیا سے دل اچاٹ ہو گیا اور پھر ایک ایسے مرد کامل فانی فی اللہ کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگے جو امت مسلمہ کی دگرگوں حالت کو بہتری کی طرف لا سکے۔ یہ بھی خیال آتا کہ امام مہدی اور مسیح علیہما السلام کے نزول کا وقت بھی قریب ہے۔ عالم اسلام کی زبوں حالی کے تصور سے آپ کی حالت بسا اوقات خیال گزرتا کہ آپ کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ پھر دعاؤں اور مناجات کی طرف توجہ ہوتی۔ ایک رات کچھ ایسے ہی لمحات میں گزر رہوئی اور جبکہ طلوع فجر کا عمل تھا کہ ایک نظارہ دیکھا جس میں آپ کو روضہء اقدس حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پانچ منور چراغ دکھائے گئے۔ پھر وہی پانچ منور چراغ بارہ چراغوں کی صورت میں نور افشاں کرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ پھر ایک اور چراغ ان سب کے سوا دکھائی دیا جو شعلہ پکڑنے سے پہلے پھڑ پھڑا رہا تھا اور پھر وہ چراغ ایک شان سے بقعۂ نور ہو گیا۔

یہ نظارہ دیکھنے کے بعد یہی خیال آتا رہا کہ بارہ اماموں کا نورانی زمانہ تو گزر چکا ہے اس لئے آخری امام الزمان کے نور کے ظہور کا وقت قریب ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا ظہور ہو چکا ہو۔ اسکی تلاش کرنی چاہئے۔ ایسے میں بالآخر خدا کے فضل نے آپ کی دستگیری فرمائی اور بحمد اللہ بالیقین آپ پر یہ منکشف ہو گیا کہ اس وقت کے ہادی اور امام جس کے ہم منتظر تھے حضرت مرزا

غلام احمد قادیانی علیہ الصلاۃ والسلام ہی ہیں۔

صداقت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان اور بیعت

یوں بفضلہٖ تعالیٰ آپ خدا تعالیٰ کی براہِ راست راہنمائی کے نتیجہ میں 1905 میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کی صداقت پر صدق دل سے ایمان لے آئے تھے، مگر بیعت اس وجہ سے نہ کر سکے کہ آپ کو علم نہ تھا کہ خط کے ذریعہ بھی بیعت کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اسی انتظار میں رہے کہ کب قادیان حاضرِ خدمت ہو کر دستی بیعت کا شرف حاصل کریں۔ مگر 1907 میں جیسے ہی حضرت سیٹھ ابراہیم سے معلوم ہوا کہ عریضہ کے ذریعہ بھی بیعت پیش کی جاسکتی ہے تو آپ نے بلا توقف مکرمی زین الدین محمد ابراہیم کے گھر سے ہی بیعت کا خط تحریر کر دیا اور بیعت کی تحریری منظوری کی اطلاع حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ کے دستخطوں سے جولائی 1907 کے ایک مکتوب گرامی سے ملی۔

دستی بیعت کے لئے قادیان میں ورود

تحریری بیعت کے چند ماہ بعد 15 رستمبر 1907 بروز اتوار ظہر کی نماز سے قبل آپ قادیان دارالأمان حاضر ہوئے اور ظہر کی نماز مسجد مبارک میں حضرت مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ کی امامت میں ادا کی۔

نماز کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام مسجد مبارک میں ہی قعدہ کی صورت میں تشریف فرما ہوئے۔ اور جب آپ کو حضور اقدس کی خدمت میں بالمشافہ حاضری کا شرف حاصل ہوا تو حضور اقدس نے دریافت فرمایا: آپ ہمیں کیسے جانتے ہیں؟ اسی دوران گھر سے پیغام آیا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی علالت شدت پکڑ گئی ہے، چنانچہ حضور اقدس گھر تشریف لے گئے۔

16 رستمبر 1907 کو پیشگوئی کے عین مطابق حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کی وفات حسرت آیات کا افسوسناک سانحہ وقوع میں آیا۔ آپ کو نماز جنازہ میں شمولیت کا موقعہ ملا۔

وفات کے دوسرے یا تیسرے روز سیدنا حضرت اقدس سیر کے لئے تشریف لے گئے جس

میں آپ کو بھی معیت کی سعادت نصیب ہوئی۔

18 ستمبر 1907 کی نماز جمعہ بھی مسجد مبارک میں ہوئی۔ خطبہ جمعہ حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب امروہی نے پڑھایا۔ حضور اقدس امروہی صاحب کے قریب ہی تشریف فرما تھے۔

18 ستمبر 1907 بروز جمعہ کی شام کو آپ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں تحریرًا مراجعت کے لئے اجازت کی درخواست پیش کی۔ اسی خط پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے تحریرًا اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ آپ 19 ستمبر کی صبح کو قادیان سے عازمِ جدّہ ہوئے۔

روانگی کے وقت حضور اقدس علیہ السلام نے اپنی عربی تصنیف ''الاستفتاء'' اور عربی تفسیر سورۃ الفاتحہ (غالبًا کرامات الصادقین یا اعجاز المسیح) کے دس دس نسخے جدّہ اور مکہ میں تقسیم کے لئے مرحمت فرمائے۔

اس پانچ روزہ مقدس صحبت یار کا عرصہ حیات، ایک عظیم لیلۃ القدر کے گراں قدر لمحات کی طرح سابقہ اور بقیہ پوری 80 یا 90 سالہ طویل زندگی سے اپنی برکات میں کہیں زیادہ بارآور تھا۔

نظام وصیت میں شمولیت

25 محرم 1326 یعنی 1908 میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی آپ کو نظام وصیت میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ 1/3 کے موصی تھے اور آپ کا وصیت نمبر 290/040411 ہے اور تاریخ احمدیت کے مطابق آپ کو پہلے عرب موصی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ وصیت کے وقت پٹن، جدّہ اور مکہ میں سکنی جائیداد کے علاوہ جدہ میں تجارتی رأس المال کا اندازہ پچاس ہزار ریال تھا۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہ رأس المال 1908 میں اگر ہندوستانی کرنسی میں لاکھوں میں تھا تو تجارتی ساکھ اس سے کہیں بڑھ کر تھی۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

وفات مسیح موعود علیہ السلام کے بعد خلافت سے تعلق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر آپ کو سخت صدمہ ہوا اس پر مزید صدمہ یہ ہوا کہ آپ کے قبیلہ کے لوگ حضور اقدس علیہ السلام کی زندگی میں قبول احمدیت سے محروم رہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت مفتی محمد صادق رضی اللہ عنہ کے ایک مکتوب گرامی محررہ 13 راگست 1913 سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الأول رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات سے بھی آپ کا خادمانہ ومخلصانہ وفا کا گہرا تعلق استوار رہا۔حضرت خلیفۃ المسیح الأول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آپ کے عریضہ کے جواب میں حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''آپ کا خط ملا۔حضرت خلیفۃ المسیح آپ کے واسطے بہت دعا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں ہم آپ کے واسطے رمضان میں بہت دعا کریں گے۔آپ بڑے مخلص ہیں۔''

احمدی حجاج کرام کی خدمت کی سعادت

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ، حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحب اور حضرت عبد المحیی عرب رضی اللہ عنہم حج کی نیت سے یکم اکتوبر 1912 کو جدّہ پہنچے تو چھ روز تک حضرت ابو بکر یوسف رضی اللہ عنہ کے گھر کو قیام کی سعادت بخشی۔

آپ نے ایک حج حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نیت سے اور ایک حج حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی نیت سے بھی کیا تھا۔جدّہ میں جب تک آپ کا قیام رہا اکثر احمدی حجاج آپ ہی کے گھر میں قیام فرماتے رہے۔

1924 میں مکرمی محمود مجیب اصغر صاحب کی روایت کے مطابق ان کے دادا جان مکرم میاں عبد الرحمٰن بھیروی صاحب نے بھی وہاں قیام فرمایا۔

1927 میں حضرت عبد الرحیم صاحب نیر قادیان سے اور حضرت یعقوب علی عرفانی صاحب لندن سے، نیز ڈاکٹر عبد العزیز سندھی اور انکی اہلیہ حفیظہ صاحبہ عدن سے، ڈاکٹر یوسف زئی صاحب اور ان کی اہلیہ (جو محترم مرزا مہتاب بیگ صاحب ٹیلر ماسٹر کی عزیزہ تھیں) اور انکے بیٹے یحیٰی خان صاحب کے علاوہ سات اور احباب کے قافلہ نے حج کی سعادت پائی اور جدّہ میں آپ ہی کے ہاں قیام کیا۔

ڈاکٹر عبد العزیز صاحب نے آپ کو اپنی کتاب میں امیر الحجاج کے لقب سے خطاب کیا ہے۔بہر حال کثرت سے آپ کے گھر پر احمدی حجاج قیام فرمایا کرتے تھے۔

این سعادت بزور باز و نیست

جہاں آپ کے خاندانِ حضرت مسیح پاک اور آپ کے کبار صحابہ اور مخلص احباب جماعت حجاج کی خدمت گزاری کی سعادت حاصل ہوئی وہاں آپ کی انتہائی خوش نصیبی کی بات یہ ہے کہ یکم فروری 1926 کو آپ کی بیٹی الحاجہ سیدہ عزیزہ بیگم المعروف بہ ام وسیم صاحبہ کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنے عقد زوجیت میں قبول فرمایا اور اس طرح آپ کی بیٹی بطور حرم خامس حضرت مصلح موعود کی طرف منسوب ہو کر ''خواتین مبارکہ'' کے مقدس زمرہ میں شامل ہوئیں اور امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درخت وجود کی سرسبز شاخ بننے کی سعادت دارین پائی۔

این سعادت بزور باز و نیست گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس مقدس جوڑے کی مبارک نسل سے صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب مرحوم ومغفور درویش قادیان و امیر جماعت قادیان و ناظر اعلیٰ صدر انجمن بھارت اور صاحبزادہ مرزا نعیم احمد صاحب مرحوم ومغفور افسر امانت تحریک جدید پیدا ہوئے۔

حضرت سیٹھ ابوبکر یوسف صاحبؓ کی ایک بیٹی الحاجہ حلیمہ یوسفیہ مکرمی شیخ بشیر احمد صاحب مرحوم ومغفور ایڈووکیٹ، امیر جماعت احمدیہ لاہور سے بیاہی گئیں۔اور آپ کے ایک بیٹے (سید کمال یوسف صاحب) کے والد ماجد مکرمی محمد سعید یوسف صاحب مرحوم ومغفور کی شادی حضرت مولوی محمد سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ و پرنسپل جامعہ احمدیہ کی بیٹی الحاجہ سیدہ حلیمہ بیگم صاحبہ سے ہوئی۔

مکرم ومحترم چوہدری محمد شریف صاحب مبلغ فلسطین و گیمبیا کی روایت کے مطابق فلسطین جماعت کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب کشتی نوح کا عربی ترجمہ جب پہلی بار فلسطین سے شائع ہوا تو اس کی اشاعت کے اخراجات محمد سعید یوسف صاحب مرحوم نے پیش کئے تھے۔

ابوبکر یوسف صاحب کی بہو اور محمد سعید یوسف صاحب کی اہلیہ مبلغ سلسلہ مکرم سید کمال یوسف صاحب کی والدہ ماجدہ تھیں۔ ان کا ایک رضاعی تعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

مقدس خاندان سے یوں بھی تھا کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے پہلوٹھے فرزند صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب مرحوم کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریک پر حضرت مولوی محمد سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ (نانی جان سید کمال یوسف صاحب) نے دودھ پلایا تھا اور اس طرح والدہ صاحبہ سید کمال یوسف صاحب حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب مرحوم کی رضاعی بہن تھیں۔

قادیان میں مستقل سکونت

اگر چہ جدہ میں اس وقت کے شریف مکہ سے حضرت ابو بکر یوسف صاحب کے گہرے روابط تھے اور شاہی خاندان میں اٹھنا بیٹھنا تھا مگر پھر کسی وقت حالات میں تغیر آیا اور آپ قبول احمدیت کی وجہ سے جدہ سے ملک بدر کر دیئے گئے۔ اور ایسے ہی احمدیت کی مخالفت میں پٹن کے ہم قبیلہ احباب نے بھی آپ کا معاشرتی اور اقتصادی مقاطعہ کر دیا تھا۔

آپ جدہ اور پٹن چھوڑ کر خلافت ثانیہ کے عہد میں ہجرت کر کے ہمیشہ کے لئے قادیان آ گئے۔ جب آپ قادیان آئے تو بروایت صاحبزادی بی بی امۃ الرشید صاحبہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ازراہ ذرہ نوازی اور شفقت کے اپنے تمام خاندان کو آپ کے استقبال کے لئے قادیان کے ریلوے سٹیشن بھجوایا۔

صاحبزادی بی بی امۃ الرشید صاحبہ فرماتی ہیں کہ ریلوے سٹیشن پر آپ اور آپ کے اہل وعیال کے رئیسانہ رکھ رکھاؤ اس وقت ایسا منظر پیش کر رہے تھے کہ ہم بچوں کا یہ تاثر تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام کہ ''بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے'' آپ کی ذات میں پورا ہوتا نظر آ رہا تھا۔

باوجود اسکے آپ کی تجارت اقتصادی مقاطعہ کی بدولت کساد بازاری کا شکار ہو چکی تھی قیام قادیان میں پاکستان ہجرت کرنے تک آپ بڑی حد تک آسودہ حال رہے۔

ایک دفعہ ازراہ ذرہ نوازی اور شفقت حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے ایک وقت اس قدر نقد چندہ دینے کی توفیق پائی جو ساری جماعت کے مجموعی چندہ سے زیادہ تھا۔

قادیان میں آپ کا مختلف جگہوں میں قیام رہا۔ آپ کی آخری قیام گاہ حلقہ مسجد مبارک فخر

الدین ملتانی کی حویلی سے ملحقہ ایک پختہ مکان تھا جس میں چار فیملی یونٹس تھے۔ آپ بالا خانہ میں رہتے تھے۔ اور حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب جٹ رضی اللہ عنہ امیر جماعت قادیان کی ہمسائیگی میں تھے۔ آپ نے مسجد مبارک سے ملحقہ کچھ دکانیں بھی خرید لی تھیں جن کا کرایہ آتا تھا۔ ضرورت کے وقت اپنے ہیروں کے اندوختہ میں سے کوئی ہیرا بیچ کر گزر بسر کر لیتے اور جس دن ہیرا بکتا اہل قادیان کی دعوت کرتے اور جس جس گھر ضیافت بھجواتے تو توشہ برتن واپس نہیں لیتے تھے۔

قادیان سے جب ربوہ ہجرت کی تو انجمن کے دو کمروں کے جونیئر کوارٹر میں سولہ افراد خانہ کے ساتھ وفات تک قیام کیا۔ ایک لمبا عرصہ خوشحال اور آسودگی کی زندگی گزارنے کے بعد سخت عُسر اور شدید مالی تنگی کے کڑے اور تلخ دن بھی دیکھے مگر تقویٰ کی زادِراہ سے مالا مال اور ایمان کی متاع سے شاد کام رہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

وفات اور آخری آرام گاہ

آپ 10 جنوری 1955 کو 90 سال کی عمر پا کر بہشتی مقبرہ ربوہ قطعہ نمبر B10/4 میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ، حضرت خلیفہ ثالث رحمہ اللہ، حضرت ام المؤمنین نصرت جہاں بیگم رضی اللہ عنہا اور آپ کی بیٹی حضرت ام وسیم صاحبہ قطعہ خاص الخاص کی چاردیواری کے سایہ اور صحابہ کبار کے مدفنوں کی معیت میں آسودہ خاک ہیں۔

(حضرت سیٹھ عبد الرحمٰن یوسفؓ کے بارہ میں یہ مضمون مکرم کمال یوسف صاحب نے مختلف تاریخی دستاویزات سے تیار کر کے ارسال فرمایا ہے، فجزاہ اللہ احسن الجزاء)

حضرت احمد رشید نوابؓ

مکہ مکرمہ سے تعلق رکھنے والے ایک عرب حضرت احمد رشید نواب صاحب ایک عرصہ سے ہندوستان میں مقیم تھے۔ 1324 ہجری یعنی 1906ء کے شروع میں آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت اور بیعت کا شرف حاصل ہوا۔جس کے بعد آپ نے 4ربیع الاول 1324 ہجری کو احمدیت کی طرف اپنے سفر کی داستان تحریر فرمائی جو 17رمئی 1906 کے اخبار بدر کے صفحہ 8 تا 10 پر شائع ہوئی ہے۔ چونکہ طرز تحریر پر قدیم اردو اور عربی کا ملا جلا رنگ غالب ہے، خاکسار نے سہولت کے لئے ہر حصہ کا علیحدہ ذیلی عنوان لگا دیا ہے۔

ابتدائی حالات اور احمدیت سے تعارف

حضرت احمد رشید نواب صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

''امابعد عرض کرتا ہے امیدوارِ رحمتِ توّاب ''احمد رشید نواب''، مجھ کو ایک زمانہ ہوا کہ ہندوستان میں وارد ہوں۔ ہر قسم کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق رہا۔ازاں جملہ حضرت اقدس امام الزمان مسیح موعود ومہدی مسعود جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے متعلق بہت کچھ مختلف باتیں سنتا رہا، موافق بھی مخالف بھی۔مگر بکثرت ان کے مخالف ہی رائیں سنتا رہا۔ چونکہ ان کی کوئی تصنیف وتالیف کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور زیادہ تر مخالفوں سے ہی ملنا جلنا رہتا تھا۔ اس لئے میں بھی انکار ومخالفت پر تلا ہوا تھا مگر زبانی جمع خرچ تھا یعنی کبھی قلم نہیں اٹھایا۔اور الحمد للہ زبان سے بھی کبھی کوئی سخت کلمہ شاید نہ نکلا ہوگا۔مگر پھر مخالفت مخالفت ہے۔''

رؤیا اور اس کے پورا ہونے کا انتظار

''مجھ کو بارہ تیرہ سال کا عرصہ ہوا جبکہ میں نے مکہ معظّمہ میں ایک خواب دیکھا تھا جس میں میں نے امام مہدی علیہ السلام کی بیعت کی تھی۔ اور اس خواب کے ظہور کا ہمیشہ منتظر رہتا تھا۔ اس کے بعد میں نے متعدد مقامات ومختلف اوقات میں کچھ آوازیں سنیں کچھ خواب دیکھے مگر حضرت اقدس کی خبر بھی جب تک میرے کان میں نہیں پہنچی تھی۔ رفتہ رفتہ جب ہندوستان میں آنے کا اتفاق ہوا تو میں نے یہ سنا کہ ایک شخص مرزا غلام احمد صاحب قادیان میں ہیں جنہوں نے دعویٰ مسیحیت ومہدویت کیا ہے تو یہ بات کچھ ایسی بھیانک اور غیر مانوس معلوم ہوتی ہے کہ اندازہ سے باہر اور خاص کر مخالفین کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوا۔ مگر إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ أَمْرًا هَيَّأَ أَسْبَابَهُ (یعنی جس چیز کا اللہ ارادہ فرمائے اسکے اسباب بھی بہم پہنچا دیتا ہے۔ ناقل) کے موافق حق کی روشنی مجھ پر ظاہر ہوئی۔ جب میں پنجاب میں پہنچا تو قریب تین ماہ کے امرتسر میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں بھی حضرت اقدس کے مخالفین ہی سے زیادہ تر ملنے کا اتفاق رہا جن سے بجز مخالفت کے دوسری بات ہی نہ سنتا تھا۔ الغرض ایسی حالت میں جماعت احمدیہ میں سے دو ایک شخصوں سے حیات ووفات مسیح کے متعلق کچھ نیم گفتگو سی ہو کر رہ گئی۔ بحث ناتمام رہی، دوسرے روز پر ملتوی ہوئی، دوسرے روز بھی کسی وجہ سے ملتوی ہو گئی۔''

سفرِ قادیان اور حیرت انگیز تبدیلی

''شب کو میں نے حضرت اقدس کو خواب میں دیکھا اور جن لوگوں میں مباحثہ ٹھیرا تھا بلا تأمل یہ کہہ دیا کہ اس کا فیصلہ خاص دن میں جا کر جناب مرزا صاحب سے ہی ہوگا۔ جیسے میرے دل میں اس جوش کے ساتھ یہ ارادہ ہوا کہ جس قدر جلدی ہو سکے قادیان پہنچوں یہاں تک کہ میں قادیان پہنچا۔ راہ میں بلکہ پہنچ کر بھی بہت سی باتیں میرے دل میں تھیں مگر پہنچتے ہی وہ باتیں خود بخود دل سے نکلنی شروع ہو گئیں۔ میں اس کو بجز کرامت یا اعجاز کے کیا کہہ سکتا ہوں۔ قادیان دارالامان میں پہنچ کر دوسرے روز حضرت اقدس (روحی فداہ) کی قدم بوسی سے مشرف ہوا جو کیفیت مجھ کو حاصل ہوئی اس کو مخالفین کے لئے میں ان لفظوں میں ادا کرتا ہوں .....

کسی کا شعر ہے:

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد　　　ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

''بدر'' کی پیشانی پر جو شعر لکھا ہوا ہے:

چہ گویم باتو گر آئی چہا در قادیان بینی　　　دوا بینی، شفا بینی، غرض دارالامان بینی

بالکل سچ ہے۔ میری زبان پر یہ شعر ہر وقت جاری رہتا ہے۔''

بیعت اور رؤیا

''دوسری بار جو حضرت اقدس سے نیاز حاصل ہوا تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے بیعت کر ہی لی۔ اس وقت میری زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے کہ جو حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (هَـٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقّاً) اس کے بعد میں موافق عادت کے دوپہر کو سو گیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ آپ فرماتے ہیں ہماری رائے تجھ کو ابھی بیعت کرنے کی نہیں تھی، ہم چاہتے تھے کہ اپنے شکوک پورے طور پر رفع کر لیتا تو بہتر تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میرے دل میں ایسے شکوک ہی نہیں رہے کہ جن کے ازالہ کی ضرورت ہو۔ دوسرے روز میں نے یہ خواب آپ سے عرض کیا کہ واقعی ہمارے دل میں یہی بات تھی کہ جو تو نے دیکھی اس کے بعد آپ نے مہتمم کتب خانہ کو حکم فرمایا کہ جو تصنیف میں مانگوں مجھ کو دی جاوے۔ چنانچہ آٹھ دس تصنیف میں نے لیں۔ ازاں جملہ حمامۃ البشریٰ جس کو میرے ساتھ خاص تعلق ہے۔ اس کی تعریف سے تو میری زبان قاصر ہے۔۔۔ واقعی یہ تقریر اور یہ تحریر خارق عادت سوائے معجزہ کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مخالفین کو نظر نہیں آتا۔ بجز اس کے کیا کہا جا سکتا ہے: (وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ)۔''

تفہیمات ربانیہ

''یہاں پہنچ کر جو کیفیتیں مجھ پر وارد ہوئیں ان کا بیان نہیں کر سکتا۔ وفات مسیح جس کا میں سخت مخالف تھا۔ اس کے متعلق مجھ کو عجیب عجیب مضامین سوجھنے لگے اور مجھ کو خود یہ امر محسوس

ہوتا ہے کہ ایک چشمۂ فیض ہے جو میرے دل پر گر رہا ہے۔ چنانچہ ''مشتے نمونہ از خروارے'' پیش کشِ ناظرین ہے۔

میں دوپہر کو ایک روز حسب عادت سو کر جو اٹھا تو یہ مضمون میرے دل میں جوش مار رہا تھا اور یہ ساری عمر میں پہلا اتفاق تھا۔''

حضرت مسیح کی آمد ثانی کی غرض

''یکا یک میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے کی کیا ضرورت ہے تو میرے خیال میں مندرجہ ذیل ضرورتیں معلوم ہوئیں۔

ایک تو یہ کہ آپ اپنے پیرؤوں کو کافروں پر غلبہ بخشیں۔ دوم یہ کہ اپنی شریعت کو دوبارہ قائم کریں۔ سوم یہ کہ تثلیث کا ابطال کریں۔

اب اس کی تفصیل سنئے۔ پہلی شق تو اس وجہ سے باطل ہے کہ تحصیل حاصل ہے۔ ایک تو اللہ تعالی نے ویسے ہی وعدہ فرمایا ہے۔

دوسری صورت کا بطلان بیّن ہے کہ اب کوئی دوسری شریعت قائم کرنے والا نہیں آوے گا۔ رہا یہ کہ وہ شریعت محمد یہ ہی کو آکر مستحکم کریں گے۔ تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب کام کو اللہ تعالیٰ ایک مجدد سے بخوبی نکال سکتا ہے۔ چنانچہ نکالتا چلا آیا ہے۔ تیرہ سو برس سے اس کام کے لئے ایک جلیل القدر پیغمبر کو دو ہزار سال تک آسمان پر بٹھا رکھے اور اب اس کو نازل کرے۔..... کیونکہ نہ تو وہ دشمن جن کے ہاتھوں سے ان کو تکلیفیں پہنچیں موجود ہیں کہ ان سے اگر بدلہ لیں گے نہ کوئی دوسری وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

رہی تیسری صورت تو اس میں ان کو کوئی خصوصیت نہیں جس عالم یا مجدد کو خدا کھڑا کر دیوے وہ اسکی بیخ کنی باحسن الوجوہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ مشاہد ہے تو یہ بھی کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے جو ان کے دو ہزار سال بعد آسمان سے تشریف آوری مقتضی ہو۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ ان کا ابطال تثلیث کرنا ایک خاص اثر رکھے گا۔ اس وجہ سے کہ ان کو ہی خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے۔ تو جب وہ خود ان کے عقیدہ کا بطلان ظاہر کریں گے تو بہت کچھ اثر مترتب ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس بات پر دلیل کیا ہوگی۔ کہ یہ وہ ہی

عیسیٰ بن مریم سلام اللہ علیہ ہیں جن کو ہم خدا کا بیٹا سمجھتے تھے۔ کیوں کہ ان کے نزول آسمانی کو اگر مان لیا جاوے تو اس وقت تمام دنیا تو موجود ہو گی نہیں اگر ہو گی بھی تو بالفرض متعدد اشخاص ہی ہوویں گے تو ان کی تصدیق کون کرے گا۔ نہ ماننے والے جب نہ مانیں گے پھر ایک فضول بات ٹھہری۔ اوران کا دوبارہ آنا لغو سا ہو گیا۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کیا یہ امر ممکن نہیں تو اسکا جواب ہم یہ دیں گے کہ امکان مستلزم وقوع کب ہے۔ جو ہم خواہ مخواہ تسلیم کر لیں۔ اور جب امکان ہی پر آ گئے تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم میں سے کسی کو خدا یہ شرف بخشے اور مسیح ابن مریم بنائے۔ جب یہ بھی ممکن ہے اور وہ بھی تو جو عقل سے زیادہ اقرب ہو گا ہم تو اس کو ہی پسند کریں گے۔"

ایمان اچھا یا تکذیب؟

"اب ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سب سے اول یہ بات دریافت کرتے ہیں حضرات مکفرین سے کہ حضرت اقدس نے ارکان دین میں سے کسی رکن کا نعوذ باللہ انکار کیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ حاشا عن ذلك۔ اچھا اصول دین میں سے کسی اصل کے ساتھ مخالفت کی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ پانچوں ارکان اسلام کو وہ مانتے ہیں۔۔۔ اگر ان کی اور حضراتِ مکفرین کی مخالفت ہے تو صرف ایک مسئلہ حیات و وفات مسیح میں ہے تو کیا کوئی شخص ہم کو یہ بتا سکتا ہے کہ حیات مسیح علیہ السلام کا اقرار کرنا ارکان اسلام میں سے ہے یا اصول دین میں سے ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اس کے انکار سے انسان کافر کیونکر ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی اور وجہ اس کے علاوہ ہو تو کوئی صاحب ہم کو سمجھا دیں کیونکہ اصول و فروع میں حضرت مرزا صاحب کا وہی طرز عمل ہے جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصحابہ کرام و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کا تھا۔ وہ مدعی نبوتِ تشریعی نہیں۔ سرور کائنات کی ختم نبوت سے انکاری نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اتباع کو اپنا فخر سمجھتے ہیں اور انہی کی غلامی کا دم بھرتے ہیں پھر یہ کفر کہاں سے آ گیا۔ کوئی صاحب یہ معمہ حل کر دیوے تو بڑی ہی مہربانی ہو۔ افسوس دنیا میں انصاف نہیں ہے۔ مگر میں اوروں کو تو بعد میں کہوں گا پہلے میں خود ایسا تھا۔ مگر للہ الحمد مجھ میں اللہ تعالیٰ نے تحقیق کا مادہ ایسا رکھا ہے کہ جب تک خوب چھان بین نہیں کر لیتا یکا یک کوئی حکم قائم

نہیں کرتا۔ اگر چہ میں مخالف ضرور رہتا مگر نہ ایسا کہ خواہ مخواہ کوئی حکم لگاتا۔ چنانچہ اس کا انجام یہ ہوا کہ آج سے چوبیس پچیس روز پہلے میں مخالفین کے گروہ میں تھا اور آج اپنے آپ کو ایک جاںنثار غلام و خادم سمجھتا ہوں۔ اور اس پر مجھ کو فخر اور ناز ہے۔ یہ کس چیز کی برکت ہے؟ تحقیق کی فقط۔ میں آج بیس روز سے حضرت اقدس علیہ السلام کی تصانیف لطیفہ کا مطالعہ کر رہا ہوں اور بڑی کوشش اور جانفشانی سے دیکھتا ہوں اور شب وروز اسی میں مستغرق رہتا ہوں کہ کوئی بات تو ایسی نظر پڑے جس سے شبہ ہی کسی قسم کا وارد ہو سکے مگر اس وقت تک ایسی کوئی بات نظر نہ آئی۔ آخر کو میں نے یہ سمجھ لیا کہ یا تو مخالفین کو خدا نے عقل سے بے بہرہ کیا ہے اور یا مجھے وہ باتیں نظر نہیں آئیں جن کی وجہ سے تکفیر کی جاتی ہے..... اے لوگو خدا سے ڈرو قیامت آنے والی ہے خدا کو کیا جواب دو گے۔ کیونکہ دیکھو کہ اگر بالفرض حضرت اقدس نے جو دعویٰ کیا ہے وہ غلط ہی ہے تو ہم کو یہ بتاؤ کہ ان سے بیعت کرنے کا قیامت میں ہم پر کیا وبال پڑے گا۔ کیونکہ وہ شرک کی تعلیم نہیں کرتے خدانخواستہ راہ ضلال نہیں بتاتے۔ پر ہمارا کیا نقصان ہوا ان کو ماننے سے۔ اور اگر وہ اپنے دعوے میں سچے نکلے تو بتاؤ قیامت میں دست حسرت کون ملے گا۔ بہر حال درصورت صدقِ دعویٰ ہمارے پانچوں بلکہ دسوں گھی شکر میں، ودرصورت کذب ہمارا گرہ سے کیا خرچ ہوا؟ کچھ بھی نہیں۔........ اب بتاؤ کون اچھا؟ ہم یا تم؟ انصاف سے کام لینا چاہئے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ جو کچھ فرماتا ہے اپنے پاک کلام میں وہ فرمان مثال ونظیر ہمارے لئے ہوتا ہے۔ دیکھو مؤمنِ آلِ فرعون کا قصہ خدا نے بیان فرمایا، وہ کیوں؟ ہمارے لئے دیکھو کیا فرماتا ہے؟ (وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلاً أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُم بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ وَإِن يَكُ كَاذِباً فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَإِن يَكُ صَادِقاً يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ) یہ تعلیم خداوندی ہے۔ کیوں نہ ہم بھی ایسا کہیں اور کریں۔ اگر اس میں کوئی نقص ہو تو ہم کو بتاؤ ورنہ تم ہمارا کہا مان جاؤ۔“

حیاتِ مسیح کا ردّ

”اب ہم ایک معیار اور بتاتے ہیں۔ دیکھو ان کی تعلیم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ملا کر دیکھو اگر ایک ہے تو پھر ماننے میں کیا عذر ہے۔ اگر اس کے خلاف ہے تو بے شک

پھینک دو۔ بلکہ ہم کو بھی وہ مخالفت بتادو تو ہم بھی اس سے رجوع کریں۔ مجھے ایک زمانہ تک حیات وفات مسیح کے متعلق بڑا اشتباہ رہا مگر غور کیا تو معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہیں۔ اور واقعی قرآن شریف میں کوئی آیت ایسی نہیں جس سے حیات مسیح علیہ السلام ثابت ہو سکے۔ جس قدر آیتیں ہیں ان سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہود کا جو دعویٰ ہے کہ ان کو صلیب دی گئی تھی غلط ہے۔ بلکہ اپنی طبعی موت سے مرے۔ مثلاً آیت کریمہ (إِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ إِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا إِلَی یَوْمِ الْقِیَامَةِ) اس میں ایک تو توفی ہے ایک رفع اِلی اللہ ہے ایک تطہیر ہے ایک متبعین کو مخالفین پر غالب کرنا ہے۔ ہر ایک ان میں سے واقع ہو گیا اور جس ترتیب سے یکے بعد دیگرے لفظاً واقع ہیں اس طرح سے یکے بعد دیگرے ظہور میں آئے۔ پہلے توفی ہوئے پھر رفع ہوا پھر تطہیر ہوئی اور پھر آپ کے متبعین کو بھی غلبہ ہو گیا۔ اب بتائیے کہ وہ تشریف لاویں گے کیوں، اور کیا ضرورت باقی رہی ہے؟

دوسری آیت (فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِی كُنتَ أَنتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ) یہ صاف ظاہر ہے کہ قیامت سے تعلق رکھتی اور یہاں وفات کے معنے موت ہی کے ہیں۔ پر دوسری آیت میں توفی بمعنی رفع مع الجسم العنصری کیسے ہو جاوے گا۔

تیسری آیت وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْناً۔ بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَیْهِ ہے۔ اس میں صاف ظاہر ہے کہ موت کی نفی نہیں کی گئی ہے بلکہ اس بات کی نفی کی گئی ہے کہ وہ قتل نہیں کئے گئے۔

رہی آیت (وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَیَوْمَ الْقِیَامَةِ یَكُوْنُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا) اس آیت میں ضمیر حضرت مسیح کی طرف عائد ہونے میں کلام ہے۔ کسی نے قرآن کی طرف راجع کیا ہے، کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، کسی نے حضرت مسیح کی طرف۔ اکثر مفسرین نے اسی ضمیر کے مرجع میں اختلاف کیا ہے۔ پھر ہم کیونکر خواہ مخواہ حضرت مسیح کو ہی مرجع ضمیر ٹھہرالیویں۔ اور کم از کم جب مفسرین کا اختلاف ہو گیا تو کسی صورت سے صحیح نہیں رہا۔ کیونکہ إِذَا جَاءَ الِاحْتِمَالُ بَطَلَ الِاسْتِدْلَال۔ اور پھر مہربانی فرما کر کوئی شخص ہم کو اس آیت کے معنے ہی ذرا سمجھا دیویں کہ (وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَاب) سے کیا مراد ہے؟ آیا کہ دنیا میں جب سے اہل کتاب کا وجود آیا ہے قیامت تک جس قدر ہوئے اور ہوویں گے ان کی موت سے قبل تو یہ یقیناً باطل ہے۔ کیونکہ کروڑوں اہل کتاب مر گئے بے ایمان لائے ہوئے

اور مرتے چلے جاتے ہیں۔اب یہ کہو کہ انکے نزول من السماء کے وقت جس قدر اہل کتاب روئے زمیں پر موجود ہوویں گے سب آپ پر ایمان لاویں گے۔تو یہی محال ہے کیونکہ تمام روئے زمین کے اہل کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تو ایمان لائے نہیں حضرت مسیح پر کیسے ایمان لے آویں گے۔نیز خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ (فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبُغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ)صاف بتلا رہا ہے کہ کافروں کے فرقے قیامت تک رہیں گے۔اگر آیت ممدوحہ بالا کے یہ معنے کئے جاویں کہ سب حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آویں گے تو اس سے قرآن شریف کے بیان میں اختلاف لازم آتا ہے۔گویا وہ کسی جگہ کچھ کہتا ہے اور دوسری جگہ اس کے مخالف بیان فرماتا ہے۔۔۔ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ یہود نے ٹھوکر کھائی۔اور انکی کتاب میں جبکہ یہ لکھا ہے کہ مسیح اس وقت آوے گا جب ایلیا آسمان سے دوبارہ آئیگا۔ایلیا نہیں آیا لہٰذا وہ مسیح کو بھی نہیں مانتے کیونکہ وہاں تو ایلیا کا مثیل آیا۔اور کتاب میں نفس ایلیا لکھا تھا۔تو ہم کہتے ہیں جب ہمارے پاس ایک یہ نظیر بھی موجود ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہم ان کی طرح مسیح کے آسمان سے نازل ہونے کے منتظر رہیں۔اور وقت ہاتھ سے جاتا رہے، کفِ افسوس ملنے کے سوا اور کچھ بھی نہ آوے۔ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے۔اور بنظر خیر خواہی ہم لوگوں کے لئے یہ لکھتے ہیں کہ: فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔مجھے تو امید ہے کہ جو شخص میری اس تحریر کو بنظر انصاف دیکھے گا وہ ضرور انشاء اللہ اس سے فائدہ اٹھاوے گا۔ویسے رہی ہٹ دھرمی اور ضد تو اسکا علاج کوئی نہیں۔اسکا علاج خدا کرے۔اور جب یہ شخص کہتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے مامور ہوں، کھلے نشان اپنے ساتھ رکھتا ہوں چنانچہ کسوف وخسوف جس کو تمام دنیا نے دیکھا اور جس کا منتظر ایک جہان تھا وہ بھی وقوع میں آ گیا، پھر اس کے ماننے میں کیا تأمل ہوسکتا ہے۔''

نشان مانگنا صدیقیت کے خلاف ہے

''اور ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہم کو نشانوں کی حاجت کیا ہے۔حضرت صدیق اکبر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کونسا نشان طلب کیا تھا۔اور واقعی صدیقیت اسی سے تو عبارت ہے کہ بے کسی نشان ومعجزہ کے دیکھے ایمان لے آئے ورنہ ان میں اور دوسروں میں جو نشان یا معجزہ دیکھ کر ایمان لائے فرق ہی کیا رہتا۔ہمارا تو یہ خیال ہے کہ ہم نے خدا کے اس مأمور کو

بدوں کسی نشان طلب کرنے اور دیکھنے کے مانا اور قبول کیا اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہم کو خدا بھی قبول کرے گا اور ضرور کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور واقعی نشان طلب کرنا تو میرے خیال میں ضعفِ یقین کی دلیل ہے کیونکہ حق تو اپنے ساتھ ایک ایسی روشنی رکھتا ہے جس کا اثر فوراً قلب پر پڑتا ہے بشرطیکہ ذراسی بھی صلاحیت وقابلیت ہو ورنہ وہ فِیْ قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً والا مضمون ہو جاتا ہے۔ نہ کوئی نشان فائدہ دیتا ہے نہ کوئی معجزہ۔ جیسا کہ ابوجہل وغیرہ میں مشاہد ہے۔ وقِس علیٰ هذا۔ اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَارْزُقْنَا اِجْتَنَابَه۔ اور ہم کو تو زیادہ اس بات کا خیال ہے کہ .... يَاحَسْرَةً عَلَى مَا فَرَّطْتُ فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ نہ کہنا پڑے۔ ہائے افسوس وہ پیر جو اپنے مریدوں کو سوائے شرک کے اور کچھ تعلیم نہ دیں، دنیا کے کئی قبر پرست گدا یا غوث یا قطب یا اللہ کے بدلے پکارنے والے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینے والے تو لوگوں سے بیعت لیویں اور لوگوں کو بھی ان سے بیعت کرنے میں کوئی تأمل نہ ہو۔ اور ایک ایسا شخص جو اپنے آپ کو مأمور من اللہ بھی کہتا ہے اور تعلیم بھی وہی دیتا ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیتے تھے اس سے انکار ہو۔ اور اس پر کفر کے فتوے دیئے جائیں۔ لا حول ولا قوة إلا بالله العلى العظيم۔ اب میں اس رسالہ کو اس آیت پر ختم کرتا ہوں، شاید اس سے کسی کو کوئی فائدہ پہنچ جاوے۔ أعوذ بالله من الشيطان الرجيم۔ فَسَتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأُفَوِّضُ أَمْرِىْ إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ۔ قریب ہے کہ تم میرا کہا یاد کرو گے اور میں اپنے کام خدا کے سپرد کرتا ہوں وہ سب کے حال سے خوب آگاہ ہے۔ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ۔ والسلام على المرسلين والحمد للّٰه رب العالمين۔ حرَّره الراجى عفوَ التوّاب أحمد رشيد نواب الأحمدى كان اللّٰه له۔ وذلك فى 4من شهر ربيع الأول 1324مِن هجرة مَن له العزّ والشرف بقرية قاديان من أقطار پنجاب ضلع گورداسپور۔ فقط۔“

حضرت احمد زہری بدر الدینؓ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جنوری 1907ء میں مصر کے شہر اسکندریہ سے ایک شخص احمد زہری بدر الدین صاحب کا 19/دسمبر 1907 کا تحریر کردہ خط ملا جسمیں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عقیدت کا اظہار کیا۔حضور انور نے ان کے خط کا ذکر اپنی عربی کتاب الاستفتاء میں فرمایا ہے۔

(ماخوذ از الاستفتاء ضمیمہ حقیقۃ الوحی جلد 22 ص 653)

حضرت ابوسعید عربؓ

(سیرت المہدی کی ایک روایت کے مطابق ان کا تعلق عرب قوم سے نہ تھا لیکن کثرت سے عرب ممالک میں سفر کرنے اور عربی بولنے کی وجہ سے عرب کہلائے۔ ان کے ایک خط کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک عربی جملہ میں دیا تھا۔ کثرت سے عرب ممالک میں آنے جانے اور عربی زبان بولنے کی وجہ سے ان کا ذکر عرب اصحاب کے زمرہ میں کیا جارہاہے۔مرتب)

حضرت ابوسعید عرب صاحبؓ بہت بڑے تاجر تھے اور رنگون برما کے علاقہ میں بغرض تجارت رہائش پذیر تھے۔ بڑے آزادمشرب اورنیچریت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔خدا کے وجود پر بھی ایمان نہ تھا۔بس یہی خیال تھا کہ کھانا ہےاور کمانا ہے۔

عرب صاحب 1894ء میں لاہور آئے۔خواجہ کمال الدین صاحب نے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''آئینہ کمالات اسلام'' دی جبکہ ایک مولوی نے آپؑ کے خلاف لکھی ہوئی ایک کتاب انہیں دی۔ مگر یہ دونوں کتابیں وہیں کسی کو دے کر چل دیئے اور پرواہ نہ کی۔انہیں کہا گیا کہ قادیان آئیں مگر یہ نہ آئے۔لیکن خدا کی قدرت دیکھیں کہ پھر وہی کتاب آئینہ کمالات اسلام ان کی نظر سے گزری تو اس کے پڑھنے سے حقیقت اسلام ان پر منکشف ہوگئی۔ پھر کیا تھا کہ آپ اس قدر فاصلہ طے کر کے رنگون سے تشریف لائے اور دسمبر 1902 میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۞...... جب آپ حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے ان کے حالات حضورؑ کی خدمت میں سنائے۔ پھر حضورؑ نے خود ان سے ان کے حالات

دریافت فرمائے اور پوچھا کہ آپ کتنے دن تک رہ سکتے ہیں۔عرب صاحب نے بیان کیا کہ مَیں نے کلکتہ سے سیکنڈ کلاس کا واپسی کا ٹکٹ لیا ہے جس کی میعاد جنوری 1903ء تک ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ: میری بڑی خوشی ہے کہ آپ اس دن تک ٹھہریں جب تک کہ ٹکٹ اجازت دیتا ہے۔

اس پر عرب صاحب نے نیازمندی سے عرض کی کہ کرایہ کی فکر نہیں، مَیں زیادہ بھی ٹھہر سکتا ہوں۔ انہوں نے خود اپنے حالات جب حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کئے اور کہا کہ آئینہ کمالات اسلام نے آخر اس غلطی سے نجات دے کر حضور کی محبت کا تخم دل میں جمایا۔ اس پر حضرت اقدس نے جو نصیحت فرمائی اس کے پہلے جملے یہ ہیں:

''خدا ہی کی تلاش کرو۔ حقیقی لذت خدا ہی میں ہے۔''

یہ شخص کبھی جھوٹ بولنے والا نہیں ہے

۞......عرب صاحب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک چینی آدمی کے روبرو مَیں نے آپؑ کی تصویر کو پیش کیا۔ وہ بہت دیر تک دیکھتا رہا، آخر بولا کہ یہ شخص کبھی جھوٹ بولنے والا نہیں ہے۔ پھر میں نے اور تصاویر بعض سلاطین کی پیش کیں مگر ان کی نسبت اس نے کوئی مدح کا کلمہ نہ نکالا اور بار بار آپ کی تصویر کو دیکھ کر کہتا رہا کہ یہ شخص ہرگز جھوٹ بولنے والا نہیں۔

سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے

۞......18 دسمبر 1902ء کو آپ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ:

ایک صاحب برما میں کہتے تھے کہ اگر میرزا صاحب صرف قرآن کی تفسیر لکھیں اور اپنے دعاوی کا ذکر اس میں ہرگز نہ کریں تو مَیں بہت سا روپیہ صرف کر کے اسے طبع کروا سکتا ہوں۔

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا: اگر کوئی ہم سے سیکھے تو سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔ ابتداء ہی میں ہے: صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَاالضَّآلِّیْنَ (الفاتحۃ:7) اب ان سے کوئی پوچھے کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْب کونسا فرقہ تھا؟ تمام فرقے اسلام کے اس پر متفق ہیں کہ وہ یہودی تھے اور ادھر حدیث شریف میں ہے کہ میری امت یہودی

ہو جائے گی، تو پھر بتلاؤ کہ اگر مسیح نہ ہوگا تو وہ یہودی کیسے بنیں گے؟

اسی طرح انہوں نے مختلف ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بہت سے سوال کئے جن کے جوابات ملفوظات جلد 4 میں موجود ہیں۔

۞......انہوں نے ایک سوال یہ کیا کہ ایک شخص نے کہا کہ لیکھرام کو خود اپنے کسی جماعت کے آدمی کے ذریعہ سے مروا ڈالا؟

حضورؑ نے اس بات کا نہایت عارفانہ جواب عطا فرمایا جس کو یہاں درج کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ حضورؑ نے فرمایا:

''ہمارے ساتھ ہزار ہا جماعت ہے، اگر ان میں سے کسی کو کہوں کہ تم جا کر مار آؤ تو یہ میری پیروی اور بیعت کا سلسلہ کب چل سکتا ہے؟ یہ تو جب ہی چل سکتا ہے کہ صفائی ہو اور پیرؤوں کو معلوم ہو کہ پاک باطنی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور جب ہم خود ہی قتل کے منصوبے لوگوں کو سمجھائیں تو یہ کاروبار کیسے چل سکتا ہے؟ اب یہ اس قدر گروہ ہے، کوئی ان میں سے بولے کہ ہم نے کس کو اور کب کہا تھا کہ جا کر اس کو مار ڈالے''۔

۞......اسی طرح 23 /دسمبر 1902ء کو حضور نے دریافت فرمایا: چین میں اہل اسلام عربی زبان سے واقف ہیں کہ نہیں اور وہاں عربی کتب روانہ کرنے کے متعلق حضرت اقدس ابو سعید عرب صاحب سے گفتگو فرماتے رہے۔

۞...... 28 /دسمبر 1902ء کو حضرت اقدس علیہ السلام کے حضور جناب ابوسعید عرب صاحب نے اپنے بعض احباب کا تذکرہ کیا اور گونہ افسوس ظاہر کیا کہ ان کو اس سلسلہ کی آ گاہی اور اطلاع نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس تحریک پر ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔

عرب صاحب نے سوال کیا کہ مَیں نماز پڑھتا ہوں مگر دل نہیں ہوتا۔ حضورؑ نے اس کا مفصل علاج عطا فرمایا۔ اس کا پہلا جملہ گویا مضمون کا خلاصہ ہے فرمایا:

''جب خدا کو پہچان لو گے تو پھر نماز ہی نماز میں رہو گے''۔

اب تو بالکل جانے کو دل نہیں چاہتا

۞...... ابوسعید عرب صاحب کو کمال شوق دلّی کے جلسہ کا تھا کہ وہاں کی رونق دیکھیں۔

چنانچہ انہوں نے اجازت بھی چاہی تھی اور حضرت اقدسؑ نے اجازت دے بھی دی تھی مگر یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ دعائے استخارہ کر لو۔ چنانچہ دعا سے پھر ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ عرب صاحب دلّی جانے سے رک گئے۔اس پر حضرت اقدسؑ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

'فرمایئے، اب دلّی جانے کا خیال ہے یا نہیں؟'

عرب صاحب نے جواب میں عرض کیا کہ حضور اب تو بالکل جانے کو دل نہیں چاہتا۔

حضور نے فرمایا کہ اب دوسری سیروں کو چھوڑ کر روحانی سیروں کی طرف متوجہ ہو جاویں۔ یہ آپ کی سعادت کی علامت ہے کہ اتنی دور سے اس جلسہ کے واسطے آئے اور یہاں ٹھہر گئے اور اس قدر مقابلہ نفس کا کیا۔ ہر ایک کو یہ طاقت نہیں ہوتی کہ جذب نفس کے ساتھ کشتی کریں۔

آپؓ کی ایک خواب اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعبیر

......3/جنوری 1903ء کو ابوسعید عرب صاحبؓ نے اپنی رؤیا بیان کی کہ ایک کتا پیار سے کاٹتا ہے اور پھر اس نے انڈا دیا جس کو انہوں نے توڑ ڈالا اور وہ بھاگ گیا۔

فرمایا: کتا ایک برزخ ہے درندگی اور چرندگی میں۔ جب وہ محبت سے کاٹے تو محبت ہے۔ اور کتے سے مراد خفیف سا دشمن ہوتا ہے۔اس کے انڈے سے مراد اس کی ذرّیت ہے۔ جب اس کو توڑ دیا تو گویا خفیف اور کمزور دشمن کی ذریت کو تلف کر دیا۔

عرب صاحب نے پوچھا جو لوگ حضور کو برا نہیں کہتے اور آپ کی دعوت کو نہیں سنا وہ طاعون سے محفوظ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

فرمایا: میری دعوت کو نہیں سنا تو خدا کی دعوت تو سنی ہے کہ تقوی اختیار کریں۔ پس جو تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ ہمارے ساتھ ہی ہے خواہ اس نے ہماری دعوت سنی ہو یا نہ سنی ہو کیونکہ یہی غرض ہے ہماری بعثت کی''۔

عرب صاحب نے ادھر ادھر غیر آبادی کو دیکھ کر عرض کی کہ یہ صرف حضور ہی کا دم ہے کہ جس کی خاطر اس قدر انبوہ ہے ورنہ اس غیر آباد جگہ میں کون اور کب آتا ہے۔فرمایا کہ اس کی مثال مکّہ کی ہے کہ وہاں بھی عرب لوگ دور دراز جگہوں سے جا کر مال وغیرہ لاتے ہیں اور وہاں بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ (ملفوظات جلد 4 صفحہ 276 تا 411)

الحاج محمد بن محمد المغربی الطرابلسی

ان کا اصل نام الحاج محمد بن محمد منصور ریاقات المغربی تھا۔آپ مراکش میں ”مکناس“ نامی ایک جگہ کے رہائشی تھے۔(مراکش کو عربی میں المغرب کہتے ہیں اور اسی کی نسبت سے آپ المغربی کہلائے)۔

مکرم مولانا چوہدری محمد شریف صاحب سابق مبلغ بلاد عربیہ ان کے بارہ میں لکھتے ہیں: آپ نے حج کے لئے جانے والے قافلہ کے ہمراہ بیت اللہ الحرام کا قصد کیا اور تمام سفر کبھی اونٹ پر سواری کرتے ہوئے اور کبھی پیدل طے کیا۔آپ نے کل 17 مرتبہ حج کیا۔مکہ مکرمہ میں آپ دن کا کچھ وقت کام کرتے تھے تاکہ کھانے کیلئے کچھ خرید سکیں جبکہ باقی تمام وقت عبادت اور ذکر الٰہی میں گزارتے تھے۔مکہ سے آپ یمن چلے گئے جہاں آپ نے ”سید محمد بن ادریس“ کی شاگردی اختیار کی جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں سے تھے۔سید محمد بن ادریس کی وفات کے بعد آپ نے وطن واپس جانا چاہا لیکن حالات کی خرابی کے باعث حیفا آگئے جہاں طیرہ نامی ایک علاقے میں ایک مسجد جامع الجرینۃ میں قیام فرمایا اور بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم کا کام شروع کر دیا۔

مولانا جلال الدین شمس صاحب 1928ء میں کبابیر میں تھے۔3/جون 1928ء کو بعض دوستوں کے ہمراہ سیر کرتے ہوئے کبابیر کے نچلی سمت واقع وادی السیاح میں گئے تو ان کی ملاقات الحاج محمد المغربی الطرابلسی سے ہوئی۔اوران کو معلوم ہوا کہ یہ بزرگ 23 سال سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لا چکے ہیں۔

حضرت مولانا شمس صاحب ان کا ایک بیان نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس میں المغربی

صاحب فرماتے ہیں:

''مَیں یمن میں امام محمد بن ادریس امامِ یمن کے پاس تھا جو کابل سے امام محمد بن ادریس کے پاس چند کتابیں اس مدعی کی پہنچیں۔آپ نے دو کتابیں پڑھ کے علماء کے سپرد کردیں اور کہا کہ یہ کام آپ کا ہے اسکے بارہ میں رائے ظاہر کریں، اور آپ نے خود اسکے متعلق کچھ نہ کہا۔ پھر علماء میں اسکے متعلق اختلاف ہوا۔بعض کہیں کہ جو کچھ اس نے لکھا سچ ہے،بعض کہیں کہ ایسی باتیں کہنے والا کافر ہے۔مگر میں استخارہ کر کے اور بعض خوابیں دیکھ کرآپ پر ایمان لے آیا۔ چنانچہ میں اس وقت سے آپ کوامام الوقت مسیح موعود مانتا ہوں......مَیں نے پوچھا کون سی کتابیں وہاں پہنچی تھیں؟ انہوں نے کہا: ہم نے اس وقت چند عبارات حفظ کی تھیں۔جب انہوں نے عبارات سنائیں تو وہ الاستفتاء کی تھیں۔ پھر انہوں نے قصیدۃ اعجازیۃ کے شعر سنائے......13/ جولائی کو وہ میرے مکان پر جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لائے تو نماز ادا کرنے کے بعد کہنے لگے: اگرچہ میں پہلے سے ایمان لایا ہوا ہوں مگر پھر آپ کے ہاتھ پر تجدید عہد کرتا ہوں۔تب وہ اور دو شخص اور ان کے ساتھ سلسلہ میں داخل ہوئے۔''

1930ء میں جبکہ کبابیر میں الحاج صالح عبدالقادر عودہ نے اپنے خاندان سمیت احمدیت قبول کر لی تو الحاج المغربی بھی کبابیر میں آ گئے اور کبابیر کے بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔ پھر جب حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب نے 1930ء میں حیفا میں مدرسہ احمدیہ کے نام سے ایک مکتب جاری کیا۔جس کی ابتداء میں الحاج المغربی صاحب نے لڑکوں اور لڑکیوں کو قرآن کریم پڑھانا شروع کیا۔

جب خدا تعالیٰ کے فضل سے کبابیر میں احمدی پریس کا قیام عمل میں آیا تو اس وقت بجلی کی سہولت تو میسر نہ تھی تمام کام ہاتھ سے ہی سرانجام دیئے جاتے تھے۔اس سلسلہ میں مکرم الحاج المغربی صاحب نے اپنی خدمات پیش کیں اور 1935ء سے لے کر 1953ء تک مسلسل 18 سال وہ کام کرتے رہے۔

آپ صوم وصلاۃ کے پابند تھے۔روزانہ دو بجے رات کو جاگ جاتے تھے اور تہجد ادا کیا کرتے تھے۔اور باوجود مالی حالات کی خرابی کے مکمل پابندی کے ساتھ چندہ ادا کرتے تھے۔

18/دسمبر 1960ء کی رات آپ نے تہجد کی نماز ادا کی اور نماز فجر کا انتظار فرما رہے تھے کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ یوں آپ پر بوقت وفات بھی اس مؤمن کی مثال صادق آئی کہ جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے"۔

(مآخذ تاریخ احمدیت ج4 ص526 وجلد 5 صفحہ 501 مجلۃ البشری جنوری، فروری 1937ء ص52 تا53، الفضل ۱۳، اگست 1928ء ص7 بحوالہ خالد احمدیت جلد اول ص204 تا205، تابعین اصحاب احمد جلد اول صفحہ 80 تا93)

مکرم منیر الحصنی صاحب

آپ عرب ممالک کی ایک قابل فخر احمدی شخصیت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں مذکور ابدال شام میں سے ایک عظیم بدل تھے۔آپ اپنے صدق و اخلاص، دینی غیرت وشجاعت، اور بے مثال فدائیت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت سے خاص عشق کی وجہ سے خلفائے کرام کی محبت، دعا اور خاص قرب پانے والے بن گئے۔

آپ دمشق میں پیدا ہوئے۔اور پہلی جنگ عظیم کے دوران آپ قدس شریف میں کلیۃ صلاح الدین الأیوبی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ آپ کو احمدیت کے بارہ میں پتہ چلا۔اس کی تفصیل یوں ہے کہ:

پہلی جنگ عظیم کے دوران ترکی کے ذمہ بلاد شام کی قیادت ہوئی جسے جمال پاشا نامی قائد نے سنبھالا انہوں نے قدس شریف میں ایک دینی کالج قائم کیا جس کا نام کلیۃ صلاح الدین الأیوبی رکھا جو کہ الکلیۃ الصلاحیۃ کے نام سے مشہور ہوا۔اس کالج کے قیام کا بنیادی مقصد دین اسلام کی تبلیغ کے لئے لوگ تیار کرنا تھا۔ چنانچہ اس کالج کے لئے جمال پاشا نے اس وقت کے بڑے بڑے علماء کو استاد کے طور پر رکھا جیسے: عبد العزیز جاویش، رستم حیدر، عبد القادر المغربی، جودت الہاشمی وغیرہ۔اور اس کالج میں تاریخ ادیان پڑھانے کے لئے حضرت زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کا انتخاب کیا گیا۔آپ کے شاگردوں میں سے ایک باسعادت شاگرد مکرم منیر الحصنی صاحب بھی تھے جن کو احمدیت کا پیغام پہنچا لیکن اس کے بارہ میں تحقیق اور مزید معلومات کا تبادلہ نہ ہوسکا کیونکہ جنگ کے دوران ہی حضرت زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اسیر ہو گئے اور احمدیت کے بارہ میں منیر الحصنی صاحب

کو مزید معلومات میسر نہ آسکیں۔

جنگ عظیم کے بعد آپ نے قانون کی اعلیٰ تعلیم کے لئے جرمنی کا سفر اختیار کیا جہاں سے آپ کی واپسی 1925ء میں ہوئی۔اور 1925ء میں ہی حضرت خلیفہ ثانیؓ نے حضرت ولی اللہ شاہ صاحب اور مولانا جلال الدین صاحب شمس کو دمشق میں احمدیت کے مبلغ کے طور پر بھجوایا تھا۔ چنانچہ ان کی مکرم منیر الحصنی صاحب سے اچانک ملاقات ہوگئی اور یوں پرانے رابطے بحال ہو گئے۔

آپ خود لکھتے ہیں کہ:

''میری خوش قسمتی تھی کہ میرا تعارف حضرت ولی اللہ شاہ صاحب کے ذریعہ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس سے ہوگیا۔ چنانچہ مَیں اکثر اوقات ان کے پاس آتا جاتا رہتا تھا اور کئی ان امور دینیہ میں آپ کے ساتھ بات کرتا جن کا حل وہاں کے مولویوں کے پاس نہ تھا۔اور نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ایسے امور نے نئی نسل کو فتنہ میں ڈال دیا تھا چنانچہ انکے دلوں میں اسلام کے بارہ میں شکوک اور شبہات پیدا ہوگئے تھے۔لیکن میں ہر دفعہ مولانا شمس صاحب سے نہایت تسلّی بخش جواب پاتا تھا اور اسلام پر ہر اعتراض کا کافی وشافی ردّ ملتا تھا۔ میں اکثر آپ کی اسلام کے دفاع میں گفتگو کے دوران محسوس کرتا تھا کہ جیسے قرآن کریم دوبارہ اس زمین پر نازل ہوا ہے''۔ (البشریٰ مارچ 1936ء)

گو کہ مکرم منیر الحصنی صاحب حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب سے شروع میں ہی متعارف ہو کر ان کے گہرے دوست بن گئے تھے، اور بڑی کثرت سے آپ کے پاس آتے جاتے تھے۔آپ کی زبان سے مسیح موعود علیہ السلام کے لائے ہوئے علم کلام کی قوت کا بھی اعتراف تھا ، پھر بھی احمدیت میں داخل ہونے کے لئے مزید تسلی چاہتے تھے۔اور یہ تسلّی 1927ء میں اس وقت ہوئی جب مولانا جلال الدین صاحب شمس نے دمشق میں ایک تحریری مناظرہ ڈنمارک کے ایک مشہور پادری الفریڈ نلسن سے کیا جو بیس سال سے شام کے علاقہ میں عیسائیت کا کام کر رہے تھے اور شام کے عیسائی مشنوں کے انچارج تھے۔موضوع مناظرہ یہ تھا کہ کیا حضرت مسیح ناصری فی الواقعہ صلیب پر فوت ہوئے؟ اس مناظرہ میں حضرت مولانا شمس صاحب کے دلائل سن کر مکرم منیر الحصنی صاحب احمدیت میں شامل ہوگئے۔ چنانچہ

آپ خود لکھتے ہیں:

’’میرے قبول احمدیت کا سب سے بڑا سبب یہی مناظرہ تھا۔ کیونکہ مَیں نے دیکھا کہ احمدی مبلغ کے دلائل و براہین لاجواب تھے۔ مسیحی مناظر سے ان کا کوئی جواب نہ بَن پڑا اور عزت وغلبہ اسلام نصف النہار کی طرح ظاہر ہو گیا۔ عیسائی پادری اور مولانا شمس صاحب میں مناظرہ سے پہلے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اختتام مناظرہ پر پوری روئداد مناظرہ فریقین کے خرچ پر طبع کرائی جائے گی۔ لیکن جب مناظرہ ہو چکا تو وہ اپنے عہد سے پھر گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ قبولِ حق کے لئے کھول دیا اور مجھے مسیح موعودؑ کی جماعت میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا‘‘۔ (ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 525)

مسیح موسوی کے پیرو اور مسیح محمدی کے غلام

مکرم منیر الحصنی صاحب کا ذکر خیر ہو رہا ہے تو اس سیاق میں ان کا ایک بہت ہی اچھوتا واقعہ ہدیہ قارئین کرنا ازدیاد ایمان کا باعث ہوگا۔

ایک دفعہ مکرم منیر الحصنی صاحب کے چھوٹے بھائی کو جب ایک عیسائی زرگر کی خیانت کا علم ہوا تو وہ اس کی دکان پر جا کر اس سے جھگڑنے لگے۔ اتنے میں زرگر کے بھائی نے پیچھے سے آ کر انہیں گردن پر مُکّا مارا اور بھاگ گیا۔ مکرم منیر الحصنی صاحب کے بھائی نے پولیس میں رپورٹ درج کرا دی۔ اب اس مسیحی کے رشتہ دار مکرم منیر الحصنی صاحب کے ایک اور بھائی کے پاس گئے تا وہ اپنے چھوٹے بھائی کو سمجھائیں اور معاملہ رفع دفع ہو جائے۔ لیکن انہوں نے ان عیسائیوں کو اور بھی ڈرایا دھمکایا۔ آخر وہ مکرم منیر الحصنی صاحب کے پاس آئے۔ آپ نے کہا کہ یا تو اسی دکان پر مُکّا مارنے والے کو سب کے سامنے مُکّا مار کر بدلہ لیا جائے یا حکومتی فیصلہ کا انتظار کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ آپ جو فیصلہ کریں گے ہمیں قبول ہے۔ آپ نے دونوں طرف سے اقرار لے لیا۔ پھر زرگروں کے بازار میں گئے۔ وہاں ایک دکان پر کھڑے ہو کر سب کو خاموش کرایا۔ پھر تقریباً آدھ گھنٹہ تک لیکچر دیا جس میں بتایا کہ دیکھو خدا تعالیٰ نے اپنی دی ہوئی نعمتوں میں سب انسانوں کو مساوی قرار دیا ہے۔ سورج جیسے مسلم کو روشنی پہنچاتا ہے ویسے ہی مسیحی کو۔ اور جیسے ایک مسلم اپنے ناک کے ذریعہ نہایت آزادی سے ہوا سونگھتا ہے ویسے

ہی ایک مسیحی۔ پس کیا خدا تعالیٰ کا یکساں معاملہ ہمیں یہ نہیں سکھاتا کہ ہم بھی ہر ایک انسان کو انسان سمجھ کر اس سے انسانیت کا معاملہ کریں؟ اور ایک دوسرے کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ نہ تو عام طور پر مسلمان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر عمل کرتے ہیں نہ مسیحی حضرت مسیح علیہ السلام کے ارشادات بجالاتے ہیں۔ مثلاً مسیحؑ نے کہا ہے کہ اگر کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ مگر کون مسیحی اس پر عمل کرتا ہے؟ یا اس کا صحیح مطلب سمجھنے کی کوشش کرتا ہے؟ مگر مَیں ایک مسلم ہو کر اس کے معانی سمجھتا ہوں۔...... بات یہ ہے کہ جو شخص امن اور سلامتی کی راہ چھوڑتا ہے وہ انسانیت کے درجہ سے گر کر وحشی جانوروں کی سیرت اختیار کرتا ہے۔ پس ایسے شخص کی تربیت اور اصلاح کے لئے بعض وقت سزا دینا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ میں مکّا مارنے والے بھائی کے متعلق یقین رکھتا ہوں کہ وہ سعید الفطرت ہے اور وہ بدلہ دینے کے لئے بھی تیار ہے اس لئے اس کو معاف کرتا ہوں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے مذکورہ بالا قول کی تفسیر عملی طور پر پیش کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ جس نے میرے بھائی کو مارا مَیں اس کے سامنے اپنا گال پیش کرتا ہوں، اگر چاہے تو اس پر بھی تھپڑ مارلے۔ اس پر انہوں نے ضارب کے قریب اپنا گال کیا تو اس نے اس پر تھپڑ مارنے کی بجائے بوسہ دے دیا۔ یہ ایک ایسا منظر تھا کہ تمام حاضرین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

(ماخوذ از الفضل یکم اکتوبر 1929ء صفحہ 1-2 بحوالہ خالد احمدیت جلد اوّل صفحہ 240-242)

آپ کی بیعت کے بعد دمشق میں باقاعدہ مرکز کا قیام بھی عمل میں آیا۔ کچھ عرصہ بعد جب مولانا شمس صاحب پر حملہ ہوا اور انہیں دمشق سے فلسطین منتقل ہونا پڑا تو جماعت احمدیہ شام کا انتظام وانصرام آپ کے سپرد ہوا۔ پھر آپ کو 1928ء میں باقاعدہ طور پر جماعت احمدیہ شام کا امیر بننے کا اعزاز بھی حاصل ہوا اور آپ اس عہدہ پر تاحیات فائز رہے۔

آپ نے جملہ مبلغین بلادِ عربیہ کے ساتھ مل کر کام کیا۔ مختلف عرب ممالک کے سفر بھی اختیار کیے۔ اور دین کی خدمت میں اپنا سب کچھ فدا کر دیا۔ آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ عرب دنیا کے آپ پہلے موصی ہیں جو نظام وصیت میں باقاعدہ طور پر شامل ہوئے۔ اسی طرح آپ کو یہ اعزاز بھی نصیب ہوا کہ 1970ء کے جلسہ سالانہ ربوہ کے موقع پر ایک اجلاس کی صدارت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے آپ کے سپرد کی۔ اور اس طرح آپ پہلے عربی

احمدی بن گئے جس نے جلسہ سالانہ کے کسی اجلاس کی صدارت کی۔

تقریباً 63 سال تک مسلسل تبلیغ وتربیت و اخلاص کی راہوں پر چلنے کے بعد بالآخر یہ مبارک وجود 1988ء میں تقریبا 90 سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ آپ نے رسالہ البشریٰ میں کئی مضامین لکھے۔ کئی قصائد اور نظمیں لکھیں اور متعدد کتابیں تالیف فرمائیں۔ آج بھی عرب احمدیوں میں آپ کے قصائد اور ترانے زبان زد عام ہیں۔ آپ کی کتابوں میں اہم ترین کتاب ''المودودی فی المیزان'' ہے۔

1939ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے عہد خلافت کے 25 سال پورے ہونے پر جماعت احمدیہ نے سلور جوبلی منانے کا فیصلہ کیا۔ اس میں عرب ممالک کی جماعتوں کی طرف سے بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں سپاسنامے اور اخلاص ووفا کے عہد و پیمانوں کی تجدید پر مشتمل خطوط لکھے گئے۔ جماعت شام کی طرف سے مکرم منیر الحصنی صاحب نے یہ خط لکھا جس میں آپ نے حضورؓ کی مدح میں ایک قصیدہ بھی لکھ کر ارسال کیا۔ اس کے چند شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

تحييك الجزيرة والشآم
بشير الدين والبيت الحرام
دمشق كان يكنفها ظلام
فلما زرتها ولّى الظلام
أمير المؤمنين وهل سواكم
لنشر الدين فى الدنيا إمام
ستملك هذه الدنيا يقينا
وعُدَّتُك المعارف لا الحسام
وكيف نخاف فَقْدَ المجد يوما
ومحمود العظيم لنا إمام
بقيت خليفة الرحمٰن فينا
طويلا تهتدى بكم الأنام

یعنی اے حضرت مرزا بشیر الدین آپ کو جزیرۂ عرب اور بلادشام اور بیت اللہ الحرام کے علاقوں کے باسیوں کی طرف سے سلام اور آداب کا تحفہ پیش ہے۔دمشق میں آپ کی آمد مبارک سے قبل ظلمتوں کا دور دورہ تھا لیکن آپ کی آمد سے تمام اندھیرے چھٹ گئے۔اے امیر المؤمنین دین اسلام پھیلانے کیلئے دنیا میں آپ جیسا امام اور کہاں ہوسکتا ہے۔ایک دن ساری دنیا آپ کے ہاتھ میں ہوگی کیونکہ اس کو فتح کرنے کے لئے آپ کے پاس تیروتفنگ کی بجائے علم ومعارف کا اسلحہ ہے۔جب ہمارے پاس سیدنا محمود جیسا عظیم امام ہے تو ہمیں اسلام کی عظمت کے کھو جانے کا خوف کیونکر لاحق ہوسکتا ہے۔خدا کرے کہ آپ لمبے عرصہ تک خدا کے خلیفہ کی حیثیت سے ہمارے درمیان موجود وسلامت رہیں اور دنیا آپ کے ذریعہ رشد وہدایت پاتی رہے۔

مکرم منیر الحصنی صاحب

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے مائدہ پر

کرسیوں پر: حضرت مرزا طاہر احمد صاحب، حضرت مرزا منصور احمد صاحب، حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ، مکرم منیر الحصنی صاحب، مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب
کھڑے ہوئے (دائیں سے بائیں): دوسرے نمبر پر ابوالمنیر نورالحق صاحب، شیخ نور احمد منیر صاحب، پانچویں نمبر پر مولانا عبدالمالک خانصاحب، شیخ مبارک احمد صاحب، ملک سیف الرحمٰن صاحب، ملک مبارک احمد صاحب

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحبؓ کے ساتھ زاویۃ الحصنی دمشق میں

مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ کی لندن سے کامیاب مراجعت کے موقعہ پر اہل قادیان نے
15/ اکتوبر 1946ء کوان کا نہایت پرتپاک اور پُر جوش خیر مقدم کیا
لندن سے واپسی کے سفر میں شام سے مکرم منیر الحصنی صاحب بھی انکے ہمراہ قادیان تشریف
لائے تھے

مکرم الحاج محیی الدین الحصنی صاحب

الحصنی خاندان جہاں ظاہری اثر ورسوخ اور جاہ وحشمت اور عزت و احترام رکھتا تھا وہاں اس خاندان کے گراں قدر ہیرے احمدیت کے گود میں آنے سے اور نکھر گئے۔ ان میں سے ایک الحاج محیی الدین الحصنی تھے۔ آپ کا شمار مصر کے چند مشہور اور بڑے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ اور آج تک آپ کا نام مصر میں شارع الأزہر پر واقع آپ کی سابقہ بڑی بڑی دکانوں پر موجود ہے۔

آپ نے 1933ء میں مولانا ابو العطاء جالندھری صاحب کے ذریعہ احمدیت قبول کرنے کی سعادت پائی۔ اور اخلاص میں اس قدر ترقی کر گئے کہ اعلائے کلمہ اسلام کو ہمیشہ ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے۔ اپنے ہر قسم کے مفاد پر احمدیت کو فوقیت دیتے اور محض خدمت کی غرض سے جماعت کے کاموں میں پیش پیش رہتے۔ آپ جماعت احمدیہ مصر کے صدر بھی رہے اور جب 1938ء میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے مصر میں کچھ عرصہ قیام کیا تو مکرم محیی الدین صاحب کو آپ سے ملاقات اور خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ اسی طرح آپ کو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ساتھ بھی بلاد عربیہ میں متعدد سفروں میں رفاقت کی سعادت نصیب ہوئی۔

مولانا ابو العطاء صاحب ان کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:

اخویم استاذ منیر آفندی الحصنی پہلے سے احمدی تھے۔ ان کے بڑے بھائی السید محی الدین الحصنی المرحوم جو قاہرہ کے بڑے تاجر تھے میرے وقت میں سلسلہ میں داخل ہوئے تھے۔ اور بہت زندہ دل تھے۔ وہ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ مَیں نے چندہ کی تحریک کی اور احباب نے

چندے لکھوائے اور ادا کرنے شروع کئے تو انہوں نے بھی خاصی رقم چندہ کی دی مگر ظرافت طبع کے طور پر کہنے لگے۔ يا أستاذ إنّك أبو العطاء ولكنّك دائمًا تحرّضنا على التبرّعات فلِمَ لا تسمّى اسمَك أبا الأخذ؟ کہ اے استاد، آپ کا نام ابو العطاء (عطا کرنے والا) ہے مگر آپ ہمیشہ چندوں کی تحریک کرتے رہتے ہیں۔ آپ اپنا نام ابو العطاء کی بجائے أبو الأخذ (یعنی لینے والا) کیوں نہیں رکھ لیتے؟ میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا کہ راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی تحریک کرنا بھی ایک عطاء ہے اس لئے میرا نام ابو العطا ہی رہنے دیں۔ مجلس میں اس سے خوش طبعی کی لہر پیدا ہوگئی۔ مرحوم محی الدین الحصنی بہت خوبیوں کے مالک تھے۔ رحمہ اللہ۔

(الفرقان ربوہ، جون 1971ء صفحہ 25-26)

آپ نے 1954ء میں وفات پائی۔

مکرم الحاج عبد الرؤف الحصنی صاحب

آپ مکرم منیر الحصنی صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔آپ نے 1938ء میں بیعت کی اور میدان روحانیت میں بہت جلد اعلیٰ منازل طے کر کے دوسروں کے لئے نمونہ بن گئے۔آپ کی وفات اپریل 1954ء میں ہوئی۔آپ کی وفات پر مکرم شیخ نور احمد منیر صاحب سابق مبلغ سلسلہ بلاد عربیہ نے لکھا:

الحاج مرحوم جماعت دمشق میں اخلاص اور ایثار کا نمونہ تھے۔سلسلہ کی تمام مالی تحریکات میں ایک مثال رکھتے تھے۔ہفتہ واری میٹنگ میں شمولیت، نماز جمعہ میں باقاعدگی، ضیافت، خندہ پیشانی، سنجیدگی، اولاد کی تربیت، چغلی سے نفرت ان کی نمایاں خوبیاں تھیں۔قدرتاً نورانی شکل رکھتے تھے۔انہی اوصاف کی وجہ سے جماعت دمشق نے ان کو پریذیڈنٹ منتخب کیا۔آپ کو سلسلہ کے خدام سے ایک خاص محبت تھی، سلسلہ کے کئی مبلغین کرام جن کو دمشق سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہے ان کو مشہور تاریخی مقامات کی زیارت کرواتے، ان کے ساتھ ہوا خوری کے لئے نکلتے اور ان کی ملاقات کے لئے بار بار آتے۔مجھے دمشق میں تین سال رہنے کا اتفاق ہوا اور مَیں نے آپ کو سلسلہ کے لئے قابل قدر اور مفید وجود پایا۔

ایک دفعہ الحاج عبد الرؤف اور عاجز دمشق کے سرسبز مقام ''ربوہ'' گئے۔راستے میں کہنے لگے کہ احمدیت کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے۔احمدیت نے مجھے صحیح راستہ پر چلا دیا۔قرآن کریم سے ان کو عشق تھا۔تفاسیر سننے کے ہمیشہ مشتاق رہتے۔کانوں میں نقص کی وجہ سے وہ اونچی سنتے تھے اس لئے وہ پاس بیٹھ کر اور خاص توجہ سے سننے کے عادی ہو چکے تھے۔ان کا نمایاں وصف جو قابل رشک واقتداء ہے وہ اولاد کی تربیت کرنا ہے۔جمعہ کی نماز میں آپ اپنے تمام بچوں کو

ساتھ لاتے۔ الحاج مرحوم نے اپنے گھر میں احمدیت کا ماحول پیدا کر دیا تھا۔ ان کا گھرانہ اس لحاظ سے قابل رشک تھا۔ دوسری مرتبہ حج کرنے کی خواہش تھی اور حج سے واپسی پر حضرت خلیفہ ثانیؓ، اصحاب مسیح موعود علیہ السلام اور قادیان کی زیارت کے متمنی تھے لیکن افسوس ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

(از تاریخ احمدیت جلد 16 صفحہ 404-405)

کبھی کبھی خدا تعالیٰ کا فضل اس طرح بھی انسان پر ہوتا ہے کہ اس کی خواہش کو ایسے عظیم الشان رنگ میں پورا فرماتا ہے کہ جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ الحاج عبد الرؤف الحصنی صاحب کی قادیان جا کر حضرت خلیفہ ثانیؓ سے ملاقات کی خواہش تو پوری نہ ہو سکی تاہم یہ ایک عجیب اتفاق ہوا کہ انکی وفات کے بعد حضرت خلیفہ ثانیؓ نے بغرض علاج یورپ کا سفر اختیار کیا تو راستہ میں دمشق میں بھی چند دن قیام فرمایا۔ ان میں سے ایک رات الحاج عبد الرؤف الحصنی صاحب کے صاحبزادگان نے حضور انورؓ کو رات کے کھانے کی دعوت دی جسے حضورؓ نے قبول فرمالیا اور پھر خود ان کے گھر تشریف لائے۔ السید عبد الرؤف الحصنی کے بڑے بیٹے سید نادر الحصنی اپنے خاندان کے لئے اخلاص کا ایک عمدہ نمونہ تھے۔ حضور کی طبیعت شگفتہ تھی اور اس شگفتگی سے ساری مجلس باغ و بہار بنی رہی۔ لطائف کا سلسلہ چلتا رہا۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد حضور نے دعا کروائی۔ پھر السید نادر الحصنی کے چھوٹے بھائی السید نور الدین الحصنی صاحب نے سورہ والضّحیٰ کی نہایت خوش الحانی سے تلاوت کی۔

مکرم نادر الحصنی صاحب بفضلہٖ تعالیٰ بقید حیات ہیں اور کینیڈا میں مقیم ہیں۔ مختلف کتب اور تراجم پر کام کرتے رہتے ہیں۔ نیز ایک قادر کلام شاعر بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت دے۔ (آمین)

مکرم الحاج بدرالدین الحصنی صاحب

آپ بھی مکرم منیر الحصنی صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ اور آپ کا شمار شام کے بڑے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا اور ریشمی کپڑے کے کارخانے کے مالک تھے۔ جماعتی کاموں میں پیش پیش ہوتے تھے۔ جب بھی کوئی احمدی مہمان آتا تو اس کی خدمت اور ضیافت میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ آپ کے لئے سب سے بڑی فخر کی یہ بات تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے 1955ء میں سفر یورپ کے دوران دمشق میں آپ کے گھر میں قیام فرمایا۔

حضورؓ نے خود ان کے بارہ میں تحریر فرمایا:

''مستورات کے لئے برادرم سید بدرالدین الحصنی جو منیر الحصنی کے چھوٹے بھائی ہیں، کی مستورات تشریف لائی ہوئی تھیں۔ وہ مستورات کو گھر لے گئیں پیچھے پیچھے ہم بھی پہنچ گئے۔ محبت اور اخلاص کی وجہ سے بدرالدین الحصنی نے سارا گھر ہمارے لئے خالی کر دیا ہے اس وقت ہم اس میں ہیں۔ جس محبت سے یہ سارا خاندان ہماری خدمت کر رہا ہے اس کی مثال پاکستان میں مشکل سے ملتی ہے۔ برادرم سید بدرالدین حصنی شام کے بہت بڑے تاجر ہیں لیکن خدمت میں اتنے بڑھے ہوئے ہیں کہ اپنے اخلاص کی وجہ سے وہ خادم زیادہ نظر آتے ہیں رئیس کم نظر آتے ہیں''۔

ایک دن قیام دمشق کے دوران ایک مجلس میں حضرت خلیفہ ثانیؓ مختلف احباب سے حالات دریافت فرماتے رہے۔ اس دوران میں عطروں کا ذکر آیا الف لیلہ میں دمشق کے عطروں کا بڑا ذکر آتا ہے۔ احباب نے عرض کیا کہ یہاں تو فرانسیسی عطر زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں لیکن بعض عطر مثلاً گلاب اور چنبیلی خاصے اچھے ہیں۔ الحاج سید بدرالدین الحصنی نے اسی اثناء

میں کسی کو مختلف قسم کے عطر لانے کی ہدایت کر دی اور چند منٹ بعد مختلف عطر وہ حضور کی خدمت میں پیش کر رہے تھے۔ حضور نے مختلف عطروں کو سونگھتے ہی بتا دیا کہ یہ سب کیمیکل ایسنس کے ہیں۔

آپ کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے دمشق سے روانگی سے قبل آپ کے گھر میں ہی عربی زبان میں 6رمئی 1955ء کو خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آج سے تقریباً نصف صدی قبل جب کہ آپ میں سے اکثر ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے حضرت مسیح موعودؑ کو الہام فرمایا:

"یدعون لك أبدال الشام وعباد الله من العرب"

(مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ 86)

اور آج آپ کے وجود سے یہ الہام پورا ہو گیا ہے۔

مکرمہ السیدۃ نظمیۃ الحصنی صاحبہ

آپ مکرم منیر الحصنی صاحب کی اکلوتی بہن تھیں۔ آپ کا شمار دمشق کے ابتدائی احمدیوں میں ہوتا ہے۔آپ دمشق کے ایک علاقے ''المیدان'' میں رہتی تھیں جہاں کبھی کبھار ایک دینی علوم پڑھانے والی عورت کے پاس جاتیں اور اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور کی خبر دینے کے بعد تبلیغ کرتی تھیں۔ یہ عورت نہ صرف انکار سے کام لیتی بلکہ کبھی کبھار تمسخر کا نشانہ بھی بناتی۔ لیکن مسلسل تبلیغ کرتے رہنے سے ان کی کوششیں بر آئیں اور یہ عورت احمدی ہوگئی۔ آپ کی وفات پچاس کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں ہوئی۔

مکرم منیر المالکی صاحب

آپ 1902ء میں دمشق کے ایک محلّہ الحریقہ میں پیدا ہوئے۔آپ شام کے شہید ہیرو عدنان المالکی کے چچازاد بھائی تھے۔عدنان المالکی کی خدمات اور شہادت کی وجہ سے حکومت نے دمشق میں ان کا ایک مجسمہ نصب کیا ہے۔آپ کا خاندان دمشق کا پرانا خاندان سمجھا جاتا ہے۔آپ نے بیروت میں امریکن یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اس کے بعد 1922ء میں میکینکل انجینئرنگ کی تعلیم کے لئے جرمنی کا سفر اختیار کیا اور تین سال تک وہاں قیام کیا۔وہاں ان کی ملاقات مکرم منیر الحصنی صاحب سے ہوئی جو کہ ان کی طرح انجینئرنگ کی تعلیم کے لئے جرمنی میں مقیم تھے۔یوں ان دونوں کے درمیان مضبوط دوستی کی بنیاد پڑ گئی۔

جرمنی سے واپسی کے کچھ عرصہ کے بعد دمشق یونیورسٹی کے لاء کالج میں دونوں دوستوں کی دوبارہ ملاقات ہوئی۔مکرم منیر الحصنی صاحب نے ان کو تبلیغ کی جس کے نتیجہ میں یہ احمدیت کی آغوش میں آگئے۔آپ کا شمار دمشق کے پرانے احمدیوں میں ہوتا ہے۔

1930ء میں آپ کو حکومت کی طرف سے ''الفیجة'' نامی چشمہ کے پانی کی سپلائی کے ادارہ کے ڈائریکٹر کا منصب سپرد کیا گیا۔دمشق کے پورے شہر کو اس چشمے سے پینے کے پانی کی سپلائی ہوتی تھی۔

1949ء میں وزیر اعظم خالد العظم نے آپ کو فلسطینی مہاجرین کی فلاح و بہبود کے لئے بنائے گئے ایک ادارے کا ڈائریکٹر بنا دیا۔آپ نے عربی قومی پارٹی کے قیام میں بھی قابل قدر کوششیں کیں اور بعد ازاں اس پارٹی کے سیکرٹری بنے۔

سیرین وزارت ثقافت کی طرف سے 1991ء میں شائع شدہ کتاب ''من میسلون إلى

الجلاء'' میں لکھا ہے کہ شام کے صدر نے کئی مرتبہ سیرین فوج کے لئے اسلحہ اور جہاز وغیرہ خریدنے کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی۔

آپ نہایت مخلص اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جب 1955ء میں دمشق تشریف لے گئے تو مکرم منیر المالکی صاحب کو بھی شرف ملاقات نصیب ہوا۔آپ نے حضورؓ کے اعزاز میں 4رمئی 1955ء کو دعوتِ عشائیہ دی جس میں حضور نے شرکت فرمائی۔اس دعوت میں کئی ایک شامی احباب بھی مدعو تھے۔اسی طرح حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ساتھ بھی آپ کے نہایت مخلصانہ تعلقات تھے۔

مکرم شفیق شبیب صاحب

مکرم شفیق شبیب صاحب شام کے مشہور موسیقار تھے۔آج تک شام کے نشریاتی ادارے مختلف تقریبات کے موقعہ پر آپ کو یاد کرتے ہیں۔ بیعت کرنے سے پہلے آپ کو شامی حکومت کی طرف سے قاہرہ میں موسیقی کے ایک میلے میں نمائندہ کے طور پر بھجوایا گیا تھا۔لیکن بیعت کرنے کے بعد آپ نے شامی ریڈیو سے استعفیٰ دے دیا جہاں آپ کسی اہم پوسٹ پر کام کر رہے تھے۔حکومت کی طرف سے آپ کو استعفیٰ واپس لینے پر آمادہ کرنے کی کوششیں کی گئیں لیکن آپ نے انکار کر دیا اور استعفیٰ کی وجہ بھی نہیں بتائی۔آپ کی موسیقی کے میدان میں قابلیت کے علاوہ ریڈیو کے نشریاتی نظام میں مختلف شعبوں میں تجربہ کے پیش نظر حکومتی اداروں کی طرف سے آپ کو واپس لانے کی کوششیں جاری رہیں اور تین چار سال کی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ نے اس شرط پر اپنا عہدہ سنبھالنے کی حامی بھر لی کہ آپ نہ تو موسیقی کی مجالس میں جائیں گے اور نہ ہی آلات موسیقی کو بجائیں گے۔لیکن اسکے باوجود آپ کا اس کام میں دل نہ لگا اور آپ نے دوبارہ استعفیٰ دے دیا۔ چنانچہ استعفیٰ واپس لینے کے لئے دوبارہ آپ کے ساتھ رابطے شروع کئے گئے۔لوگ آ کے آپ کو کہتے تھے کہ جب آپ کی تمام شرائط پوری ہو رہی ہیں پھر آپ کے استعفیٰ دینے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے رؤیا میں سمجھایا گیا ہے کہ اسلام میں موسیقی حرام ہے۔

شیخ ناصر الدین البانی عالم اسلام میں حدیث کے بڑے عالم مانے جاتے ہیں۔ایک دفعہ یہ شیخ صاحب مکرم منیر الحصنی صاحب کے ساتھ مناظرہ کے لئے آئے۔لیکن ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے مکرم شفیق شبیب صاحب نے کہا کہ میں آپ سے مناظرہ کرتا ہوں۔

چنانچہ فیصلہ ہوا کہ یہ مناظرہ تحریری ہوگا۔ اور ابتدا وفات مسیح کے مسئلہ سے ہوگی۔ شیخ ناصر الدین تو حیات مسیح کا قائل تھا۔ اور اس نے اسی کے حق میں دلائل دینے شروع کئے تو اس موقعہ پر دمشق کے ایک نو احمدی دوست محمد الشواء صاحب نے شیخ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ شاید آپ کو یاد ہو کہ میں آپ کے پاس آیا کرتا تھا اور ہمیشہ وفات مسیح کے متعلق دریافت کرتا تھا۔ اس وقت آپ نے مجھے کہا تھا کہ ہم عیسائیوں کا منہ بند کرنے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام تو وفات پا گئے ہیں۔

اس یاد دہانی کے بعد مکرم محمد الشواء صاحب نے ناصر الدین البانی صاحب کو مخاطب کر کے پوچھا:

اب آپ بتائیں کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام حقیقت میں وفات پا گئے ہیں یا نہیں؟ دو دو دفعہ خاموشی کے بعد تیسری دفعہ اس سوال کے جواب میں انہوں نے کہا: نہیں۔ یوں یہ مناظرہ یہیں پہ ختم ہو گیا۔ شاید شیخ ناصر الدین صاحب کو بھی اپنی دوغلے پن کا احساس ہو گیا تھا اس لئے مناظرہ سے بھاگنے میں ہی عافیت سمجھی۔ تاہم ایک بات ضرور نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی شیخ صاحب اس بات کے معترف تھے کہ جو فطرتی ہتھیار عیسائیوں کا منہ بند کرنے کے لئے استعمال ہونا چاہئے وہ وفات مسیح کا اثبات ہی ہے۔ لیکن اس کے برملا اظہار سے اعراض کی دیگر وجوہات کے علاوہ شاید بڑی وجہ یہ بھی ہو کہ یہ عقیدہ تو جماعت احمدیہ پیش کرتی ہے۔ اور خواہ ثابت بھی ہو جائے کہ جماعت احمدیہ حق پر ہے پھر بھی یہ دین کے ٹھیکیدار تقویٰ کی راہ سے منہ موڑ کر اس حق کی مخالفت اور دشمنی پر مصر تھے۔

افسوس کہ اس مذکورہ بالا تحریری مناظرہ کو وزارت اوقاف نے 1950ء میں اپنے قبضہ میں لے لیا۔

مکرم شفیق شبیب صاحب نے 1966ء یا 1967ء میں تقریباً اسّی سال کی عمر میں وفات پائی۔

❁❁❁❁❁

مکرم ممدوح الدُرگشْلی صاحب

آپ کو جماعت کا تعارف مکرم شفیق شبیب صاحب کے ذریعہ ہوا۔اور آپ نے چالیس کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں بیعت کرلی۔آپ مشہور ومعروف قاضی تھے۔ پھر آپ دمشق میں Estate interests کے شعبہ کے صدر بن گئے۔ پھر ترقی کر کے پچاس کی دہائی میں ضلع دمشق کے مرکزی دفتر میں گورنر کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔

آپ کی سیکرٹری کے عہدہ پر ترقی کا واقعہ بھی بہت دلچسپ ہے۔آپ کی ترقی کی سفارش آپ کے دیگر ساتھیوں کے ساتھ ہوئی تھی۔لیکن جب مرکزی وزارت سے جواب آیا تو اس میں آپ کا نام نہیں تھا۔آپ نے کچھ انتظار کیا لیکن آپ کی ترقی کا معاملہ مسلسل تاخیر کا شکار ہوتا گیا۔آپ نے نہایت مضطربانہ حالت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! میری ترقی کیوں رک گئی ہے جبکہ میں تو حتی الوسع تیری اطاعت کرنے کی کوشش کرتا ہوں،لیکن دوسری طرف حال یہ ہے کہ لوگ عصیان کے مرتکب ہونے کے باوجود ترقی پاتے جارہے ہیں۔اس دعا کے بعد آپ کو خواب میں فرشتہ نظر آیا جس نے آپ کو سورۃ الاخلاص اور الفلق اور النّاس کی تفسیر سکھائی۔ جب آپ جاگے تو مکمل اطمینان تھا،اور اس خواب کی یہ تعبیر کی کہ یہ انتظار دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان تھا اور اللہ تعالیٰ انہیں ضائع نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس خواب کے تھوڑا عرصہ بعد ہی آپ کی گورنر کے سیکرٹری کے عہدہ پر ترقی ہوگئی۔

آپ کے عرصۂ ملازمت کے دوران ایک دفعہ ایک گورنر کی مدت ملازمت ختم ہوگئی اور تقریباً سات آٹھ ماہ تک نئے گورنر کی تعیناتی عمل میں نہ آسکی،اس عرصہ میں آپ کو حکم ہوا کہ آپ گورنر دمشق کے فرائض بھی انجام دیتے رہیں۔ چنانچہ سات آٹھ ماہ تک بحیثیت گورنر

فرائض انجام دینے کے بعد جب وزارت داخلہ نے آپ کو گورنر کے عہدہ پر فائز کرنا چاہا تو آپ خود وزیر داخلہ کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ آپ احمدی ہیں۔اس پر اس وزیر داخلہ نے کوئی اعتراض نہ کیا اور یوں آپ نے گورنر کا عہدہ سنبھال لیا۔آپ اہل وطن کے لئے بے مثال خدمات اور انکے ساتھ اخلاص ومحبت کے ساتھ پیش آنے میں بہت مشہور تھے۔آپ کی وفات ساٹھ کی دہائی میں ہوئی۔

مکرم محمد الذھب صاحب

آپ کا تعلق دمشق کے قریبی سیاحی مقام ''الزبدانی'' سے تھا۔ آپ دمشق ائیر پورٹ پر پھولوں اور پودوں کی دیکھ بھال کا کام کیا کرتے تھے۔ مکرم شفیق شبیب صاحب کو اپنے گھر کے باغیچہ کو سنوارنے کے لئے ایک عدد مالی کی ضرورت تھی چنانچہ انہوں نے ان کی خدمات حاصل کیں۔ اور یوں محمد الذھب صاحب ان کے گھر آنے جانے لگے۔ مکرم شفیق شبیب صاحب ان کو وقتاً فوقتاً احمدیت کے بارہ میں بتاتے رہتے تھے۔ آخر جب ان کا دل مطمئن ہو گیا تو انہوں نے خود ہی بیعت کی خواہش کا اظہار کیا اور یوں شفیق صاحب انکو لے کر مکرم منیر الحصنی صاحب کے پاس تشریف لائے جہاں آپ نے چند سوالات کے بعد بیعت کر لی۔

آپ نمازوں کے بہت زیادہ پابند تھے۔ اور اپنے بیٹے کے ہمراہ مکرم محمد الشواء صاحب کے گھر فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے تشریف لاتے تھے۔ آپ کی وفات ساٹھ کی دہائی میں ہوئی۔

مکرم ابراہیم الجبّان صاحب

آپ کا شمار دمشق کے قدیم اساتذہ میں ہوتا ہے۔آپ تعلیم کے شعبہ میں اور علم کی روشنی پھیلانے کے لئے کوشاں رہنے کی وجہ سے مشہور تھے۔آپ چالیس کی دہائی کے اخیر میں احمدیت میں داخل ہوئے۔ پھر آپ کے ذریعہ آپ کی بہن اُمّ نور بھی احمدی ہوگئیں اور ان کے بعد ان کا بیٹا انور الشریف بھی احمدیت کی آغوش میں آ گیا۔

آپ نہایت سلجھے ہوئے، اعلیٰ ظرف کے مالک اور بااخلاق انسان تھے۔تبلیغ احمدیت کا جنون تھا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دوسرے سفر یورپ کے دوران دمشق میں قیام کے موقع پر آپ نے حضورؓ کی مدح میں ایک قصیدہ بھی لکھا جسے حضورؓ کے سامنے پڑھ کر سنایا۔اسی طرح اس وفد میں بھی شامل ہوئے جو شام سے بیروت تک حضورؓ کے ساتھ گیا اور راستے میں بعلبک کے آثارِ قدیمہ کی سیر بھی کی۔آپ کی وفات ساٹھ کی دہائی میں ہوئی۔

کرسیوں پر: عبدالرؤف الحصنی، مصطفیٰ نویلاتی، علی بِک ارناؤوط، چوہدری محمد شریف، منیر الحصنی، شفیق شبیب۔
کھڑے ہوئے: علاء الدین نویلاتی، ممدوح الدرکشلی، محمد الحصنی، انور ارناؤوط، حمدی زکی، مسلم السیر وان، ابو صلاح نویلاتی، ابن علی ارناؤوط، موفق سلطان، عبداللطیف الیافی، طریف شبیب

کرسیوں پر: شفیق شبیب صاحب، حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحبؓ، منیر الحصنی صاحب، منیر المالکی صاحب، ان کے ساتھ عبدالرؤف الحصنی صاحب کھڑے ہیں، جبکہ پیچھے تصویر کے وسط میں کھڑے ہوئے احباب میں رشدی بسطی صاحب، سعید سوقیہ صاحب اور ابراہیم الجبان صاحب نمایاں ہیں۔

دائیں سے بائیں: رشید احمد چغتائی صاحب، عبدالرؤوف الحصنی صاحب، منیر الحصنی صاحب (پیچھے)
حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحبؓ، بدرالدین الحصنی صاحب

شفیق الشبیب صاحب، بدرالدین الحصنی صاحب، حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحبؓ، اور
ممدوح الدرکشلی صاحب۔

مکرمہ جہان ام نور صاحبہ

آپ اپنے بھائی مکرم ابراہیم الجبان صاحب کے ذریعہ احمدی ہوئیں۔ آپ دمشق کے بعض سکولوں میں ایجوکیشنل کنسلٹنٹ کے طور پر کام کرتی تھیں۔ آپ کی بیعت کا قصہ بھی عجیب ہے۔ آپ کا بھائی آپ کو بیعت کے لئے کہتا تھا لیکن آپ کہتی تھیں کہ اگر آپ غلطی پر ہوئے تو میں اپنے آپ کو اس جھنجھٹ میں کیوں ڈالوں۔ چنانچہ آپ کے بھائی نے کہا کہ تم استخارہ کرلو کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ استخارہ کرنے والا کبھی ٹھوکر نہیں کھاتا۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کو دعائے استخارہ سکھائی۔ آپ نے استخارہ کے دوران اپنے رب سے یہ دعا کی کہ اے اللہ تو مجھے ایسے واضح طریق پر اس جماعت کے بارہ میں راہنمائی فرما جس میں کوئی شک وشبہ کی بات نہ ہو اور جسے مَیں خود ہی سمجھ سکوں ۔ یہ نہ ہو کہ مجھے اس کے سمجھنے کے لئے کسی اور کے پاس جانا پڑے۔ چنانچہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ ایک پہاڑ پر کھڑی ہیں جس کے ایک جانب لوگوں کا ایک گروہ اس پہاڑ پر جانے کے لئے سڑک بنا رہا ہے۔ ان میں ان کا بھائی بھی ہے۔ آپ ان کو پوچھتی ہیں کہ تم کیا کر رہے ہو؟ تو وہ جواب دینے کی بجائے اسے سوال پوچھتے ہیں کہ کیا تم ابھی تک جماعت احمدیہ اور اس کے بانی پر ایمان نہیں لائی ہو؟ کیونکہ ابھی یہاں پر ایک تند وتیز سیلاب آنے والا ہے لہٰذا اگر تم ہمارے ساتھ نہ آئی تو وہ سیلاب اپنے رستہ میں آنے والی ہر چیز کو بہا کر لے جائے گا۔ پھر آپ کے بھائی نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور آپ کو کہا کہ تم ابھی تک ایمان نہیں لائی ؟ یہ کہہ کر آپ کا ہاتھ تھام لیا۔

جب آپ کی آنکھ کھلی تو وہ فجر سے پہلے کا وقت تھا۔ آپ نے اپنے بھائی کو جگایا اور

انہیں اپنی خواب سنانے کے بعد کہا کہ مجھے ابھی مکرم منیر الحصنی صاحب کے پاس لے چلو کیونکہ مَیں بیعت کرنا چاہتی ہوں۔ان کے بھائی نے بڑی مشکل سے انہیں آمادہ کیا کہ اس وقت جانا مناسب نہیں ہے صبح ہونے پر ہم چلے جائیں گے۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی آپ اپنے بھائی کے ہمراہ مکرم منیر الحصنی صاحب کے پاس گئیں اور بیعت کر لی۔

مکرم انور الشریف ابو غلام صاحب

آپ اپنے ماموں مکرم ابراہیم الجبّان صاحب کے ذریعہ احمدیت میں داخل ہوئے۔ آپ سے قبل آپ کی والدہ صاحبہ بھی احمدیت کی آغوش میں آگئی تھیں۔آپ دمشق میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہے تھے اور چوتھے سال کی پڑھائی جاری تھی کہ احمدیت کی وجہ سے آپ کی زبردست مخالفت ہوئی اور بکثرت مخالفانہ باتیں اور ایذا دہی کے کلمات سننے کی وجہ سے آپ نفسیاتی امراض کا شکار ہو گئے۔اور دو سال تک نفسیاتی امراض کے ہسپتال میں زیر علاج رہے۔یوں آپ تعلیم کو جاری نہ رکھ سکے۔اور روبصحت ہو کر آپ نے ڈرائینگ اور پینٹنگ کی تعلیم حاصل کی اور دمشق کے ضلعی دفاتر میں نوکری کرنی شروع کی جسے آپ نے اپنی وفات تک جاری رکھا۔آپ نوے کی دہائی کے شروع میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔

آپ نے اپنے بیٹے کا نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام پر ''غلام احمد'' رکھا۔

آپ نے ارادہ کیا کہ پیدل سفر کر کے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا جائے اور جلسہ سالانہ میں شمولیت اور ربوہ کی زیارت کی جائے۔ چنانچہ سفر شروع کیا اور افغانستان تک پہنچے جہاں آپ کی دو دفعہ چوری ہو گئی جس کی وجہ سے آپ سفر جاری نہ رکھ سکے اور مجبورًا واپس لوٹ گئے۔

آپ کو تبلیغ کا از حد شوق تھا۔ایک مرتبہ آپ دمشق کے نواحی علاقے میں مقیم بدوی قبائل میں گئے جہاں قبیلہ کے سردار نے انہیں اپنا مہمان بنایا اور آنے کی وجہ پوچھی۔آپ نے بتایا کہ میں تمہارے پاس امام مہدی کے ظہور کی خوشخبری لے کر آیا ہوں اور بتانے آیا

ہوں کہ اب امام مہدی کی جماعت دمشق میں بھی موجود ہے۔اس کے بعد آپ ایک ماہ تک ان میں تبلیغ کرتے رہے۔

آپ بہت ذہین اور قابل انسان تھے۔ آپ نے انبیاء کا شجرہ اور حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کا شجرہ نسب بھی تیار کیا تھا اسی طرح ہجرت نبوی سے شروع کر کے شمسی کیلنڈر بھی بنایا تھا لیکن یہ سب کچھ ضائع ہو گیا۔

مکرم سعید القبانی صاحب

آپ نے وکالت کی تعلیم حاصل کی تھی اور ٹیکس کے محکمہ میں نوکری کرتے تھے۔آپ کے سسر عبد الرحمٰن الطباع شام کے وزیر اوقاف تھے۔آپ نے پچاس کی دہائی میں بیعت کی۔ حضرت خلیفہ ثانی نے 1955ء میں قیام دمشق کے دوران ان کے پہلے نکاح کا اعلان فرمایا تھا۔ اسی طرح آپ اس وفد میں بھی شامل تھے جو حضورؓ کے ساتھ بیروت گیا تھا۔

مکرم کمانڈر محمد علی بک الارناؤط صاحب

آپ سلطان عبد الحمید کے عہد میں مدرسہ حربیہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر مختلف آفیسرز کے وفد کے ہمراہ جدید اسلحہ اور اسکے استعمال کی تربیت کے لئے جرمنی اور آسٹریا گئے۔ پھر استنبول تشریف لائے جہاں آپ کی تقرری Military General Service Staff کی انٹیلی جنس برانچ میں بطور اٹیچی ہوئی۔ ایام جنگ میں آپ نے بطور کمانڈر دمشق کی حفاظت کے لئے مامور دستے کی قیادت بھی کی۔ اور یوں جنگ کے ہولناک دنوں میں اہل دمشق کے لئے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔

السید محمد علی پر صداقت احمدیت کا انکشاف بذریعہ خواب ہوا تھا چنانچہ انہوں نے عالم رؤیا میں دیکھا کہ ایک شخص آپ سے کہہ رہا ہے: أحمد القادياني صادقٌ۔ یعنی احمد قادیانی سچے ہیں۔ اس کے بعد الاستاذ منیر الحصنی صدر جماعت احمدیہ دمشق کی تحریک و تبلیغ پر آپ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوگئے۔ آپ جماعت احمدیہ دمشق کے ناظم تبلیغ رہے۔ اپریل 1947ء کے شروع میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے جنازہ میں ملک کی بڑی بڑی شخصیات، وزراء اور اعلیٰ عسکری شخصیات نے شرکت کی۔ اسی طرح فوج کے ایک دستے نے بھی حکومت کی طرف سے اپنی نمائندگی کی۔ ان میں سے ایک کمانڈر نے آپ کی وفات پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا: میری زندگی اور میرے وجود پر اس عظیم کمانڈر کا بہت بڑا قرض ہے جس نے مجھے اور میرے جیسے کئی عرب نوجوانوں کو موت کے گھاٹ اترنے سے بچایا۔

دمشقی پریس نے مرحوم کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ اہل شام کا پرانا اور حقیقی دوست ان سے جدا ہوگیا ہے۔ الف باء، الأيام، القبس، الكفاح، النصر، المناد، النضال

وغیرہ شامی اخبارات نے اپنے کالموں میں آپ کے دینی وملی کارناموں کو خراج تحسین پیش کیا۔

بوقتِ وفات آپ کی جیب میں ایک پائی بھی نہ تھی۔ حالانکہ آپ جن عہدوں پر فائز رہے وہاں سے لوگ فقیر سے امیر ترین ہو کر نکلے لیکن آپ نے ہمیشہ خدا تعالیٰ کی رضا کو دنیا اور اس کی خوش رنگیوں پر فضیلت دی۔

(از تاریخ احمدیت جلد 11 صفحہ 269، مجلۃ البشریٰ المجلد 15 تموز 1949ء صفحہ 140 تا 143)

مکرم الحاج عبد الحمید خورشید آفندی صاحب

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس بلاد عربیہ میں قیام کے دوران بغرض تبلیغ جب مصر تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں دیکھا کہ بعض امریکی مشن بعض خاص دنوں میں علی الاعلان مسیحیت کی تبلیغ کرتے ہیں اور مصر کے علماء باوجود کثرت کے کوئی بھی انکے مقابلہ کے لئے سامنے نہیں آتا۔ نتیجۃً وہ لگاتار اسلام اور بانئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مسلمان نوجوانوں میں زہر پھیلا رہے ہیں۔اس پر شمس صاحب ایک مشن ہاؤس میں گئے ۔آپ نے دیکھا کہ وہاں شیخ کامل منصور سابق ازہری مولوی جو کہ مرتد ہوکر عیسائی ہو گیا تھا صداقت اناجیل پر لیکچر دے رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ دیکھو اناجیل کی اشاعت کسی جنگ وجدال کی مرہون منت نہیں بلکہ وہ اپنی روحانی قوت سے اکناف عالم میں پھلیں۔لیکچر کے اختتام پر شمس صاحب نے اسے مناظرہ کی دعوت دی جو اس نے بخوشی قبول کر لی اور مناظرہ میں بُری طرح شکست کھائی۔اسلام کی طرف سے پہلی دفعہ اتنے مضبوط اور پرشوکت دفاع پر مسلمان حاضرین نے پرجوش تالیوں سے اسلامی مبلغ کی فتح کا اعلان کیا اور کئی منٹ تک اپنی تالیوں سے میدان مناظرہ کو گرمائے رکھا۔

اس مناظرہ کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ بہت سے مصری نوجوان جو عیسائیت کے اوہام کا شکار ہو رہے تھے پھر سے اسلام پر پختہ ہوگئے۔انہی نوجوانوں میں عبد الحمید خورشید آفندی بھی تھے جو مصر کے پہلے احمدی بنے۔جو اس مباحثہ میں آپ کے دلائل وبراہین سے اتنے متاثر ہوئے کہ احمدی ہوکر عیسائیوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ازاں بعد احمد حلمی صاحب احمدی ہوئے۔

(مآخذ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری 1947، مکرم طٰہٰ قزق صاحب کی یادیں، کبابیر، بلادی از عبد اللہ اسعد صاحب، تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 527)

مکرم عبد الحمید خورشید آفندی صاحب کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ قادیان تشریف لے جانے والے پہلے مصری احمدی ہیں ۔ یہ 1936ء کی بات ہے، کہ قادیان میں جب آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بغرض ملاقات حاضر ہوئے تو عرض کی کہ میری شادی کو 15 سال ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم ہیں۔ حضور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ نیک اولاد کی نعمت سے نوازے۔ حضورؓ نے فرمایا کہ مَیں آپ کے لئے دعا کروں گا۔

قادیان میں کچھ وقت گزارنے کے بعد جب آپ کی مصر واپسی کا وقت آیا تو آفندی صاحب حضورؓ کے ساتھ الوداعی ملاقات کیلئے حاضر ہوئے۔ اس ملاقات میں حضورؓ نے انہیں فرمایا کہ مَیں نے آپ کے لئے دعا کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمالی ہے کہ وہ آپ کو جلال الدین اور شمس الدین اور عائشہ عطا فرمائے گا۔ یہ خوشخبری سن کر آفندی صاحب کی خوشی کی انتہاء نہ رہی۔ مصر واپس آنے کے چند ماہ کے بعد ہی ان کی بیوی حاملہ ہوئیں اور انہوں نے لوگوں کو بتانا شروع کر دیا کہ میرے ہاں جلال الدین پیدا ہوگا۔ بعض احمدیوں نے انہیں کہا کہ شاید پہلے عائشہ پیدا ہو جائے اس لئے اتنے یقین کے ساتھ صرف لڑکے کی خبر لوگوں میں پھیلانا شاید مناسب نہ ہو۔ لیکن آپ کا حضرت مصلح موعودؓ کی پیشگوئی کے پورا ہونے پر اس قدر پکا یقین تھا کہ آپ نے ان کو جواب دیا کہ جس ترتیب کے ساتھ حضورؓ نے مجھے بشارت دی ہے اسی ترتیب کے ساتھ ہی یہ پیشگوئی پوری ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ پہلے ان کے ہاں جلال الدین پیدا ہوا پھر شمس الدین اور آخر میں عائشہ۔

مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب نے یہ واقعہ (السیرۃ المطہرۃ) میں بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جلال الدین ان کا دوست تھا جس کی بعد میں بیس پچیس سال کی عمر میں وفات ہوئی ۔ ان کی وفات پر الحاج عبد الحمید خورشید صاحب نے صبر کا اعلیٰ نمونہ دکھایا اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت تھی ۔ چنانچہ اللہ نے اپنی امانت واپس لے لی۔

(ماخوذ از السیرۃ المطہرۃ تالیف مصطفیٰ ثابت صاحب صفحہ 322 تا 324)

آپ کو تبلیغ کا جنون کی حد تک شوق تھا اور کئی دفعہ اپنی جان خطرہ میں ڈال کر بھی آپ تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا کرتے تھے۔ مکرم مولانا محمود احمد عرفانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

عبد الحمید خورشید......مولانا جلال الدین صاحب شمس کے ہاتھ پر احمدی ہوا تھا اسے تبلیغ

کا بے حد شوق تھا اوراس جوش کی وجہ سے وہ اپنے حلقہ احباب میں سخت معتوب ہو گیا تھا۔ اکثر لوگ اس کے دشمن ہو گئے تھے۔اور اس کو نقصان پہنچانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ایک دفعہ مولانا ابوالعطاء کے زمانہ قیام میں وہ جب کہ ایک نمبر (البشریٰ) کاتقسیم کر رہا تھا تو اس کے خلاف بیحد جوش پھیل گیا۔البشریٰ کا یہ نمبر علمائے ازھر کے جواب میں شائع کیا گیا تھا۔علمائے ازھر نے اپنے رسالہ (انوارالاِ سلام) میں ایک لمبا چوڑا مضمون احمدیت کے خلاف شائع کیا تھا۔اس مضمون کو مصر میں ہی نہیں بلکہ تمام عالم اسلامی میں بڑی اہمیت دی گئی۔فلسطین ، شام ،عراق، عدن، کویت، سنگاپور اور مراکش کے اخباروں میں مَیں نے خود اسے چھپا دیکھا تھا۔البشریٰ میں مولانا ابوالعطاء نے اس رسالہ کا جواب لکھا۔اس جواب کی اشاعت نہایت ضروری تھی اور ضرورت تھی کہ علماء کے گڑھ یعنی ازھر اور اس کے گرد وپیش میں اسے بکثرت تقسیم کیا جائے۔تمام احمدیوں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔عبد الحمید آفندی خورشید نے اسے شارع ازھر میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ایک قہوہ خانہ میں ازھری طالبعلم جمع تھے انہوں نے عبدالحمید کو گھیر لیا۔پہلے تو اس سے بحث مباحثہ کرتے رہے، پھر لڑائی کی صورت بنالی اور انہوں نے ارادہ کیا کہ اسے مار ڈالیں۔مگر گشت پر گزرنے والے سپاہی نے اس کی جان بچائی۔

عبدالحمید جب ان بھیڑیوں میں سے نکل کر چل پڑا تو بعض شریر بھی اس کے پیچھے چل پڑے۔مگر عبدالحمید ایک گلی میں گھس گیا اور گھوم کر اپنے ایک واقف کار کے مکان میں داخل ہو گیا۔جہاں ساری رات اس کا مراقبہ کیا گیا اور فجر کی نماز کے وقت وہ دشمن اس جگہ کو چھوڑ کر چلے گئے۔

(ملخص از الحکم 14،28 مارچ و 7/اپریل 1936ءمحمود احمد عرفانی صاحب کا مضمون)

مکرم احمد محمود ذہنی صاحب

آپ کی ولادت 1908ء میں ہوئی۔ مصر میں اپنی تعلیم کے بعد آپ نے طب کی اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ کا سفر اختیار کیا جہاں سے واپسی کے بعد 1934ء میں آپ کی ملاقات مولانا ابو العطاء صاحب سے ہوئی اور مباحثہ وگفتگو کی متعدد نشستوں کے بعد ایک سعید فطرت انسان کی طرح آپ احمدیت کی آغوش میں آ گئے۔

آپ اعلیٰ خوبیوں کے مالک، مؤدب، عالم اور نیکی وتقویٰ کے زیور سے آراستہ انسان تھے۔ متعدد مرتبہ آپ کو جماعت کے صدر کے طور پر خدمات ادا کرنے کی توفیق ملی اور اس ذمہ داری کو آپ نے مکمل اخلاص اور حکمت کے ساتھ نبھایا۔

10/ستمبر 1934ء کو حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری نے ایک مضمون تحریر فرمایا جس کا عنوان ادارہ الفضل نے "حفاظت واشاعت اسلام کے متعلق ایک احمدی مبلغ کی کامیاب جدوجہد" قائم کر کے درج ذیل کامیاب مساعی کا ذکر کیا:

ہمارے نئے احمدی بھائی السید احمد آفندی ذہنی کی بیوی ایک انگریز لیڈی ہیں وہ متعصب مسیحی خاتون تھیں۔ انجیل خوب جانتی ہیں۔ مَیں جب قاہرہ آیا تو ان کو تبلیغ اسلام کی گئی۔ چونکہ وہ عربی اچھی طرح نہیں جانتی تھیں اس لئے میرے بیان کو انگریزی میں بیان کرنے کے لئے السید ذہنی آفندی ترجمان ہوتے۔ متعدد مرتبہ گفتگو ہوئی، ہر سوال کا کافی ووافی جواب دیا گیا۔ تین چار مرتبہ باقاعدہ طور پر اسلام اور عیسائیت کے موازنہ پر لمبی بحث ہوتی رہی۔ انداز بحث آزادانہ اور علمی ہوتا تھا۔ آخر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے 18/اگست کو اس نے میرے ذریعہ قبول اسلام کر لیا اور اس کی درخواست بیعت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے

حضور ارسال کر دی گئی۔

(الفضل قادیان 9/اکتوبر 1934ء صفحہ 6)

آپ کی شادی کے دس سے بارہ سال تک آپ کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہ ہوئی۔ چنانچہ آپ نے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں دعا کے لئے لکھا چنانچہ حضورؓ کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹا عطا فرمایا جس کا نام انہوں نے بدر الدین رکھا۔

خلافت سے آپ کے عشق و محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے رسالہ البشریٰ میں حضورؓ کا ارشاد پڑھا کہ ہر احمدی کو چاہئے کہ داڑھی رکھ کر اس اسلامی شعار کو زندہ کرنے میں اپنا کردار ادا کرے۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت داڑھی رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ کو کئی مرتبہ بعض احباب نے کہا بھی کہ فلاں شخص کا جماعت میں بڑا مقام ہے پھر بھی اس کی داڑھی نہیں ہے آپ بھی منڈوا سکتے ہیں۔ لیکن آپ کا جواب یہی ہوتا تھا کہ مَیں حضرت خلیفۃ المسیح کے علاوہ کسی کی پیروی کرنے کا پابند نہیں۔

1949ء میں آپ کو اچانک خطرناک مرض نے آلیا اور آپ کی وفات ہوگئی۔

مکرم محمد بسیونی صاحب

آپ جماعت احمدیہ مصر کے تقریبا بیس سال تک صدر رہے۔ آپ وزارت خزانہ میں ملازم تھے اور صرف اس وجہ سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تا کہ جماعت کی خدمت کے لئے فارغ ہوسکیں۔ آپ کا گھر جماعت کے مرکز اور مسجد اور لائبریری کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ آپ اعلیٰ تعلیم یافتہ، آدابِ اسلام کے پابند اور نظام جماعت پر کاربند انسان تھے۔ باوجود بظاہر نظر جسمانی صحت کی کمزوری کے آپ چاک و چوبند اور ہر معاملہ میں باریک بین تھے۔ مرکز کے ساتھ آپ ہمیشہ رابطہ میں رہتے تھے اور جو بھی احمدی مصر میں آتا یا یہاں سے گزرتے ہوئے دیگر ممالک میں جاتا تو آپ اس کے استقبال وخدمت میں پیش پیش ہوتے۔ عربی کے ساتھ ساتھ آپ کی انگریزی زبان بھی بہت اچھی تھی اس لئے آپ نے سلسلہ کا بہت سا لٹریچر عربی زبان میں ترجمہ کیا تا کہ آنے والے نوجوانوں اور نئی نسل کو جماعت کی تعلیمات اور علمی خزانے سے روشناس کرا سکیں آپ کے تراجم میں کئی قرآنی سورتوں کی تفسیر کا ترجمہ مثلا: سورۃ البقرۃ، آل عمران، النساء، المائدۃ، الکہف وغیرہ اسی طرح حضرت خلیفہ ثانیؓ کی کتب 'نظام نو'، 'اسلام اور دیگر مذاہب' وغیرہ کے تراجم شامل ہیں۔ یوں اس وقت کی نئی نسل آپ کی خدمات کی وجہ سے آپ کی احسان مند ہے کیونکہ آپ اس وقت میں مرکز کے ساتھ رابطہ کا ذریعہ بنے رہے جبکہ سیاسی حالات کی وجہ سے مرکز سے رابطے میں کمی واقع ہوگئی تھی اور مرکزی نمائندگان کی آمد کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا۔ آپ کی وفات 1986ء میں ہوئی۔

مکرم رشدی باکیر بسطی صاحب

آپ کے بارہ میں مکرم طہٰ قزق صاحب صدر جماعت احمدیہ اردن فرماتے ہیں:

آپ شام سے تھے اور حیفا میں ریل کے محکمہ میں ملازمت کرتے تھے۔ 1928ء میں جب مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس حیفا میں تشریف لائے اور تبلیغ احمدیت شروع کی تو لوگوں نے آپ پر کفر کے فتوے لگانے شروع کر دیئے، اور احمدیت کے خلاف من گھڑت اور جھوٹی باتیں پھیلانے لگے۔ لیکن مکرم رشدی البسطی صاحب آپ سے جا کر ملے اور کئی مجالس سوال وجواب کے بعد آپ پر سچائی روشن ہوگئی اور آپ نے بیعت کر لی۔ اسکے بعد آپ نے خاندانِ قزق کے دو افراد (میرے والد مکرم محمد قزق اور ان کے بھائی علی قزق) کو تبلیغ کی اور وہ بھی داخلِ احمدیت ہوگئے۔

مکرم محمد الشواء صاحب پلیڈر از شام لکھتے ہیں:

ایک دفعہ رشدی بسطی صاحب کو حیفا میں دو آدمیوں نے محض احمدی ہونے کی وجہ سے قتل کرنے کی کوشش کی۔ رات کا وقت تھا آپ کسی تاریک گلی میں سے گزر رہے تھے کہ کسی نے آپ پر گولی چلا دی۔ گولی آپ کو زخمی کیئے بغیر قریب سے گزر گئی۔ لیکن آپ جلدی سے زمین پر گر گئے۔ ان ظالموں نے سمجھا کہ گولی نشانہ پر لگی ہے لہٰذا فرار سے قبل ایک نے دوسرے سے کہا کہ آؤ جاتے جاتے اس کی تلاشی لے کر نقدی اور قیمتی چیزیں بھی ساتھ لیتے جائیں۔ چنانچہ جب ایک نے ان کی جیب کی تلاشی لی تو اس میں سے قرآن کریم نکلا۔ چنانچہ سخت ندامت کی حالت میں اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ہم نے اس شخص کے ساتھ کیا کیا۔ ہمیں ان کے بارہ میں کیا کہا گیا تھا اور یہ کیا نکلا۔

مکرم رشدی بسطی صاحب نے دو شادیاں کیں مگر اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ چنانچہ انہوں نے تیسری شادی کی جس کے بعد ڈاکٹروں نے یہی کہا کہ رشدی بسطی صاحب کے ہاں اولاد نہیں ہوسکتی۔ آپ نے حضرت خلیفہ ثانیؓ کی خدمت میں دعا کے لئے لکھا۔ اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ان کی ایک بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہونے کی امید ہوگئی۔ آپ نے حضورؓ کی خدمت میں دوبارہ دعا کے لئے لکھا اور ہونے والے بچہ کا نام رکھنے کی درخواست کی تو آپؓ نے صرف ایک ہی نام ارسال فرمایا جو بچی کا تھا۔ اور ایسا ہی ہوا کہ آپ کے ہاں بچی کی پیدائش ہوئی۔ پھر بفضل خدا آپ کے ہاں چار بچوں کی پیدائش ہوئی اور ہر دفعہ آپ حضورؓ کی خدمت میں دعا اور نام رکھنے کے لئے خط لکھتے اور حضورؓ ایک ہی نام عطا فرماتے اور اس کے مطابق ہی بچہ یا بچی کی پیدائش ہوتی۔ مکرم محمد الشواء صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کرامت تو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔

آپ اعلیٰ اخلاق کے مالک، پاکیزہ زبان استعمال کرنے والے اور نہایت پر جوش داعی الی اللہ تھے۔ آپ حیفا میں صدر جماعت بھی رہے اور وہاں سے 1948ء میں واپس آئے۔ آپ نے رسالہ البشریٰ میں متعدد مضامین بھی لکھے۔ آپ کی وفات ساٹھ کی دہائی میں ہوئی۔

رشدی البسطی صاحب اور طٰہٰ قزق صاحب

مکرم الحاج محمد القزق صاحب

آپ مکرم طٰہٰ قزق صاحب صدر جماعت اردن کے والد صاحب تھے۔آپ کے بارہ میں مکرم طہ قزق صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس جب حیفا تشریف لائے تو ان دنوں میرے والد ریل کے محکمے میں کام کرتے تھے۔انہی دنوں اخباروں نے لکھنا شروع کیا کہ حیفا میں ایک مبلغ آئے ہیں اور ایسے عقائد کی طرف بلاتے ہیں جن کو لوگ نہیں جانتے۔ رشدی بسطی صاحب مولانا جلال الدین صاحب شمس سے ملنے گئے اور متعدد ملاقاتوں کے بعد بیعت کر لی۔

اس کے بعد میرے والد صاحب بھی ان سے ملنے گئے اور جب واپس آئے اور رات کو سوئے تو خواب میں ان کو آواز سنائی دی کہ: جلدی کرو، احمدی تو اب مدینہ منورہ کے بھی متولی بن گئے ہیں۔چنانچہ وہ اگلے دن ہی گئے اور بیعت کر لی۔

میرے والد صاحب دیسی جڑی بوٹیوں سے علاج معالجہ کیا کرتے تھے اور اس میں بڑے حاذق طبیب تھے۔آپ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا خصوصًا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب بڑی کثرت سے پڑھا کرتے تھے اور اکثر حضور علیہ السلام کے عربی قصائد کے اشعار گنگناتے رہتے تھے۔

میرے والد صاحب کے بعد میرے چچا نے بیعت کی۔ وہ میرے والد صاحب کے ساتھ ہی ایک گھر میں رہتے تھے اور ایک بزرگ انسان تھے۔انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ان کے گھر جلال الدین نامی شخص آیا ہے اور انہوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ چنانچہ جب میرے والد صاحب نے مولانا جلال الدین صاحب کو بیعت کے بعد اپنے گھر مدعو کیا تو میرے

چچا نے بھی بیعت کر لی۔ان کے بعد اہل کبابیر میں سے کافی احباب نے جماعت میں شمولیت اختیار کی۔اس سے قبل وہ شاذلی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

میرے والد، الحاج محمد القزق صاحب کے دو چچیرے بھائی تھے ان میں سے ایک نہایت مخالف بن گیا۔چنانچہ وہ بعض بدبختوں کو بھیج کر میرے والد صاحب پر گندے ٹماٹر اور مالٹے پھنکوایا کرتا تھا۔ جبکہ دوسرا آبادی سے دور پہاڑی علاقے میں رہتا تھا اور نہایت بہادر اور اثر ورسوخ والا آدمی تھا۔ان دنوں وہاں پر ایک مولوی نے جوش میں آ کر یہ اعلان کیا کہ احمدی کافر ہیں اور ان کا قتل جائز ہے۔ جب اس شخص نے مولوی کی یہ بات سنی تو فوراً کہا: احمدیوں کی طرف بڑھنے والا ہاتھ ان تک پہنچنے سے قبل کاٹ دیا جائے گا۔مَیں احمدی نہیں ہوں لیکن ابھی جا کر اپنے احمدی ہونے کا اعلان کرتا ہوں، اور جس میں ہمت ہے وہ میرے سامنے آ کے دکھائے۔ چنانچہ یہ اسی وقت ہمارے گھر آئے اور ہمیں ساری کہانی سنائی۔ یہ مخالف مولوی بعد میں انگریزوں کے خلاف بغاوت میں شریک ہوا اور اسی میں مارا گیا۔

میرے والد صاحب کے احمدی ہونے کے بعد جب کبھی مَیں باہر نکلتا تو لوگوں سے عجیب وغریب باتیں سنتا۔کوئی کہتا کہ وہ کافر ہو گئے ہیں، کوئی کہتا کہ قادیانی ہو گئے ہیں، کوئی کہتا ان کا قرآن اور ہے اور کوئی کہتا کہ ان کا تو قبلہ بھی مختلف ہے۔مَیں یہ باتیں سننے کے بعد جب میرے والد صاحب اپنے کمرے میں عبادت کے لئے جاتے تو مَیں انہیں چپکے چپکے چھپ کر دیکھتا کہ کہیں انہوں نے اپنا طریق عبادت تو تبدیل نہیں کر لیا، اور کیا ان کے پاس کوئی قرآن ہے جس کی وہ چھپ کر تلاوت کرتے ہیں، نیز کیا ان کا واقعی کوئی اور بھی قبلہ ہے جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ساری تحقیق کے بعد مجھ پر یہی کھلا کہ ان میں ایک تو یہ تبدیلی آئی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو وہ پہلے آسمان پر زندہ مانتے تھے اب ان کی وفات کے قائل ہو گئے ہیں اور اپنے مکفرین کے ساتھ اسی موضوع پر ہی زیادہ بات کیا کرتے تھے۔اسی طرح دوسری تبدیلی یہ تھی کہ آپ اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ امت اسلامیہ میں وحی کا سلسلہ جاری وساری ہے۔اس کے علاوہ دیگر اختلافی امور جس میں جماعت احمدیہ کا دوسرے فرقوں سے اختلاف ہے۔لیکن ایک چیز جو بہت واضح تبدیلی کے روپ میں میرے سامنے آئی وہ میرے والد صاحب کو مطالعہ کا بے حد شوق پیدا ہو گیا تھا۔آپ پورے انہاک کے ساتھ مسلسل کئی کئی گھنٹے

تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔

ان کے بارہ میں مکرم رشدی بسطی صاحب نے لکھا:

الحاج محمد قزق متقی، صاف دل، نیک نیت، ذہین ، باریک بین، شریف النفس ، اور مشکلات ومصائب میں صابر انسان تھے۔آپ کثرت سے تلاوت قرآن کریم، حفظ احادیث اور مطالعہ کتبِ مسیح موعود علیہ السلام ومجلّہ البشریٰ وغیرہ کے پابند تھے۔آپ میرے ساتھ بکثرت باہر کی بستیوں میں تبلیغ کے لئے جایا کرتے تھے اور متعدد مرتبہ کئی جہلاء کی طرف سے دھمکیوں وغیرہ کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا۔ایک دفعہ آپ اپنے چچازاد بھائی حسن القزق کی روٹی بنانے کی دکان پر کام کر رہے تھے کہ دو نوجوان آئے اور آپ کو گالیاں دینے کے ساتھ کافر اور زندیق کے نام سے بھی پکارنے لگے، پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ نہایت وحشیانہ طریق سے آپ کو مکّوں اور لاتوں سے مارنے لگے آپ بڑی عمر کے تھے اس لئے اپنا دفاع نہ کر سکے اور قریب تھا کہ بے ہوش ہو جائیں۔انکی یہ حالت دیکھ کر یہ دونوں نوجوان فرار ہو گئے۔

آپ کی ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ بُرا سلوک کرنے والے سے بھی نیکی اور احسان کے ساتھ پیش آتے تھے۔آپ نے فلسطین پر اسرائیلی تسلط کے بعد شام کی طرف ہجرت کی اور وہیں پر 1948ء میں وفات پائی اور دمشق میں مدفون ہوئے۔

الحاج محمد صالح قزق صاحب

شیخ علی صالح القزق (ابوخضر)

آپ مکرم طٰہٰ قزق صاحب صدر جماعت اردن کے چچا تھے۔ آپ کے بارہ میں مکرم طٰہٰ قزق صاحب لکھتے ہیں کہ آپ اہل کشف ورؤیا بزرگ تھے۔ آپ صوفی طریقہ کے پیروکاروں میں سے تھے۔ آپ نے رؤیا دیکھا جس سے یہی سمجھے کہ آپ کے گھر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائیں گے اور آپ ان کی بیعت کریں گے۔

چنانچہ جب مولانا جلال الدین صاحب شمس آپ کے گھر تشریف لائے تو آپ نے یہ کہتے ہوئے بیعت کر لی کہ مَیں نے اسی شخص کو خواب میں دیکھا تھا۔ بعدازاں آپ اپنے صوفی دوستوں کو بھی احمدیت میں داخل کرنے کا باعث بنے۔

آپ کا شمار کبابیر کے ابتدائی احمدیوں میں ہوتا ہے۔ آپ نے مبلغین کرام کے ساتھ نہایت محبت وعقیدت اور تعاون کی مثالیں قائم کیں۔

آپ ایک نہایت درجہ غیور احمدی تھے۔ سلسلہ کی محبت ان کے رگ وریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ خلیفہ وقت سے بہت عقیدت تھی۔ ہمیشہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی کامیابی کے لئے دعا کرتے تھے۔ جس دن ڈاک ہندوستان سے جاتی تو پہلی خبر یہ پوچھتے کہ حضرت امیرالمومنین کی صحت کے متعلق کیا اطلاع ہے؟ نہایت زاہد اور متوکل انسان تھے۔ ریلوے کی ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ ان کی انتہائی خواہش یہ تھی کہ قادیان ہجرت کر کے چلے جائیں۔

ان کے بارہ میں مولانا ابوالعطاء صاحب تحریر فرماتے ہیں:

جب مَیں 1936ء میں ہندوستان واپس آنے لگا تو رو کر کہنے لگے کہ وہ دن کب آئے گا جب ہم بھی دارالامان روانہ ہوں گے۔ انہیں جملہ مبلغین و خادمان دین سے للّٰہی محبت تھی۔

میرے قیام فلسطین کے عرصہ میں روزانہ بلا ناغہ تشریف لاتے اور جب کبھی نہ آئیں تو مَیں سمجھتا کہ بیمار ہوں گے۔ مَیں ان کے مکان پر پہنچتا۔ دوستی اور للہی محبت کو آخر تک نبھانے والے بزرگ تھے۔ خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ میری بعض مجبوریوں کے باعث انہیں بجا شکوہ تھا کہ آپ کی طرف سے خط دیر سے اور بہت کم آتے ہیں۔ شیخ علی القزق نے سلسلہ کی خدمت کی ہر تحریک میں حصہ لیا اور احمدیت کے نام کو بلند کرنے کے کسی موقعہ کو ہاتھ سے نہیں کھویا۔ مرحوم سِن رسیدہ ہونے کے باوجود جفاکش اور شگفتہ دل تھے۔ ان کا ایک برجستہ جواب مجھے ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ ایک مرتبہ میرے پاس نابلس کے چند اساتذہ آئے تھے۔ ان سے وفات مسیحؑ پر سلسلہ گفتگو شروع تھا۔ حضرت شیخ علی مرحوم بھی موجود تھے۔ اساتذہ میں سے ایک نے کہا کہ آپ ہمیں بتائیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی قبر کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ کشمیر میں اور اس پر دلیل قرآنی وَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (مومنون: 51) موجود ہے۔ وہ نوجوان استاد تعجب اور حقارت آمیز لہجہ میں کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰؑ فلسطین سے اتنی دور کشمیر میں کیسے چلے گئے؟ میں ابھی جواب دینے نہ پایا تھا کہ مرحوم جلد بول اٹھے اور کہنے لگے: هَلْ كَانَتْ بِلَادُ الْكَشَامِرَةِ أَبْعَدَ مِنَ السَّمَآءِ؟! کہ کیا کشمیر کا ملک آسمان سے بھی دور ہے؟ اس پر سب ہنس پڑے اور اس شخص کو شرمندہ ہو کر خاموش ہونا پڑا۔

شیخ علی مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے دینی امور میں نہایت عمدہ فراست عطا فرمائی تھی اور جرأت اور دلیری سے دین کا پیغام پہنچانا ان کا مرغوب مشغلہ تھا۔ ان کے گھر سے کبابیر اڑھائی تین میل کے بلند پہاڑ پر واقع تھا۔ مگر جب مدرسہ احمدیہ وہاں قائم ہوا تو اپنے چھوٹے بچے عبدالوہاب کو وہاں داخل کیا اور خود اس کے ساتھ جاتے تھے۔ احمدیہ مطبع میں اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ الشیخ علی القزق کے تینوں بیٹے نہایت مخلص اور سلسلہ کے خادم ہیں۔ ان کا گھر احمدیت کے لئے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

مکرم ابراہیم علی القزق (ابو علی)

آپ 1919ء میں حیفا میں مکرم شیخ علی صالح قزق صاحب کے گھر میں پیدا ہوئے۔آپ تجارت کرتے تھے۔1948ء میں آپ نے کبابیر میں مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی اور جماعت میں سیکرٹری تحریک جدید و وقف جدید کے عہدہ پر مسلسل 30 سال تک کام کیا۔اسی طرح سیکرٹری وصیت کے طور پر بھی مکمل اخلاص کے ساتھ خدمات بجالائے۔ آپ مدرسہ احمدیہ میں بطور استاد بھی کئی سال تک کام کرتے رہے۔

آپ نے حج کیا اور اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے ملاقات کے لئے لندن آنا چاہتے تھے لیکن دماغ کی کسی شریان میں بندش کے سبب ڈاکٹرز نے کہا کہ اب یہ چند منٹوں کے مہمان ہیں لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے ان کے لئے دعا کے خط کے جواب میں فرمایا کہ نہ صرف یہ صحت یاب ہو جائیں گے بلکہ جماعت کی صد سالہ جوبلی بھی دیکھیں گے۔اور ایسا ہی ہوا چنانچہ آپ اس حادثہ کے بعد 14 سال تک زندہ رہے اور 26رمئی 2000ء میں وفات پائی۔

احمد آفندی حلمی صاحب

مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب آپ کے بارہ میں لکھتے ہیں:

احمد حلمی صاحب کی ولادت 1908ء میں ہوئی، وہ میرے پھوپھی زاد تھے۔ میں ان کے بارہ میں سنتا تھا کہ وہ اپنی ماں کے بہت لاڈلے ہیں شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والد اور بڑے بھائی یکے بعد دیگرے وفات پا گئے تھے۔ اور وہ اپنی ماں کا واحد سہارا رہ گئے تھے۔ لہذا وہ ان کی ہر فرمائش پوری کرتی تھیں۔ یوں یہ نہایت ناز ونعم میں پل کر جوان ہوئے۔ جوانی میں آپ اپنے ایک دوست کے گھر گئے جن کا نام محمود ذہنی صاحب تھا۔ وہاں انہوں نے میز پر اسلامی اصول کی فلاسفی کا عربی ترجمہ پڑا ہوا دیکھا۔ آپ نے وہ کتاب اٹھا کر ورق گردانی کرنی شروع کر دی۔ پہلی نظر میں ہی یہ کتاب آپ کے دل میں اتر گئی لہٰذا آپ نے اپنے دوست سے یہ کتاب عاریۃً مانگ لی۔ اور اس وقت تک کتاب کو رکھ نہ سکے جب تک کہ اس کو پہلے صفحہ سے لیکر آخر تک مکمل پڑھ نہ لیا۔ اور اس کتاب کے پڑھنے کے ساتھ ہی آپ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی بیعت کا فیصلہ کر لیا۔

احمد آفندی حلمی صاحب جو جماعت احمدیہ مصر کے ابتدائی مخلص ارکان میں سے تھے اور احمدیت میں داخل ہونے کے بعد خلیفہ وقت کی زیارت کے لئے 5/اگست 1939ء کو قاہرہ سے قادیان تشریف لائے۔ یوں قادیان تشریف لانے والے آپ دوسرے مصری احمدی بن گئے۔ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور دوسرے بزرگان سلسلہ سے ملاقات کرنے اور مرکز احمدیت کے فیوض سے متمتع ہونے کے بعد 26/اگست 1939ء کو عازم مصر ہو گئے۔ احمد حلمی صاحب کا یہ سفر ان کے اندر ایک تغیر عظیم پیدا کرنے کا موجب ہوا اور وہ جماعتی کاموں میں پہلے سے بھی زیادہ دلچسپی لینے لگے۔ ان کی والدہ ایک اعلیٰ پایہ کی تعلیم یافتہ خاتون تھیں اور ہمیشہ

احمدی مبلغوں کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتی رہتی تھیں۔ مگر اب صرف ان کے اندر غیر معمولی تبدیلی دیکھ کر کسی بحث و مباحثہ کے بغیر ازخود داخل احمدیت ہو گئیں۔

(تاریخ احمدیت جلد 8)

ان کی والدہ کی بیعت کا واقعہ مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب یوں بیان کرتے ہیں:

جب آپ قادیان سے واپس مصر آ رہے تھے تو عدن کی بندرگاہ سے آپ نے اپنی والدہ کو بحری جہاز کے نام اور اس کے مصر پہنچنے کے وقت سے بذریعہ تار آگاہ کر دیا، ایک دو دن بعد ریڈیو پر یہ خبر نشر ہوئی کہ جرمنی کی بحری افواج نے اس بحری جہاز کو غرق کر دیا ہے جس کے بارہ میں مکرم احمد حلمی صاحب نے تار دیا تھا کہ وہ اس میں مصر آ رہے ہیں۔ یہ خبر آپ کی والدہ کے اعصاب پر بجلی بن کر گری، اور گہرے صدمہ کا باعث بنی۔ وہ فوراً سجدہ میں گر گئیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور رو رو کر دعا کرنے لگیں کہ اے خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو جانتا ہے کہ میرے پاس میرے بیٹے احمد کے سوا کوئی اولاد نہیں ہے۔ اور وہ ایک ایسے شخص کو ملنے گیا تھا جو کہتا ہے کہ مَیں امام مہدی کا خلیفہ ہوں۔ مَیں نہیں جانتی کہ وہ حقیقت میں امام مہدی ہے بھی یا نہیں، لیکن تُو حق اور سچ کو اچھی طرح جانتا ہے۔ پس اگر وہ سچے امام مہدی ہیں تو میرے بچے کو مجھ تک بخیر وعافیت پہنچا دے۔ وہ کہتی ہیں کہ وہ کئی دن تک مسلسل یہ دعا کرتی رہیں یہاں تک کہ ایک دن ان کا بیٹا واپس آ گیا۔ اور انہوں نے آ کر بتایا کہ جس جہاز پر آنے کے بارہ میں انہوں نے تار میں بتایا تھا اس پر سوار نہیں ہو سکے جس کی وجہ سے انہیں کئی دن تک عدن رک کر اگلے جہاز کا انتظار کرنا پڑا۔ اور انہیں اس بات کا علم نہ تھا کہ پہلے والا جہاز تباہ ہو چکا ہے۔

مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کہتے ہیں کہ یہ واقعہ میں نے اپنی پھوپھی سے خود سنا ہے۔ اس واقعہ کا میری پھوپھی کے دل پر گہرا اثر ہوا اور ان کے قبول احمدیت کا سبب بنا۔

احمد حلمی صاحب نے رسالہ البشریٰ میں متعدد مضامین تحریر فرمائے نیز حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ اور مرزا مبارک احمد صاحب کے قیام مصر کے دوران بھی آپ استقبال وضیافت میں پیش پیش تھے۔

سیدہ منیرہ ہانم ثابت صاحبہ

آپ ایک ممتاز مصری احمدی خاتون تھیں جنہوں نے ملی اور سیاسی سطح پر بھی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ آپ مرحوم مصطفیٰ ثابت صاحب کی پھوپھی تھیں اور آپ نے مکرم محمود احمد عرفانی صاحب کے قیام مصر کے دوران بیعت کی۔ 1934 میں آپ کی وفات پر مکرم محمود احمد عرفانی صاحب نے آپ کی سیرت کے بارہ میں ایک مضمون لکھا جو اخبار الحکم قادیان کے 7 جولائی 1934 میں شائع کیا۔ نیز آپ کے بارہ میں کچھ معلومات ہمیں مرحوم مصطفیٰ ثابت صاحب کی زبانی بھی معلوم ہوئی تھیں۔ ان کے بارہ میں اگلے چند صفحات پر درج معلومات ان ہر دو مصادر سے ماخوذ ہیں۔

تعارف

سیدہ منیرہ ایک معزز خاندان کی خاتون تھیں۔ آپ عربی کے علاوہ جو کہ آپ کی مادری زبان تھی فرانسیسی پر بھی اہل لسان کی طرح قدرت رکھتی تھیں نیز انگریزی بھی کسی قدر جانتی تھیں۔ سیدہ منیرہ ایسے خاندان میں پیدا ہوئی تھیں جو کیا بلحاظ علم و وجاہت اور کیا بلحاظ مال وتموّل کے مصر کے بڑے اور معزز خاندانوں میں سے ایک ہے۔ اور یہ وجاہت وعزت انہیں میکے اور سسرال میں یکساں نصیب رہی۔ سیدہ منیرہ ہانم صاحبہ کے والد ایک سالم گاؤں کے مالک تھے جو بعد میں ان کے بہن بھائیوں میں تقسیم ہوا۔ ان کے خاوند مصر کے ایک مشہور ڈاکٹر تھے جن کا اسم گرامی عزیز بک تھا۔ ڈاکٹر عزیز بک یورپ کے تعلیم یافتہ ڈاکٹر تھے۔ سیدہ منیرہ ہانم کو ان کی زندگی میں کسی قسم کا فکر وغم نہ تھا۔ خدا نے نوکر چاکر دیئے ہوئے تھے۔ اس لئے ان کی توجہ

ان تمام امور سے ہٹ کر ملک و وطن کی خدمت کی طرف مشغول ہوگئی تھی۔

ملکی خدمت

انہوں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے کام کئے۔ یقیناً مصری قوم پرستوں کی تاریخ میں انکا نام بہت روشن حرفوں میں لکھا گیا ہوگا۔ ان قومی خدمات کی وجہ سے انکا نام ہمیشہ اخبارات میں آتا رہتا تھا۔ آپ ''وفد'' پارٹی سے تعلق رکھتی تھیں اور مصری لیڈر سعد زغلول کے جھنڈے کے نیچے سیاسی جنگ لڑتی رہیں۔ اور جب سعد پاشا کی وفات کے بعد ''وفد'' نے اپنا سیاسی لیڈر نحاس پاشا کو منتخب کیا تو اس کے بعد آپ نحاس پاشا کے ماتحت کام کرنے لگیں۔ جب پارٹی دو حصوں میں منقسم ہوگئی اور برکات پاشا، شمسی پاشا، اور باسل پاشا جیسے آدمی الگ ہو گئے اور مصر کی سیاسی دنیا میں ایک زلزلہ آ گیا تو منیرہ ہانم اس وقت بھی غیر متزلزل رہیں۔ آپ وفد پارٹی کے اس حصہ کی سیکرٹری تھیں جو عورتوں سے تعلق رکھتا تھا۔ مظاہرات کے شدید ترین ایام میں برستی گولیوں میں آپ نے بے خوف و بے دھڑک دل کے ساتھ کام کیا۔

مرحوم مصطفیٰ ثابت صاحب اپنی اس پھوپھی جان اور اپنے خاندان کی سیاسی خدمات کے بارہ میں بیان کرتے ہیں کہ:

میرے آباء واجداد کا سیاست سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ 1919ء میں انگریزوں کے خلاف مصریوں کے انقلاب میں میرے والد صاحب اور میری پھوپھیوں کا بڑا کردار تھا۔ جب انگریزوں نے اس انقلاب کے مصری راہنما سعد زغلول کو ملک بدر کیا تو میری ایک پھوپھی سعد زغلول کی بیوی صفیہ کے ساتھ تھیں۔ سعد زغلول کی بیوی صفیہ وہ واحد خاتون ہیں جن کو مصریوں کی مادر ملت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ میری پھوپھی کو صفیہ سے اس قدر محبت تھی اور اتنے قریبی تعلقات تھے کہ انہوں نے اپنی ایک پوتی کا نام بھی صفیہ رکھا تھا۔ میرے والد صاحب بھی انقلاب کے عرصہ میں مختلف پمفلٹس تقسیم کیا کرتے تھے۔ یوں میری پرورش ایک ایسے گھرانہ میں ہوئی جو وطن کی آزادی کی خاطر جدوجہد میں اہم کردار ادا کرنے والا تھا۔

اس کے علاوہ مَشْغَل المَرْأة الجديدة جو ایک خاص تعلیمی درسگاہ تھی جس میں عام تعلیم کے علاوہ بچوں کو سلائی کڑھائی کا اعلیٰ کام، قالین بانی، اور کھانے پکانے کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی

تھی۔ بڑی بڑی خاتون شخصیات اس میں کام کرتی تھیں۔منیرہ ہانم صاحبہ اس ادارے کی بھی سیکرٹری تھیں اور بڑی محنت سے کام کیا کرتی تھیں۔

سیاست میں عزت ومنصب

مکرم شیخ محمود احمد عرفانی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:

1932 میں مصر میں ایک شاندار نمائش ہوئی جس میں روزانہ چالیس پچاس آدمی سیر کے لئے داخل ہوتے تھے۔ایک دن میں بھی وہاں سیر کے لئے گیا۔ریڈیو کے ایک اسٹیشن پر میں اپنے ایک دوست استاذ صاوی شعلان کانشوں کے خلاف لیکچر سن رہا تھا کہ یک بیک میں نے تالیوں کی آواز سنی اور یہ آواز ایسی تھی جیسے کسی لیڈر کے گزرنے پر وہاں سنی جایا کرتی تھی۔ میں نے دیکھا تو سامنے سے منیرہ ہانم ثابت آرہی تھیں۔ان کے ساتھ ایک دو اور خواتین تھیں اور وطن پرست نوجوانوں نے ان کو پہچان کر یہ چیئرز دیئے تھے۔وہ دیگر خواتین کی طرح کھلے منہ نہیں رہتی تھیں بلکہ ہلکا سا سیاہ ریشمی نقاب منہ پر رکھا کرتی تھیں۔مگر پبلک کاموں میں حصہ لینے کی وجہ سے پہچانی جاتی تھیں۔ان کے وقت کا اکثر حصہ ملکی اور قومی خدمات میں گزرتا تھا۔ خاکسار محمود احمد عرفانی کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہ معزز خاتون ایک دفعہ اس کے غریب خانہ پر خود تشریف لائی تھیں اور ایک گھنٹہ سے زیادہ سیاسی معاملات پر بحث کرتی رہیں۔

احمدیت سے تعارف

منیرہ ہانم صاحبہ مسلمان تو تھیں مگر اسلام کے متعلق انہوں نے کبھی غور وفکر نہ کیا تھا۔ان کو وطن اور آزادئ وطن اور قوم اور امت کے سوا کسی چیز کی فکر یا خیال نہ تھا۔ان کا بھانجا احمد آفندی حلمی ایک عرصہ سے سلسلہ میں داخل ہو کر مخلصانہ خدمات سرانجام دے رہا تھا۔اور احمدیت کی خدمت میں دن رات ایک کر رہا تھا۔لیکن منیرہ ہانم صاحبہ کبھی احمدیت کے متعلق غور کرنے کے لئے تیار نہ تھیں۔گھر میں احمدیت کے تذکرے سے بعض اوقات یہاں تک نوبت پہنچ جاتی کہ احمد آفندی کی والدہ محترمہ (جو اپنی بہن ہی کی صفات کی خاتون تھیں) اپنے اکلوتے بیٹے سے کئی کئی دن نہ بولتیں۔مگر احمد آفندی کی تبلیغ بند نہ ہوتی

تھی۔ اس تبلیغ کا یہ نتیجہ تو تھا کہ اس خاندان کے اکثر افراد احمدیت کو اس قدر جاننے لگ گئے کہ ہندوستان میں کوئی بہت مؤثر مذہبی تحریک شروع ہوئی ہے گو اس کی طرف توجہ نہ کرتے تھے۔

هٰذَا هُوَ الْمُعَلِّمُ الْأَكْبَر

مذکورہ صفات اور منصب کی مالک معزز ومحترم خاتون کا مجرد میں سلسلہ میں داخل ہونا ایک تاریخی واقعہ بن جاتا ہے۔مگر جس طرح منیرہ ہانم صاحبہ داخل ہوئیں وہ نہایت ہی ایمان افزاء ہے ۔سیدہ منیرہ ہانم نام کی مسلمان تھیں جنہیں مذہب کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔انکی کوئی اولاد نہ تھی، ایک ہی بچہ تھا جو عرصہ ہوا فوت ہو گیا۔ اور پھر کوئی اولاد نہ ہوئی۔ بچہ کی وفات کے بعد سیدہ منیرہ ہانم جب گھر میں بیٹھا کرتیں تو اسکا غم کرتیں ۔ بچے کا جو کمرہ تھا اس کو اسی طرح آراستہ رکھا گیا مگر کمرے کے دروازوں پر پلنگ پر اور کرسیوں میزوں پر سیاہ پردے اور غلاف ڈال رکھے تھے۔ ہمیشہ اس ہم وغم میں رہا کرتیں ۔ایک دن خواب میں وہ بچہ نظر آیا اور جب انہوں نے اسے گلے سے لگانا چاہا تو اس نے کہا کہ اماں میں تمہارے گلے سے نہیں لگ سکتا کیونکہ تم تو بالکل کافر ہو گئی ہو، خدا کو بھلا دیا ہے، نماز روزہ ترک کر دیا۔تمہیں ہر وقت رونے سے کام ہے ۔ اماں تم اس سے باز آ ؤ،توبہ کرو،اور خدا کی طرف جھکو۔ ماں کی جب آنکھ کھلی تو اسکا دل بہت بے قرار ہوا۔اس نے چاہا کہ اپنے بچے کو دیکھے، اس نے اس دن اپنے اندر تبدیلی کی ۔ اسکا خیال اور طرف بدلا۔ اس نے دعا کی خدایا اگر وہ شخص جس کی نسبت احمد حلمی کہتا ہے سچا ہے اور تیری طرف سے ہے تو تو میری دعا قبول کر اور مجھے پھر میرا بچہ دکھا۔ چنانچہ اس نے دوسری رات خواب میں پھر اپنا پیارا بچہ دیکھا اس کے ساتھ ایک نورانی انسان تھا، جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی تھے۔ خاتون نے اپنے بچے سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو بچے نے جواب دیا کہ هذا هو المعلّم الأكبر ۔ صبح آنکھ کھلی تو سیدہ منیرہ ہشاش بشاش تھیں۔ان کی حالت بدل گئی ۔اسی دن بھانجے کے گھر آ کر بیعت کا خط لکھ دیا۔اور اسی دن سے نماز روزہ کی پابند ہو گئیں۔اور دین کے متعلق بھی ان کا اسی قدر خیال ہو گیا جس

قدر امور سیاست کا تھا۔

بڑے بڑے گھرانوں میں تبلیغ احمدیت

بیعت کے بعد سیدہ منیرہ ہانم صاحبہ نے احمدیت کا ذکر ان گھرانوں میں پہنچایا جہاں آسانی سے یہ ذکر جا نہیں سکتا تھا۔ استاذ مکرم عبید بک مصر کے ایک مشہور قبطی لیڈر تھے انکا پایہ وفد پارٹی میں بہت بلند تھا وہ نحاس پاشا کے بازو تھے۔ انکی بیوی کٹر عیسائی تھی جو اپنی سہیلیوں میں بیٹھ کے کبھی کبھی عیسائیت کا وعظ کرتی تھیں۔ منیرہ ہانم نے اپنے احمدی ہونے کے بعد احمدی کتب کا مطالعہ کیا اور ایسے موقعوں پر جبکہ وہ عیسائی عورت اپنے مذہب کی تعریف کرتی تو منیرہ ہانم ان پر لطیف فقرے چست کرنے لگیں۔ جس سے وہ حیران ہوتی کہ ان کے اندر یہ تبدیلی کیسے پیدا ہوئی۔

الغرض اس طرح انہوں نے بڑے بڑے محلات کی خاتونوں تک سلسلہ کی کتب پہنچا دیں۔ احمد آفندی حلمی کی لائبریری اس غرض کے لئے تقسیم ہوئی۔ اور اس طرح اندر ہی اندر انہوں نے بہت سی خدمت کی۔

شیخ سلیم محمد الربانی

آپ 1904ء میں پیدا ہوئے اور 1927ء میں بیعت کر کے جماعت میں شمولیت اختیار کی۔

آپ حیفا کے جنوب میں واقع ''طیرہ'' نامی ایک گاؤں کے باشندہ تھے جو کہ اس عرصہ میں ایام جاہلیت کا نمونہ تھا۔ اور تمام فلسطین میں بلحاظ چوری ڈکیتی اور آپس میں لڑائیوں جھگڑوں کے لئے بدنام تھا۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد جب بستی کے لوگوں نے آپ کی سخت مخالفت کی تو انہوں نے نہایت صبر و استقلال سے ان کی مخالفت کا مقابلہ کیا۔ اور دیوانہ وار تبلیغ میں مصروف رہے۔ اعلانیہ طور پر مساجد میں جا جا کر علیحدہ نمازیں پڑھتے رہے۔ کوئی اعتراض کرتا تو نہایت نرمی سے کہتے کہ مسیح موعود دوسرے لوگوں کی اقتداء کرنے کے لئے نہیں آئے بلکہ وہ اس لئے آئے ہیں تا دنیا کے لوگ ان کی اقتدا کریں۔ انکے وہاں کئی مباحثے ہوئے ایک مباحثہ میں تقریباً تین سو کی حاضری تھی اور بالمقابل ازہر کا تعلیم یافتہ شیخ تھا۔ دوران مناظرہ ایک شخص نے آپ کی گردن پر چپت لگائی۔ ان کے رشتہ داروں نے فوراً اس مارنے والے سے بدلہ لینا چاہا لیکن آپ نے روک دیا۔ اور کہا کہ مَیں چاہوں تو اس سے خود بدلہ لے سکتا ہوں۔ مگر اس وقت صرف یہی کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے۔ آپ جماعت میں بطور سیکرٹری تعلیم و تربیت بھی کام کرتے رہے۔

(ماخوذ از رپورٹ مجلس مشاورت 1929ء صفحہ 179 بحوالہ خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے حالات زندگی جلد اول صفحہ 238-239)

شیخ سلیم محمد الربانی صاحب نے مچھلیوں کا شکار سیکھنا شروع کیا۔ اس دوران انہوں نے

وہاں کے مچھیروں کو بھی تبلیغ کرنی شروع کردی۔ ابھی ان کو اس کام میں ایک ماہ ہی ہوا تھا کہ ایک روز چند شکاریوں نے جنہیں وہ تبلیغ کیا کرتے تھے ان سے کہا: اگر تم واقعی حق پر ہو تو فلاں شکاری سے مقابلہ کے لئے نکلو پھر جس کے جال میں پہلے مچھلی آئے گی وہ حق پر ہوگا۔ وہ شکاری دس جالوں سے شکار کرتا تھا اور نہایت ماہر مچھیرا مانا جاتا تھا۔ شیخ صاحب نے کہا کہ مَیں اس مقابلہ کو اس شرط کے ساتھ قبول کرتا ہوں کہ پہلے سمندر کے کنارے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ حق ظاہر کردے پھر جال پھینکیں گے۔ انہوں نے یہ شرط مان لی۔ کیونکہ وہ یہ خیال کر رہے تھے کہ یہ تو ابھی سیکھتا ہے کیا مقابلہ کر سکے گا۔ چنانچہ دو رکعت نماز کے بعد دونوں نے متعدد بار جال پھینکے آخر پہلے مچھلی شیخ سلیم صاحب کے جال میں آئی۔ انہوں نے فوراً خدا تعالیٰ کے آگے سجدہ شکر ادا کیا۔ اس موقعہ پر دو مچھیروں نے تصدیق کی اور جماعت میں شامل ہو گئے اور یہ بات پورے گاؤں میں مشہور ہو گئی۔

(ماخوذ از الفضل 26 / مارچ 1929ء صفحہ 2 بحوالہ خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے حالات زندگی جلد اوّل صفحہ 251)

کرسیوں پر دائیں سے بائیں: الحاج محمد صالح قزق صاحب، علی صالح قزق صاحب، مولانا محمد شریف صاحب، ابو حسین الحماوی صاحب، شیخ سلیم محمد الربانی صاحب

مکرم الحاج عبد القادر عودہ (ابو صالح)

آپ نہایت صالح، سادہ اور نیک ومخلص احمدی تھے۔ آپ نے اپنے بھائی الحاج محمد عودہ کے ساتھ مل کر مسجد سیدنا محمود کی تعمیر کے لئے زمین دی جہاں دیار عربیہ میں پہلی مسجد تعمیر ہوئی۔

آپ نے 111 سال عمر پائی جو کہ نیکی، عبادت، اور اعمال صالحہ میں گزری۔ آپ نے حضرت خلیفہ ثانیؓ کی خدمت میں لکھا کہ آپ مجھے اپنے ہاتھ سے لکھ کر دے دیں کہ مَیں احمدی ہوں تا کہ خدا کے حضور حاضری پر میں یہ شہادت پیش کر سکوں۔ آپ اس طرح کی سادہ اور پاکیزہ فطرت کے مالک تھے۔ نمازوں کی اسقدر پابندی کرتے تھے کہ آخری عمر میں جب چل کے مسجد آنا مشکل ہو گیا تو آپ اپنے گدھے پر سوار ہو کر نماز باجماعت کے لئے مسجد میں آتے رہے۔ آپ الحاج صالح عبد القادر عودہ اور الحاج احمد عبد القادر عودہ کے والد تھے۔

الحاج صالح عبدالقادر عودہ

آپ الحاج عبدالقادر عودہ کے بیٹے تھے۔آپ 1878ء میں کبابیر میں پیدا ہوئے۔آپ کا شمار فلسطین کے شاذلی فرقہ کے بڑے صوفیوں میں ہوتا تھا۔آپ کی خاندانِ قزق سے کافی تعلق داری اور اچھے روابط تھے۔ جب مولانا جلال الدین شمس صاحب کے ذریعہ خاندانِ قزق کے کئی افراد احمدیت کی آغوش میں آگئے تو مولانا شمس صاحب نے خاندان عودہ کو بھی امام مہدی کی آمد کی خوشخبری دی۔ اسکے بعد مولانا شمس صاحب قاہرہ تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو خاندان عودہ کے کئی افراد کو بیعت کر کے احمدیت میں شامل ہونے کے لئے منتظر پایا۔

یہاں یہ بات ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جب بیعت کرنے لگے تو پتہ چلا کہ آپ کے بڑے بیٹے (عبدالقادر) ایک سال قبل ہی حیفا میں اپنے بعض شامی دوستوں کے ساتھ بیعت کر کے احمدیت میں داخل ہو چکے تھے لیکن یہ بات انہوں نے اپنے والد اور دیگر بھائیوں سے پوشیدہ رکھی تھی۔

الحاج صالح اور آپ کے خاندان اور رشتہ داروں کی بیعت سے احمدیت کے شجر کی اس علاقے میں جڑیں مضبوط ہوگئیں۔اور کبابیر دیار عربیہ میں ایک بڑے مرکز کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آگیا۔اس خاندان کو احمدیت سے ہٹانے کی بھرپور کوششیں کی گئیں لیکن سب کا انجام ناکامی ہوا۔

آپ کو کبابیر جماعت کے پہلے صدر ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے۔آپ اس عہدے پر اپنی وفات تک فائز رہے۔آپ نے 3 رفروری 1950ء میں اس جہان فانی سے کوچ فرمایا۔

حضرت مصلح موعودؓ نے ان کے فرزند محمد الحاج صالح کو حسب ذیل تعزیت نامہ ارسال فرمایا:

بسم الله الرحمن الرحيم

ربوه

٢٢ شباط سنه ١٩٥٠ م

عزيزى السيد محمد الحاج صالح سلمكم الله تعالىٰ

السلام عليكم ورحمته الله وبركاته`

وبعد، فقد تلقينا بمنتهى الأسف الخبر الفاجع بوفاة والدكم الحاج صالح العودة رحمه الله فإنا لله وإنا إليه راجعون۔

كل ابن انثى وإن طالت سلامته

يوما على آلة حدباء محمول

إن والدكم المرحوم كما علمت كان اول شخص دخل فى الجماعه الاحمديه من الكبابير وكان مثالا للجد والنشاط والإخلاص فى سبيل نشر الدعوة الحقة بين أبناء وطنه فجزاه الله منا خير الجزاء على ما أبدى من الإخلاص والمحبة وأدعو الله أن يتغمده برحمته الواسعة وأسكنه فسيح جنانه ويجزل له الأجر والثواب فى دار النعيم ويلهمكم وإخوانكم وبقية أقربائكم على فقده الصبر الجميل ووفقكم أن تكونوا خير خلف لخير سلف ـــــ وبلغوا سلامى إلى جميع الإخوان فى الكبابير ووصيتى بأن يكونوا قدوة حسنة ومثالا أسمى للذين يأتون بعدهم والسلام عليكم۔

مرزا محمود احمد

(الخليفه الثانى للمسيح الموعود عليه السلام)

(رسالہ البشریٰ ستمبر 1950 صفحہ 178-179)

ترجمہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ربوہ

27/ماہ فروری 1950ء

عزیزم محمد الحاج صالح صاحب۔ سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والد الحاج صالح عودہ صاحب کی وفات کی ناگہانی خبر سن کر ازحد افسوس ہوا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّااِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

کل ابن انثی وإن طالت سلامته

یوما علی آلة حدباء محمول

ہر شخص خواہ وہ کتنی ہی لمبی عمر پالے۔ ایک روز موت کا شکار ہونے والا ہے

آپ کے والد مرحوم جیسا کہ مجھے پتہ چلا ہے کبابیر کے پہلے شخص ہیں جو جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے۔ وہ اپنے اہل وطن احباب میں دعوت حقہ کی اشاعت وتبلیغ کا فریضہ بڑی کوشش، بشاشت اور اخلاص سے بجالانے میں ایک نمونہ تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اخلاص و محبت کی بہترین جزا دے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی بے پایاں رحمت سے ڈھانپ لے۔ انہیں اپنی وسیع جنتوں میں جگہ دے اور دارالنعیم میں ان کا اجر وثواب فراواں کرے۔ اور آپ کے اور آپ کے بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے دل پر اپنی طرف سے صبر جمیل نازل فرمائے اور آپ کو اپنے نیک پیش رو کے نیک جانشین بننے کی توفیق عطا فرمائے ۔ ...... کبابیر کے تمام بھائیوں کو میرا سلام پہنچا دیں اور میری یہ وصیت بھی کہ وہ اپنے سے بعد میں آنے والوں کے لئے نیک نمونہ اور اعلیٰ مثال بنیں۔

والسلام علیکم

میرزا محمود احمد

(خلیفۃ المسیح الثانی)

یہاں ایک وضاحت کرتے جاتے ہیں کہ آپ کبابیر کے مبائعین میں دوسرے نمبر پر تھے۔ آپ سے قبل آپ کے فرزند اکبر السید عبدالقادر صالح عودہ احمدی ہوئے یوں آپ کے بیٹے کو اول المبائعین ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

الحاج احمد عبد القادر عودہ صاحب

مکرم الحاج صالح عبد القادر صاحب کا ذکر گزر چکا ہے، الحاج احمد عبد القادر صاحب، الحاج صالح صاحب کے بھائی تھے۔آپ 1881ء میں پیدا ہوئے اور 14/اپریل 1975ء کو آپ کی وفات ہوئی۔

آپ سادہ زبان میں مضامین لکھتے اور شعر کہتے اور اپنے صوفی منش دوستوں کو سناتے رہتے تھے۔آپ اپنے بھائی الحاج صالح کے ساتھ ہی رہتے تھے اور مکرم محمد القرزق اور علی القرزق صاحب سے دوستی تھی۔ یوں آپ بھی ان پہلے چند لوگوں میں سے ہیں جنہیں حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے ذریعہ جماعت احمدیہ کا پتہ چلا اور بعدازاں بیعت کی توفیق ملی۔

ایک رات آپ کو رؤیا میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔آپؐ کے ساتھ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم بھی تھے۔اس دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو آگے کرتے ہوئے الحاج احمد کو فرمایا کہ: هٰذَا الْإِمَامُ الْمَهْدِی، هٰذَا الْإِمَامُ الْمَهْدِی، عَلَيْكَ الْإِيْمَانُ بِهٖ لِأَنَّهٗ صَاحِبُ الْوَقْتِ۔ یعنی یہ امام مہدی ہے، یہ امام مہدی ہے۔اس پر ایمان لے آؤ کیونکہ یہ وقت کا امام ہے۔چنانچہ اس رؤیا کے بعد آپ نے بیعت کر لی۔

آپ مکرم جلال الدین شمس صاحب کے ساتھ تبلیغی دوروں پر جایا کرتے تھے۔اسی طرح کبابیر جماعت کی پہلی مجلس عاملہ میں آپ کو سیکرٹری مال کے طور پر خدمات بجا لانے کا بھی اعزاز حاصل ہے۔نیز آپ نے امام الصلاۃ اور خطیب کے طور پر بھی جماعت میں خدمات سرانجام دیں۔

مکرم محمد صالح عبد القادر عودہ صاحب (ابو صلاح)

آپ مکرم صالح عبد القادر صاحب کے بیٹے اور مکرم محمد شریف عودہ صاحب امیر جماعت کبابیر کے دادا تھے۔آپ 1910ء میں کبابیر میں پیدا ہوئے۔آپ نے اپنے خاندان کے ساتھ جماعت احمدیہ میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔اس وقت آپ کی عمر 18 سال تھی۔آپ کو بچپن میں تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ نہ ملا تاہم صحت کے ساتھ قرآن کریم کی قراءت آپ نے سیکھ لی تھی۔آپ حیفا میں کام کرتے تھے۔ان دنوں مولانا جلال الدین صاحب شمس حیفا میں مقیم تھے لہٰذا آپ کے والد صاحب نے آپ کو نصیحت کی کہ اپنے کام سے واپسی کے بعد مبلغ سلسلہ کی خدمت میں حاضر رہنا، اوران کی مدد اور اعانت کرنا۔چنانچہ مولانا شمس صاحب کے واپس جانے تک آپ نے اپنے والد صاحب کی اس نصیحت پر پورے اخلاص کے ساتھ عمل کیا۔شمس صاحب کے بعد جب مولانا ابو العطاء صاحب بطور مبلغ تشریف لائے تو آپ نے ان سے عربی زبان کے بنیادی قواعد بھی سیکھ لئے۔اسی طرح شوق مطالعہ نے آپ کو کامیاب مبلغ بنا دیا۔آپ حیفا کی مساجد میں جاکر حضرت مسیح موعو علیہ السلام کی بعثت کی بشارت دیا کرتے تھے اور بعض بڑے بڑے مولویوں اور مفتیوں کے ساتھ بھی مناظرے کرنے سے نہ گھبراتے۔اسی طرح فلسطین کی دیگر بستیوں اور آبادیوں میں بھی آپ تبلیغ کے لئے جاتے رہتے تھے اور کبھی دشمنوں کی زیادتیوں اور ایذادہی اور گالی گلوچ کی پرواہ نہ کی۔

نہ صرف یہ کہ آپ نے خود مبلغین کرام اور سلسلہ کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی بلکہ اپنی بیوی بچوں کو بھی اس خدمت کا پابند کیا یہاں تک کہ آپ کی نسل میں یہ خدمت کا جذبہ چلتا جارہا ہے۔اللہ کرے کہ یہ اخلاص ومحبت اور یہ نیکی ان کی اولاد دراولاد منتقل ہوتی رہے، آمین۔

آپ نے جماعت احمدیہ کبابیر میں بطور سیکرٹری مال، سیکرٹری تعلیم و تربیت، سیکرٹری تبلیغ، جنرل سیکرٹری کے علاوہ بحیثیت صدر جماعت بھی خدمت کی توفیق پائی۔ آپ کی وفات 1980ء میں ہوئی۔

ایک دفعہ جبکہ آپ سیکرٹری مال تھے چوروں نے آپ کو پکڑ لیا اور رقم کا مطالبہ کیا۔ آپ کے انکار کی وجہ سے وہ آپ کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اغوا کر کے لے گئے لیکن آپ نے ان کو جماعت کی رقم کا ایک آنہ بھی نہ دیا۔ ازاں بعد کسی طرح ساتھ والی بستی کے نمبر دار سے ان چوروں کا سامنا ہوا جس نے محمد صالح صاحب کو ان سے چھڑایا۔

آپ تمام جماعت کو عموماً اور اپنی اولاد کو خصوصًا خلیفہ وقت کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھنے کی تلقین کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ خلیفہ وقت کو خط لکھو تو خط مختصر ہونا چاہئے اور تحریر واضح اور صاف ستھری ہونی چاہئے۔

1970ء میں جب خلیفۂ ثالث لندن تشریف لائے تو آپ کو حضور سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

نہ صرف آپ تحریک جدید میں شامل ہونے والے اوائل عرب احمدیوں میں سے تھے بلکہ 1945ء میں آپ نظام وصیت میں شامل ہو کر اوائل عرب احمدی موصیان میں بھی شامل ہو گئے۔

مکرمہ نجمہ علی خطاب صاحبہ (ام صلاح)

آپ محمد صالح عودہ صاحب کی اہلیہ تھیں۔آپ کی پیدائش 1913ء میں حیفا میں ہوئی۔ آپ کے والد مکرم علی خطاب صاحب ایک نیک اور متقی انسان تھے۔اسی طرح آپ کی والدہ مکرمہ عفیفہ احمد شنبور صاحبہ بھی پارسا خاتون تھیں۔آپ کی شادی 1934ء میں محمد صالح عودہ صاحب کے ساتھ ہوئی اور یوں آپ کبابیر میں جامع سیدنا محمود کے بالمقابل ایک گھر میں رہائش پذیر ہوگئیں۔مسجد سے قربت نے آپ کو جماعت اور مبلغین کرام کی خدمت کے بے شمار مواقع فراہم کئے اور یوں اس خدمت پر آپ تاوقت وفات کاربند رہیں۔

آپ کے خاوند کہتے ہیں کہ: مَیں نے مولانا جلال الدین صاحب شمس کی خدمت کی توفیق پائی پھر مولانا ابوالعطاء صاحب کی خدمت کی توفیق پائی۔ایک دن مولانا ابوالعطاء صاحب نے مجھے فرمایا اے محمد صالح! آپ نے مولانا شمس صاحب کی بھی خدمت کی اور میری خدمت میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔اس کے بالمقابل میرے پاس کوئی ایسی چیز تو نہیں ہے جو میں پیش کر سکوں تاہم میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نیک اور صالح بیوی عطا فرمائے۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ میری بیوی اس دعا کا نتیجہ ہے۔مکرمہ نجمہ خطاب صاحبہ کی وفات 1993ء میں ہوئی۔

مکرم حسین علی خالد عساف صاحب

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس جب حیفا تشریف لائے تو الجرینہ نامی ایک محلے میں قیام فرمایا۔ آپ لوگوں سے بھرے بازار میں سے گزرتے اور انہیں امام مہدی کے ظہور کی خوشخبری سناتے۔ ایک دفعہ مکرم حسین علی خالد عساف صاحب کو بھی مولانا جلال الدین صاحب شمس کی بات سننے کا موقع ملا۔ مولانا صاحب کی بہادری، پر حکمت کلام، اور دینی معارف سے معمور نہایت شستہ اور میٹھی باتیں آپ کے دل میں گھر کر گئیں۔ اسی وقت آپ کے دل میں احمدیت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت پیدا ہوگئی۔ آپ نے مولانا شمس صاحب کو اپنے سادہ سے گھر میں دعوت پر بلایا اور یوں چند ایک ملاقاتوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو انشراح صدر کے ساتھ قبول احمدیت کی توفیق عطا فرمائی، اور آپ اپنے اہل خانہ کے ساتھ 1928ء میں جماعت میں داخل ہوگئے۔

آپ مکرم محمد شریف عودہ صاحب امیر جماعت کبابیر کے نانا تھے۔

مکرم اسعد سعید عودہ صاحب (ابوموسیٰ)

آپ 1903ء میں کبابیر میں پیدا ہوئے۔ آپ بچپن ہی سے اپنے دادا مکرم عبدالحی عودہ صاحب کے ساتھ رہتے تھے جن کے ذمہ ان کے بھائیوں نے یہ ڈیوٹی لگائی ہوئی تھی کہ ان کے ڈیرے پر جو بھی مہمان آئے ان کی مہمان نوازی عبدالحی صاحب کی ذمہ داری ہوگی۔ ان کے ڈیرہ پر لوگ نماز ادا کرتے تھے اور یہاں بیٹھ کر آپس میں گفت وشنید کی جاتی تھی۔ آپ نے 1928ء میں مولانا شمس صاحب کے ذریعہ بیعت کی جبکہ آپ کے والد اور دیگر رشتہ دار جماعت میں شامل نہ ہوئے جن کے لئے آپ نے بہت زیادہ دعا کی، چنانچہ 27 سال بعد آپ کی دعا قبول ہوگئی جب 1955ء میں آپ کے خاندان کے دیگر افراد بھی جماعت میں شامل ہو گئے۔ آپ نے 31/جنوری 1982ء کو وفات پائی۔

مکرم سید حسن محمد ابراہیم الحسینی

مکرم سید حسن محمد ابراہیم الحسینی سیرالیون کی جماعت کے ایک نہایت مخلص اور عالم دین رکن تھے۔ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں مثالی تعلق محبت وعشق تھا۔ اور سلسلہ احمدیہ سے والہانہ عقیدت رکھنے والے لبنانی عرب دوست تھے۔ سیرالیون میں جہاں احمدیت کا پیغام پہنچانے میں الحاج مولانا نذیر احمد علی مرحوم کو خاص توفیق ملی وہاں مقامی طور پر احمدیت کی تبلیغ واشاعت کے سلسلہ میں سید حسن مرحوم کی کوششیں بھی ناقابل فراموش ہیں۔

سید حسن مرحوم 1927 میں لبنان سے سیرالیون جا کر تجارت وغیرہ کرنے لگے۔ سیرالیون میں احمدیہ مشن کھلنے سے بہت پہلے ہی مرحوم کو بعض عربی اور انگریزی رسائل کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کا علم ہو چکا تھا۔ اور وہ اس کوشش میں تھے کہ کسی ذریعہ سے انہیں اس بارہ میں تفصیلی معلومات حاصل ہوں۔ چنانچہ 1937 میں جب حضرت مولانا نذیر احمد علی مرحوم سیرالیون میں باقاعدہ احمدیہ مشن کھولنے کیلئے تشریف لے گئے تو اس وقت سید حسن مرحوم سیرالیون کے جنوبی صوبہ کے ایک گاؤں ''باؤماہون'' میں کاروبار کرتے تھے۔ یہ گاؤں اس وقت سونے کی کانوں کی وجہ سے تجارت کا مرکز تھا۔ جب سید حسن صاحب کو الحاج مولانا علی مرحوم کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً مولانا مرحوم کو ''باؤماہون'' آنے کی دعوت دی جس پر مولانا مرحوم وہاں تشریف لے گئے اور ان کی تبلیغ سے نہ صرف حسن صاحب نے احمدیت قبول کر لی بلکہ کثیر تعداد میں افریقن لوگ بھی بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شامل ہو گئے۔

قبول احمدیت کے بعد سید حسن مرحوم کی ان کے ہم وطن لبنانی تاجروں کی طرف سے

شدید مخالف شروع ہوگئی مگر آپ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی بلکہ آپ ایمان کی مضبوطی اور اخلاص وقربانی میں ترقی کرتے چلے گئے اور اپنے لبنانی ہموطنوں اور دیگر عرب تاجروں میں شب وروز تبلیغ کرنے لگے جس کے نتیجہ میں خدا کے فضل سے آپ دو اور لبنانی خاندانوں کو احمدیت کی آغوش میں لانے میں کامیاب ہوگئے۔ یعنی سید امین خلیل سکیکی مرحوم اور سید محمد حدرج صاحب کے خاندان۔ مکرم سید محمد حدرج اور انکی اولاد خدا تعالیٰ کے فضل سے اب جماعت احمدیہ سیرالیون کے خاص اور فدائی ممبران میں شمار ہوتے ہیں۔ مبلغین کرام سے ان کا تعاون اور محبت اور مرکز سے ان کی عقیدت دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور انکی اولاد کو صحت وسلامتی سے رکھے اور اخلاص میں ترقی دے۔ آمین۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی مدح میں عربی قصیدہ

سید حسن ابراہیم مرحوم جب تک زندہ رہے نظام سلسلہ کی پابندی، خلیفہ وقت کی اطاعت اور مبلغین کرام سے تعاون اور ان کی خدمت کرنے کو اپنا فرض سمجھتے رہے۔ خلیفہ وقت کی زیارت کے لئے مرکز سلسلہ میں آنے کے لئے بے تاب رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں سنیں اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ 1970 میں مغربی افریقہ کے دورہ پر تشریف لے گئے اس موقعہ پر سید حسن صاحب نے حضورؒ کی مدح میں ایک عربی قصیدہ کہا اور حضور کی موجودمیں خود اجلاس عام میں پڑھ کر سنایا۔ قصیدہ پڑھتے وقت ان پر ایسی رقت کی کیفیت طاری تھی کہ گویا وہ عشق ومحبت کی کوئی واردات بیان کر رہے ہیں۔

جنوری 1971 میں وہ کچھ عرصہ کے لئے لبنان چلے گئے کیونکہ انکے تین بچے وہاں زیر تعلیم تھے۔ لبنان سے وہ ربوہ (پاکستان) جانے کا ارادہ رکھتے تھے تا کہ اپنی بقیہ زندگی وقف کر کے اپنے آپ کو حضور کی خدمت میں پیش کر دیں مگر زندگی نے وفا نہ کی اور آپ لبنان میں اپنے گاؤں میں مختصر علالت کے بعد مارچ 1972 میں وفات پا گئے۔ اِنا للہ واِنا اِلیہ راجعون۔ اللہ تعالی انکے درجات بلند کرے اور انہیں اپنی رحمتوں بھری جنت نصیب کرے۔ آمین۔

(ماخوذ از روح پرور یادیں صفحہ 519 تا 521)

مکرم سید امین خلیل سکیکی

سید امین خلیل سکیکی بھی سیرالیون احمدیہ جماعت کے ایک نہایت مخلص فدائی اور جان نثار احمدی تھے۔ یوں تو مرحوم کو سلسلہ عالیہ احمدیہ سے دیرینہ محبت وعقیدت تھی اور وہ وقتاً فوقتاً احمدیہ مشن کی اعانت فرماتے رہتے تھے مگر سلسلہ میں باقاعدہ طور پر دسمبر 1946ء میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد قربانی ایثار اور اخلاص کا وہ اعلیٰ درجہ کا نمونہ پیش کیا جس کی مثال بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ذکر پر فرط محبت سے بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ آپ فی الواقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام: يصلون عليك أبدال الشام کے مصداق تھے۔ سیرالیون احمدیہ مشن کے ابتدائی مشکل اوقات میں آپ اکثر مالی امداد فرماتے رہے، مبلغین سے محبت اور خندہ پیشانی سے پیش آنا ان کا خاصہ تھا۔ جب بھی ان کے ہاں جانا ہوا انہیں یہی کہتے سنا کہ میرا گھر مجاہدین احمدیت کے لئے وقف ہے اور انکی خدمت میرے لئے عین سعادت ہے۔

انہیں یہ بھی شدید خواہش تھی کہ ان کی اولاد بھی خادم سلسلہ عالیہ احمدیہ ہو اور ان کے دلوں میں اسلام اور احمدیت کی محبت گھر کر جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ایک بیٹے عزیز علی امین کو چھوٹی عمر میں ہی تعلیم کی غرض سے ربوہ بھجوا دیا۔

بچہ کی معجزانہ شفایابی اور اہلیہ کی بیعت

ایک مرتبہ انہوں نے ہمیں بتایا کہ شروع میں جب انہوں نے احمدیت قبول کی تو ان کی اہلیہ احمدی ہونے پر راضی نہ تھیں۔ ان کے بھائی سخت مخالف تھے۔ تاہم وہ انہیں متواتر تبلیغ

کرتے اور سمجھاتے رہے۔ اس دوران ان کا بیٹا امین سخت بیمار ہو گیا۔اسے علاج کے لئے ''مگبورکا'' سے تقریباً 51 میل دور ایک شہر''مکینی'' لے جایا گیا مگر وہاں اس کی حالت زیادہ خراب ہوگئی اور ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے کر ہسپتال سے رخصت کر دیا۔آخر بوقتِ شب ان کی اہلیہ نے متواتر دعا کی کہ اے شافیٔ مطلق خدا! اگر سیدنا احمد واقعی سچے مہدی اور امامِ وقت ہیں تو ان کی صداقت کے صدقے میرے اس بچے کو اب تو بغیر دوا کے ہی اپنے فضل سے شفاء عطا فرما دے۔رات کو وہ اپنے بچے کے پاس بیٹھی بڑے عجز وانکسار سے یہ دعا کرتی رہیں اور صبح کیا دیکھتی ہیں کہ بچے کی بیماری میں بہت حد تک کمی واقع ہو چکی ہے۔چنانچہ وہ اسی حالت میں بچہ کو واپس''مگبورکا'' اپنے گھر لے آئیں اور سارا واقعہ اپنے خاوند سید امین صاحب کو کہہ سنایا۔الحمد للہ کہ اس کے بعد ایک دو روز میں بچہ کو اللہ تعالیٰ نے کامل صحت عطا فرما دی۔اسی قسم کے قبولیت دعا کے ایک دو اور واقعات سنا کر انہوں نے بتایا کہ اس طرح ان کی اہلیہ کو بھی شرح صدر ہو گیا اور انہوں نے بھی بیعت کر لی۔

جذبۂ قربانی اور آخری خواہش

اپریل 1960ء میں وہ سخت بیمار ہو گئے اور کچھ عرصہ فری ٹاؤن اور''بوُ'' کے ہسپتالوں میں زیرِ علاج رہے جہاں پر بار بار اس امر کا ذکر کیا کہ میں اپنی جائیداد کا تیسرا حصہ خدمت اسلام کے لئے وقف کرنا چاہتا ہوں اور صحت ہونے پر انشاء اللہ وصیت کر دوں گا۔جب بھی ہم تیمارداری کے لئے جاتے وہ باوجود شدید نقاہت کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور احمدیت کی صداقت کا ذکر شروع کر دیتے۔

ایک دفعہ کہنے لگے کہ میری یہ شدید خواہش ہے کہ سیدنا محمود کی زیارت نصیب ہو مگر صحت اجازت نہیں دیتی، پھر روتے ہوئے کہنے لگے کہ اگر ہو سکے تو اب میری یہ آرزو پوری کر دی جائے کہ میری وفات کے بعد میری میّت کو میرے خرچ پر قادیان لے جا کر سیدنا حضرت احمد علیہ السلام کے قدموں میں دفن کیا جائے۔لیکن افسوس ہے کہ ان کے غیر احمدی رشتہ داروں نے ان کی وفات کے بعد انہیں وہیں دفن کر دیا جہاں وہ اور ان کا خاندان کاروبار کرتا تھا۔

ان کی وفات قصبہ''بیلے'' میں 12/اور 13/ستمبر 1960 کی درمیانی شب کو ہوئی۔مکرم

مولوی شیخ نصیر الدین صاحب سابق امیر جماعتہائے احمدیہ سیرالیون نے جنازہ پڑھایا جس میں احمدی احباب کے علاوہ شامی، لبنانی اور افریقن دوست بھی کثرت سے شامل ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے اور جنت میں اعلیٰ علّیین میں مقام عطا فرمائے اور اولاد کو اسلام اور احمدیت پر قائم رکھے۔

(ماخوذ از روح پرور یادیں صفحہ 521 تا 523)

مکرم شیخ احمد الفرقانی العراقی صاحب

آپ بغداد سے قریبا دو سو میل کے فاصلہ پر ''لواء کرکوک'' گاؤں میں بودو باش رکھتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بے حد محبت اور اخلاص رکھتے تھے۔ حضور کے فارسی وعربی اشعار سن کر وجد میں آجاتے اور زار و قطار رونے لگتے تھے۔

جنوری 1935ء کے وسط میں آپ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا جس کی اطلاع ایک احمدی عرب نوجوان الحاج عبداللہ صاحب (جو کہ لمبا عرصہ قادیان میں علم دین سیکھنے کے بعد ان دنوں اپنے وطن میں مصروف تبلیغ تھے) کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں پہنچی۔ چنانچہ انہوں نے 16/جنوری 1935ء کو عریضہ لکھا کہ آج بغداد سے ایک خط موصول ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ شیخ احمد فرقانی جو عرصہ دس سال سے احمدیت کی وجہ سے مخالفین کے ظلم وستم برداشت کرتے آرہے تھے۔ اور جن کا عراقیوں نے بائیکاٹ کر رکھا تھا، شہید کر دیئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّااِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

(ملخص از تاریخ احمدیت جلد 7 صفحہ 156-157)

مکرم ابراہیم عباس فضل اللہ صاحب

آپ سوڈان کے دار الحکومت خرطوم کے باشندہ تھے۔ 22 سال کی عمر میں 24؍نومبر 1941ء کو آپ نے احمدیت قبول کی اور پھر حضرت مصلح موعودؓ کی تحریک پر لبیک کہتے ہوئے بغرض تعلیم 3؍ مارچ 1952ء کو پاکستان آئے اور ربوہ میں تعلیم پانے کے بعد 14؍مئی 1953ء کو اپنے آبائی وطن واپس لوٹ گئے۔ جہاں آپ کو جماعت کی طرف سے آنریری مبلغ کے فرائض سونپے گئے۔ پہلے آپ نے خرطوم میں ایک کمپنی میں کام شروع کیا اور ساتھ ہی سلسلہ کے لٹریچر کی تقسیم اور زبانی تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری کیا۔ ازاں بعد اپنی الگ تجارت شروع کر لی اور مکرم چوہدری محمد شریف صاحب مبلغ فلسطین کو لکھا کہ اب مَیں آزادی کے ساتھ پیغام احمدیت پہنچا سکتا ہوں۔ لیکن افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی اور آپ 37 سال کی عمر میں اپنے مولیٰ کریم سے جا ملے۔

مکرم ابراہیم عباس صاحب کا اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر محض دینی تعلیم کی خاطر پاکستان آنا اور پھر آنریری طور پر تبلیغ احمدیت کرنا اخلاص کا بہترین نمونہ ہے جو بلاد عربیہ کے احمدی نوجوانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے احمدیوں کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد 17 صفحہ 299-300)

پلیڈر مکرم محمد الشوا صاحب

مکرم محمد الشوّا صاحب 1924ء میں دمشق میں پیدا ہوئے اور 1950ء میں ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی اور پھر تمام عمر وکالت کے شعبہ سے منسلک رہے جس میں بار کونسل کے چیئر مین بھی رہے۔

عقیدہ دوغلی پالیسی کا محتاج نہیں ہوتا

ان کی بیعت کا واقعہ بھی نہایت دلچسپ ہے۔ یہ 1947ء کی بات ہے کہ آپ اپنی پڑھائی کے دوران ہی ایک پرائمری اسکول میں تدریس کا کام بھی کرتے تھے۔اس سکول میں ان کے کلاس فیلو ایک احمدی مکرم علاء الدین صاحب نویلاتی بھی تدریس کا فریضہ سرانجام دیتے تھے جنہوں نے آپ کو تبلیغ کرنا شروع کر دی۔اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ علاء الدین صاحب نے ایک دن کتاب ''حیاۃ المسیح ووفاتہ'' میز پر لا رکھی۔مکرم محمد الشوا صاحب نے کتاب کا عنوان پڑھتے ہی آگ بگولا ہو کر پوچھا: یہ کتاب یہاں کون لایا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ علاء الدین صاحب لائے ہیں۔ یہ ابتدا تھی اس کے بعد تو سکول میں مباحثے شروع ہو گئے ۔ تمام ٹیچرز علاء الدین صاحب کے خلاف مکرم محمد الشوا صاحب کا ساتھ دیتے لیکن علاء الدین صاحب سکول میں تدریس سے فارغ ہو کر مکرم محمد الشوا صاحب کے گھر جاتے اور نہایت خندہ پیشانی سے انہیں کہتے چلو ہم جماعت کے مرکز واقع محلّہ شاغور میں چلتے ہیں وہاں پر تمہیں تمہارے سب سوالوں کا جواب مل جائے گا۔ پھر یوں ہونے لگا کہ آپ ان کے ساتھ ساتھ رہتے۔علاء الدین صاحب اکثر اوقات عیسائیوں کے ساتھ بھی بحث مباحثہ کیا کرتے تھے اور آپ کو بھی ساتھ لے جاتے

تھے۔ایک دفعہ مکرم علاء الدین صاحب آپ کو دمشق کے مشہور فرنسیسکان چرچ میں لے گئے جہاں ان کے مشہور پادری بافتورا صاحب سے بات شروع ہوئی۔ علاء الدین صاحب نے ابھی یہی کہا تھا کہ حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں تو اس پادری نے فوراً پوچھا کہ کیا تم قادیانی ہو؟ انہوں نے کہا: جی۔اس پر اس پادری نے کہا کہ ہمیں پوپ کی طرف سے یہ حکم ہوا ہے کہ قادیانیوں سے کسی معاملہ میں بحث نہیں کرنی۔مکرم محمد الشوا صاحب نے یہ جواب سنا تو ان کے دل میں جماعت کے بارہ میں جاننے کا شوق مزید بڑھ گیا۔وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ آخر احمدیوں میں کیا ایسی خاص بات ہے جس کی بنا پر عیسائی ان کے سامنے چاروں شانے چت ہو جاتے ہیں اور بحث کرنے سے قبل ہی ہار مان لیتے ہیں۔ چنانچہ محمد الشوا صاحب اس وقت کے مشہور عالم ناصر الدین البانی کے پاس گئے ۔ البانی صاحب حدیث کے بڑے عالم تھے۔کئی کتب کے مصنف ہیں اور آج تک عرب دنیا میں ان کی خاصی شہرت ہے۔لیکن یہ جماعت کے شدید مخالف تھے۔محمد الشوا صاحب نے البانی صاحب کو چرچ میں پیش آنے والا واقعہ بتایا کہ کیسے پادری ایک احمدی کے آگے بے بس ہوگیا ۔اس پر ناصر الدین البانی نے کہا کہ ہم عیسائیوں کا منہ بند کرنے کے لئے ان سے کہہ سکتے ہیں کہ عیسی بن مریم علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں ۔اس پر مکرم محمد الشوا صاحب نے پوچھا: کیا حقیقت میں عیسی علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں؟ البانی صاحب نے کہا: نہیں۔ اس پر مکرم محمد الشوا صاحب نے البانی صاحب سے کہا: مَیں احمدیت قبول کرنے جارہا ہوں کیونکہ عقیدہ کسی دوغلی پالیسی کا محتاج نہیں ہوتا۔اس طرح آپ نے بیعت کر لی۔

توحید کا درس

جب حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے تو مکرم محمد الشوا صاحب کو حضورؓ کے ہمراہ لبنان جانے کا شرف بھی حاصل ہوا۔آپ نے خود بیان کیا ہے کہ اس سفر کے دوران بعلبک کے آثار قدیمہ کی سیر بھی کی۔ بعلبک پرانا معبد تھا، اس کی سیر کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہاں غیر اللہ کی عبادت ہوتی رہی ہے لیکن آج ہم میں سے ہرایک یہاں پر خدائے واحد کی عبادت کرتے ہوئے دو رکعت نفل ادا کرے۔ چنانچہ سب نے

ایسا ہی کیا۔

مَیں ابھی تک زندہ ہوں

مکرم محمد الشوا صاحب چند ماہ پہلے ہمارے شام کے ایک دوست کو کہنے لگے دو سال پہلے ڈاکٹروں نے مجھے کہا کہ تم چند دن کے مہمان ہو تو مَیں نے ان ڈاکٹروں سے کہا کہ مَیں نے اپنے خلیفہ کو خط لکھا تھا اور آپ نے میرے لئے دعا کی ہے اس لئے تمہاری بات درست نہیں ہے کہ مَیں چند دن کا مہمان ہوں۔ پھر روتے ہوئے فرمانے لگے: دیکھو مَیں حضور کی دعا سے ابھی تک زندہ ہوں۔

ایک منجھے ہوئے وکیل

مکرم محمد الشوا صاحب جب وکالت کے پیشہ سے منسلک ہوئے تو ابھی ان کی عمر چھوٹی ہی تھی اور اپنے ساتھیوں میں کم عمر دکھائی دیتے تھے اور اس بنا پر اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ آپ ابھی ناتجربہ کار ہی ہوں گے۔ لیکن عدالت میں ان کی حاضر جوابی اور دلیل کی قوت ان کے بڑا ہونے کا ثبوت ہوتی تھی۔ ایک واقعہ جو خاکسار نے ان کی زبانی سنا کہ شام میں جب جماعت پر پابندیاں لگیں اور پھر احمدیوں کو بھی تختۂ مشق ستم بنایا گیا تو ان کے اکثر مقدمات کی پیروی کرنے کی سعادت بھی مکرم محمد الشوا صاحب کو ہی نصیب ہوئی۔ غالبًا ان میں سے پہلے مقدمہ کی پیروی کے وقت آپ ابھی وکالت کے میدان میں نئے نئے تھے اور کم عمر بھی۔ جب عدالت میں پیش ہوئے تو آپ نے وکیلوں والا رسمی لباس پہنا ہوا تھا۔ اس کے باوجود جب مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی تو جج نے پہلا سوال آپ سے کیا کہ: کیا تم وکیل ہو؟ آپ نے نہایت حاضر جوابی سے اسی وقت اس سے پوچھا: کیا تم جج ہو؟ اس سوال سے عدالت میں سناٹا چھا گیا اور جج کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ دراصل جج کے سوال میں تحقیر کا عنصر شامل تھا۔ جب عدالت لگی ہوئی ہے جس میں ایک کیس پیش ہو رہا ہے، کیس کے مدعی اور مدعا علیہ اور گواہ موجود ہیں اور وکیل کے رسمی لباس میں ملبوس صرف ایک ہی شخص اپنے مؤکل کی وکالت کر رہا ہے تو ایسی صورت میں اسے پوچھنا کہ کیا تم وکیل ہو؟ ایک اہانت آمیز رویہ متصور ہوگا۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ کوئی اسی

عدالت میں اس مقدمہ کی سماعت کرنے والے واحد جج سے آ کر سب کے سامنے پوچھے کہ: کیا تم جج ہو؟ چنانچہ آپ نے کمال ذہانت اور حاضر جوابی سے پہلے سوال میں ہی میدان مار لیا۔

اخلاص کی زندہ تصویر

جب ہم 1994ء میں عربی زبان کی مزید تعلیم حاصل کرنے کیلئے سیریا گئے تو اس وقت وہاں پر ٹیلیفون کی سہولت اتنی عام نہیں تھی اور جو گھر ہم نے کرائے پر لیا اس میں ٹیلیفون نہ تھا۔لہذا سیریا پہنچنے کے بعد ہم نے پاکستان میں اپنے اپنے گھروں میں پہلا فون دمشق کے مرکزی پبلک کال آفس سے کیا۔چونکہ پبلک بوتھ صرف لوکل یا نیشنل کال کے لئے تھے اور انٹرنیشنل کال کے لئے یہ سہولت صرف اسی ایک مقام پر میسر تھی اس لئے وہاں پر خاصا ازدحام تھا۔اپنی باری کا انتظار کرنے کے بعد اس کال آفس کے عملہ نے خود ہی نمبر ملا کر دیا اور ایک کیبن میں جا کر مختصر سی بات ہو سکی کیونکہ کال کافی مہنگی تھی۔

ہمارا کرائے کا مکان مکرم محمد الشوا صاحب کے محلّہ میں ہی کچھ فاصلے پر تھا۔ان کے گھر میں فون بھی تھا اور فیکس بھی۔انہوں نے خود آ کر اس سہولت سے فائدہ اٹھانے کی پیش کش کی۔اور ہمارے اصرار پر یہ طے پایا کہ ہم بل ادا کرنے کی شرط کے ساتھ ان کا فون اور فیکس حسب ضرورت استعمال کر لیا کریں گے۔چنانچہ پاکستان کے وقت کے لحاظ سے اور مکرم محمد الشوا صاحب کی اپنی مصروفیات کے لحاظ سے یہ طے پایا کہ جس نے فون کرنا ہو وہ ایک دن قبل انہیں بتا دے گا اور اگلے دن صبح فجر کی نماز کے فوراً بعد جا کر فون کر لیا کرے گا۔فون کرنے کے دوران مکرم محمد الشوا صاحب خود اپنے ہاتھوں سے چائے بھی بنا کر لے آتے تھے۔یہ سلسلہ غالباً ایک سال تک جاری رہا تا آنکہ ہمارے گھر میں بھی فون لگ گیا۔

اس سلسلہ میں ان کے اخلاص اور جماعت کیلئے خدمت کا دوسرا واقعہ یوں ہے کہ باوجود اپنی مصروفیت کے انہیں اس بات کا بہت خیال رہتا تھا کہ نہ صرف ہم سیریا میں رہ کر زیادہ سے زیادہ عربی زبان سیکھیں بلکہ اس کا صحیح تلفظ ادا کرنا بھی ہمیں آنا چاہئے۔اس لئے اکثر اوقات مجالس میں باتوں کے دوران احباب کو متنبہ کیا کرتے تھے کہ وہ اچھی فُصحٰی عربی بولیں تا کہ ہم لوگ مستفید ہو سکیں۔اسی طرح جب ہم بولتے تھے تو جہاں تصحیح کی ضرورت ہوتی ہمیں بتا دیا

کرتے تھے اور جہاں تلفظ کی غلطی ہوتی تھی وہیں اس کی بھی درستی فرما دیتے تھے۔ بلکہ انہوں نے ہمیں تلفظ درست کرنے کے لئے اس قدر وقت دیا کہ کچھ عرصہ کے لئے روزانہ ہم ان کے سامنے بلند آواز سے کوئی کتاب پڑھتے اور وہ ہر لفظ کو غور سے سن کر اس کا صحیح تلفظ ہمیں بتاتے تھے۔

اسی طرح جب بھی انہیں کوئی پڑھا لکھا شخص ملتا جس کے پاس وقت ہوتا تو فصحٰی عربی کی بول چال کی پریکٹس کے لئے اسے ہمارے پاس بھیج دیتے۔ان میں سے ایک دوست بہت ہی قابل آدمی تھا اور ہم نے اپنے عرصہ قیام میں اس سے بہت فائدہ اٹھایا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔آمین۔

کرسیوں پر دائیں سے بائیں: محمد الشوا صاحب، منیر الحصنی صاحب، محمد عثمان چینی صاحب، رشدی بسطی صاحب (انکے ساتھ ان کا بیٹا مہدی)، علاء الدین نویلاتی صاحب
کھڑے ہوئے: نصر الشوا صاحب، نجم الشوا صاحب، یحیٰی الساعاتی صاحب، اکرم الشوا صاحب، سلیم الجابی صاحب، ناصر عودہ صاحب، ابراہیم الجبان صاحب، زکریا الشوا صاحب،
اور ابو الفرج الحصنی صاحب (سفید شرٹ پہنے ہوئے)

مکرم زکریا الشوا صاحب

آپ 1930ء کی دہائی کے شروع میں دمشق کے ایک محلے باب السریجہ میں پیدا ہوئے۔ اور چھوٹی عمر میں ہی اپنے بڑے بھائی مکرم محمد الشوا صاحب کے ذریعہ 1940ء کی دہائی کے اواخر میں جماعت میں داخل ہوئے۔اس کے بعد آپ نے پولیس میں نوکری کر لی جہاں سے بالآخر 1980ء کے بعد ریٹائر ہوئے۔ پولیس میں آپ کی نوکری مختلف سیاحی مقامات پر ہوتی تھی جس کی وجہ سے آپ شام میں بطور زائر تشریف لانے والے احمدیوں کی خدمت کر کے بہت خوش ہوتے تھے۔

جب حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے 1955ء میں یورپ تشریف لے جاتے ہوئے راستہ میں دمشق میں قیام فرمایا تو دمشق سے بیروت کے سفر کے میں جماعت احمدیہ شام کے چند افراد بھی حضورؓ کے ساتھ گئے تھے۔مکرم زکریا الشوا صاحب کو بھی حضورؓ کے ساتھ یہ سفر کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔راستہ میں اس وفد نے حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ بعلبک کے مشہور آثار قدیمہ کی سیر بھی کی تھی۔آپ جماعت کے ساتھ اخلاص اور امانت داری کی صفت میں نمایاں تھے اس لئے امیر جماعت شام مکرم منیر الحصنی صاحب نے آپ کو سیکرٹری مال کی ذمہ داری عطا کی۔

مکرم اکرم ظفر اللہ الشوا صاحب

آپ مکرم محمد الشوا صاحب کے بیٹے تھے۔ جامعہ دمشق سے انجینئر نگ کی۔اور ملازمت کے سلسلہ میں الجزائر اور سعودی عرب کا سفر کیا۔ واپسی پر دمشق میں جماعتی سرگرمیوں میں حصہ لیا اور نہایت اخلاص اور تندہی کے ساتھ جماعتی اجلاسات اور پروگراموں میں شرکت کیا کرتے تھے۔آپ کی بڑی خواہش تھی کہ خلیفہ وقت سے ملاقات ہو چنانچہ اس خواہش کی تکمیل کے لئے آپ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے عہد میں جلسہ سالانہ برطانیہ میں شریک ہوئے۔

آپ ایک خطرناک بیماری کا شکار ہوئے اور 1995ء میں وفات پائی۔ان کو دماغ کا سرطان تھا اور ڈاکٹروں نے کہا کہ یہ 15 دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور اگر آپریشن کامیاب ہو جائے تو اس کی عمر تین ماہ تک بڑھ سکتی ہے۔انہوں نے آپریشن کروالیا۔ بعدازاں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں تمام ڈاکٹری رپورٹس بھجوا کے ہومیو پیتھی نسخہ کے لئے درخواست کی۔حضور نے فرمایا کہ آپ بہت لیٹ ہو گئے ہیں اور ہومیو پیتھی ادویہ بھی ارسال کیں۔اس کے بعد مکرم اکرم الشوا صاحب ایک سال زندہ رہے۔حضور کی خدمت میں جب ان کی وفات کی خبر دی گئی تو حضور نے فرمایا کہ آپ نے مرض کے پوری طرح پھیل جانے کے بعد مجھے اطلاع دی اور اس حالت میں کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ بلکہ جو ادویہ ارسال کی گئیں وہ درد اور ان کی تکالیف کو کم کرنے کے لئے تھیں۔اسی طرح حضور نے لقاء مع العرب میں بھی ان کا ذکر کیا۔اور ان کی نماز جنازہ بھی پڑھائی۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ 1994-1995ء میں ہم چار مبلغین دمشق میں عربی زبان کی تعلیم کے لئے مقیم تھے۔مکرم اکرم الشوا صاحب کم وبیش روزانہ ہی ہمارے گھر تشریف لاتے

تھے اور ہر دفعہ کوئی مضمون ذہن میں تیار کر کے لاتے اور غیر محسوس طریق پر اسے شروع کر کے خود بھی بولتے اور ہمیں بھی بولنے پر مجبور کرتے۔ یوں باتوں باتوں میں زبان سیکھنے کے سلسلہ میں انہوں نے ہماری بہت مدد کی۔ کبھی کبھار آپ اپنے بچوں کو بھی لے آتے اور بچے ہم سے سوالات پوچھتے جن کے جوابات دینے میں ہماری زبان کی کافی پریکٹس ہو جاتی۔ کبھی کبھار ہمیں اپنی گاڑی پر مختلف سیر گاہوں میں لے جاتے۔ دمشق میں مختلف گیمز کھیلنے کے لئے کلب بنے ہوئے ہیں اور ممبر شپ کافی مہنگی ہے۔ مکرم اکرم الشوا صاحب نے ایک دن ہمیں بتایا کہ ان کے ایک دوست کا ایک کلب ہے جس میں کئی قسم کی کھیلیں کھیلنے کی سہولت موجود ہے ان کی اس دوست سے بات ہوئی ہے جس کی بنا پر ہمیں اس کے کلب میں کھیلنے کی اجازت ہے۔ چنانچہ ہم وقتاً فوقتاً وہاں ٹیبل ٹینس کھیلنے کے لئے چلے جاتے تھے۔

اپنی آخری بیماری میں بھی جب ان کو بہت زیادہ درد اور تکلیف کا سامنا تھا۔ ہم اس خیال سے کہ ان کی تکلیف میں اضافہ ہوگا ان کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لہذا ان کے آرام کی خاطر آخری دنوں میں عیادت کے لئے بھی نہیں گئے۔ لیکن ایسی حالت میں بھی ان کو ہماری فکر رہی اور گھر میں کھانا بنوا کر ہمیں بلایا۔ ان کو اس تکلیف دہ حالت میں دیکھنا ہی مشکل تھا کجا یہ کہ وہاں بیٹھ کر کھانا کھایا جاتا، لیکن جب بھی انہیں درد سے ذرا افاقہ ہوتا یہی اصرار کرتے کہ میری خاطر ہی کچھ کھائیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے اور انکو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، آمین۔

مکرم ناصر عودہ صاحب

آپ فلسطین میں قومی سطح پر ایک منجھے ہوئے باکسر کے طور پر مشہور تھے۔ اسرائیلی تسلط کے بعد آپ کو وہاں سے ہجرت کرنی پڑی اور آپ نے شام سے آزادی فلسطین کی تحریک میں شامل ہو کر اپنا فعال کردار ادا کیا۔

باکسر اور اپنے وطن کی آزادی کی تحریک کے کارکن ہونے کے ساتھ ساتھ مکرم ناصر عودہ صاحب ایک کامیاب مبلغ بھی تھے۔ آپ کی تبلیغ سے کئی افراد تک احمدیت کا پیغام پہنچا اور ان کو بیعت کی توفیق ملی۔ آپ کی وفات پر حضرت خلیفہ رابعؒ کی طرف سے تعزیتی خط میں حضور نے آپ کو ایک پہلوان قرار دیا اور فرمایا کہ آپ جماعت فلسطین وشام کے ماتھے پر تاج کی طرح چمکتے رہیں گے۔

لوگوں کو خلیفہ وقت کے ساتھ رابطہ کی تلقین کرتے رہتے۔ ایک دفعہ ایک احمدی آپ کے پاس آیا جس کی شادی کو سات آٹھ سال ہو گئے تھے اور اولاد کی نعمت سے محروم تھا، چنانچہ اس نے آپ سے درخواست دعا کی۔ آپ نے اسے کہا کہ خلیفہ وقت کو لکھو ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہوتا ہے۔ لہٰذا اس نے خط لکھا اور اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد سے نوازا۔

آپ کو کمر پر شدید چوٹ آئی جس کی وجہ سے آپ کئی ماہ تک بستر پر ہی رہے آخر ڈاکٹروں نے کہا کہ آپ کے جسم کا نچلا حصہ فالج کا شکار ہو سکتا ہے۔ آپ نے دعا کے لئے حضور کی خدمت میں لکھا اور حضور کی طرف سے خط گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفاء عطا فرمائے گا۔ اس پر انہوں نے بڑے یقین کے ساتھ کہا کہ میں انشاء اللہ ٹھیک ہو جاؤں گا۔ اور ایسے

ہی ہوا کہ چند دنوں میں ہی آپ صحت یاب ہو کر چلنے پھرنے لگے۔

آپ کی ساری اولاد بھی احمدی ہے اور تبلیغ کے میدان میں بہت فعال ہیں اور کئی افراد کو انکی تبلیغ کے ذریعہ قبول احمدیت کی توفیق ملی ہے۔

❁❁❁❁❁

مکرم ناصر عودہ صاحب

مکرمہ خدیجہ خطاب صاحبہ

آپ مکرم ناصر عودہ صاحب کی اہلیہ تھیں۔ آپ 1940ء میں کبابیر میں پیدا ہوئیں اور 1948ء میں فلسطین پر اسرائیلی تسلط کی وجہ سے اپنے اہل خانہ کے ساتھ شام کو ہجرت کر گئیں۔ آپ نے شروع میں ہی اپنی اولاد کے دلوں میں سلسلہ اور خلافت سے محبت کا بیج بویا۔ آپ کے والد صاحب غیر احمدی تھے اور ایک دن انہوں نے اپنے نواسے اور ان کے بیٹے عبد القادر کو غیر احمدیوں کی مسجد میں بغرض نماز لے جانے کی کوشش کی تو آپ نے باوجود اپنے والد سے شدید محبت کے انہیں روک دیا اور کہا کہ احمدی کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز کیسے پڑھ سکتا ہے جو اس کے امام کو کافر اور مرتد سمجھتا ہے۔

نو مبایعین کے اہل خانہ کے ساتھ روابط اور ان کی تعلیم وتربیت میں آپ نے اہم کردار ادا کیا۔ اسی طرح جب شام میں احمدی مشن کو حکومت نے بند کر دیا تو جماعت میں داخل ہونے والے اکاّ دکاّ افراد کو مختلف احمدی ذاتی طور پر سنبھالتے رہے۔ اس عرصہ میں مکرمہ خدیجہ خطاب کے گھر نے اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے ماں کی طرح بعض نوجوانوں کی تربیت کی۔

مکرم منیر الحصنی صاحب کی وفات کے بعد ان کی اہلیہ مکرمہ عزیزہ صاحبہ کی دیکھ بھال اور ان کی بیماری وغیرہ میں ہر لحاظ سے مدد کے لئے خود بھی جانا اور اپنی بیٹیوں کو بھی بلا ناغہ بھیجنا آپ کے بڑے بڑے کاموں میں سے ایک ہے۔ آپ نے 2008ء میں وفات پائی۔

مکرم خالد الیمانی صاحب (ابو نعیم)

آپ کا تعلق شام کے شہر حمص سے تھا۔ دمشق میں آپ دمشق تا بغداد بس سروس میں کام کرتے تھے کہ ایک دن آپ کی ملاقات مکرم زکریا الشوا صاحب سے ہوئی جن سے بات کرنے سے جب آپ کو پتہ چلا کہ وہ احمدی ہیں تو آپ نے فوراً کہا: میں نے جماعت کی کئی کتب کا مطالعہ کیا ہے اور میں کئی سالوں سے مکرم منیر الحصنی صاحب کی تلاش میں ہوں۔ مکرم زکریا صاحب نے ان سے وعدہ کیا کہ کسی دن انہیں مکرم منیر الحصنی صاحب کے پاس لے جائیں گئے۔ واپس جا کر جب مکرم زکریا الشوا صاحب نے مکرم منیر الحصنی صاحب کو ماجرا سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ مَیں خود ایسے شخص کے پاس جاؤں گا۔ یوں ان کی منیر الحصنی صاحب سے ملاقات ہوئی اور پھر ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا جن میں یہ ہر دفعہ سوالات لے کر آتے اور ان کے کافی وشافی جوابات پا کر مطمئن ہو کر جاتے۔ یہاں تک کہ آخر مکمل طور پر انشراح صدر کے ساتھ جماعت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ صاحب نظر اور علمی مزاج رکھنے والے درویش منش انسان تھے۔ مکرم منیر الحصنی صاحب کی وفات کے بعد آپ مکرم نذیر المرادنی صاحب کے ساتھ ہفتہ وار ملاقات کرتے تھے اور مختلف جرائد ومجلّات میں جماعت کے خلاف اور حق میں اور جماعتی مسائل سے متعلق نشر ہونے والے مواد کو جمع کر کے ان کو دیتے۔

پرانے عرب احمدیوں کی آپ کے دل میں عزت وتوقیر اور بے پناہ احترام تھا۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ اس سچی تعلیم کو لے کر ہمارے پاس آئے چنانچہ آپ شام کے پہلے احمدی مکرم محمد سعید الشامی صاحب کے بارہ میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے لبنان بھی گئے لیکن تلاش بسیار کے باوجود آپ کو انکے خاندان کا پتہ نہ چل سکا۔

باوجودیکہ آپ کی عمر 90 سال تھی پھر بھی آپ کئی میل کا سفر طے کر کے نماز جمعہ باجماعت ادا کرنے کے لئے جماعت کے سنٹر میں جایا کرتے تھے۔

آپ کو جلسہ سالانہ برطانیہ میں شمولیت اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کی بھی سعادت ملی اور آپ کی وفات 2009ء کے شروع میں ہوئی۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ قیام دمشق کے دوران مکرم ابونعیم صاحب اکثر ہمارے پاس آیا کرتے تھے۔ ان کو مطالعہ کا بے حد شوق تھا اور ذکر کیا کرتے تھے کہ انکو ایک دفعہ دمشق کی سب سے پرانی لائبریری میں ملازمت مل گئی جس میں کام کے علاوہ انہیں کئی نادر کتب کے مطالعہ کی بھی توفیق ملی۔ آپ کو اکثر خدا تعالیٰ کی طرف سے رؤیا صالحہ دکھائے جاتے تھے۔ شام میں ایک لمبے عرصہ تک مبلغین کا جانا محال رہا اس کے بعد انہوں نے ایک خواب دیکھی جس میں واضح اشارہ تھا کہ یہاں پر بعض مبلغین عربی کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے آنے والے ہیں۔ یہ خواب انہوں نے مکرم نذیر المرادنی صاحب سابق امیر جماعت شام کو بھی سنائی ۔ اور جب دمشق میں بغرض تعلیم مبلغین کی آمد ہوئی تو اس وقت یہ خواب پوری ہوگئی۔

صلحائے عرب اور ابدال الشام کے بارہ میں یہ ایک مختصر سا خاکہ دیا گیا ہے جس سے مقصد یہ ہے کہ قارئین کرام کو ان بزرگوں کے بارہ میں معلومات حاصل ہو جائیں جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے مسیح موعود علیہ السلام کو بشارت دی تھی کہ یہ صلحاء تیرے لئے دعا کرتے ہیں، اور تا کہ ہم سب بھی ان کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انکو ان کی مسیح موعود علیہ السلام کے حق میں کی گئی دعاؤں کی بہترین جزا عطا فرمائے اور غریق رحمت فرمائے اور اپنی جنتوں میں اعلیٰ مقامات عطا فرمائے، آمین۔

مکرم طٰہٰ قزق صاحب

مکرم طٰہٰ قزق صاحب کی وفات 12/اگست 2009 کو ہوئی۔حضور انور نے آپ کا تفصیل سے ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا:

مکرم طٰہٰ قزق صاحب حیفا کی معروف قزق فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے والد حیفا میں دوسرے احمدی تھے۔ان سے قبل رشدی بسطی صاحب احمدی ہو چکے تھے۔یہیں سے پھر احمدیت قریب کی بستی کبابیر میں پھیلی۔یہ 1928ء کی بات ہے جب حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس رضی اللہ عنہ پہلے مبلغ کے طور پر وہاں آئے۔مکرم طٰہٰ قزق صاحب بیان کرتے تھے کہ جب میرے والد احمدی ہوئے تو مَیں ابھی چھوٹا تھا۔والد صاحب کی بہت مخالفت ہوئی۔مولویوں کے کہنے پر بچے ان کو ٹماٹر اور گندے مالٹے مارا کرتے تھے۔ایک بار مخالفین نے والد صاحب کو اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔مولوی لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ کافر ہو گئے ہیں ،انہوں نے قرآن بدل دیا ہے،قبلہ بدل دیا ہے۔مَیں چھپ چھپ کر گھر میں والد صاحب کو دیکھا کرتا تھا۔مگر مَیں دیکھتا کہ والد صاحب اسی قرآن کی تلاوت کرتے تھے جس کی پہلے کیا کرتے تھے اور اسی طرح خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں جیسے پہلے پڑھتے تھے۔مَیں مولویوں کے جھوٹ پر حیران ہوتا تھا اور دوسری طرف میرا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان اور مضبوط ہوتا۔فرمایا کہ مخالفت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچوں کے ایمان مضبوط کرنے کا موجب ہوتی رہی ہے اور اب بھی ہو رہی ہے۔ان کے والد صاحب نے ایک خواب کی بنا پر بیعت کی تھی۔انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کا ایک فوت شدہ رشتہ دار انہیں کہتا ہے کہ اے حاجی محمد! جلدی کرو،احمدیوں نے مدینہ فتح کر لیا ہے۔چنانچہ اگلے ہی روز انہوں نے

حضرت شمس صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔اور یہ خود بھی اپنے ایمان میں بڑھتے چلے گئے۔70 کی دہائی میں جلسہ سالانہ ربوہ آنا شروع کیا اور باقاعدگی سے آتے رہے۔جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ پاکستان سے ہجرت کر کے انگلستان تشریف لائے تو اگلے ہی روز ملاقات کے لئے لندن حاضر ہو گئے۔خلافت سے بڑا وفا کا تعلق تھا۔میرے ساتھ جب بھی ملتے تھے۔اس کا اظہار ان کے ہر عمل سے ہوتا تھا اور فدائیت چھلک رہی ہوتی تھی۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے 1/8 حصہ کے موصی تھے۔انہیں ڈر تھا کہ ملکی حالات کی وجہ سے وصیت کی ادائیگی کرنے میں مشکلات پیش آسکتی ہیں لہٰذا بڑی فراخ دلی سے جماعت کی مالی مدد کیا کرتے تھے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے جب تفسیر کبیر کے عربی ترجمہ کا منصوبہ شروع کیا انہوں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ اس کی تمام جلدوں کے عربی ترجمہ کی اشاعت کا خرچ مَیں ادا کروں گا۔اب تک جو جلدیں شائع ہوئیں ہیں وہ انہی کے خرچ پر ہوئی ہیں۔ان کا گھر جماعت کا مرکز چلا آ رہا ہے۔مبلغین اور مرکزی نمائندگان کی بے حد عزت اور احترام سے خدمت کرتے۔چند ماہ قبل بے ہوشی میں چلے گئے تھے۔اس کے بعد معدہ کا آپریشن ہوا لیکن بیماری شدت اختیار کر گئی۔بالآخر 12/اگست 2009ء کو اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ان کی اہلیہ تقریباً دو سال قبل وفات پا گئی تھیں۔پسماندگان میں تین بیٹے،تین بیٹیاں اور بیس پوتے پوتیاں چھوڑے ہیں۔ان کے ایک پوتے مکرم حسام القزق جماعت کے ساتھ اخلاص و وفا کا تعلق رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اس تعلق کو بڑھاتا چلا جائے۔اور ان کی باقی نسل کو بھی اور اولادوں کو بھی جماعت سے اخلاص اور ایمان میں بڑھاتا رہے۔اور ان پر مغفرت کی چادر ڈالے اور رحم کا سلوک فرمائے،ان کے درجات بلند فرمائے اور اپنے پیاروں میں جگہ عطا فرمائے۔آمین

زیارت مرکز کی داستان

مکرم طٰہٰ قزق صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

ستر کی دہائی میں مَیں نے پہلی مرتبہ پاکستان جا کر خلیفہ وقت سے ملاقات کرنے کا عزم کیا تا چندہ کی وہ رقم بھی پیش کر سکوں جو فلسطین سے ہجرت کے بعد سے لے کر ہم جمع کرتے

جارہے تھے اور کسی با قاعدہ نظام کے نہ ہونے کی وجہ سے ارسال نہ کر سکے تھے۔لیکن بعض نامساعد حالات کی وجہ سے نہ جا سکا۔ بعد میں 1979ء میں مجھے پہلی بار جلسہ سالانہ قادیان اور ربوہ میں شامل ہونے کی توفیق ملی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے ساتھ ملاقات کے بعد میں نے حضور انور کے دفتر میں ہی چندہ کی رقم بھی چھوڑ دی۔ کچھ دیر بعد دارالضیافت میں مجھے ایک شخص نے آکر پوچھا کہ حضور انور نے دریافت فرمایا ہے کہ آپ نے یہ رقم یہاں کیوں چھوڑی ہے؟ مَیں نے عرض کیا کہ چندہ ہے۔اس نے پوچھا: کس مد میں؟ مَیں نے کہا کہ جس میں حضور انور مناسب خیال فرمائیں۔ازاں بعد میں جلسہ سالانہ قادیان میں شرکت کے لئے چلا گیا۔ وہاں سے واپسی کے بعد جلسہ سالانہ ربوہ میں بھی شامل ہوا اوراس کے بعد جب اردن واپسی سے قبل میں حضور انور کی خدمت میں الوداعی ملاقات کے لئے گیا تو ملاقات کے لئے آنے والوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ جب میری باری آئی تو حضور انور نے مجھے شرف معانقہ عطا فرمایا۔ مجھے ایسے لگا جیسے کوئی برقی لہر میرے وجود میں سرایت کر گئی۔حضور انور نے اس قدر شفقت اور محبت کا اظہار فرمایا کہ اس وقت مَیں نے محسوس کیا کہ جیسے حضور انور کو سب سے زیادہ مجھ ہی سے محبت ہے۔حضور انور کے ساتھ تصویر ہوئی پھر حضور انور نے مجھے فرمایا کہ مَیں باہر رکوں۔ چنانچہ حضور انور باہر تشریف لائے اور سب کے ساتھ اجتماعی ملاقات فرمائی۔ پھر مجھے ساتھ کھڑا کر کے تصویر بنوائی اور فرمایا یہ میرے لئے ہے۔مَیں نے عرض کیا کہ حضور مجھے بھی تصویر چاہئے۔ چنانچہ حضور انور نے ایک اور تصویر بنوائی جو اسی وقت کیمرے سے نکل آئی اور مجھے دے دی گئی۔ جب مَیں روانگی کے لئے فیصل آباد ائیر پورٹ پہنچا تو وہاں پر مجھے ایک شخص نے لفافہ تھما دیا جس میں حضور انور کی طرف سے خط اور میری ادا کردہ چندہ کی رقم کی رسید تھی۔

خلیفہ وقت کی استجابت دعاء

مکرم طٰہٰ قزق صاحب مرحوم خود لکھتے ہیں کہ:

”ہمارے ہاں پہلے بیٹے کی ولادت آپریشن سے ہوئی۔ دوسرے بچے کی پیدائش کے وقت تمام ڈاکٹرز نے کہا کہ اس دفعہ بھی پیدائش آپریشن سے ہی ہو گی۔مَیں نے حضرت خلیفۃ المسیح

الثانیؒ کی خدمت میں خط لکھا کہ حضور دعا کریں کہ بچے کی پیدائش آپریشن کے بغیر ہی ہو جائے۔ دل میں یہ یقین تھا کہ خط پوسٹ کرتے ہی خلیفہ وقت کی دعا لگنا شروع ہو جاتی ہے لہٰذا خط پوسٹ کرتے ہی تمام رپورٹس کے نتیجہ کے برعکس مَیں نے سب کو کہہ دیا کہ بچے کی پیدائش آپریشن کے بغیر ہی ہو گی۔ جب میری بیوی کو ولادت سے قبل کی تکالیف شروع ہوئیں تو ڈاکٹروں نے آپریشن کرنے پر اصرار کیا لیکن مَیں نے روک دیا اور تین دن تک میری بیوی ہسپتال میں سخت تکلیف میں مبتلا رہی۔ آخر جب نارمل پیدائش کی کوئی امید نہ رہی تو ڈاکٹرز انہیں آپریشن کے لئے لے گئے۔ لیکن مَیں آپریشن تھیٹر کی بجائے ہسپتال کے تہہ خانہ میں واقع ایک کمرے میں جا کر دعا میں مشغول ہو گیا۔ مَیں نے عرض کیا کہ یا اللہ مَیں نے لوگوں کو بڑے وثوق کے ساتھ کہہ دیا ہے کہ بچہ آپریشن کے بغیر ہو گا اب اگر آپریشن ہوا تو میری بات کی ان لوگوں کے سامنے کیا حیثیت رہ جائے گی۔ خدا تعالیٰ نے کرم فرمایا اور آپریشن سے تھوڑی دیر پہلے بچے کی نارمل ولادت ہو گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک‘‘۔

مکرم طٰہٰ قزق صاحب

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ

کے ساتھ

صاحبزادہ

مرزا وسیم احمد صاحب

کے ساتھ

الحاج محمود احمد عودہ صاحب، مصطفیٰ ثابت صاحب، طٰہٰ قزق صاحب

رشید احمد چغتائی صاحب، شریف احمد امینی صاحب،
الحاج عبد الہادی احمد عودہ، طٰہٰ قزق صاحب

مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب

مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب ایک ممتاز مصری عرب احمدی تھے۔آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بیعت کا شرف حاصل ہوا۔آپکو عہد خلافت رابعہ میں عربوں میں تبلیغ کے سلسلہ میں اہم خدمات کی توفیق ملی۔ نیز متعدد کتب کے تالیف اور کئی اہم جماعتی کتب کے ترجمہ کی بھی سعادت نصیب ہوئی ۔آپ ایم ٹی اے 3 العربیہ کے پروگرام ''الحوار المباشر'' کے نہایت اہم رکن تھے۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خلافت سے عشق رکھنے والے منکسر المزاج احمدی اور نفیس انسان تھے۔

ذیل میں درج معلومات مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کے ایک انٹرویو سے ماخوذ ہیں جو خاکسار نے انکے ساتھ 6/جولائی 2009ء کو ریکارڈ کیا تھا۔یہ معلومات انکی زبانی ہی قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہیں۔

خاندانی پس منظر

میرے آباء واجداد باپ کی طرف سے البانیہ سے اور ماں کی طرف سے ترکی سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے قدیم زمانہ میں مصر میں سکونت اختیار کی، تاہم جب میری پیدائش ہوئی تو میرا خاندان مکمل طور پر مصری شہریت کا حامل اور مصری معاشرہ میں ضم ہو چکا تھا۔

میرے آباء واجداد کا سیاست سے بڑا گہرا تعلق تھا۔1919ء میں انگریزوں کے خلاف مصریوں کے انقلاب میں میرے والد صاحب اور میری پھوپھیوں کا بڑا کردار تھا۔ جب انگریزوں نے اس انقلاب کے مصری راہنما سعد زغلول کو ملک بدر کیا تو میری ایک پھوپھی سعد

زغلول کی بیوی صفیہ کے ساتھ تھیں۔ سعد زغلول کی بیوی صفیہ وہ واحد خاتون ہیں جن کو مصریوں کی مادر ملت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ میری پھوپھی کو صفیہ سے اس قدر محبت تھی اور اتنے قریبی تعلقات تھے کہ انہوں نے اپنی ایک پوتی کا نام بھی صفیہ رکھا تھا۔ میرے والد صاحب بھی انقلاب کے عرصہ میں مختلف پمفلٹس تقسیم کیا کرتے تھے۔ یوں میری پرورش ایک ایسے گھرانہ میں ہوئی جو وطن کی آزادی کی خاطر جدوجہد میں اہم کردار ادا کرنے والا تھا۔

میری والدہ ایک متدین عورت تھیں۔ ہر دوسرے سال حج کرتی تھیں اور صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں۔

چھوٹی عمر میں خدا تعالیٰ کی ہستی پر پختہ یقین

والدہ سے مَیں نے خدا کے بارہ میں بہت کچھ سیکھا۔ دوسری عالمی جنگ میں جب بمباری ہوتی تو ہم اپنے گھر کے تہ خانے میں چلے جاتے تھے۔ میری والدہ کہا کرتی تھیں کہ اگر آیۃ الکرسی پڑھیں تو بندہ اللہ تعالیٰ کی حفظ وامان میں رہتا ہے۔ گو کہ مَیں چھوٹا تھا لیکن مَیں نے بھی اپنی والدہ سے کہا کہ مجھے بھی آیۃ الکرسی پڑھائیں اور شاید کثرت سے پڑھنے کی وجہ سے مَیں نے ان دنوں میں اسے حفظ بھی کر لیا تھا۔ میرا یقین اس بارہ میں اس قدر بڑھا کہ جب ان حملوں کے دوران لوگ خوفزدہ ہوتے تو مَیں انہیں کہتا تھا کہ ڈرتے کیوں ہو آیۃ الکرسی پڑھو تو اللہ تمہیں محفوظ رکھے گا۔ یوں میرے دل میں شروع سے ہی خدا تعالیٰ کی ذات پر ایسا یقین پیدا ہو گیا تھا۔

اسی عرصہ میں میری والدہ اور والد کی علیحدگی ہوگئی اور مَیں اپنے والد کے ساتھ قاہرہ چھوڑ کر اسکندریہ میں سکونت پذیر ہو گیا۔ وہاں بھی ایک دفعہ فضائی حملہ ہوا اور ہم اپنے گھر کے تہ خانہ میں چلے گئے۔ مَیں سب کو کہنے لگا کہ اگر آپ آیۃ الکرسی پڑھیں تو خدا تعالیٰ آپ سب کو بچا لے گا۔ کچھ دیر بعد بڑی زوردار آواز آئی اور اگلے دن پتہ چلا کہ ہماری بلڈنگ کے سامنے سڑک کے پار دوسری بلڈنگ پر بم گرا اور وہ ساری تباہ ہو گئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو محفوظ رکھا۔

ایک قصہ کا ذہن پر گہرا اثر

پرائمری سکول میں ہماری درسی کتب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی مذکور تھا جس میں یہ ذکر تھا کہ حضرت موسیٰؑ کے پاس ایک عصا تھا جس کو انہوں نے سمندر میں مارا تو سمندر پھٹ گیا اور فرعون کو اللہ تعالیٰ نے غرق کیا۔ یہ قصہ مجھے بہت پسند آیا۔ میں اکثر سوچتا تھا کہ اگر اللہ انسان کے ساتھ ہو تو انسان سب کچھ کرسکتا ہے اور بڑے سے بڑے دشمن پر غلبہ پاسکتا ہے۔ میرے دل میں بڑی شدت کے ساتھ یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ میں بھی بڑا ہو کر خدا تعالیٰ کا بندہ بنوں شاید یوں وہ مجھے بھی ایک عصا دے دے اور میں اس کے ذریعہ عجیب عجیب کام کیا کروں۔

اس عمر میں مجھے یہ سبق بڑی اچھی طرح یاد ہو گیا کہ خدا تعالیٰ سے مانگیں تو ضرور مدد کرتا ہے۔لہٰذا کئی دفعہ جب مجھے سبق یاد نہ ہوتا تھا تو میں خدا سے دعا کرتا تھا کہ اس دفعہ مجھے استاد کی سزا سے بچا لے اگلی دفعہ یاد کر کے آنے کی کوشش کروں گا۔ اور اکثر یوں ہوتا کہ میری باری آنے تک کلاس کا وقت ختم ہو جاتا اور یوں میں اس کی سزا سے بچ جاتا۔

ایک حادثہ سے معجزانہ حفاظت

میرے والد صاحب نے دوسری شادی کر لی اور ہم بہن بھائی اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ رہنے لگے۔ میرے بھائی کہتے کہ یہ سوتیلی ماں ہے اور ہماری دشمن ہے لیکن مجھے ایسا نہ لگتا تھا بلکہ مجھے اس سے بہت محبت تھی۔

3/جنوری 1949ء کے دن میں سکول جانے کے لئے ٹرین کے انتظار میں تھا۔اس دن بہت ہجوم تھا مجھے پائیدان پر ایک پاؤں رکھنے کی جگہ ملی۔ایک ہاتھ سے مَیں نے ہینڈل کو پکڑا ہوا تھا جبکہ میرے دوسرے ہاتھ میں کتابیں تھیں۔ٹرین چلی تو سٹیشن پر کھڑا ایک شخص مجھ سے ٹکرا گیا۔میرا پاؤں پائیدان سے پھسل گیا اور مَیں ٹرین کے دوڈبوں کے درمیان نیچے لٹکنے لگا۔اس وقت میرے اندر سے مجھے یہ آواز آئی کہ ہینڈل کو ہرگز نہیں چھوڑنا چنانچہ مَیں نے ایسا ہی کیا۔ میری کتابیں گر گئیں اور بعض میرے سامنے ٹرین کے پہیوں کے نیچے کٹنے لگیں۔کچھ دیر بعد

ٹرین رک گئی، مَیں بعض افراد کی مدد سے باہر نکلا۔ لیکن یہ محض خدا کا فضل تھا کہ مجھے خراش تک نہیں آئی تھی۔

اخوان المسلمین سے رابطہ

جب مَیں نے جوانی میں قدم رکھا تو میرا تعارف ایک ایسے شخص سے ہوا جس کا تعلق مصر کی مذہبی جماعت اخوان المسلمین سے تھا۔ وہ مجھے ایک تبلیغی دورہ پر لے گیا جہاں مَیں نے زندگی میں پہلی دفعہ صحیح طور پر نماز ادا کی۔ وہ شخص نماز میں شامل ہو گیا اور جب مَیں وضو کر کے پہنچا تو ایک دو رکعتیں گزر چکی تھیں۔ مَیں جلدی جلدی گزری ہوئی رکعات پڑھ کر باجماعت نماز میں شامل ہوا اور باقی نماز جماعت کے ساتھ مکمل کی۔ بعدازاں اس شخص نے مجھے سمجھایا کہ کس طرح گزری ہوئی رکعات کو مکمل کیا جاتا ہے۔ یہ شخص جس کا نام احمد فرّاج تھا بعد میں بہت مشہور شخصیت بن کر ابھرا۔ شروع میں ریڈیو پر اور بعد ازاں ٹی وی پر دینی پروگرام پیش کرتا رہا۔ اس شخص نے مجھے اخوان المسلمین کی جماعت سے متعارف کروایا۔ یوں مَیں نے دین اخوان المسلمین سے سیکھا۔ اور دینی کتب کا مطالعہ کیا۔

نزول مسیح سے جُڑی ایک خواہش

اس مطالعہ کے دوران حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول کے وقت کی علامات کا ذکر پڑھتا اور دجال کے خروج کی علامات کا بھی مطالعہ کیا۔ ان علامات سے یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہیں اور کسی وقت نزول فرما سکتے ہیں۔ اور جو لوگ اس کے ساتھ مل کر دجال سے لڑیں گے تو ان کا جنت میں اعلیٰ مقام ہو گا۔ لہٰذا میری شدید خواہش تھی اور دعا بھی کرتا تھا کہ اللہ مجھے اتنی زندگی دے دے کہ مَیں مسیح کے نزول کا زمانہ پاؤں اور سب کچھ چھوڑ کر اس کے ساتھ مل کر دجال کے خلاف جہاد میں شامل ہوں۔

مصر میں انقلاب اور اخوان المسلمین کا مؤقف

مَیں نے اپنی کالج کی تعلیم مکمل کی لیکن افسوس کہ میرے نمبر اتنے نہ آئے کہ مجھے قاہرہ میں

یونیورسٹی میں داخلہ مل سکے لہٰذا میں واپس اسکندریہ آ گیا۔ اسی اثناء میں مصر میں فوجی انقلاب آ گیا جو انقلابِ 23/ جولائی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ انقلاب 1952ء میں آیا جس کی بنا پر جمال عبدالناصر مصر کے حکمران بنے۔

ابتداء میں ہمیں پتہ چلا کہ اخوان المسلمین اس انقلاب کے مؤیدین میں سے ہیں بلکہ انقلاب کے دوسرے دن ہی ہمیں جماعت اخوان المسلمین کی طرف سے ہدایت ملی کہ ہم ملک کی اہم عمارتوں اور مقامات کی حفاظت کے لئے کمر بستہ ہو جائیں۔ اور یہ پتہ چلا کہ جو فوجی افسران اس انقلاب میں شریک ہوئے ہیں ان میں سے کئی اخوان المسلمین میں سے ہیں۔ ایک تبدیلی جس کو مَیں نے بڑی شدت سے محسوس کیا یہ تھی کہ اخوان المسلمین کی جملہ میٹنگز میں اب دینی اموراور تربیتی باتوں کی بجائے سیاسی گفتگو ہونے لگی۔ بعد میں پتہ چلا کہ حکومت اور اخوان المسلمین کی آپس میں کوئی کھٹ پٹ ہو گئی ہے۔ کیونکہ انقلاب کے وقت یہ اتفاق ہوا تھا کہ حکومت میں اخوان المسلمین سے چار وزراء لئے جائیں گے۔ لیکن اب حکومت صرف دو وزراء لینے پر راضی تھی۔ جب اخوان المسلمین نے اس امر کی بڑی شدت سے مخالفت شروع کی تو حکومت نے ان کے دو زعماء کو اپنے ساتھ ملا کر وزارتیں دے دیں۔ چونکہ یہ امر اخوان المسلمین کی مرکزی قیادت کے فیصلہ کے خلاف تھا لہٰذا ان دو زعماء کا جماعت سے اخراج کر دیا گیا۔ ان میں سے ایک شیخ احمد حسن باکوری تھے جو وزیر اوقاف بنے اور وہ اخوان المسلمین کے ابتدائی کارکنان میں سے تھے۔

اخوان المسلمین۔ ایک سیاسی تنظیم یا مذہبی جماعت

انقلاب کے بعد اخوان المسلمین کی تمام میٹنگز پر سیاسی ماحول غالب رہا۔ حتیٰ کہ ہماری طرف سے یہ اعلان طبع کر کے تقسیم کیا گیا کہ ہم ایک سیاسی تنظیم ہیں۔ اور جب اس سلسلہ میں ایک فارم پُر کروایا گیا اور دستخط لئے گئے تو مَیں بڑا حیران ہوا کہ ہم تو ایک دینی جماعت ہیں پھر اس طرح کے اعلان کیوں کئے جا رہے ہیں؟ چنانچہ مجھے معلوم ہوا کہ اب ملک کے قانون کے تحت حکومت میں صرف سیاسی جماعتیں ہی شامل ہو سکتی ہیں۔ اور ہم ہیں تو دینی جماعت لیکن حکومت میں شامل ہونے کے لئے سیاسی جماعت ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔

پھر کچھ عرصہ بعد اس جیسا ایک اور اعلان چھپا جس پر ہم سب سے دستخط لئے گئے۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ ہم تو دینی جماعت ہیں۔ پوچھنے پر مجھے معلوم ہوا کہ اب چونکہ حکومت نے تمام سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دینے کا فیصلہ کر لیا ہے لہٰذا ہماری جماعت نے یہ اعلان اس لئے کیا ہے تاکہ تحلیل ہونے سے بچ جائے۔ میں سخت شش و پنج میں مبتلا تھا کہ محض چند سیٹوں اور کرسی کی خاطر ہماری جماعت اپنی شناخت تبدیل کرتی جا رہی ہے۔

اس کے بعد اخوان المسلمین نے ایک اور حکمت عملی اپنانی چاہی کہ عددی اکثریت اختیار کی جائے اور اس طرح ایک ایسی سیاسی قوت بن کر ابھرے کہ جس کی بات کو حکومت قبول کرنے پر مجبور ہو۔ لہٰذا ہم نے لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی مہم شروع کی۔ ہمارا طریقہ واردات یہ رہا کہ اگر کسی طالبعلم کو دیکھتے کہ یہ نمازی ہے یا دین کی طرف اسکا رجحان ہے تو اس سے پوچھتے کہ وہ کون ہے اور اس کا جواب جو بھی ہوتا ہم اسے یہی کہتے کہ آپ تو اخوان میں شامل ہو۔ میں اس حالت سے بہت پریشان تھا۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس سے اپنی قیادت کے سرکردہ افراد کو ضرور آگاہ کروں گا۔ لہٰذا میں نے ان کے نام ایک خط میں سب کچھ لکھ دیا کہ اس طرح کے تصرفات ہماری جماعت کے لئے سخت مضر ہیں۔ لیکن کچھ دنوں بعد جماعت کے لوگوں کا میرے ساتھ رویہ عجیب سا ہونے لگا۔ بعد میں میرے ایک دوست نے جو کہ طب کی اعلیٰ تعلیم کے لئے جرمنی جا رہے تھے بتایا کہ اخوان المسلمین نے مجھے اپنی جماعت سے نکال دیا ہے۔

اخوان المسلمین سے اخراج ایک نعمت ثابت ہوا

یہ محض خدا کا فضل تھا کہ اخوان المسلمین نے مجھے اپنی جماعت سے اخراج کے ساتھ اپنے افراد جماعت کی لسٹوں سے بھی میرا نام خارج کر دیا۔ چند دنوں بعد ہی حکومت نے اخوان المسلمین کے خلاف آپریشن شروع کیا اور ان کی گرفتاریاں ہونے لگیں۔ میرے کئی کلاس فیلوز اور دوست بھی جیل چلے گئے۔ لیکن مجھے بفضلہٖ تعالیٰ کسی قسم کی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

زمانۂ طالبعلمی میں فکر عفّت و ایمان

اسکندریہ میں یونیورسٹی میں مجھے داخلہ مل گیا جہاں ہوسٹل میں میں تین چار اور طلباء کے

ساتھ رہنے لگا لیکن زمانہ طالبعلمی کی شرارتوں اور بعض اوقات بے راہرویوں کو دیکھ کر مَیں نے سوچا کہ میری خیر اسی میں ہے کہ مَیں شادی کر لوں تا ان گناہوں سے بچ جاؤں جن میں میرے ساتھی پڑے ہوئے ہیں۔ یہ سوچتے ہی یہ خیال آیا کہ ایک طالبعلم جس کے پاس اپنے لئے ذریعہ معاش کوئی نہیں ہے اس کو کون اپنی بیٹی دے گا۔ یہ سوچتے ہی مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا جس کی بنا پر کچھ امید بندھ گئی۔ وہ یوں ہے کہ جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے کہ میری ایک پھوپھی مصری راہنما سعد زغلول کی بیوی مصریوں کی مادر ملت صفیہ کی بہت قریبی ساتھی تھیں اور انہوں نے اپنی ایک پوتی کا نام بھی مادر ملت کے نام پر صفیہ رکھا تھا۔ جب یہ بچی صفیہ پیدا ہوئی تو میری پھوپھی نے اسے کپڑوں میں لپیٹ کر میرے ہاتھوں میں پکڑاتے ہوئے کہا لو اپنی بیوی کو سنبھالو۔ اس طرح بچپن سے ہی میرے ذہن میں تھا کہ میری شادی اس لڑکی کے ساتھ ہوگی۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ اگر چہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی کسی طالبعلم کو رشتہ دے دے جس کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو پھر بھی مجھے صفیہ کے والد سے رشتہ مانگنے کیلئے بات کرنی چاہئے۔

شادی کے لئے کوشش اور احمدیت سے تعارف

صفیہ کے والد کے ساتھ میری بہت کم ملاقات ہوئی تھی کیونکہ وہ اکثر سفر میں رہتے تھے۔ تاہم ان کی بابت یہ سنا تھا کہ وہ اپنی ماں کے بہت لاڈلے ہیں شاید اس کی وجہ یہ تھی کی ان کے والد اور بڑے بھائی یکے بعد دیگرے وفات پا گئے تھے۔ اور وہ اپنی ماں کا واحد سہارا رہ گئے تھے۔ لہذا وہ ان کی ہر فرمائش پوری کرتی تھیں۔ یوں یہ نہایت ناز و نعم میں پل کر جوان ہوئے۔ اچانک وہ ہندوستان گئے تو وہاں کسی ایسے شخص کی بیعت کر آئے جسے وہ نبی خیال کرتے تھے چنانچہ انہوں نے اب داڑھی بھی رکھ لی تھی اور بالکل بدل گئے تھے۔

مَیں جب ان سے ملا اور صفیہ کے رشتہ کی بات کی تو انہوں نے کہا تمہاری اس کے ساتھ شادی نہیں ہوسکتی کیونکہ تم احمدی نہیں ہو۔ مَیں نے کہا وہ کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو مسیح موعودؑ اور امام مہدیؑ پر ایمان لاتا ہے۔ مَیں نے بڑے فخر سے کہا کہ مَیں ان پر ایمان لاتا ہوں کہ وہ آسمان پر ہیں اور ان کے آنے کی تمام علامات مجھے حفظ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ میری بات سن کر وہ مسکرائے اور مجھے چند کتابیں دیتے ہوئے کہا کہ یہ پڑھو پھر ہم اس موضوع پر بات

کریں گے۔ مَیں واپس اسکندریہ آ گیا اور کتابیں یہ سوچتے ہوئے ایک طرف رکھ دیں کہ یہ ایک خاص عقیدہ سے متعلق ہیں۔ پھر ایک دن میرے دل نے کہا کہ مَیں یہ کتابیں پڑھ کے دیکھوں تو سہی۔ دوسری طرف یہ خیال آتا کہ میرا خدا تعالیٰ اور اس کی کتاب اور احادیث پر قوی ایمان ہے اس کے بعد کسی چیز کی کیا ضرورت ہے۔ کہیں میں ان کتب کو پڑھ کر گمراہی کا شکار نہ ہو جاؤں۔ لیکن میرا ضمیر مجھے کہتا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے فلاں فلاں موقعہ پر نقصان سے بچایا ہے کیا وہ تجھے اب محفوظ نہیں رکھے گا۔ بہر حال اپنے نفس کے ساتھ بہت کچھ بحث مباحثہ کے بعد مَیں نے ایک کتاب کھول کر ورق گردانی شروع کی۔ اس کے ایک دو موضوعات نے مجھے خاص طور پر اپنی طرف کھینچا۔ یہ مضامین عیسائیت کے رد میں تھے جبکہ مجھے عیسائیت کے بارہ میں کچھ علم نہ تھا۔ یہ مجلة البشارة الإسلامية الأحمدية کی ایک جلد تھی۔ مجھے کاتب کا اسلوب بیان اور عیسائیت کے ردّ میں بائبل کی عبارات کا استعمال نہایت اعلیٰ درجہ کا اور دلچسپ لگا۔ چنانچہ مَیں نے فیصلہ کیا کہ دیگر مضامین کی بجائے عیسائیت کے ردّ والے مضامین ہی پڑھتا جاتا ہوں۔ جب یہ مضامین ختم ہو گئے تو میرے ضمیر نے کہا کہ باقی مضامین بھی پڑھنے میں کیا حرج ہے؟ چنانچہ کافی سوچ بچار کے بعد مَیں نے پہلا مضمون پڑھنے کی ہمت کی جو کہ احمدی مبلغ مولانا ابوالعطاء صاحب کا شیخ الأزہر یا اور کسی عالم کے ساتھ وفات مسیح پر مناظرہ تھا۔ میرا عقیدہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہیں اور انہوں نے واپس آنا ہے۔ اور میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اتنی زندگی دے کہ میں انہیں نازل ہوتا دیکھ لوں اور ان کے ساتھ مل کر دجال کے خلاف جہاد کروں۔ میں یہ بات قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ کس طرح شیخ الأزہر ایسے مضمون کے بارہ میں مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے جو میرے نزدیک ایسے ہی ثابت شدہ تھا جیسے کہ خدا کا وجود۔ جب مناظرہ پڑھنا شروع کیا تو دوسری بات جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا یہ تھی کہ احمدی مبلغ قرآن سے دلیلیں دے رہا تھا جبکہ شیخ الأزہر کے پاس قرآن سے کوئی دلیل نہ تھی۔ احمدی مبلغ اسے بار بار کہتا تھا کہ مجھے توفّی کی صرف ایک مثال قرآن کریم سے یا حدیث شریف سے یا پرانے عربی ادب سے لا دو جس میں خدا فاعل ہو اور انسان مفعول ہو اور کوئی قرینہ ایسا نہ ہو جو توفّی کے اصل معنوں سے پھیرنے والا ہو تو سوائے موت کے اس کے اور بھی کوئی معنی ہو سکتے ہوں۔ لیکن شیخ الأزہر کو کوئی جواب نہ سوجھتا تھا۔ یہ مناظرہ پڑھنے کے بعد میرے ضمیر نے مجھے

جھنجوڑا اور پوچھا کہ اب کیا کرنا ہے؟ تو مَیں نے کہا کہ مَیں تو قرآن کے ساتھ ہوں۔ اگر قرآن کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی ہے تو یہی درست ہے۔ تاہم انہوں نے چونکہ دوبارہ نزول فرمانا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ انہیں دوبارہ زندہ کر کے نازل فرما دے۔ چنانچہ اس کے بعد ایک اور مضمون پڑھا جس میں قاطع دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا تھا کہ خدا کی سنت ہے کہ وہ مرنے والوں کو واپس نہیں بھیجا کرتا۔ مَیں نے کہا اچھا اگر یہ بات ہے تو پھر احادیث میں مذکور نزول مسیح کا کیا معنی ہوا؟ چنانچہ اس مضمون پر مجھے ایک اور تحریر مل گئی جس میں نزول کے معنی کی تشریح کی گئی تھی۔ مَیں نے کہا یہ ٹھیک ہے کہ نزول کا معنی ہے کہ اس امت سے کوئی شخص مبعوث ہوگا لیکن یہ شخص عربوں میں سے ہونا چاہئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عربی تھے، قرآن عربی زبان میں ہے، تمام بنیادی کتب عربی میں ہیں، لہٰذا یہ مبعوث ہونے والا موعود بھی عرب میں سے ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس موضوع پر مجھے ایک اور مضمون مل گیا جس میں بتفصیل بیان کیا گیا تھا کہ آنے والا عربوں میں سے نہیں ہوگا اور اس مضمون میں وہ اسباب بھی مذکور تھے جن کی بنا پر عربوں میں سے اس موعود کا آنا محال تھا۔ مَیں نے یہ بات بھی پورے انشراح کے ساتھ مان لی اور کہا کہ سب کچھ درست ہے لیکن ایسا شخص نبی نہیں ہوسکتا کیونکہ نبوت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ختم ہوگئی ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر بھی کئی مضامین اور کتب کے مطالعہ نے مجھے یہ ماننے پر مجبور کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے باوجود بھی یہ موعود نبی آسکتا ہے۔

نیز مجھے بعض اور بھی ایسے مضامین پڑھنے کا موقع ملا جس سے ثابت ہوگیا کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم کی حیثیت سے آپ کی اتباع میں اسلام کا خادم بن کر آئے تو اس میں اعتراض والی کون سی بات ہے۔ لیکن اب سوال یہ تھا کہ مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ واقعی یہ وہی شخص ہے جس کا وعدہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ ان کتب میں مجھے ایسے مضامین بھی پڑھنے کو مل گئے جن کا عنوان تھا کہ ہم سچے موعود کو کس طرح پہچان سکتے ہیں۔ اس کے بعد میں مطمئن ہو گیا۔ اور میں خدا کے حضور پکار اٹھا کہ اے رب میں اب حق کو قبول کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا مَیں نے 1956ء میں بیعت کر لی۔ اس کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ مَیں خدا تعالیٰ کے قریب ہوگیا ہوں اور ایک عجیب اطمینان اور سکون نصیب ہوا جس کا وصف بیان سے باہر ہے۔

میری بیعت کے بعد میرے سسر نے اپنی بیٹی کی میرے ساتھ شادی پر رضامندی کا اظہار فرما دیا اور یوں ہماری شادی ہوگئی اور صفیہ اور میرا 45 برس کا ساتھ رہا۔ اس کے بعد وہ مجھ سے پہلے خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگئی۔

مکرم احمد حلمی صاحب کا ذکر خیر

میرے سسر کا نام مکرم احمد حلمی صاحب ہے۔ آپ جوانی میں اپنے ایک مصری دوست مکرم محمود ذہنی صاحب کے گھر گئے جہاں انہوں نے میز پر اسلامی اصول کی فلاسفی کا عربی ترجمہ پڑا ہوا دیکھا۔ آپ نے وہ کتاب اٹھا کر ورق گردانی کرنی شروع کر دی۔ پہلی نظر میں ہی یہ کتاب آپ کے دل میں اتر گئی۔ آپ نے اپنے دوست سے یہ کتاب عاریۃً مانگ لی۔ گھر آ کر پڑھنا شروع کیا اور اس وقت تک اس کو نہ چھوڑا جب تک پہلے صفحہ سے لے کر آخر تک مکمل پڑھ نہ لیا۔ اور اس کتاب کے پڑھنے کے ساتھ ہی آپ نے حضرت

مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کا فیصلہ کر لیا

آپ جماعت احمدیہ مصر کے ابتدائی مخلص ارکان میں سے تھے اور احمدیت میں داخل ہونے کے بعد خلیفہ وقت کی زیارت کے لئے 5/ اگست 1939ء کو قاہرہ سے قادیان تشریف لائے یوں قادیان تشریف لانے والے آپ دوسرے مصری احمدی بن گئے۔ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور دوسرے بزرگان سلسلہ سے ملاقات کرنے اور مرکز احمدیت کے فیوض سے متمتع ہونے کے بعد 26/ اگست 1939ء کو عازم مصر ہوگئے۔ اس دوران دوسری عالمی جنگ چھڑ گئی۔ جب آپ قادیان سے واپس مصر آ رہے تھے تو عدن کی بندرگاہ سے آپ نے اپنی والدہ کو بحری جہاز کے نام اور اس کے مصر پہنچنے کے وقت سے بذریعہ تار آگاہ کر دیا، ایک دو دن بعد ریڈیو پر یہ خبر نشر ہوئی کہ جرمنی کی بحری افواج نے اس بحری جہاز کو غرق کر دیا ہے جس کے بارہ میں مکرم احمد حلمی صاحب نے تار دیا تھا کہ وہ اس میں مصر آ رہے ہیں۔ یہ خبر آپ کی والدہ کے اعصاب پر بجلی بن کر گری، اور گہرے صدمہ کا باعث بنی۔ وہ فوراً سجدہ میں گر گئیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور رو رو کر دعا کرنے لگیں کہ اے خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو جانتا ہے کہ میرے پاس میرے بیٹے

احمد کے سوا کوئی اولاد نہیں ہے۔ اور وہ ایک ایسے شخص کو ملنے گیا تھا جو کہتا ہے کہ میں امام مہدی کا خلیفہ ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ وہ حقیقت میں امام مہدی ہے بھی یا نہیں، لیکن تو حق اور سچ کو اچھی طرح جانتا ہے۔ پس اگر وہ سچے امام مہدی ہیں تو میرے بچے کو مجھ تک بخیر وعافیت پہنچادے۔ وہ کہتی ہیں کہ وہ کئی دن تک مسلسل یہ دعا کرتی رہیں یہاں تک کہ ایک دن ان کا بیٹا واپس آ گیا۔ اور انہوں نے آ کر بتایا کہ جس جہاز پر آنے کے بارہ میں انہوں نے تار میں بتایا تھا اس پر سوار نہیں ہو سکے جسکی وجہ سے انہیں کئی دن تک عدن میں رک کر اگلے جہاز کا انتظار کرنا پڑا۔ اور انہیں اس بات کا علم نہ تھا کہ پہلے والا جہاز تباہ ہو چکا ہے۔ اس واقعہ کا میری پھوپھی کے دل پر گہرا اثر ہوا جس کی بنا پر انہوں نے احمدیت قبول کر لی۔

قدیم مصری احمدیوں کے ساتھ یادیں

مصر کے اوائل احمدیوں میں سے ایک مکرم محمد بسیونی صاحب جماعت احمدیہ مصر کے صدر بھی تھے۔ ہم انکے گھر میں جاتے اور وہاں نماز جمعہ ادا کیا کرتے۔ آپ ایک عظیم انسان تھے۔ ہمیشہ ہماری تعلیم وتربیت کا خیال رکھتے۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے اس کا عجیب ملکہ دیا تھا کہ آپ خود ہی غیر محسوس طریق پر کوئی موضوع چھیڑتے پھر اس پر خود ہی اعتراضات کرتے اور ہمیں کہتے کہ اس کا جواب دو۔ اگر ہمیں جواب نہ آتا تو کہتے کہ فلاں فلاں جگہ پڑھ کے آؤ اور اگر اس کے بعد بھی کوئی کمی رہ جاتی تو وہ خود بتادیا کرتے تھے۔ مَیں نے دیکھا کہ یہ طریق تعلیم بہت مفید ثابت ہوا۔ کیونکہ مجھے ان سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا خصوصًا یہ کہ جواب دینے کے لئے صحیح اسلوب تفکیر کیا ہے۔

علاوہ ازیں مکرم عبد الحمید خورشید صاحب بھی موجود تھے۔ ان کا بیٹا جلال الدین میرا ہم عمر تھا مکرم عبد الحمید خورشید آفندی صاحب کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ قادیان تشریف لے جانے والے پہلے مصری احمدی ہیں۔ آپ نے مجھے خود بتایا کہ 1936ء میں آپ قادیان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بغرض ملاقات حاضر ہوئے تو عرض کی کہ میری شادی کو 15 سال ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم ہیں۔ حضور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ نیک اولاد کی نعمت سے نوازے۔ حضورؓ نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے دعا کروں گا۔

قادیان میں کچھ وقت گزارنے کے بعد جب آپ کی مصر واپسی کا وقت آیا تو آفندی صاحب حضورؓ کے ساتھ الوداعی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔اس ملاقات میں حضورؓ نے انہیں فرمایا کہ مَیں نے آپ کے لئے دعا کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمالی ہے کہ وہ آپ کو جلال الدین اور شمس الدین اور عائشہ عطا فرمائے گا۔ یہ خوشخبری سن کر آفندی صاحب کی خوشی کی انتہاء نہ رہی۔مصر واپس آنے کے چند ماہ کے بعد ہی ان کی بیوی حاملہ ہوئیں اور انہوں نے لوگوں کو بتانا شروع کر دیا کہ میرے ہاں جلال الدین پیدا ہوگا۔بعض احمدیوں خصوصًا مکرم محمد بسیونی صاحب مکرم محمود ذہنی صاحب وغیرہ نے انہیں کہا کہ شاید پہلے عائشہ پیدا ہو جائے اس لئے اتنے یقین کے ساتھ صرف لڑکے کی خبر لوگوں میں پھیلانا شاید مناسب نہ ہو۔لیکن آپ کا حضرت مصلح موعودؓ کی پیشگوئی کے پورا ہونے پر اس قدر پکا یقین تھا کہ آپ نے ان کو جواب دیا کہ جس ترتیب کے ساتھ حضورؓ نے مجھے بشارت دی ہے اسی ترتیب کے ساتھ ہی یہ پیشگوئی پوری ہوگی۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پہلے ان کے ہاں جلال الدین پیدا ہوا پھر شمس الدین اور آخر میں عائشہ۔

جلال الدین میرا دوست تھا جس کی بعد میں بیس پچیس سال کی عمر میں اچانک وفات ہوگئی۔ان کی وفات پر الحاج عبد الحمید خورشید صاحب نے صبر کا اعلیٰ نمونہ دکھایا اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت تھی چنانچہ اللہ نے اپنی امانت واپس لے لی۔

شمس الدین اور عائشہ کے بارہ میں کوئی سلسلہ اخبار منقطع رہا لیکن ابھی کچھ عرصہ قبل مجھے پتہ چلا ہے کہ ان دونوں کی وفات ہوگئی ہے۔جبکہ مصری احمدی مکرم عمرو عبد الغفار صاحب نے تحقیق کی تو انہیں پتہ چلا کہ مکرم عبد الحمید خورشید نے 80 سال کی عمر میں دوسری شادی کی تھی اور ان کے ہاں اولاد بھی پیدا ہوئی۔مکرم عمرو عبد الغفار صاحب ان کی دوسری بیوی اور بیٹے سے بھی ملے اور احمدیت کے بارہ میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ احمدی ہے۔

مصر میں جماعت کے لئے مشکل حالات

مکرم نور الحق تنویر صاحب مبلغ سلسلہ پچاس کی دہائی میں مصر میں عربی زبان کی اعلیٰ تعلیم کے لئے تشریف لائے تھے اور ان کی کوششوں نے مصر کی جماعت میں زندگی کی نئی روح پھونک

دی۔ میں اکثر انکے ساتھ رہتا تھا اور مجھے ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقعہ ملا۔ دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے مرکز جماعت کی طرف سے مصر میں مبلغ بھجوانا ناممکن ہو گیا اور بلاد عربیہ میں صرف فلسطین میں مبلغ احمدیت مکرم چوہدری محمد شریف صاحب موجود رہے۔لیکن مصر پر برطانوی تسلط کی وجہ سے نیز سفر کی صعوبتوں کے سبب ان کا بھی مصر میں آنا جانا ممکن نہ رہا تھا۔1952ء کے مصری انقلاب کے بعد حکومت نے تمام دینی اور سیاسی جماعتوں کو تحلیل کر دیا اور اعلان کیا کہ ہر جماعت نئی رجسٹریشن کے لئے درخواست دے۔ اس وقت جماعت احمدیہ نے رجسٹریشن کے لئے دوبارہ درخواست نہ دی اور یوں نہ مرکزی طور پر جماعت رہ سکی اور نہ ہی مرکز جماعت قائم ہو سکا۔

حضرت خلیفہ ثانی کے ساتھ اور تو خط وکتابت یاد نہیں تاہم آپ کی طرف سے بیعت کے قبول ہونے کا خط 1957ء میں موصول ہوا۔

زبانیں سیکھنے سے شغف اور اس کی وجہ

مَیں جرمنی جانا چاہتا تھا اس لئے جرمن زبان بھی سیکھی اور جرمن رسالے خرید کر اکثر پڑھا کرتا تھا۔ گو میری بول چال اتنی اچھی نہیں تھی لیکن پڑھ کر اچھی طرح سمجھ لیتا تھا۔ مجھے زبانیں سیکھنے کا بہت شوق تھا۔مَیں نے سکول کے زمانہ میں ہی فرنچ سیکھ لی تھی۔ علاوہ ازیں جرمن زبان باقاعدہ کورسز کے ذریعہ سیکھی۔ مصر میں پٹرول نکالنے والی اٹلی کی ایک کمپنی میں کام کے دوران مَیں نے دیکھا کہ اس کے اکثر ملازمین آپس میں اطالوی زبان بولتے ہیں اسی طرح ان کا ایک پرائیویٹ مقامی ریڈیو سٹیشن بھی تھا جس پر اطالوی زبان میں پروگرام نشر ہوتے تھے۔ چنانچہ سن سن کر مجھے ان کی زبان سیکھنے کا بھی شوق ہو گیا اور مَیں نے بازار سے کتاب خرید کر زبان سیکھنی شروع کر دی اور کچھ عرصہ بعد اچھا خاصا گزارا کرنے لگ گیا۔اس کے علاوہ جب میں کینیڈا گیا تو انگریزی زبان بھی سیکھ لی۔

مجھے یقین تھا کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری مختلف زبانیں بولنے والے تھے اسی طرح مسیح موعود علیہ السلام کے متبعین کو بھی اللہ تعالیٰ خاص ملکہ عطا فرمائے گا اور ان کے لئے زبانیں سیکھنا آسان کر دے گا۔لہٰذا خدا تعالیٰ کے فضل اور

رحمت پر اس یقین کی وجہ سے مجھے خدا نے یہ سب زبانیں سکھا دیں۔ لیکن جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے تو مکرم نورالحق تنویر صاحب نے بہت کوشش کی کہ مجھے سکھا دیں لیکن مجھے نہیں آسکی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ اس کے جملوں کی بناوٹ زیادہ مشکل ہے اور قواعد کے اعتبار سے ان تمام زبانوں سے مختلف تھی جو مَیں نے سیکھی تھیں۔

حلمی شافعی صاحب کے ساتھ احمدیت کا سفر

1962ء سے 1967ء تک میں مصر میں پٹرول نکالنے والی ایک اطالوی کمپنی میں کام کرتا تھا۔ اسی کمپنی میں مکرم حلمی شافعی صاحب بھی کھدائی کے شعبہ میں ملازم تھے۔ جبکہ میں مشینوں کی نقل مکانی والے شعبہ میں تھا۔ جب مشینوں کے ذریعہ ایک جگہ پر کھدائی ہو جاتی تو ہمارا شعبہ تمام مشینوں کو دوسری جگہ منتقل کر کے دوبارہ انسٹال (Install) کر کے دیتا تھا تا کہ کھدائی والے اپنا کام کر سکیں۔ کام کے بعد ہم اکثر کمپنی کے کلب میں ملتے جہاں شطرنج کھیلتے تھے۔ حلمی شافعی صاحب کہا کرتے تھے کہ مجھے آپ کی جس بات نے زیادہ متاثر کیا وہ یہ تھی کہ آپ اپنی گفتگو میں اپنے دیگر نوجوانوں کی طرح ادب سے گرے ہوئے الفاظ استعمال نہ کرتے تھے۔

بہر حال ہماری جان پہچان اور میل ملاپ میں اضافہ ہوتا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ہم ایک پندرہ روزہ تربیتی کورس میں شریک ہوئے جس میں تدریس بالغاں کے لئے ہمیں تربیت دی جانی تھی۔ تعلیم بالغان تعلیم بچگان سے اس طرح بھی مختلف ہے کہ بچوں کو اکثر امور کا علم نہیں ہوتا اور تقریباً ہر چیز کو نئے سرے سے سیکھتے ہیں لیکن قرین قیاس ہوتا ہے کہ بالغین کو سکھائے جانے والے اکثر امور کے بارہ میں کچھ علم ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کچھ علم نہ بھی ہو۔ تاہم ہر دو امور کے بارہ میں طریق تدریس مختلف ہے۔ اس تربیتی کورس کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ جو کچھ ہم نے سیکھا اس کی عملی طور پر پریکٹس بھی کی جائے۔ لہذا ہم سب اس کورس میں شامل ملازمین تعلیم بالغاں کی کلاس کے طلباء کا کردار ادا کرتے اور ہم میں سے ایک کسی بھی موضوع پر لیکچر دیتا جس پر طلباء اعتراض بھی کرتے اسے روکتے ٹوکتے بھی اور مضمون کے بارہ میں متعدد سوالات بھی کرتے۔ اس سلسلہ میں میں نے اپنے لیکچر کا موضوع عیسائی نقطہ نظر سے بائبل اور تثلیث کا عقیدہ چنا۔ جب مَیں لیکچر دے رہا تھا تو عموماً یہی توقع تھی کہ جب اعتراضات اور سوالات ہوں

گے تو ہم اس کورس میں سیکھے ہوئے طریقوں سے ان سوالات کو ڈیل کریں گے۔لیکن میں نے محسوس کیا کہ دیگر ملازمین کو تو اس موضوع کے بارہ میں کچھ علم نہ تھا تاہم مکرم حلمی الشافعی صاحب بہت مضطرب دکھائی دیئے اور بالآخر زچ ہو کر لیکچر کے دوران کہنے لگے : کیا تم ان باتوں کو مانتے ہو؟اور بار بار اعتراض کرتے اور بات کاٹتے رہے۔ان کو سب سے زیادہ اس بات پر غصہ تھا کہ مَیں مسلمان ہو کر کس طرح عیسائیوں کی طرح تین خداؤں کی بات کرتا ہوں اور کس طرح اس مضمون کو عیسائیوں کے اسلوب پر بیان کرتا ہوں۔ جبکہ مَیں نے مولانا جلال الدین صاحب شمس اور مولانا ابوالعطاء صاحب کی تحریرات سے یہ سب کچھ اخذ کیا تھا۔ چنانچہ مَیں نے اپنے لیکچر میں تثلیث کے ردّ میں اسلامی نقطہ نظر سے دلائل بھی دیئے۔

چونکہ مکرم حلمی الشافعی صاحب کا تعلق ایک ٹھیٹھ دینی گھرانے سے تھا۔ آپ کے والد صاحب ازہر کے تعلیم یافتہ مولوی تھے۔اس لئے میرے بیان کردہ امور میں ان کی دلچسپی بڑھی خصوصًا اس بارہ میں کہ میرے پاس ان امور کا علم کہاں سے آیا۔

حلمی صاحب مجھ سے عمر اور علم میں بڑے تھے شاید انہیں اس بارہ میں اس لئے بھی بہت تشویش تھی کہ عیسائیت کے بارہ میں مجھے کس طرح ان سب امور اور ان کے ردّ کا علم ہو گیا جبکہ انہیں اس بابت کچھ خبر نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے بعد میں مجھ سے ان امور کے بارہ میں بحث کرنی شروع کر دی۔ ان کے پاس سلفیانہ طریق کے بعض عقائد تھے جو انہوں نے بغیر سوچ وتفکیر کے حفظ کئے تھے۔ مثلاً یہ کہ نبی اور رسول میں فرق ہوتا ہے ۔ان کی تعریف کے مطابق رسول وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شریعت عطا کی اور اس کی تبلیغ کا بھی حکم دیا جبکہ نبی کو شریعت تو دی لیکن اسے تبلیغ کا حکم نہ دیا۔

اس پر میرا جواب یہ تھا کہ نبی اور رسول میں اس طرح کا فرق کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو رَسُوْلًا نَبِیًّا کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کیونکر ایسی شریعت دے سکتا ہے جس کی تبلیغ کا حکم نہ دے؟

حلمی الشافعی: تا کہ وہ نبی خود اس شریعت کی پیروی کرے۔

مصطفیٰ ثابت: وہ ایسی شریعت کو اپنے متبعین تک پہنچانے کی کوشش کیوں نہیں کرتا جسے وہ خود عملی طور پر اپنا چکا ہے۔

حلمی الشافعی: اس لئے کہ اس کے اتباع دوسرے نبی کی شریعت کی پیروی کرتے ہیں۔
مصطفیٰ ثابت: ایسی صورت میں یہ نبی بھی دوسرے نبی کی شریعت کی پیروی کیوں نہیں کرسکتا؟

پھر یہ کہ جب حضرت ابراہیم اور اسماعیل ایک دوسرے سے ملتے تھے تو کون کس کی شریعت کی پیروی کرتا تھا؟ کیا ہر ایک کی اپنی الگ شریعت تھی؟

اس طرح کے سوال حلمی صاحب کو بہت پریشان کرتے۔ کیونکہ انہوں نے اس طرح کے امور زبانی حفظ کئے ہوئے تھے اور ان پر عقلی نقطہ نظر سے کبھی بحث مباحثہ نہیں کیا تھا۔ چنانچہ وہ اس بات سے زیادہ زچ ہوتے کہ میں کم علم و کم عمر ہو کر ایسے سوال کرتا ہوں جن کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

بحث مباحثہ کرتے کرتے ہم وفات مسیح کے مسئلہ تک آ پہنچے۔ حلمی صاحب کی میرے ساتھ ان موضوعات پر گفتگو میں دلچسپی بڑھنے کا ایک اور سامان یوں ہوا کہ انہی دنوں میں میرا ایک کلاس فیلو ہمارے ساتھ ہماری اسی کمپنی میں ملازم ہو گیا۔ اس نے حلمی صاحب کو بتا دیا کہ مصطفیٰ ثابت احمدی ہے۔ احمدیت کا تو انہیں علم نہیں تھا اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ شاید میں بہائی ہوں۔ اسی بات کی ٹوہ میں وہ مجھ سے بحث مباحثہ کرتے رہتے تا میرے بارے میں انہیں حقیقت حال کا علم ہو؟

اسی اثناء میں مَیں نے اور میری بیوی نے سکاؤٹس کی ایک تنظیم کے تحت پورے مصر کا دورہ کیا جس کے بعد میری بیوی ہماری کمپنی میں بھی آئی جہاں وہ حلمی شافعی صاحب سے بھی ملی۔ حلمی صاحب نے انہیں کہا کہ مصطفیٰ ثابت میری پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔ یہ شخص بہت اچھا ہے، نیک اور مہذب ہے، اعلیٰ اخلاق کا مالک ہے، اس میں صرف ایک ہی خرابی ہے کہ یہ احمدی ہے۔ اور مَیں اس وقت تک اس کی جان نہیں چھوڑوں گا جب تک یہ اسلام میں واپس نہ آ جائے۔

میری بیوی نے جواب دیا کہ دیکھتے ہیں کون کس کو اپنی طرف لاتا ہے۔

ہماری بات چیت چلتی رہی اور 1967ء کا سن آ گیا۔ مجھے اس وقت بہت خوابیں آتی تھیں۔ اور مَیں حلمی صاحب کو کہتا تھا کہ رؤیائے صالحہ نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک

ہے۔اس طرح یہ ایک طرح کی خدائی وحی ہے۔لیکن وہ کہتے کہ یہ سب غلط باتیں ہیں ۔ وحی ختم ہوگئی اور تمہارے رؤیا محض پراگندہ خوابیں ہیں۔

اس دوران میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ہماری کمپنی کی جگہ پر اسرائیلی قبضہ ہو گیا ہے۔اور اس رؤیا کی صداقت پر مجھے اتنا یقین تھا کہ میں نے اپنی تمام کتب یہاں سے منتقل کرنی شروع کردیں۔ جب حلمی صاحب چھٹی پر قاہرہ جانے لگے تو میں نے ان کے ہمراہ اپنی کتب کا آخری سیٹ بھجوادیا۔اور یہ بھی کہا کہ مجھے اپنی خواب کی بنا پر خدشہ ہے شاید ہم دوبارہ نہ مل سکیں۔حلمی صاحب فرمانے لگے کہ ہم ضرور ملیں گے اور جہاں تک تمہاری خوابوں کا تعلق ہے تو وہ اضغاث احلام ہیں۔

5/جون 1967ء کو حلمی صاحب چھٹی گزار کر واپس سیناء براستہ سویز آرہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ اب مَیں پہنچ کر مصطفیٰ ثابت کو بتاؤں گا کہ دیکھو تمہارا مزعومہ رؤیا محض پراگندہ خواب تھی۔حلمی صاحب سویز تو پہنچ گئے لیکن آگے سیناء میں کمپنی کے ہیڈ کوارٹر جانے سے انہیں روک دیا گیا۔انہیں بتایا گیا کہ وہاں پر اسرائیلی حملہ ہو گیا ہے۔اس بات نے حلمی صاحب کو اندر سے ہلا کر رکھ دیا۔آپ قاہرہ واپس آگئے۔لیکن روزانہ میرے گھر خیریت دریافت کرنے کے لئے آتے۔

مَیں سیناء میں پھنس کر رہ گیا۔اس جگہ پر بہت بڑے بڑے ٹینک تھے جن میں خام تیل تھا۔اسرائیل نے ان پر بمباری کی اور سب کو آگ لگ گئی۔میں کئی دن وہاں محصور رہا کیونکہ واپسی کی کوئی صورت نہ تھی۔ بالآخر جب واپسی ہوئی تو اگلے دن حلمی صاحب ملنے آگئے۔اور خدا کا بڑا شکر ادا کیا کہ مَیں خیر و عافیت سے واپس آ گیا ہوں۔

حلمی صاحب بہت جلد اعتراض کرتے تھے۔ میں ان کی طبیعت کو سمجھتا تھا اس لئے ان سے الجھنے کی بجائے انہیں کتاب دیتا اور کہتا کہ اس کو پڑھیں اور جہاں اعتراض پیدا ہو وہاں کاغذ رکھ کر اعتراض لکھ دیں اور مَیں اس کا جواب دے دوں گا۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی تو ایک دن انہوں نے وہ تمام کتب مجھ سے مانگیں۔ان میں حلمی صاحب کے اعتراضات والے اوراق ابھی تک موجود تھے۔ان کو پڑھ کر فرمانے لگے کہ اگر مجھے یہ نہ یقین ہوتا کہ یہ میری لکھائی ہے تو

ضرور کہتا کہ کس غبی نے اس قسم کے اعتراضات لکھے ہیں۔

بہرصورت ہماری بات چیت چلتی رہی۔ اس دوران مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ حلمی صاحب ہمارے ساتھ جمعہ پڑھ رہے ہیں۔مَیں نے حلمی صاحب کو بھی بتا دیا اور مجھے بھی یقین ہو گیا کہ اب حلمی صاحب احمدیت قبول کرلیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ہمارے صدر جماعت مکرم محمد بسیونی صاحب سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔مکرم محمد بسیونی صاحب نے ان کے جملہ سوالات کے نہایت حکیمانہ اور شافی جواب عطا فرمائے جس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ حلمی صاحب نے بیعت کر لی۔

درس وتدریس

جنگ کے بعد ملازمت میں حلمی صاحب کی مرافقت اسرائیل کی مصر پر جارحیت کے بعد ہماری غیر ملکی کمپنی تو موجود رہی لیکن عملاً کام بالکل ختم ہو گیا۔مصر میں جمال عبد الناصر کی قیادت میں اشتراکی نظامِ حکومت کے قانون کے تحت یہ کمپنی ہمیں ملازمت سے فارغ نہیں کر سکتی تھی ۔ یوں ہمیں بغیر کسی کام کے گھر بیٹھے تنخواہ مل رہی تھی ۔اس صورت حال میں مَیں نے اپنے افسران بالا سے کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت لے کر ایک بڑے انسٹیٹیوٹ میں داخلہ لے لیا۔اس کے مختلف کورسز میں مجھے بڑی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ۔اس کے بعد حلمی الشافعی صاحب نے بھی اسی انسٹیٹیوٹ میں تعلیم کی اجازت لے لی یوں ہم دوبارہ اس انسٹیٹیوٹ میں اکٹھے ہو گئے۔ جملہ کورسز ختم ہونے کے بعد توقع یہی تھی کہ مَیں واپس اپنی کمپنی میں آجاؤں اور بغیر کسی کام کے گھر بیٹھے تنخواہ حاصل کرتا رہوں، جو کہ مجھے ناپسند تھا۔ نیز یہ بھی حقیقت تھی کہ اگر زیادہ دیر تک مَیں ان کورسز کے مکمل کرنے کے بعد عملی پریکٹس سے دور رہا تو سب کچھ بھول جائے گا۔ایک دفعہ مَیں نے ایک کلاس کو پڑھایا تو طلبہ نے بہت پسند کیا اور دیر تک تالیاں بجاتے رہے لہٰذا انسٹیٹیوٹ کی انتظامیہ نے مجھے ملازمت کی پیشکش کی ۔ مَیں نے بغیر کسی معاوضہ کے ابتدائی کلاسز کو پڑھانے کی تجویز دی۔ جس کو بہت سراہا گیا۔ مَیں نے اپنی کمپنی کی انتظامیہ سے بھی یہی عرض کیا کہ میرے لئے عملی پریکٹس کا نادر موقعہ ہے جسے ضائع نہیں کرنا چاہئے ۔لہٰذا انہوں نے بھی بخوشی اجازت دے دی بلکہ میرے مینیجر نے

کہا کہ یہ تو بہت اچھا ہے اوراس کے بعد ہم اپنی کمپنی میں تمہاری تبدیلی کمپیوٹر سیکشن میں کر دیں گے تا کہ کمپنی کو زیادہ فائدہ ہو۔ یوں کچھ عرصہ تک مَیں اس انسٹیٹیوٹ میں پڑھاتا رہا۔ اس سے قبل یہ مضامین اس انسٹیٹیوٹ میں غیر ملکی ماہرین آکر پڑھاتے تھے اور انسٹیٹیوٹ کو کافی کچھ خرچ کرنا پڑتا تھا، اس پر مستزاد یہ کہ وہ غیر ملکی زبانوں میں پڑھاتے تھے۔مَیں یہ سب کچھ عربی میں پڑھانے لگا تو طلبہ کا پسندیدہ استاد بن گیا۔اس کے ردّعمل کے طور پر بعض افراد کی طرف سے میری سخت مخالفت ہونے لگی۔ اور بالآخر مجھے تدریس سے معذرت کرنی پڑی۔

کینیڈا کی طرف ہجرت

اسی دوران میرا تعارف ایک ایسے شخص سے ہوا جو کینیڈا میں مقیم تھا۔ اس نے مجھے کینیڈا کی طرف ہجرت کا مشورہ دیا۔مَیں نے کہا کہ مَیں جرمنی جانا چاہتا ہوں اور کچھ زبان بھی سیکھی ہوئی ہے لیکن اس نے مجھے کینیڈا جانے پر آمادہ کرنا شروع کیا اوراس قدر اصرار کیا کہ مَیں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے کینیڈا جانے کا وعدہ کر لیا۔ پھر اس وعدہ کو پورا کرنے کے لئے مَیں نے درخواست دی اور تین ہفتوں میں منظوری کا جواب بھی آ گیا یوں مَیں کینیڈا روانہ ہو گیا۔

حلمی صاحب کے سفر بسلسلہ ملازمت

میرے کینیڈا جانے کے بعد حلمی صاحب نے بھی ملازمت کے سلسلہ میں سوڈان اورالجزائر اور متحدہ عرب امارات کے سفر اختیار کئے ۔سوڈان میں قیام کے دوران ایک واقعہ کا ذکر انہوں نے خاص طور پر مجھ سے کیا کہ وہاں لوگ جنّوں کے بارہ میں توہمات کا شکار ہیں اور عجیب وغریب خرافانہ خیالات اوراعتقادات ان میں راسخ ہو چکے ہیں۔ ایک دفعہ انہوں نے بعض مولویوں کو کہا کہ اگر واقعی تمہارے خیالات درست ہیں تو مجھ پر ان جنّوں کو مسلط کر کے دکھا دو۔ چنانچہ انہوں نے کوشش کی اور جب ناکام ہوئے تو کہنے لگے کہ تمہارا جنّ باقی لوگوں کے جنّوں سے زیادہ طاقتور ہے۔اس لئے تم پر کوئی دوسرا جن اثر انداز نہیں ہوسکتا۔

کینیڈا میں جماعت کے ساتھ تعلق

مَیں مصر سے ڈائریکٹ کینیڈا نہیں گیا تھا بلکہ پہلے ڈنمارک میں اپنی بڑی بہن کے پاس رکا تھا لیکن اصل مقصد کوپن ہیگن میں جماعت کی مسجد دیکھنا تھا۔ میری اس بہن نے ڈنمارک کے ایک انجینئر جان زکریا سے شادی کی تھی۔ یہ وہی انجینئر ہیں جنہوں نے کوپن ہیگن میں جماعت کی مسجد بنائی تھی۔ یہ دونوں غیر احمدی تھے۔

اس کے بعد مَیں ورجینیا میں اپنے بھائی سے ملاقات کے لئے ٹھہرا اور اس ملاقات سے بھی اصل غرض واشنگٹن میں موجود جماعت کی مسجد دیکھنا تھا۔ واشنگٹن میں مبلغ سلسلہ سے بات ہوئی تو انہوں نے ازراہ کرم میرے کینیڈا میں پہنچنے کی بابت جماعت احمدیہ کینیڈا کے بعض افراد کو خبر کردی۔ چنانچہ جب مَیں کینیڈا میں ایئرپورٹ پر اترا تو تین احباب جماعت موجود تھے۔ یوں جماعت احمدیہ کینیڈا کے ساتھ میرا تعلق پہلے دن سے ہی قائم ہوگیا۔ ان تین میں سے ایک تو فوت ہوگئے ہیں دوسرے مکرم چوہدری خلیل احمد صاحب ہیں اور تیسرے گیانا کے پہلے احمدی مکرم یوسف صاحب ہیں جو مکرم بشیر آرچرڈ صاحب کے ذریعہ احمدی ہوئے اور بفضلہٖ تعالیٰ ابھی تک حیات ہیں۔

کینیڈا میں قیام اور تبلیغ کے رستہ میں رکاوٹ

کینیڈا میں قیام کے ساتھ ہی پہلی مشکل جو مجھے درپیش ہوئی وہ یہ کہ مَیں نے جو انگریزی سیکھی تھی وہ یہاں کی بول چال سے بہت مختلف تھی اور لہجہ کی بھی ایک اضافی پرابلم تھی۔ کینیڈا میں آتے ہی میرا تعارف بعض عیسائی دوستوں سے ہوگیا جن کے ساتھ میں بائبل کی رو سے بعض امور کے بارہ میں بحث کرنا چاہتا تھا لیکن مَیں نے عربی بائبل کے حوالے یاد کئے ہوئے تھے انگلش بائبل کا مجھے کوئی علم نہ تھا۔ یہ عیسائی، عیسائیت کے اس فرقہ سے تعلق رکھتے تھے جو تثلیث کا قائل نہیں ہے بلکہ توحید کا ماننے والا ہے۔ اسی طرح دیگر عقائد میں بھی کسی قدر معتدل تھے۔ مَیں نے ان کے ساتھ بائبل کلاسز میں جانا شروع کردیا۔ یوں مجھے عیسائیوں کے طرز تفکیر اور دلائل دینے کے طریق اور بحث کے اصولوں پر اطلاع ہوئی اور بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ ساتھ میری

انگریزی زبان بھی اچھی ہوتی گئی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ سے پہلی ملاقات

1967ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ غالباً امریکی ریاست میری لینڈ میں تھے جہاں میری آپ سے پہلی ملاقات ہوئی۔ آپ مسجد میں جائے نماز پر نمازیوں کی طرف منہ کر کے تشریف فرما تھے۔ اس دوران میں آ کر آپ کے سامنے صف پر بیٹھ گیا اور آپ کے چہرہ مبارک کے حسین وجمیل خدوخال میں کھو کر رہ گیا۔ مجھے اس طرح ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے ہوئے پا کر حضور نے مجھ سے اُردو میں کچھ پوچھا جس کی مجھے سمجھ نہ آئی۔ حضور کو احساس ہو گیا کہ مَیں پاکستانی نہیں ہوں اس لئے انگریزی میں پوچھا کہ تم کون ہو؟ مَیں نے جواب دیا کہ میرا نام مصطفیٰ ثابت ہے، مَیں مصری ہوں اور مصری احمدی مکرم احمد حلمی صاحب کا داماد ہوں۔ یہ بات سن کر آپ کے چہرہ مبارک پر بشاشت اور اطمینان کے آثار نمایاں ہو گئے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے پوچھا کہ احمد حلمی صاحب کا کیا حال ہے؟ مَیں نے بتایا کہ وہ تو وفات پا گئے ہیں۔ چنانچہ آپ ان کے اہل خانہ کے بارہ میں دریافت کرتے رہے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ تم کب سے یہاں ہو؟ وغیرہ۔ یہ میری حضور سے پہلی ملاقات تھی۔

کسرِ صلیب کانفرنس میں شرکت اور عظیم شخصیات سے ملاقات

1978ء میں لندن میں کسر صلیب کانفرنس ہوئی جس میں مجھے بھی شمولیت کا موقعہ ملا۔ اس کانفرنس میں حضرت خلیفہ ثالث رحمہ اللہ سے کبابیر کے عرب احباب کے ساتھ اجتماعی ملاقات ہوئی جس میں دور سے صرف زیارت ہی ہوئی اور کوئی بات نہ ہو سکی۔

اس کانفرنس میں جب ہم بڑے ہال میں تھے تو مجھے محسوس ہوا کہ جیسے مَیں کسی عظیم شخصیت کے قرب میں ہوں۔ جب مَیں نے سر اٹھا کے دیکھا تو آپ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب تھے۔ مَیں آپ کے پاس گیا اور سلام عرض کیا۔

اسی کسر صلیب کانفرنس میں پہلی دفعہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے ملاقات ہوئی۔ دراصل آپ کی شخصیت اور اخلاق اور سیرت کا صدر جماعت مصر محمد بسیونی

صاحب اکثر ذکر کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے دل میں آپ سے ملاقات کا ایک شوق اور خواہش تھی۔ چنانچہ آپ سے مسجد فضل کے جوار میں واقع رہائشی عمارت کی تیسری منزل پر ایک کمرے میں ملاقات ہوئی (دوسری منزل پر مبلغ سلسلہ کی رہائش ہوتی تھی) آپ کے کمرے میں ایک پلنگ اور ایک ٹیبل تھی جس پر آپ کی دوائیں پڑی ہوئی تھیں۔ ملاقات میں مَیں نے آپ کو کینیڈا تشریف لانے کی دعوت دی جو آپ نے قبول فرما لی اور بعد میں کینیڈا کے جلسہ سالانہ میں تشریف لائے، جس میں میری تقریر بھی ہوئی جس کا عنوان تھا ''امام مہدی کی آمد'' جس میں یہ ذکر تھا کہ ایسی صفات اور ظہور کے بارہ میں ایسی علامات کا حامل شخص مبعوث ربانی اور نبی اللہ ہی ہوسکتا ہے۔ یہ تقریر حضرت چوہدری صاحب کو بہت پسند آئی۔

اس کے بعد چوہدری صاحب سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔اور یہ آپ کی شفقت اور تواضع کا اعلیٰ مقام تھا کہ آپ مجھے اپنا دوست قرار دیتے تھے اور ربوہ آنے کی صورت میں اپنے گھر میں قیام کی دعوت بھی دی۔

چالیس کی دہائی کے آخر اور پچاس کی دہائی کے شروع میں حضرت چوہدری صاحب کا ذکر اخبارات میں عام تھا اور آپ مصر میں بھی دو تین مرتبہ تشریف لائے لیکن اس عرصہ میں اخوان المسلمین کے ساتھ تعلق کی وجہ سے چوہدری صاحب کے بارہ میں مجھے کوئی علم نہ تھا۔

حضرت چوہدری صاحب کا عرفان خلافت

مجھے یہ تو یاد نہیں آرہا کہ کونسی جگہ تھی تاہم یہ بڑی اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ سے شرف مصافحہ کا موقعہ ملا۔ آپ کے ساتھ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب بھی کھڑے تھے جنہوں نے اپنے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ رکھے تھے اور واضح طور پر یہ اشارہ دے رہے تھے کہ مَیں نے کسی سے ہاتھ نہیں ملانا۔مَیں نے بعد میں حضرت چوہدری صاحب سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ وہ ہاتھ جن سے مصافحہ ایک شرف اور باعث برکت ہے وہ خلیفہ وقت کے ہاتھ ہیں۔ لیکن حضور سے مصافحہ کرنے والے میری طرف بھی ہاتھ بڑھا دیتے ہیں جبکہ یہ درست نہیں ہے اس لئے مَیں نے اپنے ہاتھ پیچھے باندھ

رکھے ہیں تا میرے ساتھ یہاں کوئی ہاتھ نہ ملائے۔

پہلی زیارتِ ربوہ وقادیان

1979ء میں مَیں نے ربوہ اور قادیان کی زیارت کا فیصلہ کیا۔اس وقت امریکا کی جماعت کی طرف سے وفود جایا کرتے تھے ان کا انتظام کچھ یوں ہوتا کہ احمدی احباب پہلے قادیان جاتے تھے اور وہاں پر جلسہ سالانہ میں شرکت کے بعد ربوہ آجاتے تھے اور ربوہ کے جلسہ میں شمولیت کے بعد ان کی واپسی ہوا کرتی تھی۔مَیں نے بھی اس وفد کے ساتھ پہلی دفعہ ربوہ اور قادیان کی زیارت کی۔

اس کے بعد 1980ء میں مَیں نے مکرم حلمی صاحب کو بھی اس سفر کے بارہ میں قائل کیا اور سویڈن سے مکرم مصطفیٰ کامل جامع صاحب (یہ بھی مصری الأصل احمدی ہیں اور عرصہ دراز سے سویڈن میں مقیم ہیں) اسی طرح کبابیر سے مکرم عبد اللہ اسعد صاحب بھی آگئے یوں ہم چاروں قادیان میں اکٹھے ہوگئے۔علاوہ ازیں ڈنمارک کے مکرم عبد السلام میڈیسن صاحب بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے اور ہم پانچوں مل کر کشمیر میں قبر مسیح علیہ السلام کی زیارت کے لئے گئے۔

اسی سفر میں ربوہ میں قیام کے دوران ایک دفعہ پھر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔مکرم حلمی صاحب کو حضور کی شخصیت از حد پسند آئی اور وہ اپنی طبیعت پر ایک عجیب روحانی اثر لے کر واپس آئے۔

ایک خواہش اور اس کی تکمیل

مَیں نے عرض کیا تھا کہ جب مَیں اخوان المسلمین میں تھا تو احادیث کے مطالعہ کے دوران میری یہ شدید خواہش اور خدا تعالیٰ سے دعا تھی کہ مجھے اتنی زندگی دے دے کہ میں امام مہدی کا ظہور دیکھ لوں اور اس کے ساتھ دجال کے ساتھ جنگ میں شامل ہوں۔

اس وقت تو اس جنگ کا مطلب کچھ اور ہی تھا لیکن احمدی ہونے کے بعد جب خدا نے میری یہ خواہش اور دعا قبول فرمالی اور مجھے مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی نصیب فرمائی تو میرے

دل میں خدا کے ساتھ کئے ہوئے اس وعدہ کا بار بار خیال آتا تھا۔اسی طرح مجھے یہ بھی علم ہوا کہ جماعت میں مبلغین کرام زندگیاں وقف کر کے دین کی خدمت پر کمر بستہ ہیں۔ چنانچہ جب 1982ء میں خلیفہ ثالث رحمہ اللہ کی وفات کے بعد خلیفہ رابع مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو مَیں نے دل میں عہد کیا کہ مَیں حضور کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات میں زندگی وقف کرنے کی درخواست پیش کردوں گا۔

چنانچہ جب مجھے علم ہوا کہ آپ اسی سال مسجد بشارت سپین کے افتتاح کے لئے تشریف لا رہے ہیں تو مَیں نے بھی اس تقریب میں شرکت کا فیصلہ کیا اور اس موقعہ پر حضور انور سے ملاقات میں زندگی وقف کرنے کے بارہ میں اپنی خواہش کا بھی اظہار کر دیا۔حضور انور نے فرمایا کہ مَیں آپ کا وقف قبول کرتا ہوں، لیکن ابھی آپ اپنا کام نہ چھوڑیں، جب ہمیں ضرورت ہوگی آپ کو آگاہ کر دیا جائے گا۔

اطاعت خلافت کی برکات

1982ء میں ہی مجھے جلسہ سالانہ ربوہ میں بھی شرکت کی توفیق ملی۔ اس موقعہ پر غانا کے امیر جماعت مکرم عبدالوہاب بن آدم صاحب کی تجویز کے مطابق حضور انور نے مجھے غانا میں تبلیغی دورہ پر جانے کا ارشاد فرمایا۔اور جب مَیں اس سفر کے لئے نکلنے والا تھا تو حضور کی طرف سے ارشاد ملا کہ نائیجیریا بھی چلے جانا۔مَیں نے مصر سے بکنگ کرائی تھی اور قاہرہ تا اکرا کا ریٹرن ٹکٹ خریدا تھا۔میرے ذہن میں تھا کہ ''اکرا'' سے لیگوس کا ریٹرن ٹکٹ خرید لیتا ہوں یوں حسب ارشاد نائیجیریا چلا جاؤں گا۔لیکن پتہ کرنے پر احساس ہوا کہ یہ صرف مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے۔ کیونکہ وہاں سے نائیجیریا کی کوئی فلائیٹ نہیں ہے۔ مصر سے بھی صرف سوئس ایئر کی ایک فلائیٹ لیگوس جاتی تھی جس کی ٹکٹ بہت مہنگی تھی۔ چنانچہ مَیں نے سوچا کہ اگر میرا واپسی کا ٹکٹ لیگوس نائیجیریا سے قاہرہ بن جائے تو کسی طرح غانا سے نائیجیریا جا کر وہاں سے واپس غانا آنے کی بجائے سیدھا مصر آجاؤں گا۔ چنانچہ جب مصری ائیر لائن کے دفتر گیا اور اپنی ٹکٹ تبدیل کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے کہا کہ یہ ناممکن ہے۔تمہارا ٹکٹ ''اکرا'' کا ہے لہٰذا وہاں سے ہی واپس آنا ہوگا۔مَیں نے کہا: اے

خدایا مَیں یہاں پر تیرے خلیفہ کے ارشاد کو پورا کرنے کے لئے آیا ہوں تو ہی میری مدد فرما۔ ابھی مَیں اس دعا کی کیفیت میں ہی تھا کہ مجھے انکار کرنے والے شخص نے اپنی دراز کھولی اور ٹکٹوں والا رجسٹر نکال کر کہنے لگا کہ لاؤ مجھے اپنی ٹکٹ دو۔ میرے ٹکٹ دینے پر اس نے مجھے وہ ٹکٹ رکھ کر میرا مطلوبہ ٹکٹ بنا دیا۔ خلیفہ وقت کے ارشاد کی تعمیل کی برکت تھی کہ مَیں نے اس شخص سے دوسری دفعہ درخواست بھی نہیں کی بلکہ ایک لفظ بھی نہیں بولا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی اور اس نے خود ہی مجھ سے پرانی ٹکٹ لے کر نئی بنا دی۔

اس حوالے سے مَیں قارئین کرام سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خدا کے خلیفہ کی طرف سے مفوضہ کاموں میں اخلاص کے ساتھ کوشش کرنے پر اللہ تعالیٰ ان کاموں میں یسر، آسانی اور برکت رکھ دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں مَیں ایک اور مثال پیش کرتا ہوں کہ جب عیسائی پادری زکریا بطرس اسلام اور نبیٔ اسلام پر اعتراض اور حملے کر رہا تھا اور چیلنج کر رہا تھا کہ مسلمانوں میں سے کوئی ہے جو ان اعتراضات کا جواب دے سکے، تو ہمارے مصری احمدی مکرم عمرو عبد الغفار صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں لکھا کہ مصطفیٰ ثابت کو ارشاد فرمائیں کہ وہ ان پادریوں کے اعتراضات کا جواب دیں۔ چنانچہ حضور انور کی طرف سے مجھے ارشاد آگیا اور میں اس کے تحت کبابیر چلا گیا جہاں پروگرام اَلْاَجْوِبَۃُ عَنِ الْاِیْمَان کی قسطیں لکھنا شروع کیں۔ خلیفہ وقت کے ارشاد کی تعمیل کے نتیجہ میں اس کام میں ایسی برکت پڑی کہ میں ایک قسط ایک دن میں لکھ لیتا تھا۔ کئی دفعہ میں عنوان مقرر کر کے لکھنا شروع کرتا تو مضمون کسی اور طرف ہی چلا جاتا اور اتنا مضبوط اور مدلّل ہوتا کہ مجھے مضمون کا عنوان تبدیل کرنا پڑتا تھا۔ پھر اس دوران مَیں جلسہ برطانیہ پر آگیا اور باوجود روزانہ جلسہ میں شمولیت، اس کی کارروائی سننے، اور مختلف مہمانوں سے ملاقات کے ان چند دنوں میں بھی میں نے چھ قسطیں لکھ لیں۔ مَیں خود حیران ہوں کہ یہ کیسے ہو گیا۔ یہ محض خلیفہ وقت کے ارشاد کی تعمیل کی برکت ہے۔ جب خلیفہ وقت کوئی ارشاد فرماتے ہیں تو خدا تعالیٰ اس کی تعمیل کرنے والوں کی کوششوں میں غیر معمولی برکت ڈال دیتا ہے۔

خلافت رابعہ میں خدمت کی توفیق

حضرت مرزا طاہر احمد کی خلافت سے پہلے ہی عربوں کی طرف خاص توجہ تھی۔ مجھے یاد ہے کہ 1981ء میں ملاقات کے دوران آپ نے پوچھا تھا کہ ہم عربوں میں تبلیغ کے لئے کیا کر رہے ہیں اور کون سے وسائل استعمال کر رہے ہیں؟

عظیم الشان تحفہ

1981ء میں میرا ایک عزیز بغرض سیاحت کینیڈا آیا واپسی پر مصر میں اس سے کسی نے کینیڈا میں مسلمانوں کے حالات دریافت کئے تو اس نے بتایا کہ وہاں مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت بھی پائی جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ مسیح نازل ہو گیا ہے۔اس پر اس سائل نے میرے عزیز کو کہا کہ اگر تمہیں دوبارہ جانے کا اتفاق ہو تو اس جماعت کی کچھ کتب اور ان کے بارہ میں مزید معلومات لے کر آنا۔ میرے عزیز نے ان باتوں کا مجھ سے ذکر کیا تو مَیں نے جماعت کی تعلیم اور اس کے عقائد کے بارہ میں تفصیل پر مشتمل پانچ آڈیو کیسٹس ریکارڈ کر کے اس کو ارسال کر دیں۔

پھر جب 1982ء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کو مسند خلافت پر فائز فرمایا اور مجھے اس سال جلسہ سالانہ ربوہ میں شمولیت کی توفیق ملی تو مَیں یہ کیسٹس بھی ساتھ لے گیا اور ملاقات میں حضور انور کی خدمت میں پیش کر دیں۔حضور انور بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ ایک عظیم الشان تحفہ ہے۔ پھر آپ نے ان کو تبلیغ کی غرض سے مختلف ممالک میں پھیلانے کا ارشاد فرمایا۔

عربوں میں تبلیغ کا منظّم منصوبہ

1982ء کے جلسہ میں ہی نہ جانے کیوں مجھے بڑی شدت کے ساتھ احساس ہوا کہ جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ اور یہ احساس اسقدر قوی تھا کہ جلسہ سالانہ میں غیر ملکی مہمانوں کے تأثرات پر مشتمل مختصر خطابات میں بھی مَیں نے اس کا ذکر کر دیا کہ مجھے اس جلسہ میں نہ جانے

کیوں ایسے لگتا ہے جیسے کوئی بڑا واقعہ ہونے والا ہے۔

بہر حال یہ بڑا واقعہ اپریل 1984ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کی صورت میں سامنے آیا۔آپ اپریل میں لندن تشریف لائے اور مئی میں مجھے حضور کی طرف سے لندن حاضر ہونے کا ارشاد ہوا۔

جب مَیں یہاں حاضر ہوا تو تین عرب احباب (محمود احمد عودہ امیر جماعت کبابیر، طہ القزق صدر جماعت اردن اور حسین القزق) کو پہلے سے یہاں موجود پایا۔

یہاں ضمناً یہ بھی عرض کردوں کہ انہی دنوں میں جماعت نے گریس ہال روڈ پر نمبر 41 گیسٹ ہاؤس خریدا تھا اور ہمیں یہ شرف حاصل ہے کہ اس گیسٹ ہاؤس میں قیام کرنے والے پہلے افراد ہم تھے۔

بہر حال حضور انور نے فرمایا کہ عربوں میں تبلیغ کے لئے مفصل منصوبہ تیار کریں۔ہم چاروں دوستوں نے ایک ہفتہ کی گفت وشنید اور غور وفکر کے بعد ایک مفصل منصوبہ حضور انور کی خدمت میں پیش کیا جس کی حضور انور نے منظوری عطا فرمادی۔اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کہ ایک شخص مکمل طور پر فارغ ہوکر یہاں آجائے جو تمام مطلوبہ امور کی انجام دہی کو یقینی بنائے۔اور اس کام کے لئے باقی تینوں احباب نے میرا نام تجویز کیا۔حضور انور نے فرمایا یہ درست تجویز ہے، مصطفیٰ ثابت صاحب پہلے ہی وقف کر چکے ہیں لہٰذا اب وہ اپنے کام سے استعفیٰ دے کر یہاں آجائیں اور اس منصوبہ پر کام کریں۔

خسارہ نفع میں بدل گیا

یہ درست ہے کہ میری چھوٹی عمر سے ہی خدمت کی خواہش تھی لیکن میری ایک بیوی اور اولاد بھی تھی۔ان کو کسی معقول انتظام کے بغیر چھوڑ کر جانا بہت مشکل تھا۔دوسری طرف اسی عرصہ میں لندن آنے سے قبل یہ حادثہ ہوا کہ ہم نے ایک سکول خریدا لیکن اس کو اچھی طرح چلا نہ سکے اور ہمیں نفع کی بجائے خسارہ ہونے لگا حتی کہ پہلے دو ہفتوں میں ہی چھ ہزار ڈالرز کا خسارہ ہوگیا۔اس کے بعد مَیں تو لندن آگیا اور یہاں سے واپس جا کر اپنی بیوی سے جب یہ کہا کہ خلیفہ وقت نے مجھے لندن میں ہی جماعتی امور کی انجام دہی کے لئے

طلب فرما لیا ہے اور مَیں نے جانا ہے تو اس نیک بخت نے کہا کہ آپ بصد شوق جائیں اللہ تعالیٰ نے ہمارا انتظام فرما دیا ہے اور اب سکول کا کام چل نکلا ہے اور امید ہے کہ ہمارا اس سے اچھا گزارہ ہوتا رہے گا۔

یہ خلیفہ وقت کی اطاعت کی برکت تھی کہ ہمارا خسارہ بھی نفع میں بدلنے لگ گیا۔

عرب ممالک کے تبلیغی دورہ جات اور چند یادیں

حضور انور کے ارشاد اور تبلیغی منصوبہ کے مطابق مَیں نے مراکش، سعودیہ، کبابیر، مصر، اردن اور سیریا کا دورہ کیا۔ کبابیر اور شام میں بفضلہٖ تعالیٰ احمدیوں کی ایک اچھی تعداد موجود تھی جبکہ باقی ممالک میں یا تو بہت کم احمدی تھے یا بالکل نہ تھے۔

الجزائر کی ایمبیسی سے بات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ کے پاس کینیڈا کی شہریت ہے تو ویزہ تین دن کے اندر اندر مل جائے گا۔ لیکن جب ویزہ لینے کے لئے دوبارہ ان سے رابطہ کیا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ پیدا کہاں ہوئے ہیں؟ مَیں نے کہا قاہرہ میں۔ اس پر مجھے یہ جواب ملا کہ بے شک آپ کے پاس کینیڈین نیشنلٹی ہے لیکن قاہرہ میں پیدا ہونے کی وجہ سے آپ کے ویزہ کے لئے پندرہ دن کا وقت درکار ہوگا۔ میرے پاس اتنا وقت نہ تھا جس کی وجہ سے میں الجزائر نہ جا سکا۔

اہل کبابیر کا میرے دل میں شروع سے ہی ایک خاص احترام تھا کیونکہ میں مجلّہ البشریٰ میں جب چندہ دہندگان کے نام پڑھتا تھا تو ایسے لوگوں کو دیکھنے اور ان سے ملنے کے لئے اپنے اندر ایک تڑپ پاتا تھا۔ چنانچہ ان دورہ جات میں ان صلحاء کے ساتھ بھی ملنے کا موقعہ ملا۔

شام میں مکرم منیر الحصنی صاحب کے ساتھ ملاقات ہوئی اور ان کا ایک نکتۂ معرفت اب تک مجھے یاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہاما فرمایا: یَا أَحْمَدَ فَاضَتِ الرَّحْمَةُ عَلٰی شَفَتَيْكَ یعنی اے احمد تیرے لبوں سے رحمت پانی کی طرح بہہ نکلی۔ منیر الحصنی صاحب فرماتے تھے کہ آپ نے دیکھا ہے کہ جب گلاس کو پانی سے بھرتے جائیں تو بالآخر پانی کناروں سے بہنے لگتا ہے۔ یہ معنی ہے فَاضَتِ الرَّحْمَةُ عَلٰی شَفَتَيْكَ کا۔ ان کی یہ مثال مجھے بہت پسند آئی اور حقیقت یہ ہے کہ ایسے شخص کی محبت میں انسان کھنچا چلا جاتا ہے جو اس طرح

رحمت سے معمور ہو۔

مراکش میں کوئی احمدی نہ تھالہذا وہاں میں مختلف لوگوں کے ایڈریسز لینے کے لئے گیا۔ازاں بعد ان کو تبلیغی لٹریچر بھیجا گیا۔ان میں سے بعض نے تو جواب دیا لیکن بعض نے خط لکھا کہ ہمیں آئندہ یہ لٹریچر نہ ارسال کیا جائے۔شاید یہ کوششیں ایم ٹی اے کے لئے تمہیدی کام کے طور پر تھیں۔

رقیم پریس کے قیام میں کلیدی کردار

مَیں 41 گیسٹ ہاؤس میں مقیم تھا جہاں دیگر امور کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی کتب کی علیحدہ طور پر اشاعت کے لئے کام کی ابتدا ہوئی۔اس وقت آج کل کے کمپیوٹرز جیسا تو کوئی کمپیوٹر نہ تھا تاہم اس کی ایک ابتدائی شکل تھی جس پر کتابیں ٹائپ کرنے کا کام شروع ہوا۔جماعت میں اس وقت عربی ٹائپ کرنے والا نہ کوئی شخص تھا نہ کسی کے پاس اس طرح کا کمپیوٹر۔چنانچہ ہم ایک عرب عیسائی نوجوان سے یہ کام کرواتے تھے۔مجھے شک تھا کہ یہ ٹائپنگ میں کچھ خباثت کرسکتا ہے، لہٰذا مَیں پروف کو دوبارہ اصل تحریر کے ساتھ لفظاً لفظاً پڑھتا تھا۔میرا شک درست ثابت ہوا۔کیونکہ اس نوجوان نے بعض جگہ پر اصل لفظ کو بگاڑ کر کوئی ایسا لفظ ٹائپ کیا ہوتا تھا جس سے مضمون یکسر بدل جائے۔یا کبھی چند الفاظ کو چھوڑ دیتا تھا جن میں کوئی خاص اہم بات بیان ہوتی تھی۔یا اگر کسی پیراگراف میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں عیسائیوں کے عقائد کے مخالف بات ہوتی تو وہ ایسے پیراگراف کو ہی حذف کر جاتا تھا۔اس صورتحال کے پیش نظر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ایسا کمپیوٹر اور کتابیں طبع کرنے کا سسٹم ہمارے پاس کیوں نہیں ہوسکتا تا ہم خود یہ کام پوری احتیاط اور توجہ سے کرسکیں۔چنانچہ مَیں نے یہ تجویز اس وقت کے ایڈیشنل وکیل التبشیر مکرم مبارک ساقی صاحب کے سامنے پیش کی، لیکن انہوں نے اس بارہ میں کوئی خاص حوصلہ افزائی نہ کی۔لہذا مَیں نے اسے حضور انور کے سامنے پیش کر دیا، اور حضور انور نے اسے منظور فرما لیا۔اوراس کو وسیع طور پر ایک منصوبے کے طور پر جماعت کے سامنے پیش فرمایا جس میں افراد جماعت نے دل کھول کر چندہ دیا۔یوں رقیم پریس کا قیام عمل میں آیا۔

مشینوں کی خرید

حضور انور نے مجھے اس پریس کے لئے مشینری وغیرہ کے بارہ میں مفصل رپورٹ پیش کرنے کا ارشاد فرمایا۔اس کام کے لئے مَیں نے متعدد کمپنیوں کا رخ کیا اور کئی ایک پرنٹنگ کی نمائشوں میں بھی شرکت کی، حتی کہ جرمنی میں منعقدہ ایک نمائش میں بھی گیا۔ میرا طریق کار یہ تھا کہ کسی بھی کمپنی میں جاتا یا ان سے رابطہ کرتا تو ان کی مشین کی خصوصیات دریافت کرتا۔ پھر انہیں بتاتا کہ یہی مشین فلاں کمپنی میں کم قیمت پر مل سکتی ہے تو ہم آپ سے ہی یہ مشین کیوں لیں۔اس پر وہ اُس مشین کے بعض نقائص اور اپنی مشین کی بعض خصوصیات گنواتے۔ بکثرت ایسے تجارب سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ اچھی مشین کی کیا خصوصیات ہیں اور ہمیں کن خصوصیات کی حامل مشین کی ضرورت ہے۔لہذا بڑی سوچ بچار اور دیکھ بھال کے بعد ہم نے پرنٹنگ کے لئے ہائیڈل برگ کی مشین خریدی۔اسی طرح ایک مشین فولڈنگ کرنے والی بھی لی نیز دیگر کئی ضروری آلات کی خریداری کے بعد ہمارا پریس تیار ہو گیا۔

پریس کے لئے جگہ کا تعیّن

اسلام آباد میں چونکہ نئی بلڈنگ تعمیر کرنے کی اجازت نہ تھی اور بنی بنائی بلڈنگز میں کوئی جگہ پریس لگانے کے لئے مناسب نہ معلوم ہوتی تھی۔ بلکہ جہاں پر آج کل رقیم پریس قائم ہے اس جگہ کچن کے چولہے اور روٹی پلانٹ وغیرہ قائم تھا۔اس لئے یہ فیصلہ ہوا کہ یہ پریس ہالینڈ میں لگایا جائے۔حضور انور نے مجھے اس بات کا جائزہ لینے کے لئے ہالینڈ بھیجا۔ وہاں پریس لگانے کے لئے جگہ تو نہایت مناسب اور کھلی تھی لیکن دیگر امور کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ وہاں کاغذ، سیاہی، اور مشینوں کی مرمت انگلینڈ سے ڈیڑھ گنا زیادہ ہے۔ جب یہ بات حضور انور کے سامنے پیش کی گئی تو حضور نے فرمایا کہ اس صورتحال میں تو بہتر ہے کہ اسے اسلام آباد میں ہی لگایا جائے۔

ابتداء میں ہمیں پریس کے لئے وہ جگہ دی گئی جہاں آج کل کھانا پکانے کیلئے چولہے اور کچن قائم ہے۔مَیں نے کہا ہمیں تو دو تین کمرے چاہئیں جہاں ایک میں مشینری ہو، ایک میں پرنٹنگ

کے لئے پلیٹس تیار کرنے کا کام کیا جائے اور ایک کمرہ میں دیگر امور سرانجام دیئے جائیں۔لہذا پریس کی موجودہ جگہ سے کچن کو پریس کی مجوزہ جگہ پر منتقل کیا گیا اور موجودہ جگہ پریس کو دے دی گئی۔

’’رقیم پریس‘‘ نام رکھنے کی کہانی

ایک مجلس عرفان میں حضور انور نے فرمایا کہ اہل پاکستان جس طرح مشکلات کا شکار ہیں اور اپنے دین کی خاطر تکالیف برداشت کر رہے ہیں اس حالت میں وہ اصحاب کہف کے مشابہ ہیں۔اس مجلس عرفان میں مَیں نے عرض کیا کہ اب ہمارے پاس پریس قائم ہوگیا ہے جس میں ہم کتابیں شائع کریں گے۔ یوں اگر اہل پاکستان اصحاب الکھف ہیں تو ہم اصحاب الرقیم ٹھہرتے ہیں۔کیونکہ آیت قرآنی: اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا (الکھف:10) میں یہ دونوں اکٹھے مذکور ہوئے ہیں۔اس لئے حضور انور کی خدمت میں تجویز ہے کہ اس پریس کا نام رقیم پریس رکھ دیا جائے۔حضور انور کو یہ بات بہت پسند آئی چنانچہ اس پریس کا نام ’’رقیم پریس‘‘ رکھ دیا گیا۔

یورپ میں تبلیغی دورہ جات

مَیں نے 1985ء میں ناروے سے سپین تک تبلیغی دورہ کیا۔ناروے میں مجھے احمدی احباب نے بتایا کہ یہاں پر ایک عرب ویڈیو ٹیپس فروخت کرتا ہے اس کو تبلیغ کرنی چاہئے۔مَیں اس سے ملا اور میرا تاثر ہے کہ وہ شخص سعودی عرب کا ایجنٹ تھا۔یہ شخص وہاں سے ’’طائر الشمال‘‘ نامی ایک رسالہ بھی نکالتا تھا جس میں متحدہ عرب امارات پر سخت تنقید کرتا تھا شاید اس عرصہ میں دونوں ملکوں کے تعلقات اچھے نہ تھے۔

بہر حال مَیں اس سے مختلف امور کے بارہ میں بات کر رہا تھا کہ اس نے میری اجازت کے بغیر ہی ایک تصویر کھینچ لی۔ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ سعودی حکومت کی نگرانی میں یورپ سے شائع ہونے والے عربی مجلّہ ’’المسلمون‘‘ میں جماعت کے خلاف ایک مضمون شائع ہوا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی تصویر کے ساتھ میری وہ تصویر چھپی جو اس شخص نے

ناروے میں لی تھی۔اس بات سے میرا تاثر ہے کہ شاید وہ سعودی عرب کے لئے کام کرتا تھا۔

ابن الوقت کا چیلنج اور وقت کا جواب

اس سعودی ایجنٹ نے مجھے کہا تھا کہ مَیں تمہیں چیلنج کے ساتھ کہتا ہوں کہ نہ صرف اوسلو بلکہ پورے ناروے میں ایک بھی عربی شخص تمہاری احمدیت کی اس دعوت کو قبول نہیں کرے گا۔
شاید کہ وہ ابھی زندہ ہو اور جماعت کی اس عظیم الشان ترقی کو دیکھ رہا ہو، عربوں کا اس طرح بکثرت احمدیت کو قبول کرنے میں اس شخص کے چیلنج کا کافی وشافی جواب آ گیا ہے۔
اس کے بعد مَیں سویڈن اور ڈنمارک گیا۔ وہاں پر مجھے احمدیوں نے کہا کہ ہم عربوں سے رابطہ کرتے ہیں اور وہ ہمارے پروگراموں میں آنے کا وعدہ بھی کرتے ہیں لیکن عملاً آتے نہیں ہیں۔اس سلسلہ میں انہوں نے ایک عرب باشندہ کا ذکر کیا۔ جب مَیں اس کے گھر گیا تو مجھے بھی یہی پیغام ملا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہے۔ان امور کی روشنی میں مجھے ایسے لگا کہ جیسے عربوں کو کسی خاص جہت سے احمدیت سے دور رہنے کی تلقین کی جارہی ہے۔لیکن جب اس کے بعد مَیں جرمنی گیا تو میرا یہ تأثر غلط ثابت ہوا اور وہاں تمام سلفی مولوی اور اخوان المسلمین اور بڑی داڑھیوں والے جمع ہو گئے۔لیکن کچھ دیر کے بعد پتہ چلا کہ وہ سب منظّم طور پر مجھ پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ انہوں نے جب اس کثرت سے اعتراضات کرنے شروع کئے تو مَیں نے کہا کہ آپ باری باری سوال کریں،مَیں آپ کے ہر چھوٹے بڑے اعتراض کا جواب دوں گا لیکن سب کا ایک ہی دفعہ جواب دینا میرے لئے ناممکن ہے۔ مجھے یاد ہے کہ اس بات کا ان پر بہت اثر ہوا اور یہ مجلس ایک اچھے اثر کے ساتھ ختم ہوئی۔
اس حوالے سے مجھے ایک اور واقعہ یاد آرہا ہے ۔ 1997ء میں حضور انور نے مجھے جرمنی کے تبلیغی دورہ پر بھیجا وہاں ایک جلسہ میں مجھے دو افریقی نوجوان ملے جو بہت اچھی عربی بولتے تھے۔میرا طریق یہ ہوتا تھا کہ مَیں پہلے کچھ وقت جماعت احمدیہ کے عقائد کی بابت عمومی طور پر لیکچر دیتا تھا اس کے بعد لوگوں کو سوال کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ان دونوں نوجوانوں نے میرے لیکچر کے دوران گڑ بڑ کرنے کی کوشش کی۔ پھر سوالوں کے وقفہ کے دوران بھی مجھے تنگ کرنے اور تمام پروگرام کو خراب کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ یہاں مَیں نے تعلیم بالغاں کے

بارہ میں مصر میں لی گئی ٹریننگ کو استعمال کیا۔مَیں ان کے بعض اعتراضات کے جواب میں کہتا کہ یہ تمہارا اعتراض نہایت اہم اور بنیادی حیثیت کا حامل ہے لیکن افسوس کہ ہمارا آج کا موضوع کچھ اور ہے۔اور کسی اعتراض کے جواب میں ان کی تعریف کرتا اور کہتا کہ یہ ایک عاقل اور پڑھے لکھے انسان کا حق ہے کہ اس طرح کا سوال کرے اور مَیں تھوڑی دیر میں اس کے جواب کی طرف آتا ہوں۔اور کبھی یہ کہتا کہ حق کے متلاشی کا فرض بنتا ہے کہ ان امور کی بابت پوچھے اور اپنے تمام تر خدشات کو پیش کرے وغیرہ۔اس ٹیکنیک کو استعمال کر کے مَیں نے ان کو کافی حد تک نارمل کر لیا اور ہمارا جلسہ بھی خراب ہونے سے بچ گیا نیز ایک ایک کر کے ان کے اعتراضات کا شافی جواب بھی دے دیا گیا۔

جب مَیں کچھ دنوں کے بعد ایک اور شہر میں اسی طرح کے تبلیغی جلسہ میں گیا تو یہ دونوں وہاں پر بھی موجود تھے۔یہاں بھی انہوں نے اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا۔لیکن پہلی بار سے بہت مختلف تھا۔بلکہ ان کے رویے میں خاصی تبدیلی تھی۔

جلسہ کے بعد مَیں نے ان سے پوچھا کہ انہوں نے اتنی اچھی عربی کہاں سے سیکھی ہے تو انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے ملک سے سکالرشپ پر ازھر میں پڑھنے کے لئے آئے تھے اور پڑھائی مکمل کرنے کے بعد یہاں آگئے ہیں۔مَیں نے کہا کہ پڑھنے کے بعد تو آپ کو اپنے وطن واپس جانا چاہیئے تھا تا اس کی خدمت کر سکیں جس نے ایک خطیر رقم آپ کی پڑھائی پر خرچ کی تھی۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں یہی کہا گیا کہ جرمنی چلے جاؤ وہاں پر اچھا کام تمہارے لئے موجود ہے۔

مَیں نے ان سے یہ تو نہ پوچھا کہ ایسا کس نے کہا تھا، تاہم مجھے اندازہ ہو گیا کہ شاید ان کو بعض مخصوص اداروں نے جماعت احمدیہ کا سد باب کرنے کے لئے یہاں بھیجا ہے، تبھی تو وہ جماعت کے ہر جلسہ میں موجود ہوتے ہیں۔

عربی رسالہ ’’اَلتَّقویٰ‘‘ کا اجراء

عربوں میں تبلیغ کا جو ہم نے منصوبہ پیش کیا تھا اس میں ایک عربی رسالہ کا اجراء بھی شامل تھا۔ابھی اس پر تفصیلی بحث اور غور وفکر نہیں ہوا تھا کہ اردن میں ایک صحافی (شاید اس کا نام

ابوناب تھا) نے چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کے بارہ میں ایک بہت اچھا مضمون لکھا جس میں آپ کی خدمات کو سراہا۔ مکرم طٰہٰ قزق صاحب (صدر جماعت اردن) نے ان سے رابطہ کیا اور جماعت کی تبلیغ کی، جس کی بناء پر اس شخص نے قبول احمدیت کا عندیہ دیا۔ ازاں بعد یہ شخص جماعتی خرچ پر لندن آیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے کمال شفقت سے اسے شوریٰ کے اجلاس میں اپنے ساتھ بٹھایا۔ یہاں سے بھی حضور انور کی عربوں سے خاص محبت اور ان میں تبلیغ کے ایک جوش کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال اس صحافی کے لندن میں قیام کے دوران مَیں نے عربی رسالہ کے اجراء کے بارہ میں بات کی۔ اس نے کہا کہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ لیکن اس کے لئے ابتدائی طور پر ہمیں مختلف ملکوں میں اپنے نمائندے مقرر کرنے ہوں گے۔ علاوہ ازیں دیگر انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے شروع میں کم از کم ایک لاکھ پونڈز کی رقم تو لازمی چاہیئے ہوگی۔ مجھے اس کی اس بات پر ہنسی بھی آئی لیکن مَیں نے اس کی بات جوں کی توں حضور انور تک پہنچا دی ساتھ یہ بھی عرض کی کہ مجھے اس سے بات کرتے ہوئے شرح صدر نہیں ہوا کہ یہ شخص مخلص ہے بلکہ یوں لگتا ہے کہ شاید مفاد پرست ہے اور محض کچھ فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ حضور بھی ہنس دیئے اور اس شخص سے اس بارہ میں مزید کوئی بات نہ ہوئی۔

ازاں بعد مجلّہ التّقویٰ کا قیام تو عمل میں آگیا۔ اور کچھ عرصہ بعد جب حلمی الشافعی صاحب لندن منتقل ہو گئے تو انہوں نے اس کی ادارت کے فرائض بخوبی سرانجام دیئے اور ان کے بعد بھی اب تک یہ سلسلہ بفضل خدا احسن طریق پر جاری وساری ہے۔

خلافت رابعہ کے بارہ میں رؤیا

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے زمانے کی بات ہے کہ مَیں نے ایک رؤیا دیکھا جسے مَیں نے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کو بھی سنایا۔ ایک دفعہ مجھے ان کے ساتھ واشنگٹن تک ہوائی سفر کرنے کی توفیق ملی۔ چوہدری صاحب کھڑکی والی سیٹ پر تھے اور مَیں ان کے ساتھ۔ مَیں نے عرض کیا کہ چوہدری صاحب مَیں نے ایک خواب دیکھی ہے اور آپ سے اس کی تعبیر پوچھنا چاہتا ہوں۔ مَیں نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک بڑا ہجوم ہے اس کی قیادت ایک نوجوان شخص کر رہا ہے جس کی سیاہ داڑھی ہے اور بڑا پر ہیبت اور جلالی چہرہ ہے۔ اس ہجوم میں

ایک شخص مجھے کہتا ہے جانتے ہو یہ کون ہے؟ یہ خلیفہ ہے۔مَیں خواب میں حیران ہو کر کہتا ہوں کہ مَیں خلیفۂ وقت کو جانتا ہوں وہ بڑی عمر کے ہیں جبکہ یہ شخص نوجوان ہے۔ان کی داڑھی سفید اور لمبی ہے جبکہ اس کی سیاہ اور چھوٹی ہے۔مَیں ابھی اسی سوچ میں ہی تھا کہ اس شخص نے مجھے مخاطب ہو کر کہا تمہیں معلوم ہے اس کا نام کیا ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا: اس کا نام عبد الحق ہے۔پھر یہ شخص تو غائب ہو جاتا ہے اور خواب میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب میرے سامنے آجاتے ہیں اور فرماتے ہیں:

You know Mustafa, God has been so Gracious to me, he gave me life till I saw four khulafaa.

یعنی مصطفیٰ صاحب! کیا آپ کو علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ خاص مہربانی فرمائی ہے کہ اس نے مجھے اتنی زندگی دی ہے کہ مَیں نے چار خلفاء دیکھ لئے ہیں۔

اس کے بعد ہم ایک جگہ پہنچتے ہیں جہاں چوہدری صاحب فرماتے ہیں کہ مَیں نے تو یہاں پر سونا ہے لہٰذا آپ آگے اپنا سفر مکمل کریں۔

جب مَیں یہ رؤیا حضرت چوہدری صاحب کی خدمت میں بیان کر رہا تھا تو پہلے آپ بڑی توجہ سے اس کو سن رہے تھے اور بار بار میری طرف دیکھتے تھے لیکن جب چار خلفاء کا ذکر آیا تو آپ نے جہاز کی کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔مَیں نے پورا رؤیا بیان کرنے کے بعد پوچھا: چوہدری صاحب آپ کا اس رؤیا کے بارہ میں کیا خیال ہے؟ آپ نے میری جانب دیکھا اور دوبارہ کھڑکی کی طرف منہ پھیر لیا۔مَیں نے دوبارہ عرض کیا: چوہدری صاحب چار خلفاء کا کیا معنی ہو سکتا ہے؟ آپ نے ذرا غصہ سے میری طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: Allah knows یعنی اللہ بہتر جانتا ہے۔آپ کے طریق جواب سے مجھے یہی سمجھ آئی کہ آپ اس بارہ میں مزید بات کرنا پسند نہیں فرماتے۔لہٰذا میں خاموش ہو گیا۔

جب حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفہ رابع منتخب ہوئے تو آپ کی عمر بھی خلیفہ ثالث سے کم تھی اور داڑھی بھی سیاہ اور نسبتاً چھوٹی تھی، نیز چوہدری ظفر اللہ خان صاحب خلافت رابعہ کے دور تک حیات رہے اور اس کے بعد ان کی وفات ہوگئی جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ابھی تک یہ سفر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

ایک عجیب اتفاق

خاکسار (طاہر ندیم) عرض کرتا ہے کہ مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب نے جب اس رؤیا میں حضرت خلیفہ رابعؒ کا نام ''عبدالحق'' بیان کیا تو خاکسار سوچنے لگا کہ کس طرح اس کا تعلق حضرت خلیفہ رابعؒ کی ذات سے ہوسکتا ہے۔اس کا ایک واضح تعلق تو A Man of God کی صورت میں سامنے آیا۔ پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ حساب جمل میں اس کی عددی قیمت دیکھی جائے۔ چنانچہ ان کے اس رؤیا کے بیان کرنے کے دوران ہی خاکسار نے جب یہ حساب کیا تو یہ جان کر حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ ''عبدالحق'' کے اعداد 215 ہیں اور خلیفہ رابع کے نام ''طاہر'' کے اعداد بھی بعینہ 215 ہی بنتے ہیں۔تو گویا اس رنگ میں بھی چوتھے خلیفہ کے نام کی طرف اس رؤیا میں اشارہ موجود تھا۔الحمد للہ۔

خاکسار نے جب مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کو اس بابت بتایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس رؤیا کے بعد اس نکتہ کا بیان بھی قارئین کے لئے کر دیں تو دلچسپی کا باعث ہوگا۔

کیمبرج میں ایک عجیب واقعہ

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کا کیمبرج یونیورسٹی میں خطاب تھا۔ وہاں کچھ عرب طلبہ بھی موجود تھے۔شاید وفات مسیح پر بات ہو رہی تھی اور آیت اٰوَیْنٰهُمَآ اِلٰی رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ (مومنون : 51) کے ضمن میں حضور آوٰی کے معنے بیان فرما رہے تھے کہ اس دوران ایک عرب نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ معنے درست نہیں ہیں، بلکہ آیت کے منطوق کے خلاف ہیں۔ساتھ ہی اس نے کوئی ایسا انوکھا مفہوم بیان کیا کہ آیت کے الفاظ جس کے متحمل نہ تھے۔حضور نے فرمایا کہ عربی لغت کے مطابق یہی درست معنی ہیں جو مَیں نے کئے ہیں۔اس پر اس نے کہا آپ عجمی ہیں آپ کو عربی لغت کا کیا پتہ۔ ہم عرب ہیں ہم ان الفاظ کے معنی بہتر سمجھتے ہیں۔حضور نے فرمایا کہ یہاں پر ایک اور بھی عرب بیٹھے ہیں ان سے بھی پوچھ لیتے ہیں۔ اس پر حضور نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا کوئی عرب اس آیت کے یہ معنی بھی کرتا ہے جن پر یہ عربی دوست اصرار کر رہے ہیں؟مَیں کھڑا ہوا اور اس سوال کے جواب میں تھوڑی

دیر خاموش رہنے کے بعد عرض کیا کہ ’’جی حضور کرتا ہے‘‘۔ میرے اس جواب پر سارے ہال میں خاموشی چھا گئی۔ اس پر مَیں نے اپنے جواب کو مکمل کرتے ہوئے کہا کہ ’’اگر وہ عربی جاہلِ مطلق ہو‘‘۔ یہ سننا تھا کہ پورا ہال قہقہوں سے گونج اٹھا۔

عربی زبان میں ترجمہ و تالیف کی توفیق

شروع میں مجھے حضور انور کے خطبات کا عربی ترجمہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی جو مصر اور دیگر ممالک میں ارسال کئے جاتے تھے۔ تالیف کا کام سب سے پہلے حلمی الشافعی صاحب نے شروع کیا۔ انہوں نے اسراء و معراج اور جنّوں کی حقیقت پر مبنی دو کتابچے تالیف فرمائے۔ وہ باوجود اپنے گہرے علم کے مجھ سے بھی مشورہ کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ یہ کتب شائع ہو چکی ہیں، اب مَیں نے یہ دونوں کتب نظر ثانی اور بعض اضافوں کے ساتھ دوبارہ تیار کی ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت پر کتاب السیر ۃ المطہرۃ کی تالیف کی خاکسار کو توفیق ملی ہے۔

خلیفہ رابعؒ کی کتاب....Rationality کا عربی ترجمہ

جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی کتاب ریشنلٹی (....Rationality) چھپی تو میرے دل میں اس کا عربی ترجمہ کرنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ اور مجھے دل ہی دل میں یہ خدشہ بھی دامنگیر ہوا کہ اگر مَیں نے جلدی نہ کی تو شاید کوئی اس کا عربی ترجمہ کرنے میں مجھ سے سبقت لے جائے گا۔ لہذا مَیں نے پہلی فرصت میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے اس کے عربی ترجمہ کی اجازت لے لی۔ حضور انور نے نہ صرف اجازت مرحمت فرمائی بلکہ دعا بھی کی۔ مَیں نے یہ کتاب ابھی تک نہ پڑھی تھی۔ جب ترجمہ شروع کیا بے اختیار میرے منہ سے نکلا کہ یہ مَیں کیا کر بیٹھا۔ مَیں اس کتاب کے مضامین اس کی فلسفیانہ اصطلاحات اور اس طرح کی اعلیٰ درجہ کی فصیح و بلیغ انگریزی سے نابلد تھا۔ ہر پیرا اور ہر سطر اور ہر لفظ پر مجھے رک کر کئی ڈکشنریاں دیکھنی پڑتی تھیں۔ مَیں نے کہا کہ اے خدایا اب کیا کروں؟ کیا مَیں دوبارہ خلیفۂ وقت کے پاس جاؤں اور عرض کروں کہ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ یہ بھی ادب کے خلاف ہے۔ لہٰذا اب میری مدد

فرما۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا کچھ ایسا فضل ہوا کہ بعض اوقات میں ایک دن میں دس صفحات کا ترجمہ کر لیتا تھا۔ اب مَیں یہ ترجمہ پڑھتا ہوں تو مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ مَیں نے کیا ہے۔ اس حوالے سے مَیں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جب کسی کام کے بارہ میں خلیفہ وقت کا ارشاد، آپ کا مشورہ اور دعا شامل ہو جاتی ہے تو اس میں خدا تعالیٰ غیر معمولی طور پر آسانیاں پیدا فرما دیتا ہے۔ اس لئے احباب جماعت کو چاہئے کہ اپنی نیک مہمات میں ہمیشہ خلیفۂ وقت سے دعائیں لیں تا کہ برکت پڑے اور آسانیاں پیدا ہو جائیں۔

خلیفہ رابعؒ کی وفات کے بارہ میں رؤیا

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حضور بیمار ہیں اور اس بیماری کی شدت کی وجہ سے گر پڑتے ہیں۔ چند لوگ آپ کو اٹھاتے ہیں اور بعد میں کہتے ہیں کہ آج کے بعد تم حضور کو دوبارہ نہیں دیکھو گے۔

پھر جب حضور کی وفات ہوئی تو مجھے یہ رؤیا یاد آ گیا اور اس کی تعبیر بھی سمجھ آ گئی۔

خلیفہ رابعؒ کی وفات اور خلافت خامسہ کا انتخاب

مَیں نے کینیڈا میں ایم ٹی اے کے ذریعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی وفات اور خلافت خامسہ کے انتخاب کے مناظر دیکھے۔ جب مجھے پاکستان سے آنے والے بزرگان کے ناموں کے بارہ میں علم ہوا تو میرے دل میں بڑی قوت سے یہ احساس پیدا ہوا کہ آئندہ خلیفہ حضرت مرزا مسرور احمد صاحب ہیں۔ حالانکہ مَیں ان کو بالکل نہیں جانتا تھا۔ نہ ان سے کبھی ملا، نہ اس سے قبل ان سے بات ہوئی۔ لیکن ایک ملاقات میں حضور انور نے خود فرمایا کہ مَیں حضور سے غانا میں ملا تھا۔ مجھے اتنا تو یاد ہے کہ مجھے ایک دفعہ عبد الوہاب آدم صاحب امیر جماعت غانا نے ایک گھر کی طرف اشارہ کر کے بتایا تھا کہ یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان سے ایک شخصیت رہائش پذیر ہے۔ لیکن مجھے حضور کا نام، آپ کی شکل وصورت، آپ سے ملاقات وغیرہ کچھ بھی یاد نہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ سے پہلی ملاقات

امیر جماعت احمدیہ ماریشس نے لندن میں مجھے اپنی جماعت کے جلسہ میں شمولیت کی دعوت دی تھی چنانچہ اس دعوت پر مَیں ان کے اُس جلسہ میں شامل ہوا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز پہلی مرتبہ شامل ہوئے تھے۔اس موقعہ پر مجھے حضور انور کے ساتھ ملاقات کرنے کی سعادت نصیب ہوئی جو کہ میری حضور انور کے ساتھ پہلی ملاقات تھی۔جب مَیں حضور انور کے سامنے جا کر بیٹھا تو حضور کے پاس میرا مضمون ’’ اللہ تعالیٰ کس طرح خلیفہ بناتا ہے‘‘ پڑا ہوا تھا (یہ مضمون انگریزی اور عربی دونوں زبانوں میں لکھا گیا ہے)۔ مَیں نے عرض کیا کہ مَیں نے اس میں کچھ اضافے کئے ہیں۔حضور انور نے وہ اضافے ارسال کرنے کا مجھے ارشاد فرمایا۔ جب مَیں ملاقات کے بعد باہر نکلا تو میرے دوست نے جو کینیڈا سے میرے ساتھ آئے تھے مجھ سے میرے تاثرات کے بارے میں پوچھا۔مَیں نے اسے جواب دیا کہ مَیں ایسے محسوس کر رہا ہوں کہ جیسے ہوا کے دوش پر سوار ہوں اور اڑا جا رہا ہوں۔

اَلْحِوَارُ الْمُبَاشَر

اَجْوِبَة عَنِ الْاِیْمَان کے عنوان سے میری کتاب اور پروگراموں کی ایک سیریز کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ جب یہ پروگرام چلنے شروع ہوئے تو اس پر ہمیں بہت زیادہ Response ملنا شروع ہوا جس کی وجہ سے محمد شریف عودہ صاحب امیر جماعت کبابیر نے مجھ پر بہت دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ مَیں حاضر ہوں اور کوئی لائیو پروگرام اس حوالے سے شروع کیا جائے۔حتی کہ بالآخر انہوں نے کہا کہ اب مَیں نے آپ کا کوئی جواب نہیں سننا لہٰذا اس دفعہ آپ لندن آجائیں۔ چنانچہ مجھے آنا پڑا۔ یہ مارچ 2006ء کی بات ہے۔مَیں نے لندن آتے ہوئے جہاز سے کچھ کھایا جس کی وجہ سے مجھے اسہال کی شکایت ہوگئی اور اگلے دن اس قدر ضعف اور طبیعت خراب ہوئی کہ جمعرات کو پروگرام نہ ہوسکا۔میری اس حالت کے پیش نظر مکرم تمیم ابودقہ صاحب کو اردن سے بلوایا گیا نیز عربک ڈیسک سے مکرم عبد المؤمن طاہر صاحب کو بھی شامل کیا گیا۔ اگلے دن پروگرام کے وقت خدا کے فضل وکرم سے میری صحت بھی ٹھیک ہوگئی یوں اس پروگرام

کا (جو کہ چند ماہ سے جاری تھا اور اس میں عموماً ایک میزبان اور ایک مہمان ہوا کرتا تھا) انداز بدل گیا اور اس میں دو عرب مہمان اور ایک عربک ڈیسک کا ممبر شامل ہونے لگے۔ یہ الحوار المباشر کے نام سے پہلا پروگرام تھا۔

میرے خیال میں عربوں میں تبلیغ کے سلسلہ میں اس پروگرام کو ایک بڑا Turning Point کہا جاسکتا ہے۔اس پروگرام میں ازہر کے ایک عالم نے بھی بات کی۔ اسی طرح ایک عیسائی پادری نے بھی فون کال کے ذریعہ بات کی۔اوردن بدن یہ پروگرام ترقی کی منازل طے کرتا چلا گیا۔

قصہ ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری کا

میرا ایک مصری دوست تھا جس کا تعلق اخوان المسلمین سے تھا۔ پچاس کی دہائی میں میرا اس سے تعارف ہوا۔ جب اسے پتہ چلا کہ مَیں احمدی ہو گیا ہوں تو ادھر ادھر سے سن کے اس نے بھی مکرم محمد بسیونی صاحب صدر جماعت کے پاس جا کر بیعت کر لی۔لیکن دراصل اس کا مقصد یہ تھا کہ اس نے کہیں سے غلط پروپیگنڈہ سنا تھا کہ جماعت بیعت کرنے والے کو مال دیتی ہے۔ چنانچہ جب وہ احمدی ہوئے تو انہیں معلوم ہوا کہ یہاں سے لینے کی بجائے چندہ دینا پڑتا ہے۔لہذا یہ احمدیت چھوڑ گئے۔لیکن اس عرصہ میں کئی دفعہ عیسائیوں کے ساتھ میری بحث میں شامل ہوئے۔اس لئے انہیں علم تھا کہ میرے پاس اس بارہ میں کچھ معلومات ہیں۔اس کے بعد ساٹھ کی دہائی میں یہ قید ہو گئے اور بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ازاں بعد صدر سادات کے زمانے میں ان کی رہائی ہوئی تو انہوں نے اپنا دارالنشر کھول لیا۔ جب عیسائی پادری نے اسلام اور نبیؐ اسلام کے بارہ میں توہین آمیز پروگرام شروع کئے تو یہ دوست کہتے ہیں انہوں نے کہا کہ اس پادری کا جواب صرف ایک شخص دے سکتا ہے اور اس کا نام مصطفیٰ ثابت ہے۔ انہوں نے مجھے تلاش کرنے کی بھی کوشش کی لیکن مَیں مصر میں نہیں تھا۔ پھر ہمارے مصری احمدی مکرم عمرو عبد الغفار صاحب کے ذریعہ ان سے رابطہ ہوا۔اس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میری کتاب اَجْوِبَة عَنِ الْاِیْمَان کی اپنے دارالنشر سے اشاعت کرے۔اس نے جب اس کتاب کا مطالعہ کیا تو ہمارے ایک پروگرام الحوار المباشر میں فون

کال کے ذریعہ کہا کہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری ایک مقالے پر دی جاتی ہے اور میرا خیال ہے کہ اس کتاب کا ہر ایک باب اس قابل ہے کہ اس پر مؤلف کو اعزازی ڈگری دی جائے۔ گو کہ ڈگری دینا تو یونیورسٹیوں کا کام ہوتا ہے لیکن میرے دارالنشر میں بڑے بڑے ادیبوں اور منجھے ہوئے قلمکاروں کی کتب چھپتی ہیں ان میں سے ایک بڑی تعداد کی یہی رائے ہے اور ہم سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ کتاب أجوبۃ عن الإیمان کے مصنف کو اپنی طرف سے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دیں۔ گو کہ اس ڈگری کی کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن یہ ہماری طرف سے جذبات کا اظہار ہے جس کو ہم روک نہیں سکتے۔

چنانچہ جب یہ کتاب اس دارالنشر سے شائع ہوئی تو اس نے میرے نام کے ساتھ ’’الدکتور‘‘ کے لفظ کا اضافہ کر دیا۔

ایم ٹی اے 3 العربیہ نائل سات پر

تقریباً دو سال قبل ایم ٹی اے العربیہ کی نشریات نائل سات پر جانے لگیں جس کے بارہ میں مَیں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک خواب سے بھی بڑھ کر بات تھی۔ اتنی جلدی اور اس شان سے اس خواب کا حقیقت میں بدل جانا اتنا عظیم الشان اثر لئے ہوئے تھا کہ اس کا بیان میرے لئے ناممکن ہے۔ نائل سات پر تمام عرب چینلز آتے ہیں اور ان کے ساتھ ایم ٹی اے العربیہ کے آنے کا مطلب تھا کہ اب احمدیت عرب دنیا میں گھر گھر پہنچنے لگی تھی۔ لیکن اس کا سب سے زیادہ اثر عیسائیوں پر ہوا اور انہوں نے حکومتی سطح پر دباؤ ڈال کے ہمارے چینل کی نشریات نائل سات سے بند کروا دیں۔ لیکن اس کا بھی جماعت کو بہت فائدہ ہوا۔ کیونکہ لوگوں نے ایم ٹی اے کی نشریات کو سراہا اور اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے دفاع کو بہت قدر کی نظر سے دیکھا اور جب ہمارا چینل بند ہوا تو ان پر اس کی اہمیت اور بھی نمایاں ہو کر سامنے آئی لہٰذا اس کے بند ہونے کے بعد بکثرت بیعتیں ہوئیں۔

نائل سات پر ہمارا چینل بند ہونے کے وقت الحوار المباشر میں کالرز کی تعداد بعض اوقات 100 تک پہنچ جاتی تھی۔ اور یہ محض خدا تعالیٰ کے فضل سے ممکن ہوا تھا۔

اب ہم دوبارہ نائل سات پر ہیں لیکن ابھی لوگوں کو اس کا صحیح طور پر علم نہیں ہوا اس لئے فی

الحال کالرز کی تعداد کم ہے۔(بعد میں یہ کیفیت جاتی رہی اور بفضلہٖ تعالیٰ عربوں کی بڑی بھاری اکثریت ایم ٹی اے العربیہ دیکھ رہی ہے۔ندیم)

وَسِّعْ مَکَانَکَ کا ایک نظارہ

ہم ابھی پچھلے سال تک نماز جمعہ صدر جماعت مصر ڈاکٹر حاتم حلمی الشافعی صاحب کے گھر پر ادا کرتے تھے۔ جمعہ کی نماز ہم ان کے سٹنگ روم میں ادا کرتے تھے۔نمازیوں کی تعداد پانچ یا چھ سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ پھر یوں ہوا کہ پروگرام الحوار المباشر کے شروع ہونے کے ساتھ ہی یہ تعداد بڑھنی شروع ہوئی اور ڈاکٹر حاتم صاحب کا سٹنگ روم کم پڑنے لگا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد کچھ لوگ سٹنگ روم میں ہوتے اور کچھ دوسرے کمرے میں۔ پھر یہ تعداد بفضلہٖ تعالیٰ اس قدر بڑھی کہ ڈاکٹر صاحب کو ہر جمعہ اپنی ڈائننگ ٹیبل کھول کر کہیں اور منتقل کرنی پڑتی تھی ورنہ نمازیوں کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی تھی۔اس صورتحال کے پیش نظر خاکسار نے حضور انور سے مصر میں جماعت کے لئے ایک مکان خریدنے کی تجویز پیش کی اور حضور انور کی منظوری سے یہ مکان خرید لیا گیا۔اب خدا کے فضل سے نماز جمعہ پر حاضر ہونے والوں کی تعداد کم وبیش 100 یا اس سے زائد ہی ہوتی ہے۔الحمد للہ علیٰ ذلک۔

ہمارے چینل کی مقبولیت کی ایک مثال

ہمارے چینل کی مقبولیت کی ایک جھلک اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اکثر اوقات جب مَیں مصر جاتا ہوں تو ریلوے سٹیشن پر یا دیگر مقامات پر لوگ مجھے پہچان لیتے ہیں اور آ کر بتاتے ہیں کہ ہم MTA دیکھتے ہیں اور آپ کو جانتے ہیں۔کئی دفعہ ایسا ہوا کہ ہم ٹیکسی پر سوار ہو کر کہیں گئے تو ٹیکسی ڈرائیور نے کہا کہ مَیں آپ کو جانتا ہوں کیونکہ مَیں آپ کے پروگرام بڑے شوق سے دیکھتا ہوں۔

ایک دفعہ ہم پارکنگ میں اپنی گاڑی کھڑی کر کے نکلے تو پارکنگ کے گارڈ نے مجھے پہچان لیا۔اس بات سے مجھے بہت خوشی ہوئی کہ الحمد للہ اب عام لوگوں تک بھی احمدیت کی تبلیغ پہنچ رہی ہے۔اور وہ ایک خاص کوشش اور شوق کے ساتھ ہمارے پروگرام مزد یکھتے ہیں۔

نئے پروگرامز کی ریکارڈنگ

عیسائیوں نے اسلامی لٹریچر میں عذاب قبر کے بارہ میں روایات کو لے کر کئی پروگرام پیش کئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ محض خرافانہ خیالات کا مجموعہ ہے۔ گو کہ یہ موضوع اتنی زیادہ اہمیت کا حامل نہ تھا کہ دیگر اہم مضامین سے قبل اس کو شروع کیا جاتا لیکن عیسائیوں نے اس کو اسلام پر اعتراضات کا ذریعہ بنا لیا بلکہ ان امور کو ایک مضحکہ خیز انداز میں پیش کیا۔ چنانچہ میں نے اس موضوع پر ''أسئلة جريئة'' کے نام سے پروگراموں کا ایک سلسلہ ریکارڈ کیا ہے جو آجکل ایم ٹی اے پر چل رہا ہے۔ اس میں اسلامی نقطہ نگاہ سے عذاب قبر کی حقیقت کے علاوہ بائبل میں عذاب قبر کی خرافانہ حکایتوں کا بیان بھی ہے۔ الحمد للہ یہ پروگرام بہت پسند کیا جا رہا ہے اور مجھے اطلاع ملی ہے کہ مصر کے ایک شہر میں (جس کا میں نام نہیں لینا چاہتا) اس پروگرام کو ریکارڈ کر کے لوگ بانٹتے پھر رہے ہیں۔

مستقبل کے منصوبے

میری خواہش ہے اگر خدا تعالیٰ مجھے عمر، صحت اور توفیق عطا فرمائے تو مَیں تین کتابیں لکھنا چاہتا ہوں۔ ایک کفّارہ کے بارہ میں، ایک تثلیث کے بارہ میں اور ایک تجسد یعنی خدا تعالیٰ کے انسانی جسم میں ظہور کے بارہ میں۔ علاوہ ازیں میری خواہش ہے کہ بائبل کے تناقضات پر مشتمل ایک کتاب بھی تالیف کروں۔ اس سلسلہ میں میری دعا کی بھی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (مختلف ٹی وی پروگرامز کی بناء پر مرحوم یہ منصوبے مکمل نہ کر سکے۔ ندیم)

میرا پیغام

میرا یہ پیغام خصوصی طور پر اہل مصر کے لئے ہے کیونکہ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا ان کا تعلق مصر سے تھا۔ اسی طرح شام اور عراق کے عربوں کے لئے بھی ہے کیونکہ یہاں کے مسلمان حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کی سازش میں شریک تھے، میں ان کو

مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ اے اہل مصر و شام و عراق! تمہارے آباء واجداد کی غلطی کی وجہ سے اسلام سے نظام خلافت کا خاتمہ ہوا تھا۔ آج تم ان کی نسل ہونے کے ناطے اپنے آباء واجداد کی غلطی کا ازالہ کر سکتے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق خلافت راشدہ دوبارہ قائم ہو چکی ہے آؤ اور اس کے خادم بن کر اس کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہو جاؤ۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ دائمی ہے۔ اس نے تو قائم اور جاری وساری رہنا ہے لیکن اگر ہم اس کی تائید میں کھڑے ہو جائیں گے اور اس کی حفاظت پر کمر بستہ ہو جائیں گے تو شاید یہ کسی رنگ میں ہمارے آباء واجداد کی غلطی کے ازالہ کا سبب بن جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اہل عرب کو اس کی جلد از جلد توفیق عطا فرمائے، آمین۔

مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کی وفات

سلسلہ کے یہ قدیم، مخلص اور ممتاز مصری عرب احمدی مورخہ 5/اگست 2010ء کو لندن کے ایک ہسپتال میں وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ عربوں میں تاریخ احمدیت کا ایک روشن باب تھے۔

ذکر خیر بزبانِ حبیب

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ فرمودہ 6/اگست 2010ء میں آپ کا ذکر خیر فرماتے ہوئے فرمایا:

''آج ایک افسوسناک خبر بھی ہے۔ مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب جو ہمارے مصری احمدی تھے کل ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ ان کی نمازِ جنازہ تو انشاء اللہ غالباً سوموار کے دن پڑھائی جائے گی۔ لیکن ان کے بعض کوائف پیش کرتا ہوں۔ فروری 1936ء میں مصر میں ان کی پیدائش ہوئی۔ اس لحاظ سے تقریباً 74 سال عمر بنتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ 1971ء سے کینیڈا میں تھے۔ 1955ء میں ان کی بیعت ہوئی تھی۔ ۔۔۔ ایک خاص جوش اور ولولہ جماعتی خدمات کا یہ رکھتے تھے۔ عربوں کے لئے

آڈیوکیسیٹ تیار کرتے رہے۔ایم ٹی اے کے لئے بہت سارا مواد انہوں نے تیار کیا ہوا ہے۔ ان کے پروگرام کئی آ چکے ہیں۔ مالی قربانی میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ انہوں نے اپنی بہت ساری بڑی بڑی رقمیں جماعت کے لئے پیش کیں۔ان کے بارہ میں ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے یہ فرمایا تھا کہ مَیں نے ایک دفعہ حساب کیا، یہ اپنی آمد کا ستر (70) فیصد چندوں میں ادا کر دیا کرتے تھے۔ بہت زیادہ مالی قربانی کرنے والے تھے۔ پرنٹنگ پریس لگانے کے لئے انہوں نے مرکز میں خرچ کیا اور مصر میں دارالتبلیغ میں بھی اور کئی کتب انہوں نے تصنیف کی ہیں ''أجوبة عن الإيمان، الإسلام الدين الحى،المعجزه الفلكية، السيرة المطهره، دلائل صدق الأنبياء'' اور اسی طرح حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خاں صاحبؓ کی ایک کتاب جو ہے حضرت خلیفہ الاوّلؓ نور الدین اس کا ترجمہ کیا ہے عربی میں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی کتاب "Revelation,Rationality, Knowledge & Truth" کا ترجمہ کیا۔ Five Volume کی کمنٹری کی پہلی جلد کا انہوں نے ترجمہ کیا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ہجرت کی تو یہ بھی یہاں آ گئے تھے تو انہوں نے اشاعت تصنیف کا کام بہت کیا۔......اب جب گزشتہ سات آٹھ مہینے سے زیادہ بیمار ہوئے تو مجھے لکھتے رہے کہ مَیں یہاں آنا چاہتا ہوں کہ جتنا وقت ہے وہ یہاں آپ کے قریب گزارنا چاہتا ہوں تو مَیں نے کہا آ جائیں یہیں۔تو یہاں گیسٹ ہاؤس میں تشریف لے آئے۔جس دن آئے ہیں کافی بیمار تھے مجھے پتہ لگا تو مَیں نے کہا کہ جا کے مَیں پتہ کرتا ہوں لیکن ان کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ مَیں آ رہا ہوں تو بڑی تیزی سے یہ اپنے کمرے سے نکلے ہیں اور میرے دفتر پہنچ گئے۔مَیں نے ان سے پوچھا بھی کہ مَیں خود آ رہا تھا۔ کہنے لگے کہ نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔مَیں آیا ہوں، مَیں نے خود ملنے آنا تھا۔چند دن پہلے زیادہ بیمار ہوئے ہیں تو ہسپتال داخل ہوئے ہیں اور بیماری پھر بڑھتی چلی گئی جان لیوا ثابت ہوئی۔ جو پروگرام تھے عربی کے ''الحوار المباشر'' اس میں ان کا بڑا کردار رہا ہے اور حقیقی حق ادا کیا ہے انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام ہونے کا، کسرِ صلیب کا۔ بائبل کا گہرا علم رکھتے تھے اس وجہ سے بڑے بڑے پادری بھی ان کا احترام کرتے تھے۔کینسر کی بیماری تھی بڑے صبر سے انہوں نے بیماری گزاری ہے اور جب تک انتہا نہیں ہو گئی اس وقت تک خدمت کرتے رہے ہیں اور اپنے ساتھیوں پر بھی ظاہر نہیں ہونے دیا کہ بیماری کتنی شدید ہے۔ اللہ تعالیٰ ان

کے درجات بلند فرمائے۔آمین“۔

جنازہ اور تدفین

خطبہ جمعہ میں ہونے والے اعلان کے مطابق ہی حضور انور نے 9/اگست 2010ء بروز سوموار قبل از نماز ظہر وعصر تشریف لا کران کی نماز جنازہ پڑھائی۔اس کے بعد حضور نے تابوت کھلوا کر کچھ دیر کے لئے ان کی پیشانی پر اپنا دست مبارک اس طرح رکھا کہ حضور انور کے دست مبارک میں پہنی ہوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ والی انگوٹھی ان کی پیشانی کو مس کر رہی تھی۔یوں مصطفیٰ ثابت صاحب کی جبین پر سجنے والے تمغوں میں سے یہ سب سے زیادہ خوبصورت تمغہ تھا اور سب سے زیادہ معزز تاج تھا جو بوقت رخصت دربار خلافت سے ان کے سر پر سجایا گیا۔یقیناً خلیفہ وقت کی اپنے خادموں کے ساتھ یہ محبت ،نوازش اور خاص شفقت بے نظیر ہے۔

نمازِ ظہر وعصر کے بعد تدفین کے لئے میت کو جماعت احمدیہ کے قبرستان واقع بروک ووڈ (ووکنگ) میں لایا گیا۔یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ پیارے آقا اس خادم کے مزید اعزاز واکرام کے لئے بنفس نفیس تشریف لا رہے ہیں۔جلسہ سالانہ برطانیہ کے فوراً بعد کے اس عرصہ میں حضور انور اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود قبرستان تشریف لائے اور میت والی گاڑی سے قبر تک میت کو خود کندھا دیا۔پھر اپنے دست مبارک سے تابوت کو لحد میں اتارا۔قبر کی تیاری ہونے لگی تو حضور انور نے پہلے مکرم حلمی الشافعی صاحب کی قبر پر دعا کی،ازاں بعد بالترتیب مندرجہ ذیل خوش نصیبوں کی قبور پر فرداً فرداً تشریف لے جا کر دعا کی:مکرم شریف اشرف صاحب سابق ایڈیشنل وکیل المال صاحب ،مکرم آفتاب احمد خانصاحب سابق امیر جماعت برطانیہ،مکرم بشیر آرچرڈ صاحب اور مکرم بشیر احمد حیات صاحب۔ علاوہ ازیں حضور انور نے بہشتی مقبرہ میں مدفون موصیان کی قبروں کے کتبوں کے بارہ میں بھی مکرم عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لندن اور مقبرۂ موصیان کا انتظام کرنے والے محترم خواجہ رشید الدین صاحب قمر کو بعض ہدایات دیں۔قبر تیار ہونے پر پیارے آقا نے اپنے دست مبارک سے کتبہ نصب فرمایا اور پھر اجتماعی دعا کروائی۔

کچھ یادیں اور سیرت کے بعض واقعات

9 /اگست 2010ء کو جب ہم مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کو سپردِ خاک کر کے مسجد بیت الفتوح میں ان کی سیرت وسوانح پر ایک لائیو پروگرام کرنے کے لئے آرہے تھے تو مورڈن کے قریب پہنچ کر یاد آیا کہ ٹھیک ایک سال قبل تقریباً اسی وقت اگست 2009ء میں جب پروگرام الحوار المباشر میں شرکت کے لئے جارہے تھے تو مصطفیٰ ثابت صاحب ہمارے ساتھ تھے اور یہ انکا آخری ٹی وی پروگرام تھا۔

مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کی زندگی، ان کے کام، اور خلفائے کرام سے تعلق کے واقعات کا مفصل بیان تو ہو چکا ہے لیکن یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایم ٹی اے 3 العربیہ پر ان کی سیرت وسوانح کے بارہ میں پروگرام کے حوالے سے بعض واقعات درج کر دیئے جائیں۔

آپ کی تواضع

آپ کی عادت تھی کہ نمازوں یا پروگرام الحوار المباشر سے واپسی کے وقت گیسٹ ہاؤس کا دروازہ کھول کر کھڑے ہو جاتے تھے اور سب کے بعد خود داخل ہوتے۔ ہم نے بار ہا کوشش کی کہ کبھی یہ خود بھی پہلے داخل ہو جائیں لیکن ان کا ایک ہی جواب ہوتا کہ آپ سب میرے دائیں طرف ہیں اس لئے دائیں طرف سے اندر جانا شروع کر دیں اور یوں ان کی خواہش کے مطابق آخر پر ان کی باری آتی۔

ذکرِ الٰہی کی عادت

شرکائے پروگرام الحوار المباشر کی رہائش مسجد فضل کے پاس جماعت کے گیسٹ ہاؤس میں ہوا کرتی ہے اس لئے ہر روز پروگرام شروع ہونے سے قریبا ڈیڑھ دو گھنٹے قبل یہاں سے مسجد بیت الفتوح کیلئے روانگی ہوتی ہے۔ چونکہ پروگرام الحوار المباشر کی تیاری عموماً پروگرام شروع ہونے تک ہی جاری رہتی ہے اس لئے مسجد فضل سے مسجد بیت الفتوح تک جاتے ہوئے بھی راستہ میں گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لیکن مرحوم مصطفیٰ ثابت صاحب کی عادت تھی پروگرام پر

جاتے ہوئے بھی اور پروگرام کے بعد واپس آتے ہوئے بھی زیرلب دعاؤں اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور کبھی گفتگو میں شامل نہ ہوتے تھے۔

اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ

مکرم عبدالمؤمن طاہر صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

ایک دفعہ کبابیر میں مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب نے مجھ سے کہا کہ میرے لئے دعا کریں کہ کسی ایسے کام کی توفیق ملے جو میری مغفرت کا سبب بن جائے۔ مَیں نے عرض کیا کہ ایک دفعہ مَیں نے اپنے ایک بزرگ اور محترم جناب سید عبدالحی شاہ صاحب ناظر اشاعت ربوہ سے یہی عرض کی تھی کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے تفسیر کبیر کا عربی ترجمہ مکمل کرنے کی توفیق دے اور شاید یہی میری مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔ اس پر انہوں نے فرمایا: اپنے کام کو اللہ کا شریک نہ بناؤ۔ مغفرت اللہ کے فضل سے ہوگی نہ کہ تمہارے کاموں کی وجہ سے۔ آپ نے احادیث میں نہیں پڑھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ مَیں بھی جنت میں محض خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی جاؤں گا۔

یہ واقعہ سننا تھا کہ مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب اپنی کرسی سے اٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر چومنا چاہا۔ مَیں نے عرض کیا کہ آپ ہمارے استاد ہیں اور یہ بات مناسب نہیں لگتی کہ آپ اپنے شاگردوں کے ہاتھ چومیں۔ فرمانے لگے: آپ نے مجھے حکمت کا ایک بیش قدر ہیرا دیا ہے، کیا مَیں اس پر آپ کا شکریہ بھی ادا نہ کروں۔

شروط بیعت کی تطبیق کا خیال

ماہ جولائی 2010ء میں آپ یہاں لندن ہی شفٹ ہو چکے تھے۔ اس ماہ کے الحوار المباشر کی تیاری کے دوران کبھی کبھی آپ ہمارے ساتھ آکر بیٹھ جاتے تھے۔ ایک روز خاکسار نے پوچھا کہ کیسا محسوس کرتے ہیں؟ تو جواب دیا کہ جانا تو اب قریب ہے۔ ہاں درد بہت زیادہ ہے لیکن مَیں راضی بقضاء ہوں کیونکہ شرائط بیعت میں یہی وعدہ کیا ہے کہ: ہر حال رنج اور راحت اور عسر اور یسر اور نعمت اور بلاء میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کروں گا اور بہر حالت راضی

بقضاء رہوں گا۔

آخری وقت کا احساس

آپ کو ڈاکٹری رپورٹس اور شاید کچھ خوابوں کی بنا پر یہ احساس ہو گیا تھا کہ اب آپ کے پاس وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ اس لئے آخری پروگرام میں شرکت سے کچھ عرصہ پہلے سے ہی آپ نے ہر پروگرام کے آخر پر ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن پچھلے سال اگست کے الحوار المباشر میں جو کہ آپ کا آخری پروگرام تھا ایک ہاتھ کی بجائے دونوں ہاتھ ہلا کر دیکھنے والوں کو الوداعی سلام کیا۔

اپنے اسی آخری پروگرام کے بعد شرکائے پروگرام کو فرداً فرداً بڑے خاص طریق پر ملے، سب کو گلے ملے اور ہاتھوں کو پکڑ کر چومنے کی کوشش کی۔ خاکسار نے علیحدگی میں ان سے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ شاید اب اس کے بعد مَیں الحوار کے لئے نہ آسکوں۔ خاکسار نے پوچھا کہ: کیا ڈاکٹرز نے کچھ کہا ہے یا آپ کو کوئی خواب وغیرہ آئی ہے۔ فرمانے لگے کہ دونوں باتیں ہیں۔ میرے اندر جو کچھ ہو رہا ہے اس سے مجھے لگتا ہے کہ اب شاید آپ لوگوں سے یہ آخری ملاقات ہے۔

بہر حال اس کے بعد ان کی صحت مسلسل کمزوری کا شکار رہی اور الحوار المباشر میں شرکت بھی نہ کر سکے۔

خلافت سے محبت

ان کی خلافت سے والہانہ محبت کا اندازہ تو حضور انور کے بیان فرمودہ واقعہ سے ہی ہو جاتا ہے کہ باوجود نقاہت اور بیماری کے جب پتہ چلا کہ خلیفۂ وقت تشریف لانا چاہتے ہیں تو بھاگ کر خود دربار خلافت میں یہ کہتے ہوئے حاضر ہو گئے کہ جب تک خادم کے لئے ممکن ہے اسے خود اپنے آقا کے پاس آنا چاہیئے۔

ان کی شدید خواہش تھی کہ خلافت کے در پر اور خلیفۂ وقت کے قدموں میں جان نکلے۔ اور حضور انور خود ان کا نماز جنازہ حاضر پڑھائیں۔ اس لئے جب حضور انور جلسہ سالانہ جرمنی میں

شرکت کے لئے تشریف لے گئے تو یہ بہت پریشان تھے کہ کہیں حضور انور کی غیر موجودگی میں ان کی وفات نہ ہو جائے۔ چنانچہ حضور انور کے واپس تشریف لانے پر پُرسکون ہو گئے۔

ایک عجیب خواہش اوراس کی تکمیل

مکرم عکرمہ نجمی صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

1990ء کے جلسہ سالانہ برطانیہ کے موقعہ تین بزرگ عرب احمدی مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب، مکرم حلمی الشافعی صاحب اورمکرم طٰہٰ قزق صاحب تشریف لائے ہوئے تھے۔ مجھے اس جلسہ میں ان تینوں بزرگوں کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا موقعہ ملا۔ عجیب بات ہے کہ مکرم حلمی الشافعی صاحب نے باتوں باتوں میں اس خواہش کا اظہار کیا کہ کاش وہ مصطفیٰ ثابت صاحب جیسے احمدی بن سکیں۔ جب مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب سے کسی موضوع پر بات ہوئی تو انہوں نے بھی اسی خواہش کا اظہار کیا کہ کاش میں مکرم حلمی الشافعی صاحب جیسا احمدی بن سکوں۔

خاکسار (محمد طاہر ندیم) عرض کرتا ہے کہ شاید دونوں کی خواہش اور دعا کو اللہ تعالیٰ نے اس رنگ میں قبول فرمالیا کہ مکرم حلمی الشافعی صاحب بھی خلافت کے عاشق تھے اوران کو بھی خلیفہ وقت کی نوازشیں اور عطائیں اور کرم نوازیاں نصیب ہوئیں حتی کہ ان کو وفات کے لئے بھی دہلیزِ خلافت جیسا بابرکت مقام نصیب ہوا۔اور حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ نے خود انکا جنازہ پڑھایا، انکی میت کو کندھا دیا، انکی پیشانی پر بوسہ دیا اوران کے لئے دعائیں کیں۔

مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کی خواہش تھی کہ انہیں آخری ایام میں دربار خلافت کا قرب حاصل ہو۔سو اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خواہش بھی پوری فرمادی۔ ان کی وفات لندن میں ہوئی اورحضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد حضور نے تابوت کھلوا کر ان کی پیشانی پر اپنا دست مبارک رکھ کر دعا کی۔ پھر تدفین کے وقت بھی حضور انور بنفس نفیس تشریف لائے، میت کو کندھا دیا، اپنے دست مبارک سے تابوت کو لحد میں اتارا اور قبر تیار ہونے پر اپنے دست مبارک سے کتبہ نصب فرمایا اور پھر اجتماعی دعا کروائی۔

شاید اس طرح دونوں بزرگوں (مکرم حلمی الشافعی صاحب اورمکرم مصطفیٰ ثابت صاحب) کی ایک دوسرے کی طرح احمدی بننے کی خواہش پوری ہوگئی کہ دونوں کو دربار خلافت سے خاص

اعزاز واکرام نصیب ہوا۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

❁❁❁❁❁

مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب

جماعت احمدیہ مصر کی ایک پرانی تصویر

آخری قطار میں کھڑے ہوئے احباب میں دائیں سے دوسرے نمبر پر مصطفیٰ ثابت صاحب ہیں۔

کرسیوں پر: حسن البابلی صاحب، محمد بسیونی صاحب، عبدالحمید خورشید صاحب، یحییٰ قدری صاحب

کھڑے احباب کی پہلی قطار میں: دوسرے نمبر پر جلال الدین ابن عبدالحمید خورشید صاحب اور

تیسرے نمبر پر قریشی نورالحق تنویر صاحب ہیں۔

مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب پروگرام الحوار المباشر میں

ایک نابغہ ءروزگار شخصیت
حضرت محمد حلمی الشافعی صاحب

محترم محمد حلمی الشافعی صاحب مرحوم کی شخصیت کو اگر ایک جملہ میں بیان کیا جائے تو وہ جملہ یہ ہوگا کہ: وہ انسان خلافت کا عاشق اور خلافت کی آواز تھا۔اس کا دل خلیفۂ وقت کو دیکھ کر دھڑکتا، اس کی آواز کا زیرو بم خلیفہ وقت کی آواز کے ساتھ بدلتا، اگر خلیفہ وقت آبدیدہ ہوتا تو اس عاشق کی آنکھیں بھی بھیگ جاتیں، اگر خلیفہ وقت مسکراتا تو الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے کے خدوخال بلکہ مساموں تک سے خوشیاں پھوٹنے لگتیں۔ وہ خلیفۂ وقت کے دربار میں حاضر ہوا اور پھر اسی در کا ہو گیا، اور باقی زندگی اسی در پر ہی گزاردی، اور خلافت سے اس کی محبت خدا کی نظر میں بھی مقبول ٹھہری، اسی لئے تو جان دینے کے لئے بھی اسے دہلیز خلافت جیسا مبارک مقام عطا ہوا۔

خاندانی تعارف اور مختصر سوانحی خاکہ

محمد حلمی الشافعی صاحب 21/مارچ 1929ء کو قاہرہ مصر میں ایک ٹھیٹھ قسم کے دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد صاحب جامعۃ الأزہر کے فارغ التحصیل بلکہ علمائے ازہر میں سے تھے جو مختلف دینی علوم اور عربی زبان کے استاد تھے۔اسی طرح آپ کے دادا بھی علمائے ازہر میں سے تھے۔ نیز آپ کے تمام چچا اور بعض دیگر رشتہ دار ازہر کے فارغ التحصیل تھے۔

آپ کا تعلق مصر کی سلفی جماعت ''أنصار السنة المحمدیة'' سے تھا، اور آپ اس جماعت کے ایک معروف شیخ محمد حامد الفقھی کے شاگردِ خاص تھے۔

آپ نے فیکلٹی آف سائنس قاہرہ یونیورسٹی سے بی ایس سی کی ڈگری حاصل کی اور الأزہر یونیورسٹی میں حساب اور فزکس کے استاد ہو گئے۔ چھ سال ملازمت کے بعد پٹرولیم انجینئرنگ کا دو سالہ کورس مکمل کیا اور پھر ملازمت کے سلسلہ میں متعدد عرب ممالک میں مقیم رہے۔ 1965ء میں آپ کا تعارف مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب سے ہوا اور دو سال کے بحث ومباحثہ کے بعد 1967ء میں آپ کو قبول احمدیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ 1980ء میں آپ کو پہلی بار ربوہ اور قادیان جانے کی توفیق ملی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔ 1986ء میں آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور اپنی زندگی خدمت دین کے لئے وقف کر دی۔ 1986ء سے 1994ء تک آپ بحیثیت صدر جماعت احمدیہ مصر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس کے بعد حضرت خلیفۂ رابعؒ کے ارشاد پر لندن منتقل ہو گئے اور اسلام آباد میں رہائش پذیر ہوئے۔ آپ کو عربی مجلّہ التقویٰ کے مدیر اعلیٰ ہونے کے علاوہ ایم ٹی اے کے پروگرام ''لقاء مع العرب'' میں خصوصیت سے نمایاں کام کی توفیق ملی۔ آپ نے متعدد کتب اور حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ کے کئی خطبات اور خطابات کے عربی ترجمہ کی سعادت پائی۔ نیز تفسیر کبیر کی پہلی دو جلدوں کے عربی ترجمہ میں بھی نمایاں خدمت کی توفیق پائی۔ حضور انورؒ کے ارشاد پر آپ نے کئی ملکوں کے دورے بھی کئے جن میں یوگنڈا، مالی، ارجنٹائن، بیلجیئم، ہالینڈ، جرمنی، اور بعض عرب ممالک شامل ہیں۔ آپ حرکت قلب بند ہو جانے کے باعث 12 فروری 1996ء کو لندن میں انتقال فرما گئے۔

اس ابتدائی تعارف اور مختصر سوانحی خاکہ کے بعد اب ہم ذیل میں قدرے تفصیل سے آپ کی زندگی، آپ کے قبول احمدیت آپ کے سفر اور آپ کی خدمات کے متعلق نیز آپ کی سیرت کے بارہ میں میسر آنے والی معلومات اور واقعات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

حلمی صاحب سے ایک انٹرویو

آپ کی وفات پر رسالہ التقویٰ نے مارچ اپریل 1996ء کے شمارے میں آپ کا ایک

انٹرویو شائع کیا جو قبل ازیں ریکارڈ ہو کر ایم ٹی پر نشر ہو چکا تھا۔ ذیل میں ہم کسی قدر تصرف اور آزاد ترجمہ کے ساتھ یہ انٹرویو قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔

وادیٔ سیناء میں

1965ء میں مَیں سیناء کے علاقہ میں پٹرول کی ایک کمپنی میں کام کرتا تھا۔ کمپنی کے ورکرز میں سے جو دینی رجحان رکھتے تھے عید میلا د النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ کے موقعہ پر مل بیٹھتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقعہ پر میری ملاقات مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب سے ہوئی جو اس وقت کے دیگر نوجوانوں سے مختلف اور کسی قدر عجیب شخصیت کے مالک تھے، باوجود چاق و چوبند اور ہشیار ہونے کے نہایت مؤدب اور خاکسار تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ دیگر نوجوانوں کی طرح لہو ولعب میں بالکل شریک نہ ہوتے تھے۔ میں نے ان کے بارہ میں دیگر کئی نوجوانوں سے پوچھا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ یہ شخص عجیب ہے، لہو ولعب میں حصہ نہیں لیتا، اس کی سوچ کا انداز ہی مختلف ہے، شاید اس کا تعلق شیعوں یا بہائیوں یا اسی طرح کے عقائد رکھنے والے کسی اور فرقہ سے ہے۔ اس بات نے میرے تجسس میں مزید اضافہ کر دیا۔ چنانچہ اس نوجوان کے عقائد کے بارہ میں جاننے کے لئے میں اس کے قریب ہونے لگا اور بالآخر ہم آپس میں دوست بن گئے۔ یوں ہمارے درمیان مختلف دینی امور کے بارہ میں بات چیت ہونے لگی۔ میں نے محسوس کیا کہ باوجود کم عمری کے ان کا علم ٹھوس اور سوچ گہری اور مطالعہ وسیع ہے، جبکہ ان کے کام کی نوعیت کے اعتبار سے اس قسم کا دینی علم اور دینی امور کی پابندی ایک غیر معمولی بات تھی۔

ابتدائی بات چیت کے نمونے

ابتدائی بات چیت میں مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کا طریق تھا کہ عموماً بڑا عام سا مسئلہ زیر بحث لاتے تھے مثلاً یہ کہ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟ میں نے کہا کہ یہ تو بڑی عام سی بات ہے نبی وہ شخص ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے اور رسول وہ شخص ہے جس کے ساتھ نہ صرف اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے بلکہ اسے دنیا کو ایک پیغام پہنچانے کا بھی ارشاد فرماتا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا نبی اپنا پیغام دنیا کو نہیں پہنچاتا؟ میں نے بڑی سوچ بچار کے بعد کہا کہ ہاں وہ بھی پہنچاتا

ہے۔مصطفیٰ ثابت صاحب نے پوچھا کہ پھر دونوں میں فرق کیا ہوا؟اور کیا تم کسی نبی کا نام بتا سکتے ہو جو رسول نہ ہو، یا کسی رسول کا نام بتا سکتے ہو جو نبی نہ ہو؟ میں نے بہت سوچا لیکن کوئی جواب نہ بن پایا۔ بعد میں یہی سوال میں نے اپنے بعض اساتذہ سے پوچھا لیکن کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔اس صورتحال نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ بعض بہت بنیادی امور کے بارہ میں میرا علم سطحی اور میری معلومات ادھوری ہیں۔

اس کے بعد ہم نسبتاً گہرے معاملات کے بارہ میں بات کرنے لگے جیسے یہ کہ اسلام کا احیاء کیسے ممکن ہے اور کون اسلام کا احیاء کرنے آئے گا۔اس دوران ہم نے مسیح ابن مریم کے بارہ میں بھی بات کی کہ وہ کہاں ہیں ؟ اس بحث ومباحثہ میں میری دلچسپی اس قدر بڑھی کہ چار بجے شام کام ختم ہوتے ہی میں مصطفیٰ ثابت صاحب کے پاس آجاتا اور ان امور کے بارہ میں باتیں کرتے ہوئے رات کے بارہ بج جایا کرتے تھے۔ میری دلچسپی اس قدر تھی کہ ہم گھر جانے کے لئے چھٹیوں کا پروگرام بھی مل کر بناتے تا کہ قاہرہ میں اپنے اہل خانہ سے ملنے کے بعد یہ گفتگو کا سلسلہ وہاں بھی بحال رہ سکے۔لہذا چھٹیوں میں بھی اکثر ہم انہی موضوعات پر بحث کرتے رہتے۔مجھ پر مصطفیٰ ثابت صاحب کواس بحث میں زیر کرنے کی دھن سوار تھی لہذا میں کئی مختلف فیہ امور کے بارہ میں دینی کتب کا مطالعہ کرتا نیز بڑے بڑے شیوخِ ازہر سے بات کرتا لیکن مجھے کوئی اطمینان بخش جواب نہ ملتا۔اس تحقیق کے دوران مجھے کوئی ایسی راہ نہ سجھائی دی جس سے میں مصطفیٰ ثابت صاحب کو زیر کرسکوں۔

تاہم ایک بات کا مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ان کا تعلق شیعوں یا اسماعیلیوں یا بہائیوں سے ہرگزنہیں ہے۔ بلکہ یہ تو پنجوقتہ نماز پڑھنے والے اور ذکر الٰہی کرنے والے تھے، نیز ان برائیوں سے بھی مجتنب رہتے تھے جن میں اس عمر کے عام نوجوان بڑی آسانی سے پڑ جاتے ہیں۔اس وقت تک مجھے احمدیت کے بارہ میں کچھ علم نہ تھا۔

محترم حلمی صاحب کے ساتھ اس عرصہ میں بحث ومباحثہ کے بارہ میں مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب فرماتے ہیں:

ہماری جان پہچان اور میل ملاپ میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔کچھ عرصہ بعد ہم ایک پندرہ روزہ تربیتی کورس میں شریک ہوئے جس میں تدریسِ بالغاں کے لئے ہمیں تربیت دی جاتی

تھی۔ تعلیم بالغان تعلیم بچگان سے اس طرح بھی مختلف ہے کہ بچوں کو اکثر امور کا علم نہیں ہوتا اور تقریباً ہر چیز کو نئے سرے سے سیکھتے ہیں لیکن قرین قیاس ہوتا ہے کہ بالغوں کو سکھائے جانے والے امور کے بارہ میں کچھ علم ہو۔ تاہم ان دونوں کا طریق تدریس مختلف ہے۔ اس تربیتی کورس کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ جو کچھ ہم نے سیکھا اس کی عملی طور پر پریکٹس بھی کی جائے۔ لہٰذا ہم سب اس کورس میں شامل ملازمین تعلیم بالغاں کی کلاس کے طلباء کا کردار ادا کرتے اور ہم میں سے ایک کسی بھی موضوع پر لیکچر دیتا جس پر طلباء اعتراض بھی کرتے اسے روکتے ٹوکتے بھی اور مضمون کے بارہ میں متعدد سوالات بھی کرتے۔ اس سلسلہ میں میں نے اپنے لیکچر کا موضوع ''عیسائی نقطۂ نظر سے بائیبل اور تثلیث کا عقیدہ'' چنا۔ جب میں لیکچر دے رہا تھا تو عموماً یہی توقع تھی کہ جب اعتراضات اور سوالات ہوں گے تو ہم اس کورس میں سیکھے ہوئے طریقوں سے ان سوالات کو ڈیل کریں گے۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ دیگر ملازمین کو تو اس موضوع کے بارہ میں کچھ علم نہ تھا اس لئے وہ تو خاموش بیٹھے ہوئے تھے لیکن مکرم حلمی الشافعی صاحب بہت مضطرب دکھائی دیئے اور بالآخر زچ ہو کر لیکچر کے دوران کہنے لگے: کیا تم ان باتوں کو مانتے ہو؟ اور بار بار اعتراض کرتے اور بات کاٹتے رہے۔ ان کو سب سے زیادہ اس بات پر غصہ تھا کہ میں مسلمان ہو کر کس طرح عیسائیوں کی طرح تین خداؤں کی بات کرتا ہوں اور کس طرح اس مضمون کو عیسائیوں کے اسلوب پر بیان کرتا ہوں۔ میں نے بعد میں اپنے لیکچر کے دوران تثلیث کے رد میں اسلامی نقطہ نظر سے دلائل دیئے جو مولانا جلال الدین شمس اور مولانا ابو العطاء صاحب کی تحریرات سے اخذ کردہ تھے۔

چونکہ مکرم حلمی الشافعی صاحب کا تعلق ایک ٹھیٹھ دینی گھرانے سے تھا۔ آپ کے والد صاحب ازہر کے تعلیم یافتہ مولوی تھے۔ اس لئے میرے بیان کردہ امور میں ان کی دلچسپی بڑھی خصوصاً اس بارہ میں کہ میرے پاس ان امور کا علم کہاں سے آیا۔ چنانچہ انہوں نے بعد میں مجھ سے ان امور کے بارہ میں بحث کرنی شروع کردی۔

جماعت سے تعارف

محترم حلمی صاحب فرماتے ہیں:

ہماری گفتگو چلتی رہی یہانتک کہ 1967ء کا سال آ گیا۔ اس سال میں مصر اور اسرائیل کے مابین سیناء کے علاقہ میں عسکری جھڑپیں شروع ہو گئیں جن کی بناء پر کمپنی نے فیصلہ کیا کہ صرف بعض خاص شعبوں کے علاوہ باقی ورکرز کو قاہرہ بھیج دیا جائے۔ لیکن چونکہ مصطفیٰ ثابت صاحب شعبہ نقل مکانی میں کام کرتے تھے اس لئے ان کا وہاں رہنا ضروری تھا اور شاید یہ میرے حق میں بہت بہتر ثابت ہوا، کیونکہ اس صورتحال میں انہوں نے اپنی بعض کتب ایک ڈبے میں ڈال کر میرے حوالے کر دیں اور کہا کہ میں قاہرہ آ کر آپ سے لے لوں گا۔ میں نے ان سے کہا کہ چونکہ میں یہ کتب لے کر جا رہا ہوں اور اپنے پاس محفوظ بھی رکھوں گا اس لئے مجھے ان کو پڑھنے کا بھی حق حاصل ہو گا۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے آپ ان کو پڑھ سکتے ہیں لیکن ان کی حفاظت بہت ضروری امر ہے کیونکہ مصر میں ان کتب کا دوسرا نسخہ موجود نہیں ہے اور میں نے یہ خزانہ اپنے سسر صاحب کی لائبریری سے حاصل کیا ہے۔ میں نے قاہرہ آ کر ان کتب کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے پتہ چلا کہ مصطفیٰ ثابت صاحب کا تعلق جماعت احمدیہ سے ہے۔ یہ کتب بہت سے ایسے مضامین پر مشتمل تھیں جن کے بارہ میں میں نے پہلے کبھی نہ سنا تھا۔ بعض کتب امام مہدی کی آمد کے بارہ میں تھیں جبکہ بعض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر فرمودہ تھیں۔ ان میں سے دو کتب کا انگریزی ترجمہ بھی تھا ایک احمدیت کا پیغام اور دوسری احمدیت یعنی حقیقی اسلام تھی۔ میں نے ان کتب کو سطر سطر اور لفظ لفظ پڑھ ڈالا۔ میرا طریق یہ تھا کہ پڑھتا جاتا اور ساتھ ساتھ اپنے اعتراضات بھی لکھتا جاتا تھا۔ یہ اعتراضات آج تک میرے پاس موجود ہیں، اور جب بھی ان اعتراضات کو پڑھتا ہوں تو بڑی ندامت ہوتی ہے کیونکہ یہ وہی اعتراضات ہیں جو تمام دشمنانِ احمدیت جماعت پر کرتے ہیں۔ دراصل یہ اعتراضات ان خیالات وطرز تفکیر کا نتیجہ ہیں جو عام معاشرہ میں بچپن سے ہی ذہنوں میں بٹھائے جاتے ہیں۔

بہر حال اس کے بعد ہماری باتیں احمدیت کے عقائد کے بارہ میں ہونے لگیں اور کبھی کبھی ہم ایک پرانے احمدی مکرم محمد بسیونی صاحب کے ہاں بھی جاتے اور نماز جمعہ ادا کرتے تھے۔

یہ اولیاء اللہ اور صالحین میں سے ہے

اسی دوران میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا

عربی ترجمہ پڑھا اور یہ کتاب مجھے بہت پسند آئی۔ایک دن میں یہ کتاب لے کر اپنے والد صاحب کے پاس چلا گیا۔ میں نے ابھی چند صفحات ہی بلند آواز میں پڑھے تھے کہ میرے والد صاحب بار بار کہنے لگے کہ اس کتاب کا مؤلف بڑا عالم آدمی ہے۔پھر ہر صفحہ سننے کے بعد ان کے منہ سے ''ماشاء اللہ'' کے الفاظ نکلتے رہے۔میرے والد صاحب کا تعلق جماعت ''أنصار السنة المحمدية'' سے تھا اور یہ تصوف کو پسند نہیں کرتے کیونکہ بعض اوقات تصوف کے نام پر بڑی مبالغہ آرائی کی جاتی ہے۔لیکن اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مختلف احکام کی حکمت کو فلسفیانہ رنگ میں بیان کرتے ہوئے کسی قدر تصوف کا رنگ بھی دیا ہے۔لیکن آپؑ کے بیان فرمودہ اس تصوف میں نہایت اعلیٰ مضامین بیان ہوئے تھے اور اس میں عام صوفیوں کے کلام کا شائبہ تک نہ تھا۔اس لئے میرے والد صاحب کو یہ طریق بھی بہت پسند آیا۔

میں نے پوچھا: آپ کے خیال میں یہ شخص ایک نیک اور صالح انسان ہوسکتا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: یہ اولیاء اللہ اور صالحین میں سے ہے۔

میں نے کہا: اس شخص کا دعویٰ ہے کہ وہ امام مہدی اور مسیح موعود ہے۔

انہوں نے کہا: نہیں، یہ نہیں ہوسکتا۔

میں نے پوچھا: پھر کیا یہ شخص جھوٹا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: میں یہ نہیں کہتا کہ یہ شخص جھوٹا ہے لیکن یہ بات عقلاً محال ہے۔یہ امام مہدی اور مسیح موعود کیسے ہوسکتے ہیں؟

بہر حال میرے اصرار پر والد صاحب نے کہا کہ میری عمر اس وقت ستر سال کے قریب ہے، اور تمام عمر میں نے انہی باتوں کو پڑھایا اور ان پر تقریریں کی ہیں میرا اتنی جلدی متأثر ہونا اور بدل جانا تقریباً ناممکن ہے۔ میں نے بھی انہیں معذور سمجھ کر مزید بحث سے پرہیز کیا۔

مولوی کی عجلت پسندی

اس کے بعد میں یہی کتاب لے کر ایک مولوی کے پاس گیا جو دینی علوم کے ساتھ ساتھ عربی زبان کا استاد بھی تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ کتاب ایک معین فرقہ کی ہے اور چونکہ آپ ایک عالم دین ہیں اس لئے میں اس کے بارہ میں آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔ابھی میں نے

بمشکل دو یا تین صفحات ہی پڑھے تھے کہ اس مولوی نے جھٹ سامنے والی الماری سے دو تین تفسیر کی کتب نکالیں اور کہا کہ ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے، یہ کتب جلیل القدر علماء کی تصانیف ہیں جنہوں نے تمام عمر کی عرق ریزی کے بعد قرآن وحدیث کی شرح وتفسیر لکھ دی ہے اور ہر قسم کے مسئلہ کو کھول کر بیان کر دیا ہے اب ہمیں اس کے بعد کسی اور کتاب کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے شدید دھچکا لگا کہ یہ شخص بہت بے صبرا ہے، کم از کم فیصلہ سنانے سے قبل پوری طرح سن تو لیتا۔ بہر حال میں نے اسے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ گزشتہ مفسرین اور علماء نے بہت محنت سے یہ علوم ہم تک پہنچائے ہیں، لیکن میں آپ سے اس کتاب کے بارہ میں رائے پوچھنے آیا ہوں۔ اگر اس میں اسلامی تعلیمات کے خلاف کوئی بات ہے تو مجھے بتائیں؟ لیکن مجھے محسوس ہوا کہ باوجود اس کے کہ اس نے قرآن کریم کی بے شمار آیات اور لا تعداد احادیث حفظ کی ہوئی تھیں جن کو وہ ایک ٹیپ ریکارڈر کی طرح اپنے خطبوں میں دہراتا پھرتا تھا لیکن علمی طور پر دینی امور کی تحلیل سے وہ قاصر تھا۔

اس چیز نے مجھے ہلا کر رکھ دیا اور میری تحقیق کے رخ کو یکسر بدل دیا۔ میں قبل ازیں ان کتب کا مطالعہ غلطیاں نکالنے اور اعتراض کرنے کے لئے کرتا تھا۔ لیکن اس واقعہ کے بعد میرے مطالعہ کا ہدف حق وحقیقت تک رسائی بن گیا۔

پُر لطف معارف بھری سورۂ فاتحہ

اس واقعہ کے بعد میں نے ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' اور ''احمدیت کا پیغام'' کو دوبارہ پڑھنا شروع کر دیا۔ ان کے بعد میں نے کہا دیکھتے ہیں جماعت احمدیہ کا قرآن کریم کے بارہ میں کیا مؤقف ہے۔ یہ جاننے کے لئے میں نے فائیو والیم کمنٹری کی پہلی جلد میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر پڑھنی شروع کر دی۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ جو سورۂ کریمہ ہم روزانہ ہر نماز میں رٹے رٹائے طریق کے مطابق پڑھ جاتے ہیں اس میں سے مفسر نے ایسے پھول، پھل اور ہیرے موتی نکال کر پیش کئے ہیں کہ نماز پڑھتے وقت میرا تو کبھی اس طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ ساری تفسیر پڑھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ حقیقی سورۂ فاتحہ تو یہ ہے اور ان پر لطف معانی ومفاہیم کو ذہن میں رکھ کر اگر اس کلامِ خدا کو پڑھا جائے تو یقیناً روحانی ترقیات کا سبب بنے گا۔ گو کہ

الفاظ وآیات تو وہی تھے لیکن ان اعلیٰ درجہ کے روحانی معارف سے لاعلمی کی وجہ سے یہ اس فاتحہ سے مجھے یکسر مختلف دکھائی دی جسے میں بچپن سے طوطے کی طرح پڑھتا آیا ہوں۔

الٓمٓ کی تفسیر پڑھنے لگا تو میرے ذہن میں عام مروجہ تصور تھا کہ ان الفاظ کے معانی کے بارہ میں صرف خدا کو علم ہے۔لیکن اس کی تفسیر پڑھی تو وہ نہایت درجہ مطمئن کرنے والی تھی۔اب میرا تجسس اور بڑھ گیا اور میں نے چاہا کہ کئی ایک اہم اور مشکل امور ہیں جن کے بارہ میں میں سوچتا ہوں اور پڑھتا بھی ہوں لیکن کسی نتیجہ پر نہیں پہنچتا، جیسے ملائکہ، آدم اور ابلیس کا قصہ، اسی طرح جنّ کی حقیقت، وغیرہ۔ میں جوں جوں پڑھتا گیا یہ مفاہیم میرے قلب ودماغ میں سماتے گئے اور ان کے بارہ میں تشفی، اطمینان اور انشراح صدر ہوتا گیا۔اب مجھے اسلامی تعلیمات کی عظمت اور سحر انگیز تاثیرات کا اندازہ ہونے لگا اور قرآن کا حسن وجمال اور جاذبیت دل میں گھر کرنے لگی۔

بیعت

میں نے مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب سے کہا کہ مجھے محترم محمد بسیونی صاحب کے پاس لے چلیں۔ وہاں جا کر میں نے کہا کہ میں ان کتب کے مطالعہ کے بعد مطمئن ہوگیا ہوں اور میرا ایمان ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء سچے لوگ ہیں ۔اس وقت تک مجھے نظام جماعت، خلافت اور جماعتی سرگرمیوں کے بارہ میں کچھ معلوم نہ تھا۔ مجھے محمد بسیونی صاحب نے نظام جماعت اور نظام خلافت کے بارہ میں بتایا اور فرمایا کہ آپ کو خلیفۂ وقت کی بیعت کرنی چاہئے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیسے کرتے ہیں۔ انہوں نے مجھے شرائط بیعت لا کر دیں اور فرمایا کہ آپ خلیفۂ وقت کی بیعت کریں گے اور چونکہ آج خلیفۂ وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جانشین ہے اس لئے دراصل یہ مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت ہے۔میں نے شرائط بیعت کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ یہ شرائط تو ایک سے بڑھ کر ایک تھیں اور ان میں خالص اسلامی تعلیم کا خلاصہ سمو دیا گیا تھا۔لہٰذا میں آج تک ان پر عمل کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔ کیونکہ ان شرائط پر کامل طور پر کاربند ہونے والا شخص ایسا مسلمان بن سکتا ہے جیسا اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ میں نے شرائطِ بیعت پڑھ کر بیعت فارم پر کردیا۔

تلاشِ حق کا سفر کس قدر طویل رہا

اس بارہ میں میں کوئی نمونہ نہیں ہوں کیونکہ میرا یہ سفر تقریباً دو سال جاری رہا۔شروع کے چند ماہ تو میں نے صرف اعتراض کرنے اور غلطیاں تلاش کرنے میں ہی گزار دیئے۔ اگر میں شروع سے ہی غیر جانبدارانہ تحقیق کا اسلوب اپناتا اور عقل وعلم کے ذریعہ حق کی تلاش کرتا تو شاید بہت پہلے اسی نتیجہ پر پہنچ جاتا۔ میں سمجھتا تھا کہ میں جس جماعت سے تعلق رکھتا ہوں وہ مسلمانوں کو بدعتوں اور خرافات سے بچانے کے لئے بنائی گئی ہے، اور چونکہ باقی تمام فرقے غلطی پر ہیں اس لئے ہم اکیلے ہی حق پر ہیں اور ہم سے بہتر کون ہوسکتا ہے۔شاید یہ ایک لحاظ سے اچھا ہی ہوا کیونکہ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ بہت جلدی قبول کرنے والے بہت جلدی واپس بھی چلے جاتے ہیں۔ میرے ساتھ یہ ہوا کہ میں نے آہستہ آہستہ احمدی تعلیمات وعقائد کو اپنے اندر جذب کیا۔اور وہ ایمان جو جانچ پرکھ کر اور خوب بحث مباحثہ کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ کافی حد تک قوی اور ٹھوس ہوتا ہے۔ اور میری بیعت کے دن سے لے کر آج تک میرے ایمان میں اضافہ ہوتا چلا آیا ہے، ہر روز مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے اور قریب ہوتا جا رہا ہوں۔ یہ ایسی بات ہے جس کی وجہ سے میرا احمدیت کے ساتھ تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ الحمد للہ۔

سفر سوڈان

1967ء میں سیناء میں پٹرول کی فیلڈز بند ہوگئیں اور تمام کام کرنے والوں کو مصر سے باہر نکلنا پڑا۔ میں پہلے سوڈان گیا جہاں لوگوں میں صرف نام کا اسلام باقی تھا۔ان کی نماز روحانیت سے بالکل عاری تھی اور وہ ایسی نماز ہرگز نہ تھی جو روحانی ترقی اور خدا کے قرب کا ذریعہ بنتی ہے اور جس میں مسلمانوں کی عظمت شان اور ان کی وحدت کی تصویر نظر آتی ہے۔

طاقتور جنّ

محترم حلمی صاحب نے اپنے قیامِ سوڈان کا ایک واقعہ بطور خاص مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب

کو سنایا تھا جو مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کی زبانی کچھ یوں ہے:

حلمی صاحب نے بتایا کہ سوڈان میں لوگ جنّوں کے بارہ میں توہمات کا شکار ہیں اور ان کے ذہنوں میں اس بارہ میں عجیب وغریب خرافانہ خیالات اور اعتقادات راسخ ہو چکے ہیں۔ ایک دفعہ انہوں نے بعض مولویوں کو کہا کہ اگر واقعی تمہارے خیالات درست ہیں تو مجھ پر ان جنّوں کو مسلّط کر کے دکھا دو۔ چنانچہ انہوں نے کوشش کی اور جب ناکام ہوئے تو کہنے لگے کہ تمہارا جنّ باقی لوگوں کے جنّوں سے زیادہ طاقتور ہے۔اس لئے تم پر کوئی دوسرا جن اثر انداز نہیں ہوسکتا۔

سفرِ ہندوپاکستان

حلمی صاحب اپنے انٹرویو میں مزید فرماتے ہیں کہ:

جب میں نے بیعت کی تو محض عقل، علم اور دلائل کی بنا پر کی تھی۔لیکن اسے تو حقیقی اسلام نہیں کہا جاسکتا بلکہ میرے نزدیک حقیقی اسلام یہ ہے کہ اس کی تعلیم اور اس کے احکام کی عملی شکل مومنوں میں نظر آئے اور یہ عملی شکل ایک دو یا دس بیس مومنوں میں نہ ہو بلکہ ایک کثیر جماعت اس کا نمونہ اور مثال ہو۔ یہ مثال دیکھنے کا تجربہ مجھے اس وقت ہوا جب میں کام کے سلسلہ میں مصر سے باہر نکلا اور خصوصاً سوڈان کے بعد جب بسلسلہ ملازمت خلیج کے علاقہ میں گیا کیونکہ وہاں سے مجھے پاکستان جانے اور اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ جماعت احمدیہ کے مرکزی جلسہ سالانہ میں شرکت کی توفیق ملی۔

مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کی تجویز پر ہم نے انڈیا اور پاکستان جانے کا پروگرام بنایا۔ پروگرام کے مطابق ہم پہلے انڈیا گئے جہاں کشمیر میں قبرِ مسیح ناصری علیہ السلام کی زیارت کی اور بعد میں ربوہ پاکستان میں جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ میں شرکت کے لئے حاضر ہو گئے۔

جماعت احمدیہ کا عملی نمونہ

یہ ہمارا مرکزی جلسہ سالانہ میں شامل ہونے کا پہلا موقعہ تھا۔ذرائع رسل ورسائل کی کمی اور عرب ممالک میں موجود احمدیوں کا مرکز کے ساتھ فعّال رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے

ذہنوں میں جلسہ سالانہ کے بارہ میں کوئی خاص تصور نہ تھا۔ یہاں آ کر پتہ چلا کہ دو چار سو یا چند ہزار کی بات نہیں بلکہ تقریباً سوا دو لاکھ کے قریب لوگوں کا جم غفیر اپنے پیارے امام کی زبان مبارک سے نصیحتوں اور معارف کے پھول اپنے دامن میں سمیٹنے کے لئے بے قرار تھا۔ یہ لوگ روحانی زاد لینے اور پوری دنیا میں اسلام کی تعلیم پھیلانے کے لئے اپنے امام سے راہنمائی حاصل کرنے کیلئے حاضر ہوئے تھے۔ ہم سب اکٹھے تھے اور کوئی غیر ہم میں موجود نہ تھا جس کی بنا پر یہ سوچا جا سکتا کہ شاید یہ کوئی دکھاوا ہو، بلکہ وہاں جو کچھ بھی تھا ایک کھلی کتاب کی طرح ہم سب کی نظروں کے سامنے تھا۔ ان لوگوں میں مجھے احمدیت یعنی حقیقی اسلام کا عملی نمونہ دیکھنے کا موقعہ ملا۔ مجھے اس جلسہ میں ایسے محسوس ہوا جیسے میں صحابہ کرام کے زمانہ میں پہنچ گیا ہوں۔ ہم رات تہجد میں اور دن روح پرور خطابات سننے میں گزارتے تھے۔ یہ درست ہے کہ یہ جم غفیر زیادہ تر غریب لوگوں پر مشتمل تھا۔ ان کا کھانا بھی بہت سادہ تھا، ان کے اٹھنے بیٹھنے میں سادگی نمایاں تھی، نہ بیٹھنے کو کوئی اعلیٰ درجہ کا فرنیچر تھا بلکہ سب کے سب گھاس پھوس بچھا کر اسی پر ہی بیٹھتے تھے۔ نہ کھانے کے لئے سونے چاندی کے برتن یا قسما قسم کے کھانے تھے بلکہ ہر چیز میں سادگی ایک عجیب حسن پیدا کر رہی تھی۔ دراصل یہی حقیقت اسلام ہے اور یہی احمدیت کا عملی نمونہ ہے۔ ایسے جلسے اسلامی معاشرہ کا صحیح تصور پیش کرنے والے ہیں جن میں انسان کو ایک عجیب روحانی غسل نصیب ہوتا ہے اور وہ خدا کے قرب کی منازل کو بڑی تیزی سے طے کرتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ملاقات

اس سفر میں میری حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ سے پہلی دفعہ ملاقات ہوئی۔ اور مجھے پہلی دفعہ احساس ہوا کہ خلیفہ ہونے کا کیا مطلب ہے اور خلافت کیا چیز ہے۔ حضور انور رحمہ اللہ کے چہرہ مبارک پر تواضع، محبت اور تقویٰ نمایاں تھا۔ حضور انورؒ سے میری دو دفعہ ملاقات ہوئی اور دونوں دفعہ ہی حضور نے مجھے معانقہ کا شرف عطا فرمایا۔ الحمد للہ۔

میرے آنسو چھلک پڑے

یہ میرا پہلا موقعہ تھا کہ مصر سے باہر میں افراد جماعت احمدیہ سے مل رہا تھا اور ان کو دیکھ رہا

تھا۔اس سے قبل صرف ایک بار ایسا ہوا کہ ایک مبلغ سلسلہ افریقہ کے کسی ملک میں جاتے ہوئے مصر ٹھہرے تو ہم نے ان کے پیچھے جمعہ کی نماز ادا کی تھی۔ان کی تلاوت قرآن سن کر مجھے بہت لطف آیا۔شاید اس سے قبل میں نے اتنی اچھی اور اس قدر تاثیر والی تلاوت نہ سنی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور ان کی تلاوت قرآن کے دوران ہی بے اختیار میرے آنسو چھلک پڑے۔لیکن جب نماز کے بعد میں نے اپنے دائیں بائیں نظر دوڑائی تو معلوم ہوا کہ تقریباً سب پر ہی میرے جیسی حالت طاری ہے۔

مثالی جماعت

میں نے چونکہ عربی لباس پہنا ہوا تھا اس لئے کئی احباب محض تعارف کی غرض سے آکر پوچھتے تھے کہ آپ کا تعلق کس ملک سے ہے۔ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو خلیج کے ممالک میں کام کرتے تھے اور جب انہیں پتہ چلا کہ میں بھی وہیں ہوتا ہوں تو انہوں نے میرے ساتھ اپنے ایڈریسز وغیرہ کا تبادلہ کیا۔یوں مجھے ایک اور موقع ملا کہ میں ان لوگوں کو ان کے گھروں میں اور کام کے دوران اور عام روزمرہ کے میل جول میں دیکھ سکوں۔ یہ احمدی میرے گھر آتے جاتے تھے اور میں بھی ان کے ہاں جاتا اور مختلف مواقع پر ان سے ملتا جلتا رہتا تھا۔اس میل جول اور باہمی رابطے نے مجھے جماعت احمدیہ کی حقیقت سے روشناس کروایا اور میرے دل سے یہ صدا نکلی کہ یہی تو مثالی جماعت ہے جس کا قیام پوری دنیا میں ہونا چاہیئے۔میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سب لوگ درجہ کمال تک پہنچے ہوئے تھے ، ہاں اتنا ضرور کہتا ہوں کہ احمدی دیگر تمام مسلمانوں سے عبادت، اخلاق ، میل جول اور باہمی تعاون میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ نیز جماعتی تعلیمات پر عمل اور امام وقت کی اطاعت کے پابند تھے۔حقیقت یہ ہے کہ میں نے ان میں خیر ہی خیر دیکھی۔اور انہیں ایک حقیقی مسلمان کا نمونہ پایا۔میں نے دیکھا کہ وہ ادب واخلاق کے پابند ہیں ، ان کے کاموں میں لوگ ان کے نیکی تقویٰ اور امانت کی گواہی دیتے ہیں۔گو کہ ہمارے اردگرد بہت سے عرب اور غیر عرب مسلمان کام کرنے والے بھی تھے لیکن احمدی لوگ ہی ان سب میں ممتاز حیثیت کیوں رکھتے تھے؟ لازمی طور پر احمدی تعلیم و تربیت نے ہی انہیں اس منصب پر فائز کیا تھا۔

امام سے محبت کی ایک جھلک

جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ بیمار ہوئے تو میں نے دیکھا کہ احمدی صدقہ اکٹھا کررہے تھے اور آپ کی شفایابی کے لئے ایک دوسرے کو دعا کی تحریک کررہے تھے۔ بلکہ میں نے تو اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ ایسے لوگ دیکھے جو اپنے امام کی علالت کے دکھ میں رو رہے تھے اور بڑے تضرع کے ساتھ دعائیں کررہے تھے۔ یہ تعلق میں نے جماعت احمدیہ سے باہر کہیں نہیں دیکھا تھا۔ وہاں تو لوگ زیادہ سے زیادہ اپنے والد یا بھائی یا بیٹے کے لئے روتے ہوں گے لیکن کسی امام یا حکمران کے لئے رونا بالکل غیر معمولی امر ہے۔ اس کے برعکس احمدیوں کو تو ان کا امام ان کے اہل واولاد اور سب رشتہ داروں سے بڑھ کر محبوب تھا۔ یہی اسلامی معاشرہ کا مثالی نمونہ ہے کہ اس کے افراد امام وقت کے ساتھ اسی طرح کا اخلاص اور محبت اور احترام کا تعلق رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بڑے بڑے ابتلاؤں میں ثابت قدم رہتے ہیں اور امام وقت کے ساتھ ان کا یہ تعلق انہیں سب کچھ برداشت کرنے کا حوصلہ دیتا ہے۔ امام وقت کا حوصلہ افزائی کا ایک کلمہ ان کے سارے آنسو پونچھ ڈالتا ہے اور وہ نئی روح کے ساتھ بغیر کسی پرواہ کے عشق و وفا کی راہوں پر رواں دواں رہتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے ملاقات

مجھے بعد میں بھی ربوہ میں متعدد جلسوں میں شرکت کا موقعہ ملا۔ ایک جلسہ پر میں نے ایک شخص دیکھا جو اپنی چال ڈھال اور ظاہری وجاہت و ہیبت کے اعتبار سے کسی فوجی افسر سے کم نہ لگتا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت خلیفہ ثالثؒ کے چھوٹے بھائی مرزا طاہر احمد صاحب ہیں۔

پھر جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی وفات ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسند خلافت پر فائز فرمایا تو میں نے حضور انور سے ربوہ میں ملاقات کی اور حیران رہ گیا کہ حضور کی خلافت کے بعد کی شخصیت اس سے بالکل مختلف ہے جو میں نے قبل از خلافت دیکھی تھی۔ شاید خلافت کے ساتھ اللہ تعالیٰ خلیفہ وقت کو بعض خاص صفات کی ردائیں بھی اوڑھا دیتا ہے جو اس پہلی شخصیت کو یکسر بدل کے رکھ دیتی ہیں۔ اس وقت سے میرے دل میں آپ کی محبت

گھر کر گئی۔ اور میرے ذہن سے وہ فوجی افسر کی تصویر غائب ہوگئی اور اسکی جگہ ایک نہایت محبت وشفقت کرنے والے فرشتہ سیرت امام کی تصویر آ گئی۔ الحمد للہ۔

لندن میں آمد

پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس سے بھی بڑا فضل فرمایا جب میرے برطانیہ آنے پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بعض کام میرے سپرد کئے۔ آپ کی صحبت میں بیٹھنے اور آپ کی شخصیت سے فیض پانے کے نتیجہ میں مجھ پر احمدیت کی حقیقت مزید آشکار ہوتی گئی۔ میں نے جماعت کو آپس میں پیار ومحبت اور رحم وشفقت کے رشتوں سے جڑے ہوئے ایک وجود کی طرح پایا تو حدیث نبوی میں مذکور مسلمانوں کی ایک جسم کی مثال کی عملی صورت میری آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ میرا اپنا تعلق ایک اسلامی ملک سے ہے۔ میں اسلامی ماحول میں پلا بڑھا اور بہت سے اسلامی ممالک میں گیا لیکن اس طرح کا باہمی پیار ومحبت اور عزت واحترام کے جذبات اور الفت ومودت کی فضا میں نے کہیں نہ دیکھی۔ مزید برآں خلیفہ وقت سے غیر معمولی محبت کا تعلق اور آپ کے ارشادات کی اطاعت کے لئے والہانہ جوش بے نظیر تھا۔ کاش کہ لوگ اس نعمت کی لذت اور اس محبت کی چاشنی کو محسوس کر سکیں۔

عربوں کے لئے میرا پیغام

یہ درست ہے کہ ابتدا میں عربوں کو اسلام پھیلانے کا عظیم کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی لیکن اب نہ صرف عربوں بلکہ تمام مسلمانوں کی حالت قابل رحم ہے۔ ہر طرف سے وحدت اور اتحاد کی آوازیں تو آتی ہیں لیکن کبھی یہ سیاسی بنیاد پر ہوتی ہیں اور کبھی دیگر دنیاوی مصلحتوں کی بنیاد پر۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ان بنیادوں پر کبھی بھی اتحاد قائم نہیں ہوئے اور اگر وقتی طور پر ہو بھی جائیں تو دیر پا نہیں رہتے۔ دائمی اتحاد کا صرف ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ کہ امام وقت کے ہاتھ پر اکٹھے ہو جائیں۔ پس آئیں اور اس امام مہدی کے پیچھے ہولیں جس کے بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ وہ احیائے دین کے لئے مبعوث ہوگا۔ یاد رکھیں کہ مسلمان سیاسی طور پر کبھی بھی اس اسلحہ کی بنیاد پر اپنے پاؤں پر نہیں کھڑے ہو سکتے جسے وہ اپنے دشمنوں

سے خریدتے ہیں، اور مادی طور پر کبھی اس امداد یا قرض کی بنا پر ابھر نہیں سکتے جو وہ ان غیر ملکوں سے لیتے ہیں۔ بلکہ اس کا صرف ایک ہی طریق ہے کہ اس امام کی اتباع میں آجائیں جسے خدا نے کھڑا کیا ہے۔ پس عربوں سے میری درخواست ہے کہ آج یہ موقعہ جو انہیں ملا ہے اسے ہاتھ سے نہ جانے دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد اور غلام صادق کی جماعت میں شامل ہوجائیں جس کے عہد میں اسلام کا تمام ادیان پر غلبہ مقدر ہے۔

آخری بیماری

جنوری 1996 میں حلمی صاحب مصر میں تھے کہ وہاں انہیں ہارٹ اٹیک ہوا اور ڈاکٹروں نے انہیں سفر سے روک دیا لیکن اس جاں نثارِ خلافت کی یہ حالت تھی کہ بار بار ڈاکٹروں کو کہتا تھا کہ میں ٹھیک ہوں، مجھے لندن جانے دو۔ جب حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ کی خدمت میں یہ خبر پہنچی تو حضور انور نے بھی انہیں حصول صحت تک وہیں رکنے کا ارشاد فرمایا۔لیکن جیسے ان کی صحت اور چین سکون تو خلافت کے دربار میں پہنچ جانے کے ساتھ ہی جڑا ہوا تھا۔ اس لئے اپنا ملک، اہل وعیال، عزیز واقارب کی قربت ان کے لئے بے معنی تھی۔ وہ تو بس خلیفہ وقت کے در پر پہنچنا چاہتے تھے۔لہذا کسی طرح ضد کر کے ڈاکٹروں سے سفر کرنے کی اجازت لے لی اور لندن چلے آئے۔حضور انور کے ارشاد پر ڈاکٹر شبیر احمد بھٹی صاحب نے ان کا چیک اپ کیا اور مکمل بیڈ ریسٹ کا مشورہ دیا، بلکہ کمپیوٹر پر بھی کام کرنے سے روک دیا۔ ابھی دو دن نہ گزرے تھے اور آپ کی حالت جوں کی توں تھی بلکہ چلنے پھرنے میں بھی خاصی دشواری تھی پھر بھی اسی حالت میں رسالہ التقویٰ کے لئے بعض مضامین تیار کرنے میں لگ گئے۔

حضور انور کو ان کی بیماری کی مکمل رپورٹ پہنچی تو حضور نے ہومیو پیتھی ادویہ کے ساتھ پھلوں سے بھری ایک ٹوکری بھی ارسال فرمائی نیز یہ پیغام بھی بھیجا کہ میں رمضان کی مصروفیت کی وجہ سے نہیں آسکتا ورنہ خود آپ کی عیادت کے لئے اسلام آباد آتا۔ بہر حال آپ آرام فرمائیں اور جب آپ چند دنوں تک مسجد فضل کے قرب میں اپنے نئے گھر میں منتقل ہوجائیں گے تو میں خود آپ کا علاج کروں گا۔

مکرم عبد المومن صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے حضور انور کا یہ پیغام اور آپ کا

تحفہ حلمی صاحب کو دیا تو آپ آبدیدہ ہو گئے پھر بولے: حضور انور مجھ سے اس قدر محبت کیوں کرتے ہیں؟ خدا کی قسم حضور کی یہ محبت میری جان لے لے گی۔

شاید یہ شعر ان کی کیفیت کی غمازی کرتا ہے:

کہتے تھے تجھ کو لوگ مسیحا مگر یہاں
اک شخص مر گیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد

آخری ایام کی باتیں

مکرم نصیر احمد قمر صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

منگل 6 رفروری 1996ء کو خاکسار ان کی عیادت کے لئے جب اسلام آباد میں ان کے گھر پر حاضر ہوا تو حسب معمول بڑی محبت سے مسکراتے ہوئے ملے۔ کہنے لگے کہ مصر میں چالیس دن تک میں بستر پر سیدھا نہیں لیٹ سکا بلکہ بیٹھے ہوئے تکیے گود میں رکھ کر ان پر سر ٹکا کر سوتا رہا۔ یہاں ہیتھرو ائیر پورٹ پہنچا تو ائیر پورٹ والے وہیل چیئر لانا بھول گئے، پیدل چل کر ٹرمینل سے باہر آیا۔ یہاں اسلام آباد پہنچا تو مجھے سکون مل گیا۔ بیگم نے کہا کہ آپ تھک گئے ہوں گے آرام کرلیں تو میں بستر پر جا کر سیدھا لیٹ گیا۔ بیگم نے دیکھا تو خوشی سے بے تاب ہو کر اسی وقت مصر بچوں کو فون کیا کہ تمہارے ابّا آج اتنے دنوں بعد پہلی بار بستر پر سیدھے لیٹ کر سوئے ہیں۔ پھر کہنے لگے کہ اگرچہ میرے بچے مصر میں ہیں لیکن یہ میرا گھر ہے۔ میں یہاں بہت خوش ہوں۔ میں جلد سے جلد یہاں آنا چاہتا تھا۔ وہاں میرا دل نہیں لگتا تھا۔ میں حضور کے پاس جانا چاہتا تھا۔

میں نے پوچھا کہ اب کیسا محسوس کرتے ہیں؟ تو فرمانے لگے کہ حضور نے میرے لئے احمدی ڈاکٹر کو بھیجا اور ساتھ ہی رقّت سے آواز گلو گیر ہو گئی۔ پھر کہنے لگے اس ڈاکٹر نے میرا معائنہ کیا اور حضور نے وہ دیکھوا دو یہ بھیجی ہیں۔ میں نے کہا کہ حضور آپ کو بہت یاد کرتے رہے۔ ترجمۃ القرآن کلاس میں بھی آپ کے متعلق عبد المومن صاحب سے دریافت فرماتے رہے اور ساری دنیا کے احمدی آپ کے لئے دعا گو ہیں۔

ایسی حالت میں بھی مجلّہ التقویٰ کے مضامین کے متعلق بات شروع کردی کہ حضور کا

رمضان المبارک سے متعلق پہلا خطبہ مل جائے تو اس کا ترجمہ کر کے اس ماہ کے ایشو میں دینا چاہتا ہوں، رسالہ لیٹ ہو رہا ہے۔ میں نے کہا آپ یکدم زیادہ بوجھ نہ لیں۔ آہستہ آہستہ انشاء اللہ صحت بہتر ہو گی تو سب کام چلتے رہیں گے۔ کہنے لگے نہیں کوئی بات نہیں، میں ایک دن میں ترجمہ کرلوں گا اور ایک دن میں تحیّہ میری بیٹی اسے ٹائپ کر دے گی۔

کہنے لگے کہ ابھی میں ٹی وی پر مصری عالم ''الشعراوی'' کا درس القرآن سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ان بے چاروں کو قرآن کے علوم کا کیا پتہ؟ صرف سطحی باتیں کرتے ہیں۔ آج قرآن کریم کا علم مسیح موعود اور آپ کے خلفاء کے پاس ہے، یہ لوگ اندھیروں میں ہیں۔ الحمد للہ کہ خدا نے ہمیں نور میں لا بسایا ہے۔ احمدیت نہ ہوتی تو ہم بھی اندھیروں میں بھٹک رہے ہوتے۔ کہنے لگے کہ حضور کے درس جلد مرتب ہو کر ملیں تو ان کا بھی عربی میں باقاعدہ ترجمہ ہونا چاہئے۔

وفات سے کچھ دیر پہلے کے جذبات

مکرم نصیر احمد قمر صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

وفات سے کوئی دس منٹ قبل ان کے لئے مسجد فضل کے جوار میں نئے تیار کردہ فلیٹ میں ان سے ملاقات ہوئی۔ نئے گھر کو دیکھ کر بے حد خوش تھے۔ میں نے کہا آپ اتنی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئے ہیں۔ کہنے لگے میں ٹھیک ہوں۔ یہاں حضور کے قریب آ گیا ہوں اور کیا چاہئے۔ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ یہی حال ان کی اہلیہ اور بیٹی کا تھا۔ اتنی excitement جو خوشی اور مسرت سے انہیں تھی پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ بار بار کہتے یہاں حضور کے پاس، حضور کے قریب آ گیا ہوں، یہ تو جنت ہے۔ سٹنگ روم کے شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے کہنے لگے یہاں سے حضور آتے جاتے نظر آئیں گے۔ ان کی یہی تمنا تھی کہ حضور کے قرب میں حضور کے قدموں پر جان نچھاور کریں۔ خدا کی تقدیر نے حیرت انگیز طریق پر ان کی قلبی خواہش کو پورا کیا۔

(ماخوذ از الفضل انٹرنیشنل مؤرخہ 23 فروری تا 29 فروری 1996)

حلمی صاحب کی وفات

12رفروری 1996ء کی شام حلمی صاحب حضور انور کی ملاقات کے لئے انتظار کر رہے تھے کہ وہیں پر ہارٹ اٹیک ہوا اور آپ نے درِخلافت پر ہی اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ إنّا للّٰه وإنّا إليه راجعون۔

14 فروری کو درس قرآن کے بعد حضور انور مسجد فضل کے قرب میں جماعت کے گیسٹ ہاؤس 41۔گریسن ہال میں تشریف لائے جہاں حضور نے مکرم حلمی صاحب مرحوم کے چہرہ کو محبت سے بوسہ دیا پھر تابوت کو کندھا دے کر مسجد فضل لندن میں لائے اور نماز ظہر سے قبل ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔آپ کی تدفین ووکنگ کے قریب بروک ووڈ کے قبرستان میں ہوئی جہاں قبر تیار ہونے کے بعد امیر جماعت احمدیہ برطانیہ مکرم آفتاب احمد خان صاحب نے دعا کروائی۔

حضور انورؒ کی زبان مبارک سے ذکر خیر

حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ نے 14رفروری 1996ء کو درس قرآن میں مکرم حلمی صاحب مرحوم کا تفصیل سے ذکر خیر فرمایا جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ہمارے ایک بہت ہی پیارے بھائی، بہت مخلص اور فدائی انسان حضرت السید حلمی الشافعی کا وصال ہو گیا ہے۔لقاء مع العرب میں ان کی وجہ سے جان آجاتی ہے، ان کا چہرہ، ان کا اخلاص، ان کی باتیں، ان کا ترجمہ اور فصاحت وبلاغت ایسی تھی کہ طبیعت عش عش کر اٹھتی تھی۔انکی یہ تعریف صرف احمدی ہی نہیں کرتے تھے بلکہ غیر احمدی عربوں کی طرف سے بھی جو مجھے خط ملا کرتے تھے ان میں حلمی شافعی صاحب کے متعلق بڑے تعریفی کلمات ہوا کرتے تھے۔ان کا اندازِ بیان بہت ہی پیارا تھا۔اور میں ان سے کہا کرتا تھا کہ مجھے آپ کے ترجمے کا ایسا مزا آتا ہے کہ کسی اور کا نہیں آتا کیونکہ آپ لگتا ہے کہ میری جان میں اتر کر ترجمہ کر رہے ہوتے ہیں۔میرے رونے پر رو پڑتے، میرے ہنسنے پر ہنس پڑتے۔ یوں لگتا تھا جیسے ایک ہی طبلے کی تھاپ پر ہم دونوں کے دل دھڑک رہے ہوتے تھے۔جس مزاج کے ساتھ میں بولتا تھا بعینہٖ وہی مزاج ڈال کر ترجمہ کرتے تھے۔آواز کا زیر و بم انہی جذبات کے ساتھ ابھرتا۔خدا نے

خاص ملکہ ان کو دیا تھا، غم کی بات پر چہرے پر غم کے آثار، اور خوشی کے موقع پر مسکراہٹ سے چہرہ کھل اٹھتا تھا۔ یہ وہ چیزیں تھیں کہ جس نے ترجمے کے مضمون میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ میرے علم میں آج تک کوئی ایسا ترجمہ کرنے والا نہیں آیا جو اپنے چہرے کے انداز، الفاظ کے چناؤ اور طرز کلام میں بات کرنے والے سے مکمل ہم آہنگی کرے۔

خلافت سے محبت ایسی کہ اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔

ان کو پچھلے دنوں کسی کام سے مصر جانا ہوا۔ مصر میں پہلی بار ان کو دل کا حملہ ہوا جو بہت ہی شدید تھا۔ وہاں بیٹھے ہوئے حال یہ تھا کہ جب وہاں لقاء مع العرب کا پروگرام دیکھا کرتے تھے تو روتے جاتے تھے کہ کاش میں پھر جاؤں، اور ساتھ بیٹھ کر یہ ترجمہ کا کام پھر سنبھالوں۔ ایک عشق تھا اس کام سے اور خدمتِ دین کے ساتھ تو ویسے ہی ایک ایسا عشق تھا کہ تراجم میں یا تفسیر کبیر کے ترجمہ میں بلکہ ہر کام میں صفِ اول کے مخلص فدائی انصار من اللہ میں سے تھے۔

آپ نے تقریباً 30 سال پہلے مصطفیٰ ثابت صاحب کے ذریعہ دو سال کی بحث اور مطالعہ کے بعد احمدیت قبول کی۔ مصطفیٰ ثابت صاحب سے ان کو بہت محبت تھی اتنی کہ مجھے کہا کہ ان کو بھی یہیں بلا لو، ہم دونوں مل کر کام کریں گے۔

مصطفیٰ ثابت صاحب کی چونکہ صحت خراب تھی اور ان کو ایسی بیماری ہے کہ میرے نزدیک وہ زیادہ بوجھ نہیں اٹھا سکتے اور یہ جو کام ہے بہت بوجھ والا کام ہے اس لئے میں نے ان سے کہا کہ یہ مشکل ہے اور میں ان کو ایسی تکلیف نہیں دینا چاہتا تو پھر مان گئے مگر دل ان کا یہی چاہتا تھا کہ وہ ساتھ رہیں۔

آج وہ اسلام آباد سے اپنی بیگم کے ساتھ یہاں آئے اور جب میں نماز کے لئے آیا تو کھڑکی سے جھانکتے رہے۔ پھر اپنی بیگم سے کہا کہ کتنی پیاری جگہ ہے میں اس کھڑکی سے مسجد بھی دیکھا کروں گا اور مجھے (حضور انورؒ) بھی۔ کہتے تھے کہ میری خواہش ہے کہ میں ایسی جگہ دفن ہوں جہاں میرا (حضو انورؒ کا) قرب نصیب رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہی تقدیر تھی کہ ان کی خواہش کے مطابق یہاں آکر وفات ہو اور یہیں تدفین ہو۔

اپنا نیا مکان دیکھنے کا بڑا شوق تھا، یہ بھی خواہش تھی کہ میں ان کو یہاں قریب بلا لوں تاکہ انہیں دور سے نہ آنا پڑے۔ یہ ساری باتیں اللہ کے فضل سے پوری ہو گئیں۔

میری خواہش ہے کہ ان کی میت کو کندھا دے کر لاؤں۔سب اس اسلام واحمدیت کے فدائی کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے۔اوران کے بچوں کو تسکین قلب اور صبر ورضا عطا فرمائے، آمین۔

آپ کی تواضع

مکرم عبدالمومن طاہر صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

مکرم حلمی الشافعی صاحب میرے مصر پہنچنے کے ایک سال بعد وہاں واپس آ گئے۔قبل ازیں وہ کسی عربی ملک میں اپنے کام کے سلسلہ میں قیام پذیر تھے۔حلمی صاحب کے آنے کے باوجود بھی خطبہ جمعہ میں ہی دیتا رہا۔لندن سے ''نصر'' نامی ایک رسالہ وہاں جاتا تھا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے خطبات کا خلاصہ ہوتا تھا۔ میں اس کا ترجمہ کرتا تھا اور حلمی صاحب اس کو بہتر کر دیا کرتے تھے بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ تقریباً نیا ترجمہ ہی کر دیا کرتے تھے۔ایک عجیب بات جو میں نے اس عظیم انسان میں دیکھی وہ یہ تھی کہ وہ بہت بڑے دل کے مالک تھے۔ سارا ترجمہ خود کر کے میرے نام لگا دیتے تھے۔بعض اوقات کسی خاص لفظ یا کسی خاص امر میں مَیں نے اگر کوئی تحقیق کی ہوتی اور حلمی صاحب کے سامنے کسی سیاق میں ذکر کر دیتا تو فرمایا کرتے کہ مومن صاحب میں تو آپ سے عربی سیکھتا ہوں۔اور یہ بات ایسی ہے جو کوئی عام عربی نہیں کہہ سکتا، بلکہ یہ حلمی صاحب کی تواضع کا اعلیٰ مقام تھا۔

ایک عظیم ترجمان

مکرم نصیر احمد قمر صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر خدمت بجا لا رہا تھا۔ان دنوں ملک خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم حضور انور کے خطبات کا انگریزی میں ترجمہ کرتے تھے بعد میں حضور کے حسب ہدایت وہ خطبہ سن کر تحریری طور پر بھی نوٹس بنا کر دوبارہ ترجمہ کی ڈبنگ کرتے تھے۔میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے نوٹس بڑے تفصیلی بنائے ہوتے تھے بلکہ ایک لحاظ سے وہ حضور کے خطبہ کا تحریری ترجمہ ہوتا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ حضور انور نے تبلیغ کے لئے پوری دنیا میں ایک ہلچل سی مچا دی ہے لہٰذا اگر یہ انگریزی

ترجمہ حلمی صاحب کو بھجوایا جائے تو وہ اس کا عربی میں ترجمہ کر سکتے ہیں یوں عربوں میں بھی حضور انور کے خطبات پہنچنا شروع ہو جائیں گے۔ لہٰذا میں ملک صاحب سے وہ ترجمہ لے کر خود ہی حلمی صاحب کو پوسٹ کر دیا کرتا تھا اور حلمی صاحب اسے عربی میں ترجمہ کر کے مومن صاحب کو بھیج دیا کرتے تھے۔ ملک خلیل الرحمٰن صاحب بھی بڑی محنت سے تحریری ترجمہ تیار کرتے تھے اور حلمی صاحب بھی اس انگریزی ترجمہ سے عربی میں ترجمہ کا حق ادا کرتے تھے کہ ایسے لگتا تھا کہ عربی ترجمہ حضور انور کے اردو خطبہ سے براہ راست سن کر کیا گیا ہے۔

ایک حیادار انسان

مکرم عبد المومن طاہر صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

حلمی صاحب کا دل بہت بڑا دل تھا۔ان میں جود وسخا کی صفت بہت زیادہ تھی۔ اگر کوئی ان کا ہزاروں کا بھی مقروض ہوتا تو حلمی صاحب کبھی باتوں یا اشارہ کنایہ میں بھی اس کو محسوس نہیں ہونے دیتے تھے کہ وہ ان کا مقروض ہے۔ حتی الوسع قرض واپس نہیں مانگتے تھے۔ اور اگر بفرض محال مانگنا پڑا بھی تو اتنے باشرم وحیا تھے کہ خود کبھی نہیں مانگا۔ بلکہ کسی کے ذریعہ یہ بات کہلواتے تھے۔ان کی اس صفت کی وجہ سے انہوں نے کافی نقصان بھی اٹھایا۔

دینی تربیت کا انوکھا انداز

آپ کی پہلی بیوی فوت ہو گئیں تو آپ نے اپنی مرحومہ بیوی کی چھوٹی بہن سے دوسری شادی کر لی۔ آپ کی اس بیوی نے حج کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔اس وقت تک وہ غیر احمدی ہی تھیں اور حجاب وغیرہ نہیں اوڑھتی تھیں۔ حلمی صاحب نے ان سے کہا کہ خانہ کعبہ تو خدا کا گھر ہے اور اس کے کچھ آداب ہیں۔اس لئے اگر تم وعدہ کرو کہ حجاب پہنو گی تو میں تمہیں حج کے لئے لے جاتا ہوں۔ چنانچہ اس طرح انہوں نے حجاب پہننا شروع کر دیا۔ پھر 1987ء میں انہوں نے احمدیت بھی قبول کر لی۔

مجلّہ التقویٰ کے حقیقی محرر

علاوہ ازیں مختلف عرب غیر احمدیوں کی طرف سے سوالات اور اعتراضات آتے تھے ان کے جوابات بھی مکرم حلمی صاحب دیا کرتے تھے۔ اکثر لمبے لمبے جوابات ہوتے تھے جن کو بعد میں ہم التقویٰ میں شائع کر دیتے تھے۔ خطبہ جمعہ کے ترجمہ اور سوالات کے جوابات کے علاوہ التقویٰ کے اکثر مضامین میں بھی حلمی صاحب کا کسی نہ کسی طرح حصہ ہوتا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مجلّہ التقویٰ وہی چلا رہے تھے۔

فرض شناس مبلغ

مکرم حلمی صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ ہمارے بعض عرب احمدیوں کو نہ جانے کیوں اپنی کتابیں تالیف کرنے کا شوق ہے، جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کا تحریر وتقریر پر مشتمل اس قدر مواد انگریزی میں میسر ہے اسکا ترجمہ کیوں نہیں کرتے؟ ایک صدی گزر چکی ہے اور ہم ابھی تک اس مواد کا عشر عشیر بھی عربوں تک نہیں پہنچا سکے۔ اس لئے اب جلدی کرنی چاہئے۔ لہذا آپ دن رات ترجمہ کے کام میں مصروف رہتے۔ آپ نے کچھ کتب تالیف کیں اور متعدد کتب کا ترجمہ بھی کیا جیسے **بل نختار محمدًا** صلی اللّٰه علیه وسلم، الإسراء والمعراج ، حقیقة الجن، حضرت خلیفہ رابعؒ کی کتاب ''مذہب کے نام پر خون'' اور ''خلیج کا بحران'' اور ''Islam's Response to Contemporary Issues'' کا ترجمہ کیا۔ اسی طرح A Man of God کے کچھ حصہ کا ترجمہ بھی کیا۔

جماعتی اموال کی قدر و قیمت کا احساس

حلمی صاحب باوجود اس کے کہ خدا کے فضل سے کروڑ پتی تھے لیکن چھوٹی سے چھوٹی چیز کے ضیاع کے بھی سخت خلاف تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ آپ کاغذ کی ایک طرف استعمال کر کے پھینک دیتے ہیں جب کہ ہم نے اس کی دونوں اطراف کے پیسے دیئے ہیں۔ اس لئے ان کے اکثر تراجم ایسے اوراق پر کچی پنسل سے لکھے ہوئے ہیں جن کی ایک طرف پہلے سے

استعمال شدہ ہے۔

ایک محبت کرنے والا وجود

مکرم نصیر احمد قمر صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

میرے ساتھ بہت پیار کا اظہار فرماتے تھے، میں اگر کہوں کہ مجھ سے پیار کا سلوک تھا تو بہت سے اور بھی ہیں جو یہی دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ تھا ہی بہت پیارا وجود۔ جو بھی ان سے ملا وہ اس کے دل میں بس گئے۔ محبت، انکسار، نظام جماعت کا احترام، کامل غیر مشروط اطاعت، اخلاص، وفا اور تنگی وتکلیف ہر حال میں خدمت اور خدمتِ دین ایسی مثالی خصوصیات تھیں کہ ان پر رشک آتا تھا کہ خدایا تو نے مسیح پاک کو کیسے کیسے ہیرے وجود عطا کئے ہیں۔ کبھی اگر انہیں سیرت حضرت مسیح موعودؑ کا یا صحابہ مسیح موعودؑ کا کوئی واقعہ بتاتا تو چشم پُر آب ہو جاتے۔ کہتے کہ ہمیں تو ان باتوں کا پتہ ہی نہیں۔ کیا کسی جگہ انگریزی میں لکھا ہوا مل جائے گا تا کہ میں اس کو عربی میں ترجمہ کرسکوں۔ اس بڑھاپے میں اس قدر جواں ہمتی سے، استقلال سے کام کرتے تھے کہ بلاشبہ ہم نوجوان شرم سے منہ چھپائے پھرتے تھے۔

خلافت کی آواز

محترم عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لندن بیان کرتے ہیں کہ:

محترم حلمی صاحب ایک حسین نگینہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے جماعت کو عطا فرمایا تھا۔ پروگرام ’’لقاء مع العرب‘‘ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ جب سوالات کے جوابات ارشاد فرما رہے ہوتے تھے تو میں نے اکثر دیکھا کہ حلمی صاحب ایک ایسی کیفیت، ایسی توجہ اور ایسے محبت وعشق کے انداز سے سن رہے ہوتے تھے جس کا بیان ممکن نہیں ہے۔ آپ کبھی اتنے زیادہ نوٹس نہ لیتے، نہ ہی ترجمہ کرتے وقت بار بار نوٹس کو دیکھتے تھے، بلکہ ایسے لگتا تھا آپ تمام مضمون کو سن کر حضور انور کا منشاء سمجھ لیتے تھے اور پھر اسکو ایسے عام فہم اور مؤثر انداز سے بیان کرتے کہ حضور انور نے ایک سے زیادہ مرتبہ فرمایا کہ حلمی صاحب جب ترجمہ کرتے رہے ہوتے ہیں تو مجھے ایسے لگتا ہے جیسے میں خود بول رہا ہوں۔ شاید یہ سب آپکے حضور انور کے ساتھ غیر معمولی روحانی تعلق اور قلبی

وابستگی کی وجہ سے تھا۔آپ خلافت کی آواز تھے جو محبت اور اخلاص اور وفا سے عبارت تھی۔

ترجمہ کا اچھوتا انداز

حضور انورؒ کا طریق یہ تھا کہ مفصل جواب عطا فرمانے کے بعد آخر پر عموماً خلاصہ بیان فرمادیا کرتے تھے۔اور حلمی صاحب کا ایک یہ بھی اچھوتا انداز تھا کہ وہ ترجمہ کا آغاز وہاں سے کرتے تھے جہاں حضور انور کا جواب ختم ہوتا تھا۔یعنی خلاصہ کا ترجمہ پہلے کر لیتے تھے اور باقی دلائل اور تفصیل کا ترجمہ اس کے بعد کرتے تھے۔

علم قرآن کے اصل وارث

کئی دفعہ ایسے ہوا کہ پروگرام میں حضور انور نے بعض آیات کی تفسیر بیان فرمائی تو پروگرام کے بعد اکثر ہاتھ اٹھا کر ماتھے پر رکھ کر کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ ان آیات کی تفسیر تو آج سمجھ میں آئی ہے۔ایک دفعہ قرآنی قسموں کی حکمت کے بارہ میں سوال ہوا تو حضور انور نے اس پر کم وبیش پورا ایک گھنٹہ بات کی۔پروگرام ختم ہوا تو حلمی صاحب ایک عجیب کیفیت میں کچھ دیر تو سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے رہے پھر گویا ہوئے کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور ہم اہل زبان ہیں لیکن آج پتہ چلا ہے کہ ہم قرآن کریم کے معارف سے بے خبر تھے۔آج قرآن کی سمجھ آئی ہے۔ہمیں معلوم ہی نہ تھا کہ وہ آیات جن کی تلاوت کے وقت ہم یونہی گزر جاتے تھے اس قدر عجیب روحانی معارف اور عظیم معانی سے پُر ہیں۔یہ سچ ہے کہ آج اگر علم قرآن ہے تو صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کے پاس ہے۔

لے کے خود پیرِ مغاں ساغر و مینا آیا

ایک دفعہ غالبًا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ کی تفسیر کے بارہ میں سوال ہوا تو حضور انور نے مفصل طور پر تفسیری مضمون بیان فرمادیا اور اعلیٰ ترین اور محبوب ترین اور عمدہ ترین چیز کو خدا کی راہ میں دینے کی حکمت بیان فرمائی۔پروگرام ختم ہونے کے بعد حضور انور نے ارشاد فرمایا کہ سب بیٹھے رہیں میں ابھی آتا ہوں۔جب حضور انور تشریف لائے تو آپ کے

ہاتھ میں ایک ٹرے میں جگ اور دو جوس کی بوتلیں تھیں۔حضور انور نے اپنے دائیں طرف سے شروع کیا اور اتفاقاً میں حضور انور کے دائیں طرف تھا اس لئے پہلے مجھے عطا فرمایا جبکہ محترم حلمی صاحب انتہائی بائیں طرف تھے اس لئے ان کی باری سب سے آخر پر آئی۔حضور انور سب کو اپنے ہاتھوں سے پلا رہے تھے۔کسی کے گلاس میں جوس کم ہوتا تو حضور اور ڈال دیتے اور فرماتے اور پیو اور پیو۔جب سب نے سیر ہو کر پی لیا تو آخر پر چند گھونٹ باقی بچے جو حضور انور نے خود نوش فرما لئے۔اس کے بعد فرمایا کہ جب میں اس مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کر رہا تھا تو مجھے اچانک خیال آیا کہ کسی نے مجھے میرا پسندیدہ جوس بھیجا تھا اور وہ میرے فریج میں پڑا ہوا ہے، اور میں نے چاہا کہ سب مل کر پیتے ہیں۔

یہ فرما کر حضور انور تو تشریف لے گئے لیکن حلمی صاحب تو جیسے مست ہو گئے اور حضور انور کے اس پاکیزہ عملی نمونہ کا ان کی طبیعت پر ایک نشہ سا چھا گیا تھا۔کہنے لگے کہ وہ جوس جو حضور انور کا پسندیدہ ہے اور بطور تحفہ آیا ہے، اور جسے حضور انور نے سنبھال کر فریج میں رکھا ہوا ہے اس میں سے خود صرف دو گھونٹ پیا۔اس آیت کی تفسیر کا کیا ہی پاکیزہ عملی اور زندہ نمونہ ہے۔اور ہم کس قدر خوش قسمت ہیں کہ ایسا عظیم وجود ہم میں موجود ہے۔

سبحان اللہ کیسا ساقی تھا اور کیسے میکش! وہ دنیاوی شربتوں کے ساتھ روحانی مَے کے جام پہ جام لٹاتا رہا اور یہ پیاسے کتنے اعلیٰ درجہ کے ادب اور سلیقے والے تھے کہ نہ صرف اس وقت خود سیراب ہوئے بلکہ ایسی مثالیں رقم کر گئے کہ آج ان کا ذکر ہی طبیعت میں روحانی نشہ کا سا ماحول پیدا کر دیتا ہے۔

سچی محبت کرنے والے

مکرمہ مہا دبوس صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ:

جب حلمی صاحب سے میری پہلی ملاقات ہوئی تو ان کی جس بات نے مجھے بہت متاثر کیا وہ آپ کے ہونٹوں پر بکھرنے والے ہلکی سی مسکراہٹ اور چہرے کی بشاشت تھی۔آپ سے میں نے طرح طرح کے سوالات پوچھے لیکن آپ نے بڑی وسعت حوصلگی، صبر اور مسکراتے ہوئے چہرہ کے ساتھ تمام سوالوں کا جواب دیا۔لیکن جب میں نے عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور ان کے

آسمان پر چلے جانے کے بارہ میں علماء کے دلائل کا ذکر کیا تو آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، اور ہونٹوں پر مسکراہٹ کی جگہ حزن وملال نے لے لی اور ڈبڈباتی آنکھوں اور بھرائی ہوئی آواز میں بڑے جوش سے فرمانے لگے یہ لوگ کس طرح جرأت کرتے ہیں کہ ایسا عقیدہ رکھ کر حضرت اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کریں۔ان کی غیرت کیسے گوارا کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین اور افضل المرسلین مان کر بھی یہ ایمان رکھیں کہ آپ زمین میں دفن ہیں جبکہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں بیٹھے ہوئے ہیں۔اگر کسی کو لمبے عرصہ تک بقا زیبا تھی تو اس کی سب سے بڑی حقدار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تھی۔

آپ کی یہ غصّہ کی حالت دیکھ کر اور ان کلمات کو سن کر میں نے یقین کر لیا کہ احمدی سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے ہیں اور اپنی اس محبت میں سب سے زیادہ سچے ہیں۔

مجھے کیا سے کیا بنا دیا

مکرم عبادہ بربوش صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حلمی صاحب سے پوچھا کہ احمدیت نے آپ کو کیا دیا؟

انہوں نے فرمایا کہ قبول احمدیت سے قبل میری طبیعت شدت پسندی کی طرف مائل تھی اور برداشت کا مادہ نہ تھا۔ بلکہ ایک واقعہ جس کو بیان کرتے ہوئے اب مجھے شرم محسوس ہوتی ہے لیکن اس سے پتہ چلتا ہے کہ میں کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے احمدیت کی بدولت مجھ پر کس قدر فضل اور رحمت فرمائی ہے۔ایک دفعہ میں حج میں تھا تو طواف کے دوران کسی نے مجھ سے آگے نکلنے کی جستجو میں مجھے کہنی ماردی۔ میں نے یاد رکھا اور اگلا چکر پورا ہونے سے قبل اسے کہنی مار کر بدلہ لے لیا۔ ہمارے پاس تو نام کا اسلام تھا، نرا چھلکا ہی چھلکا تھا، احمدیت نے اسلام کا مغز عطا کر دیا اور احمدیت قبول کرنے کے بعد اس طرح کے تصرفات جاتے رہے اور میں نے روحانی پہلو پر خاص توجہ دینی شروع کر دی۔

محترم حلمی صاحب کے بارہ میں حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ نے مجھے فرمایا تھا کہ ان کے ساتھ رہا کرو کیونکہ یہ نیک اور بزرگ انسان ہیں۔

ہر لمحہ خدمت دین کرنے کی خواہش

حلمی صاحب کو وقت کی بہت قدر تھی۔ ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک دفعہ میں بھی انکے ساتھ دوپہر کے کھانے پر موجود تھا۔ کھانا ختم کرنے کے بعد آپ نے کاپی اور قلم نکالا اور ترجمہ کا کام شروع کر دیا۔ میں نے عرض کیا کہ اپنے آپ پر رحم کریں کچھ آرام کر لیں بلکہ آئیں ہم کچھ وقت بیٹھ کے باتیں کرتے ہیں۔ فرمانے لگے: ساری زندگی دنیاوی کاموں میں ہی گزر گئی اور معلوم نہیں کہ اب کتنی باقی ہے اس لئے اب مَیں چاہتا ہوں کہ اس باقی ماندہ زندگی کا ہر ایک لمحہ دین کے کاموں میں صرف ہو جائے۔

شستگیٔ کلام اور مزاح

حلمی صاحب میں خلافت کی محبت، احترام اور ادب بھی اعلیٰ پائے کا تھا، اور آپ کی حس مزاح بھی بہت نرالی تھی۔ حضور انورؒ کی مجلس میں بعض اوقات نہایت شستگی اور پورے ادب واحترام کے ساتھ برجستگی سے کوئی ایسی بات بھی کر دیتے تھے جس سے ساری مجلس کشتِ زعفران بن جاتی تھی۔

ایک دفعہ ایک عورت نے عجیب سا سوال بھیجا کہ اگر کسی کا خاوند بخیل ہو تو کیا وہ گھر کے خرچ کے لئے اپنے خاوند کا مال چوری کر سکتی ہے؟ حضور انور پہلے تو سوال سن کر بہت ہنسے، پھر فرمایا کہ اسلام تو چوری کی اجازت نہیں دیتا خواہ وہ کسی کی بھی ہو۔ پھر مذاق کے رنگ میں فرمایا: لیکن میں ایک مشورہ دے سکتا ہوں کہ جب ایسے بخیل خاوند کے ہاتھ میں اس کی بیوی نقدی دیکھے تو بے شک چھین لے۔ اس پر سب ہنس دیئے۔

حلمی صاحب نے پہلے حصہ کا ترجمہ کیا اور ہاتھ سے نقدی چھیننے والے حصہ پر آ کر رک گئے اور حضور انور کی خدمت میں عرض کیا کہ: میں اگلے حصہ کا ترجمہ نہ کرنے کی حضور انور سے اجازت چاہتا ہوں۔ حضور انور نے پوچھا: آپ ایسا کس لئے چاہتے ہیں؟ حلمی صاحب نے عرض کیا کہ حضور اس مجلس میں میری بیوی بھی بیٹھی ہوئی ہے، چونکہ اس کی انگریزی زبان کمزور ہے اس لئے مجھے لگتا ہے کہ ابھی تک بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی، لیکن اگر میں نے عربی میں

ترجمہ کردیا تو اسے سب سمجھ آجائے گا اور بعد میں پھر وہ حضور انور کے جواب کے آخری حصہ کو میرے خلاف بکثرت استعمال کرے گی۔ حضور انور حلمی صاحب کے اس جواب سے بہت محظوظ ہوئے۔

حضورؒ کا لقاء مع العرب میں خراج تحسین

حلمی صاحب کی وفات کے بعد لقاء مع العرب کے ریکارڈ ہونے والے پہلے پروگرام میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ جب تشریف لائے تو محترم حلمی صاحب کی مغفرت کے لئے ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کروائی پھر فرمایا:

حلمی صاحب کی وفات پر بہت سے احمدی احباب نے افسوس کے خطوط لکھے اور ان کی تعریف کی ہے۔ آپ کی وفات ایک اجتماعی خسارہ ہے۔ میں اپنی طرف سے بھی احباب کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں اور مزید کچھ کہنے سے قبل آیئے ان کے لئے دعا کرتے ہیں۔

قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے خود ہی سارے انتظام فرمائے تھے اور ہمیں خیال بھی نہیں تھا کہ کیسے یہ سارا ترجمہ کا سلسلہ چل رہا ہے۔ بہر حال جب السید حلمی الشافعی صاحب نے مصر جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت منیر ادلبی صاحب کو یہاں بھیج دیا۔ گو کہ انہوں نے بہت اچھا کام کیا لیکن چونکہ لوگ حلمی صاحب کے عادی ہو چکے تھے اس لئے منیر ادلبی صاحب بہر حال ان کی جگہ نہ لے سکے۔ عین ممکن ہے کہ اگر کچھ عرصہ تک منیر ادلبی صاحب ترجمہ کرتے رہتے تو لوگ ان کے عادی ہو جاتے اور ایسا عموماً ہوتا آیا ہے۔

بہر حال حلمی صاحب کی وفات کے بعد میں متبادل انتظام کے بارہ میں سوچ رہا تھا۔ میرے سامنے دو امکانات تھے، ان میں سے ایک مہا صاحبہ ہیں جن کو انگریزی اور عربی پر بھی عبور حاصل ہے، وہ پڑھی لکھی عورت ہیں اور پیشے کے اعتبار سے انجینئر ہیں، انہوں نے اپنی باقی زندگی اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دی ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ اس خلا کو پر کرسکیں گی۔ لیکن چونکہ میری آواز تو مردانہ ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ترجمہ بھی مردانہ آواز میں ہو سوائے اس کے کہ بہت مجبوری کی صورت پیدا ہو جائے۔ اس صورتحال کے پیش نظر میں نے منیر عودہ صاحب کو موقعہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ منیر عودہ ماشاء اللہ زبانوں کے معاملہ میں بہت اچھے ہیں

انہوں نے ابھی اردو کلاس میں حصہ لینا شروع کیا ہے لیکن بہت کم عرصہ میں بہت لمبی چھلانگ لگائی ہے۔ اور ماشاء اللہ غیر معمولی ہیں۔ انہوں نے انگریزی بھی سیکھی ہے۔ لیکن ان کی انگلش اتنی اچھی بہرحال نہیں ہے جتنی مہا صاحبہ کی ہے۔ اس لئے اگر انہیں ترجمانی میں کوئی مشکل ہو یا کوئی حصہ رہ جائے تو مہا صاحبہ آپ انکی مدد کردیں۔ عبادہ صاحب آپ کی زبان بھی بہت اچھی ہے اور شاید ان دونوں (مہا صاحبہ اور منیر عودہ صاحب) سے بھی اچھی ہوگی لیکن آپ کسی قدر shy ہیں۔ میں نے دیکھا کہ کئی دفعہ حلمی صاحب اگر ترجمہ میں کبھی ادھر ادھر ہوتے تو آپ کے چہرے پر کچھ آثار ظاہر ہوجاتے تھے اور جب میں درستگی کر دیتا تھا تو آپ مطمئن ہو جاتے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ انگلش بہت اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں۔ اب بھی آپ اپنا وہی رول ادا کرتے رہیں اور جب دیکھیں کہ آپ کی ضرورت ہے منیر عودہ سے لے لیں اور بے شک خود ترجمہ کر دیں، مجھے پتہ ہے کہ منیر عودہ صاحب اس کا بالکل برا نہیں منائیں گے۔ سو اب یہ انتظام ہے کہ ہم سب ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے چلیں گے۔

(لقاء مع العرب 26 فروری 1996ء)

ایک اور پروگرام میں فرمایا:

الحمد للہ یہ پروگرام صرف عربوں میں ہی نہیں بلکہ پاکستانی اور انڈین اور بنگلہ دیشی احمدیوں میں بھی مقبول ہے۔ اگرچہ وہ عربی نہیں سمجھتے تھے پھر بھی۔ اس کا کریڈٹ بڑی حد تک حضرت حلمی شافعی صاحب کو جاتا ہے کہ جس طرح محبت اور خوشی کے آثار انکے چہرے سے پھوٹ پڑتے تھے۔ مجھے بنگلہ دیش پاکستان اور انڈیا اور افریقہ کے گاؤں اور دور دراز کے دیہات سے حلمی صاحب کی وفات پر خطوط ملے حتّی کہ ایسے لوگوں کی طرف سے بھی کہ جن کو شاید کچھ سمجھ نہ آتا تھا لیکن وہ حلمی صاحب کے انداز اور ان کے چہرے کو پڑھ لیتے تھے۔

(لقاء مع العرب بتاریخ 11/اپریل 1996)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس فاضل مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اپنی رضا کی جنتوں میں بلند مقامات عطا فرمائے، آمین۔

لقاء مع العرب میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ترجمان کے طور پر

جلسہ سالانہ برطانیہ کے ایک اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے

قادیان میں
صاحبزادہ
مرزا وسیم احمد صاحب
کے ساتھ
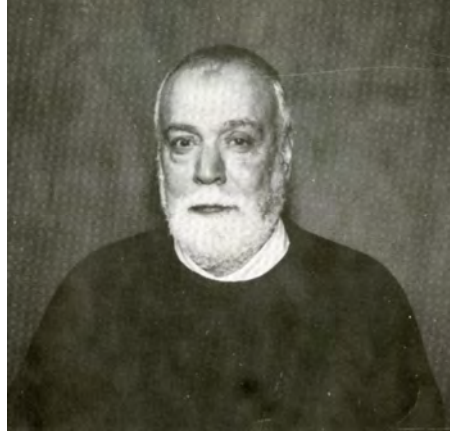
مکرم الحاج
محمد حلمی الشافعی صاحب

ہالینڈ کے دورہ
کے دوران
امیر جماعت ہالینڈ
کے ساتھ

خالد سلیم عباس ابوراجی صاحب

مکرم خالد سلیم عباس ابو راجی صاحب بفضلہٖ تعالیٰ حیات ہیں اور خدا کے فضل سے صحتمند اور تہجد اور صوم وصلاۃ کے پابند مخلص احمدی ہیں۔ انہوں نے ہماری درخواست پر اپنی کچھ یادیں ہمیں لکھ کر ارسال کی ہیں جن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

علماء سے دل اٹھ گیا

مکرم ابوراجی صاحب کہتے ہیں کہ مَیں ایک معمولی معمار تھا اور ٹھیکیدار کے طور پر کام کرتا تھا۔ یہ 1950ء کی بات ہے کہ مَیں دمشق میں مسجد شیخ محی الدین ابن عربی کے قریب رہتا تھا۔ میرے ساتھ میری بیوی کا ایک بھائی عبدالعزیز خلیل بزّی بھی بطور مددگار کام کرتا تھا۔ مَیں ہمیشہ مسجد میں جا کر نماز ادا کرتا اور حتی الوسع جا کر اذان بھی دیا کرتا تھا لیکن میرا یہ برادر نسبتی مسجد کے قریب نہیں پھٹکتا تھا۔ مَیں نے اسے مسجد جا کر نماز ادا کرنے کا کہا اور دو تین دن کی مسلسل بحث کے بعد بالآخر مسجد جانے پر راضی کر لیا۔ اس وقت مسجد میں ہر نماز کی دو جماعتیں ہوا کرتی تھیں ایک شافعی فرقہ کا امام الشیخ صالح پڑھاتا تھا اور دوسری حنفی فرقہ کا امام الشیخ احمد الحنفی پڑھاتا تھا۔ مَیں اکثر کسب ثواب کی خاطر دونوں اماموں کے پیچھے نماز پڑھ کے جاتا تھا۔ چنانچہ ہم دونوں نے شافعی امام کے پیچھے نماز ادا کی اور حنفی امام کے پیچھے نماز ادا کرنے کے لئے بیٹھے ہوئے تھے کہ اس امام کی نظر میرے برادر نسبتی کے گھٹنے سے پھٹے ہوئے پاجامے پر پڑی۔ وہ اس کی طرف اشارہ کر کے بلند آواز میں بولا: یہاں سے تمہارا ننگ ظاہر ہو رہا ہے۔ ان کے علی الاعلان سب کے سامنے یہ بات کہنے پر میرا برادر نسبتی خجالت سے اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ اس

نے میرے ساتھ نماز تو ادا کر لی لیکن مسجد سے نکلتے ہی کہا: تمہیں اور تمہارے اس مولوی کو جنتیں مبارک ہوں۔ آج کے بعد مَیں اس مسجد میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ اس بات نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا اور ان علماء کے بارہ میں سوچنے پر مجبور کر دیا جن کی ہم آنکھیں بند کر کے پیروی کئے جا رہے تھے۔

پہلی دفعہ کسی احمدی سے ملاقات

مذکورہ بالا واقعہ کے تقریباً ایک ہفتہ بعد مسجد کے سامنے دیکھا کہ ایک مولوی بلند آواز میں کسی کو 'کفار کفار' کہہ رہا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میرے پاس سیفِ علی ہو تو مَیں تمہارا سر تن سے جدا کر دوں۔ اس شور کو سن کر بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ مَیں بھی وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بڑی متانت اور وقار سے اس مولوی کو کہہ رہا ہے کہ مولوی صاحب قولِ خدا ہی سن لو، قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سن لو۔ لیکن مولوی صاحب کی ایک ہی رٹ تھی کہ 'کفار کفار'۔ ان کے سر قلم کر دینے چاہئیں۔ بہر حال جب اس تکرار سے دونوں تھک گئے تو ہر ایک نے اپنی اپنی راہ لی۔ مَیں نے سوچا کہ ایک عام سا شخص تو قرآن وحدیث کی بات کرتا ہے اور یہ مولوی اس سے یہ بات سننے کی بجائے 'کافر کافر' کی رٹ لگائے ہوئے ہے۔ معلوم کرنا چاہیئے کہ کونسی ایسی آیات ہیں اور کون سے ایسے استدلالات ہیں جن کے پیش کرنے کی بنا پر اس شخص پر کافر کی مہر لگ گئی ہے۔ چنانچہ مَیں مولوی کو چھوڑ کر اس شخص کے پیچھے ہو لیا۔ یہ شخص شام کے ایک پرانے احمدی مکرم محمد الذہب صاحب تھے۔ مَیں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے عقائد پر مشتمل کوئی کتب بھی ہیں؟ انہوں نے مجھے کتاب ''دعوة الأحمدية وغرضُها'' دی اور احمدیوں کے جمع ہونے کی جگہ بتائی جو کہ الحاج بدر الدین الحصنی کا مکان تھا۔ مَیں شروع شروع میں بڑے محتاط طریق پر دیکھتا اور سنتا کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ لیکن مجھے کتب میں اور ان کے طرز عمل میں سوائے اسلام کے اور کچھ نظر نہ آیا۔

استخارہ اور رؤیا احمدیت ایک باثمر باغ

مَیں نے احمدیت کی حقیقت کے بارہ میں استخارہ کیا تو رؤیا میں دیکھا کہ مَیں ایک دوست

کے ساتھ جنگل میں جا رہا ہوں۔ ہم بے ثمر درختوں کے درمیان چلتے جاتے ہیں اور جنگل ختم ہی نہیں ہو رہا۔ مَیں اسے بار بار پوچھتا ہوں کہ ہم کہاں جا رہے ہیں کیونکہ چل چل کے مَیں تھک گیا ہوں۔ وہ میری بات کا جواب نہیں دیتا یہاں تک کہ ہم پانی کے ایک نالے پر پہنچتے ہیں جس کو پار کرنے کے بعد ایک اور باغ شروع ہو جاتا ہے جس میں تمام درخت ہی پھلدار ہیں اور پھلوں سے لدے ہوئے ہیں۔ میرا دوست مجھے کہتا ہے کہ جہاں سے ہم گزر کے آئے ہیں وہ آج کل کے مسلمان ہیں جبکہ یہ باثمر باغ احمدیت ہے۔ چنانچہ مَیں نے اسی دن جا کر بیعت کر لی۔

یَدُ اللّٰہِ مَعَ الْجَمَاعَۃ

احمدی ہونے کے بعد مَیں کام کے سلسلہ میں سعودی عرب چلا گیا اور 1956ء میں واپس آ کر گھر خریدا لیکن تھوڑے عرصہ میں ہی میرے مالی حالات بہت خراب ہو گئے حتیٰ کہ گھر بھی بک گیا اور کثرت عیال کی وجہ سے بالآخر حالت یہ ہو گئی کہ پانی کے ساتھ روٹی یا بعض اوقات وہ بھی میسر نہ رہی۔ بالآخر مَیں نے مجبور ہو کر مکرم منیر الحصنی صاحب سے کچھ قرض لے کر کاروبار شروع کرنا چاہا لیکن میٹیریل کے لئے رقم نہ تھی۔ چنانچہ مَیں نے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں دعا اور قرضۂ حسنہ عطا کرنے کی درخواست کی۔ ابھی تین یا چار دن گزرے تھے کہ ایک شخص میرے گھر آیا جس کے ہمسائے کا مَیں نے کسی وقت ایک مکان تعمیر کیا تھا، اس نے کہا مجھے بھی ویسا ہی مکان تعمیر کر دو۔ چند منٹ میں تمام معاملات طے ہو گئے اور اس نے تمام رقم مجھے ایڈوانس دے دی۔ مَیں نے اس کام کو مکمل کرنے میں دن رات ایک کر دیئے۔ چند دنوں کے بعد مرکز سے میری درخواست قبول ہونے کا خط بھی موصول ہو گیا جس میں کہا گیا تھا کہ آپ مطلوبہ رقم مکرم منیر الحصنی صاحب سے لے لیں۔ لیکن بفضلہٖ تعالیٰ مجھے کام مل گیا تھا لہٰذا مَیں نے اس منظور شدہ قرض کی رقم سے ایک پائی بھی نہ لی۔

میرے لئے یہ واقعہ ازدیاد ایمان کا باعث ہوا۔ اور دل و دماغ میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے۔ وہ نہ کبھی جماعت کو نہ ہی افراد جماعت کو اکیلا چھوڑتا ہے بلکہ ہر آن اپنی نصرت کے جلوے دکھاتا رہتا ہے۔

سگریٹ نوشی ناجائز ہے

1982ء کے ربوہ کے آخری جلسہ سالانہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے شرکت کی توفیق عطا فرمائی۔ اسی طرح 1985ء میں جلسہ سالانہ برطانیہ میں بھی شرکت کا موقع ملا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ اس جلسہ سے واپسی پر مجھے شام میں مختلف تفتیشی ایجنسیوں کے سامنے حاضر ہونا پڑا۔ بالآخر مجھے جیل میں ڈال دیا گیا۔ جیل میں تفتیش سے قبل مجھے تفتیشی افسر نے سگریٹ کی پیشکش کی جسے مَیں نے یہ کہہ کر ردّ کر دیا کہ قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس وقت وہاں پر تقریباً پانچ افراد موجود تھے اس نے ان کے سامنے مجھے کہا:

تفتیشی افسر: اگر تم قرآن کریم سے یہ حکم نکال کر دکھا دو تو سمجھو کہ تمہاری ہر مشکل حل ہوگئی۔ اور مَیں تمہیں باعزت طور پر یہاں سے رخصت کر دوں گا۔

ابوراجی: کیا قرآن کریم میں نہیں کہتا کہ اسراف وتبذیر کرنے والے اخوانِ شیطان ہیں؟

تفتیشی افسر: لیکن میرے پاس خرچ کرنے کے لئے بہت مال ہے۔

ابوراجی: کیا تمہیں اپنی صحت کا کچھ خیال نہیں؟

تفتیشی افسر: الحمدللہ میری صحت بھی بہت اچھی ہے۔

ابوراجی: اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض کے بیان میں فرماتا ہے:

يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الأعراف:158)

یعنی: وہ ان کو نیک باتوں کا حکم دیتا ہے اور انہیں بُری باتوں سے روکتا ہے اور اُن کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال قرار دیتا ہے اور اُن پر ناپاک چیزیں حرام قرار دیتا ہے۔

اب تم ہی فیصلہ کر کے مجھے بتادو کہ سگریٹ کا شمار طیبات میں ہوتا ہے یا خبائث میں؟

اس پر سننے والوں نے تالی بجادی۔ چنانچہ میرا سامان وغیرہ مجھے دے دیا گیا اور بوقت رخصت اس تفتیشی افسر نے کہا کہ تم سے پہلے مجھے کوئی اس معاملہ میں اس طرح قائل نہیں کرسکا جس طرح تم نے کیا ہے۔ چنانچہ حسب وعدہ مجھے باعزت طور پر رخصت کر دیا گیا۔

❋❋❋❋❋

حسین قزق صاحب

ہم ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی لندن ہجرت سے قبل فلسطینی مقبوضہ علاقوں کے رہائشی احمدی عربوں کے لئے پاکستان جانا تقریباً ناممکن ہی تھا اسی طرح دیگر عرب ممالک سے بھی احمدی احباب کا مرکز احمدیت میں جانا شاذ و نادر کی طرح تھا۔ حتی کہ جلسہ سالانہ ربوہ میں بھی صرف مکرم طٰہٰ قزق صاحب مرحوم اور مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب ہی کسی قدر باقاعدگی سے شامل ہوتے تھے اور ان کے علاوہ کبھی کبھار اِکّا دُکّا عرب احباب ربوہ کی زیارت یا جلسہ سالانہ میں شرکت کی سعادت پاتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی ہجرت کے بعد 1985ء کے تاریخی جلسہ سالانہ برطانیہ سے قبل ایک ایسے عرب زائر کے تاثرات اور واقعات درج کرنا شاید مناسب ہوں جنہیں ربوہ کی زیارت اور خلیفۂ وقت سے ملاقات کی سعادت ملی۔ ان کا نام مکرم حسین قزق صاحب ہے۔ آپ مکرم طٰہٰ قزق صاحب کے قریبی عزیز ہیں اور لمبا عرصہ اپنی ملازمت کے سلسلہ میں کویت میں رہے ہیں۔ اور آج کل کینیڈا میں رہائش پذیر ہیں۔ مکرم حسین قزق صاحب نے ہماری درخواست پر ربوہ کے اپنے دو سفروں سے متعلق چند سطور لکھی ہیں جن میں سے ایک کا تعلق تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے عہد مبارک کے آخری ایام سے ہے جبکہ دوسرے کا تعلق حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خلافت کے پہلے سال سے ہے۔ یہاں پر ان کی چند سطور کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

ایک عجیب نوجوان

1981ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے عہد مبارک کے آخری جلسہ میں

شمولیت کی سعادت پانے کیلئے مَیں نے ربوہ کا سفر اختیار کیا۔اس سفر کا آخری حصہ مجھے بذریعہ بس طے کرنا تھا۔لیکن بس کی حالت دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ اس میں سوار ہونا تو نہ صرف مشکل بلکہ شاید ناممکن ہو کیونکہ لوگوں کا ایک ہجوم غفیر اس پر سوار ہونے کیلئے دھکم پیل میں مصروف تھا، اور ایک حشر کا سا سماں تھا۔میری حیرانی اور پریشانی کو دیکھ کر ایک نوجوان نے مجھ سے پوچھا آپ کہاں جانا چاہتے ہیں ۔مَیں نے کہا: ربوہ۔ اس نے کہا کیا آپ جلسہ سالانہ میں شرکت کیلئے آئے ہیں۔مَیں نے کہا: جی ہاں۔اس نے کہا کہ مَیں بھی احمدی ہوں اور مَیں بھی وہیں جارہا ہوں۔آپ بے فکر ہو جائیں مَیں آپ کی مدد کرتا ہوں۔وہ عجیب نوجوان تھا۔فوراً گیا اور دو ٹکٹیں بھی خرید لایا اور میرا سامان وغیرہ بھی خود ہی لے کر بس کی چھت پر چڑھ گیا۔جہاں اور بھی بیشمار لوگ اپنا اپنا سامان لے کر ایک دوسرے سے پہلے چڑھنے کی کوشش میں تھے۔پھر اس نوجوان نے مجھے اس بھری ہوئی بس میں سوار بھی کروا دیا۔ہمیں سیٹ بھی مل گئی اور بیٹھنے کے بعد جب مَیں نے ٹکٹ کے پیسے ادا کرنا چاہے تو اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ آپ ہمارے مہمان ہیں۔میرے متعدد بار کوشش کرنے کے باوجود وہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ مجھے راستہ میں اس نے بتایا کہ وہ ایک کمپنی میں سیلز مین کی نوکری کرتا ہے اور ایسی ہی بسوں پر تقریبا 1000 میل کا فاصلہ طے کر کے جلسہ سالانہ میں شرکت کیلئے آیا ہے۔ ربوہ پہنچے تو اس عجیب نوجوان نے تیزی سے میرا سامان اتارا اور فورًا ٹانگہ لے آیا۔ میرے کہنے پر وہ مجھے دارالضیافت لے گیا۔مکرم طٰہٰ قزق صاحب مجھ سے پہلے ربوہ پہنچ چکے تھے۔مجھے استقبالیہ سے معلوم ہوا کہ ان کا نام تو یہاں پر خاصا مشہور ہو چکا ہے۔طٰہٰ قزق صاحب نکلے اور میرا تعارف کروایا اور یوں ایک لمبے مجاہدہ کے بعد مجھے پر امن مقام پر رہائش کے لئے کمرہ مل گیا۔جب مَیں نے مڑ کر دیکھا تو وہ عجیب نوجوان ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔اس نے اپنا مکمل اطمینان کر لینے کے بعد مجھے الوداع کہا اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

مَیں یہاں یہ لکھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس عجیب نوجوان کا طرز استقبال آج تک میرے ذہن پر نقش ہے۔یہ صرف اس مسیح محمدی کی جماعت کا ہی خاصہ ہے کہ جس میں مہمانوں کی راحت کے لئے ایک غیر معمولی قربانی کی روح پائی جاتی ہے۔یہ اس عجیب نوجوان کی ڈیوٹی نہیں تھی لیکن اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں آ کر صحیح اسلامی تعلیمات کو ایسے

ہی سمجھا تھا کہ چاہے کسی کو آپ جانتے بھی نہ ہوں پھر بھی ان کے ساتھ اعلیٰ اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ خلافت احمدیہ کے اس سپوت کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

خاکسار (محمد طاہر ندیم) عرض کرتا ہے کہ شاید یہ ''عجیب نوجوان'' ابھی زندہ ہو اور اس کی نظر سے یہ تحریر بھی گزرے۔ ہم اسے یہی کہتے ہیں کہ اے نوجوان! تجھے یہ جان کر خوشی ہوگی کہ آج سے کئی سال پہلے جو تم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مہمان نوازی کی تعلیم پر کما حقہ عمل کر کے دکھایا تھا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مکرم حسین قزق صاحب آج تک تمہارے لئے دعائیں کر رہے ہیں۔ نہ جانے ان دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیسے کیسے نوازا ہو۔ یاد رکھو کہ تمہاری یہ نیکی رائیگاں نہیں گئی۔ یہ بات جہاں اس نوجوان کے لئے خوشی کا باعث ہونی چاہئے وہاں دیگر نوجوانوں کے اندر یہ عزم بھی پیدا کرنے والی ہونی چاہئے کہ انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد آپ کی نصائح اور اوامر کو عملی طور پر ایسے اعلیٰ انداز میں اپنانے کی کوشش کرنی ہے جیسا حضور علیہ السلام ہم سے چاہتے تھے تا کہ ہمارا عمل اور ہمارا کردار ہی ہمارے ایمان اور عقیدہ کی پہچان بن جائے۔

{الفضل انٹرنیشنل میں یہ حصہ چھپنے کے بعد اس عجیب نوجوان سے رابطہ ہو گیا۔ یہ دوست مکرم طاہر احمد چوہدری صاحب ہیں جو آج کل ٹورانٹو کینیڈا میں رہتے ہیں۔}

اہل ربوہ کا امتیاز

مکرم حسین قزق صاحب لکھتے ہیں کہ: اگلے سال مَیں اپنے والدین کو بھی ساتھ لے کر جلسہ سالانہ ربوہ میں شرکت کے لئے گیا۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خلافت کا پہلا سال تھا۔ حضور انور نے دورانِ ملاقات میری والدہ صاحبہ سے پوچھا آپ کو اہل ربوہ کیسے لگے؟ میری والدہ نے ربوہ میں قیام کی راتیں خدا کے حضور تہجد پڑھتے اور رو رو کر دعائیں کرتے گزاری تھیں اور عبادت الٰہی کا ایک عجیب ماحول دیکھا تھا، لہٰذا یہی جواب دیا کہ مَیں نے اپنی زندگی میں ان جیسی کوئی قوم نہیں دیکھی جس کے افراد خدا کے حضور تضرع وابتہال کے ساتھ سر بسجود ہوں۔

❁❁❁❁❁

مکرم عبادہ بربوش صاحب

مکرم عبادہ صاحب کا تعلق تیونس سے ہے، آپ نے 1983ء میں بیعت کی۔ 1987ء میں وقف کر کے لندن منتقل ہو گئے جہاں کمپیوٹر سیکشن میں خدمات اور رسالہ التقویٰ کی کمپوزنگ کا کام سرانجام دیتے رہے، مکرم حلمی الشافعی صاحب کی وفات کے بعد لمبے عرصہ تک قریبا 240 پروگرام لقاء مع العرب میں حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ کے عربی ترجمان کی حیثیت سے خدمت کی سعادت پائی۔ 1996ء سے اب تک خدا تعالیٰ کے فضل سے رسالہ التقویٰ کے مدیر کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

اب ہم ان کی زندگی کے اہم واقعات ان کی ہی زبانی درج کرتے ہیں۔

خاندانی پس منظر

میری پیدائش 1963ء میں تیونس کے شہر ''الکاف'' میں ہوئی۔ والد صاحب کی خاصی زمینیں اور جائیداد تھی۔ ہمارا خاندان اپنے علاقہ میں بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا خصوصا اس لئے بھی کہ والد صاحب کی طرف سے میرے اجداد کا تعلق صوفیوں کی جماعت سے تھا جو اس علاقہ میں قبولیت دعا کے حوالے سے مشہور تھے۔ نیز وہ قرآن کریم کے قلمی نسخے بھی تیار کرتے تھے جن میں سے بعض آج بھی تیونس کے عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔

بچپن کی ایک خواہش

بچپن میں جب استاد کسی خلیفہ راشد کے مناقب بیان کرتا تو میرے دل میں یہ حسرت

جوش مارتی کہ کاش میں بھی کسی خلیفہ راشد کے زمانے میں ہوتا اوران سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہوتا۔

قبول احمدیت کا واقعہ

نوجوانی میں مجھے یورپین ممالک کی سیاحت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ مَیں ہر سال چھٹیوں میں کسی نہ کسی یورپی ملک کی سیر کے لئے جاتا۔ 1983ء میں جب مَیں اپنے ایک تیونسی دوست کے ساتھ سیاحت کے لئے نکلا تو چار دن لندن میں گزارنے کے بعد ہم کوپن ہیگن (ڈنمارک) چلے گئے جہاں ہم نے ایک مقامی فیملی سے کمرہ کرائے پر لے کر تین ہفتے قیام کیا۔ اس ڈنمارکی فیملی کے ساتھ کچھ دنوں کی بات چیت کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ اگر مَیں انہیں اسلام کی خوبیاں بتاؤں تو وہ ضرور سنیں گے اور اس پر غور کریں گے۔ لیکن جب مَیں نے ان کے ساتھ اس موضوع پر بات شروع کی تو یہ جان کر میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ اس گھر کے مالک کو پہلے ہی اسلام کے بارہ میں کافی امور کا علم ہے بلکہ وہ فوراً ہی تین جلدوں پر مشتمل قرآن کریم کا ڈینش زبان میں ترجمہ اٹھالایا۔ مَیں تو اب تک یہی جانتا تھا کہ صرف فرنچ میں ہی ترجمہ قرآن موجود ہے لیکن ڈنمارک کی زبان میں ترجمہ قرآن اپنے ہاتھوں میں پا کر میری خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ اورمَیں نے فیصلہ کیا کہ اس ترجمہ کرنے والے ادارے میں جا کر اس عظیم اسلامی خدمت پر شکریہ ادا کروں۔ اس ترجمہ قرآن پر موجود ایڈریس لے کر مَیں جمعہ کے روز نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے اس ادارے میں جا پہنچا جس کا نام اسلامک سنٹر تھا۔ میرے ذہن میں یہی خیال غالب تھا کہ اس اسلامک سنٹر کو عرب ہی چلاتے ہوں گے کیونکہ ہم عرب ہی ہیں جنہوں نے صدیوں سے اسلام کی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے۔ لیکن جب مَیں اس سنٹر میں پہنچا تو میرے لئے دروازہ کھولنے والا شخص ایک پچیس چھبیس سالہ پاکستانی نوجوان تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ نماز جمعہ دو گھنٹے بعد ہوگی۔ پھر مجھے کچھ رسمی گفتگو کے بعد مہمان خانہ میں لے گیا جہاں ہماری تفصیلی بات چیت ہوئی، مجھے پتہ چلا کہ اس سنٹر کا اصل نام مسجد نصرت جہاں ہے۔ اور یہ نوجوان جس کا نام منصور احمد مبشر ہے اس مسجد کا امام ہے۔ چونکہ مَیں جمعہ کی نماز سے کافی دیر پہلے آ گیا تھا اس لئے تقریباً تمام نمازیوں سے ہی میری ملاقات ہوئی۔ میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ان

نمازیوں میں میری ملاقات ڈینش زبان میں مترجمِ قرآن مکرم عبد السلام میڈیسن سے بھی ہو جائے گی۔ بہر حال ان سے ملاقات کر کے معلوم ہوا کہ وہ تیونس کے قدیم شہر ''قیروان'' کے عاشقوں میں سے ہیں، اور سات دفعہ وہاں جا چکے ہیں۔ اس مختصر سی بات چیت سے ہی ہمارے درمیان ایک محبت کا تعلق قائم ہو گیا۔ مَیں ان لوگوں سے ملاقات کے دوران غیر محسوس طریق پر ان لوگوں کی حرکات وسکنات بھی نوٹ کر رہا تھا۔ نماز جمعہ کے بعد جب یہ کھانا کھانے بیٹھے تو بھی میری توجہ اسی طرف تھی کہ کیا یہ سنت نبوی اور اسلامی عادات واطوار کا خیال رکھتے ہیں یا نہیں۔ بہر حال مجھے کوئی ایسی بات نظر نہ آئی جو اسلامی روایات کے خلاف ہو بلکہ ان کے چہروں میں مجھے ایک عجیب نور دکھائی دیا اور میرے دل میں ان کی طرف سے نہ صرف اطمینان اور سکون جاگزیں ہو گیا بلکہ مجھے محسوس ہوا کہ میرے دل میں ان لوگوں کے ساتھ محبت کا ایک تعلق پیدا ہو گیا ہے۔

جب مَیں اپنے کمرے میں لوٹا تو میرے تیونسی دوست نے پوچھا کہ مسجد میں کیسے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ مجھے آج تک یاد ہے کہ مَیں نے اسے کہا: زندگی میں پہلی دفعہ میری ملاقات مثالی مسلمانوں سے ہوئی ہے۔ اور اگر بعض متعصب لوگوں کی رائے میں یہ مسلمان نہیں ہیں تو پھر میرے خیال میں روئے زمین پر کوئی بھی مسلمان نہیں ہے۔

مَیں ڈنمارک میں قیام کے دوران مسجد نصرت جہاں میں آتا جاتا رہا۔ اس وقت وہاں دو تین ہی عربی کتب تھی جن کے مطالعہ سے جماعت کے عقائد اور تعلیمات کی مکمل تصویر سامنے نہ آسکی تاہم مبلغ احمدیت مکرم منصور احمد مبشر صاحب نے جماعت احمدیہ کے تعارف اور تعلیمات کے بارہ میں مجھے بہت کچھ بتایا۔ چونکہ میری والدہ مجھے امام مہدی کے ظہور اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارہ میں بتاتی رہتی تھیں اس لئے مجھے ان امور کو سمجھنے میں کوئی خاص مشکل درپیش نہ ہوئی۔ پاکستانیوں کو اس جوش اور اخلاص سے خدمت اسلام کرتے دیکھ کر میرے اندر بھی خدمت دین کے جذبے نے جوش مارا اور مَیں نے کہا کہ ہم عرب زیادہ حقدار ہیں کہ دین کی خدمت کی اس مہم میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوں۔ مَیں ان لوگوں کے اخلاق اور دینی اور فکری برتری کا تو پہلے ہی قائل ہو چکا تھا لہٰذا ان کے ساتھ شامل ہونے کا عزم کیا اور بیعت کر لی۔ بیعت کے بعد مَیں اپنی انٹرمیڈیٹ کی تعلیم مکمل کرنے کیلئے تیونس واپس آ گیا۔

وقف زندگی کا فیصلہ

انٹرمیڈیٹ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مَیں نے مونٹریال یونیورسٹی کینیڈا میں علم النفس کی تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کیا لیکن اسی عرصہ میں میرا میلان خدمت اسلام کے لئے زندگی وقف کرنے کی طرف ہونے لگا۔ مَیں اس بارہ میں کسی قدر متردد تھا اور مسلسل دعا کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ میری والدہ کو کوئی رؤیا دکھا دے جو میرے لئے مستقبل کے راستے کا تعین کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہو۔ کچھ دنوں کے بعد میری والدہ صاحبہ نے بتایا کہ انہوں نے ایک بہت اچھا رؤیا دیکھا ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ تم ایک شخص کے ساتھ مکّہ مکرمہ جا رہے ہو۔ تم دونوں نے سفید لباس زیب تن کیا ہوا ہے، اور بہت خوبصورت داڑھی ہے۔ تم دونوں کا قد اتنا لمبا ہے کہ کعبہ کے گرد جتنے لوگ ہیں ان سب سے تم دونوں ہی لمبے دکھائی دیتے ہو اور لوگ بڑے تعجب اور انہماک سے تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں۔ آخر پر تم دونوں خانہ کعبہ کے دروازے سے اس کے اندر داخل ہو جاتے ہو۔

یہ خواب میرے زخموں پر مرہم ثابت ہوئی اور میرے لئے فیصلہ کرنا آسان ہو گیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ چنانچہ مَیں نے دعا کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں زندگی وقف کر کے جامعہ احمدیہ پاکستان میں تعلیم حاصل کرنے کی خواہش پر مشتمل خط لکھ دیا۔

لندن آنے کے بعد جب مَیں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ اپنی تصویر اپنی والدہ صاحبہ کو بھجوائی تو ان کا ردّ عمل غیر معمولی تھا۔ انہوں نے بتایا کہ یہ تو وہی شخص ہے جس کے ساتھ رؤیا میں مَیں نے تجھے خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ فالحمدللہ۔

لندن آنے میں غیر معمولی تائید ربانی

میری خواہش تو پاکستان میں جا کر دینی علوم سیکھنے کی تھی لیکن مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ مَیں لندن میں مستقل رہائش کے لئے جا رہا ہوں۔ اس پر مجھے کسی قدر تعجب ہوا تاہم چند دنوں کے بعد ہی حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی طرف سے آنے والے خط نے معاملہ واضح فرما دیا، جس میں لکھا تھا کہ مَیں آپ کا وقف قبول کرتا ہوں، لیکن پاکستان کے حالات ایسے نہیں ہیں کہ آپ کو

وہاں تعلیم حاصل کرنے کیلئے بھیجا جا سکے۔ تاہم آپ لندن آ جائیں۔

اس وقت میرا لندن جانا تقریباً ناممکن تھا۔ کیونکہ مَیں نے ابھی تک حکومت کی طرف سے مقرر کردہ کم از کم ایک سال کی لازمی فوجی ٹریننگ نہیں کی تھی ،جس کے بغیر ملک سے مستقل طور پر نکلنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ اس ملک میں واپس نہیں آ سکتے۔ لیکن اسی عرصہ میں تیونسی حکومت نے فیصلہ کیا کہ 1963ء میں پیدا ہونے والوں کو ریزرو کے طور پر رکھا جائے جس کا یہ مطلب تھا کہ انہیں لازمی عسکری ٹریننگ میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ قانون تین ماہ کے اندر قابل عمل ہونا تھا۔

اس قانون کے صادر ہونے سے قبل مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ مجھے لازمی فوجی ٹریننگ میں شامل نہ ہونے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ مَیں نے خواب میں خود کو فوجی وردی پہنے دیکھا لہذا گرفتار کرنے والوں سے کہا کہ آپ دیکھ نہیں رہے کہ مَیں نے فوجی وردی پہنی ہوئی ہے پھر بھی مجھ سے فوجی ٹریننگ میں شامل ہونے کا کہہ رہے ہو۔

مجھے اس خواب کا مطلب اس وقت سمجھ میں آیا جب اس مذکورہ بالا قانون کے نفاذ سے ایک ماہ قبل مجھے گرفتار کر لیا گیا اور مجھے فوجی ٹریننگ مکمل کرنے کے لئے فوج کے سپرد کرنے ہی والے تھے کہ میرے والد صاحب کے ایک با اثر دوست کی مدد سے چھٹکارا مل گیا۔

یہ بات شاید قارئین کرام کے لئے بہت معمولی ہو لیکن میرے لئے بہت بڑی تھی کیونکہ مَیں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بتانا چاہتا تھا کہ دین کے لئے وقف کرنے کی کیا عظمت ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اس قانون کی تبدیلی میرے لئے ہوئی تھی اور جب اس قانون کے نفاذ سے ایک ماہ پہلے مجھے فوجی ٹریننگ میں شامل کرنے کے لئے گرفتار کیا گیا تو اس سے رہائی بھی اسی لئے ہوئی کہ مَیں نے وقف زندگی کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی میں آپ کی روحانی فوج کے سپاہی کا لباس زیب تن کر لیا تھا اس لئے مجھے لازمی فوجی ٹریننگ سے اللہ تعالیٰ نے خود بچا لیا۔

ملاقاتِ حبیب

مارچ 1987ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی دعوتِ خاص پر مجھے لندن حاضر

ہونے کا موقعہ ملا۔ مجھے یاد ہے کہ میرے ذہن میں کئی امور کے بارہ میں استفسارات تھے خصوصاً ختم نبوت کے بارہ میں کچھ امور کی وضاحت حاصل کرنے کا بھی ارادہ تھا کیونکہ پڑھنے کے لئے مجھے بہت کم جماعتی علوم میسر آسکے تھے۔لیکن جب حضور انورؒ سے ملاقات کے وقت میری نظر آپ کے مبارک چہرہ پر پڑی اور آپ نے مجھے معانقہ کا شرف عطا فرمایا تو سب کچھ دُھل گیا، سارے بت ٹوٹ گئے، اوراس کی جگہ یقین وایمان اور محبت وعقیدت کے دھارے بہہ نکلے۔

[گویا بقول شاعر:

یوں ہم آغوش ہوا مجھ سے کہ سب ٹوٹ گئے
جتنے بھی بت تھے صنم خانۂ پندار کے پاس]

چند دنوں کے بعد دوسری ملاقات میں حضور انور نے مجھے نہ صرف شرف معانقہ بخشا بلکہ دیر تک گلے سے لگائے رکھا اور میرے لئے دعائیں کرتے رہے۔مَیں ان دعاؤں کا اثر اپنی روح کے ساتھ ساتھ جسم پر بھی محسوس کر رہا تھا کیونکہ دعائیہ کلمات کی ادائیگی سے حضور انور کی داڑھی مبارک کی حرکت مجھے اپنے کندھے پر محسوس ہورہی تھی۔کچھ دیر کے بعد حضور نے فرمایا کہ چلو اب نماز مغرب کا وقت ہو چکا ہے۔مَیں ایک بے نظیر روحانی انتعاش کی حالت میں مسجد میں داخل ہوا، اور حضور انورؒ نے نماز میں ابھی چند آیات کی ہی تلاوت فرمائی تھی کہ مجھے اپنی آنکھوں پر اختیار نہ رہا، اور محبت الٰہی اور اس پاک وجود کی محبت کی ایک بے مثل لذت میرے انگ انگ میں سرایت کرگئی۔

میں فرش پر گر گیا اور زار وقطار رونے لگا

حضور انورؒ نے مجھے مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کے ساتھ رہنے کا ارشاد فرمایا تھا تا کہ ان سے جماعتی علم کلام سیکھوں اور جماعت کے بارہ میں اپنی معلومات میں اضافہ کروں۔چونکہ ان دنوں اسلام آباد میں رقیم پریس کی تیاری وغیرہ کا کام بھی مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کے ذمہ تھا اس لئے مَیں اکثر ان کے ساتھ اسلام آباد آتا جاتا تھا۔مَیں نے محسوس کیا کہ اس عمارت میں مشینوں کی تنصیب سے قبل پینٹ وغیرہ ہو جائے تو بہت مناسب ہوگا۔یہ سوچ کر مَیں نے اپنے آپ کو اس کام کے لئے پیش کردیا۔اللہ تعالیٰ نے مجھے اس طوعی کام کا اجر اس دنیا میں ہی یوں

دیا کہ مَیں پینٹ کرنے میں مصروف تھا، میرے کپڑے بھی رنگ آلود تھے اور ہاتھ بھی پینٹ سے بھرے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں حضورؒ وہاں تشریف لے آئے، آپ نے اونچی آواز میں سلام کہتے ہوئے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ مَیں نے اپنے پینٹ آلود ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا کہ یہ اس قابل نہیں ہیں کہ حضور انور سے مصافحہ کا شرف پا سکیں، کیونکہ مَیں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ حضور انور کے ہاتھوں پر پینٹ لگے۔ لیکن حضور انور مسکرائے اور فرمایا کہ اگر تم اس کام میں اور پینٹ آلودہ ہاتھوں کے ساتھ خوش ہو تو پھر مَیں بھی اسی طرح مصافحہ کرنے میں خوش ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر نہایت گرمجوشی سے مصافحہ فرمایا۔ مَیں ابھی اس محبت کے نشے سے سرشار تمنا ہی کر رہا تھا کہ کاش یہ لمحات یہیں ٹھہر جائیں اور یہ گھڑیاں امر ہو جائیں کہ حضور انور نے ایک اور احسان فرماتے ہوئے فرمایا: آؤ ہم دونوں مل کر تصویر بنواتے ہیں۔

حضورؒ تو تصویر کے بعد تشریف لے گئے لیکن میں فرش پر گر گیا اور فرط جذبات سے ایک نوزائیدہ بچے کی طرح زار و قطار رونے لگا۔ درحقیقت یہ میری ایک نئی پیدائش تھی جس نے مجھے محبت کے ایک عجیب عالم سے روشناس کروا دیا تھا۔

’’اسلام آباد والا رشتہ‘‘

میں نے اپنا نام دفتر رشتہ ناطہ میں لکھوایا ہوا تھا لیکن کوئی مناسب رشتہ نہ آیا، دوسری طرف برطانوی وزارت داخلہ نے جماعتی سپانسر پر میرے ویزے میں توسیع سے انکار کر دیا تھا کیونکہ جماعت کے دفاتر میں کام کرنے والوں میں صرف میں ہی ایک عرب باشندہ تھا شاید اس لئے انہیں میرے بارہ میں کوئی تحفظات تھے۔ مَیں مایوس کن حالت سے گزر رہا تھا کہ ایک دن الجزائر اور مراکش کے بعض نئے احمدیوں نے نماز جمعہ کے بعد مجھے ایک کیفے میں بلایا (یہ نئے احمدی شاید بعض مادی منفعت کی خاطر جماعت میں داخل ہوئے اور خواہشات پوری نہ ہونے پر جماعت کو خیر باد کہہ گئے) اور کہنے لگے کہ یہ پاکستانی نہ تمہارے ویزے کا بندوبست کریں گے نہ ہی شادی کروائیں گے۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے کام اور اچھی تنخواہ کی آفر دی اور جماعت ترک کرنے کا مشورہ دیا۔

مَیں لوٹا تو مسجد فضل میں جا کر دو رکعت نماز ادا کی اور خدا تعالیٰ سے عرض کی کہ مَیں لندن

میں کسی دنیوی منفعت کے لئے نہیں آیا تھا میرا مقصد تو خدمت دین تھا، تُو میری اس خواہش اور نیت کو قبول فرما اور خود اس مشکل سے رہائی کے سامان پیدا فرما۔

اس واقعہ پر ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ مکرم منیر جاوید صاحب نے بتایا کہ ایک فیملی اپنی بچی کے رشتہ کے سلسلہ میں مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔ مَیں اس فیملی سے ملا اور مجھے یہ رشتہ پسند آ گیا لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ انہوں نے چند ایک سوالات کے بعد فوراً ہاں کر دی۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ ان کی بیٹی نے رؤیا میں کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ:

''یہ اسلام آباد والا رشتہ آپ کے لئے بہتر ہے۔''

وہ اس رؤیا کے بعد پاکستانی دارالحکومت اسلام آباد سے کسی رشتہ کی توقع کر رہے تھے۔ لیکن جب مکرم منیر جاوید صاحب نے انہیں بتایا کہ ایک عربی لڑکا شادی کا خواہاں ہے، تو انہوں نے پوچھا کہ وہ کہاں رہتا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اسلام آباد میں۔ یہ جواب اس خاندان کے لئے چونکا دینے والا تھا۔ کیونکہ رؤیا کے مطابق تو وہ پاکستانی دارالحکومت اسلام آباد سے رشتہ آنے کی توقع کر رہے تھے لیکن کہیں خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ اس سے مراد لندن میں واقع جماعت کا سنٹر اسلام آباد ہے۔ بہر حال اس طرح خدا تعالیٰ کے خاص فضل کے ساتھ میری شادی بھی ہوگئی اور ویزہ میں توسیع کا کام بھی ہو گیا۔

اہم کاموں میں شرکت

شروع شروع میں مجھے رسالہ التقویٰ کی کمپوزنگ کا کام دیا گیا جس کے لئے مَیں نے ٹائپنگ وغیرہ سیکھی اور حسب ہدایت خدمت کی توفیق پاتا رہا۔ بعد میں لمبے عرصہ تک مجھے فرنچ زبان میں حضور انور کی ڈاک کے جوابات میں معاونت کا شرف بھی حاصل ہوا۔

مجھے یاد ہے ایک افریقن احمدی نے حضور انور کی خدمت میں اپنا رؤیا لکھا جس کی واضح تعبیر اس احمدی کی اپنے خاندان میں سب سے پہلے اس دارفانی سے رحلت تھی۔ لیکن حضور انور نے اس بات کو اتنے اعلیٰ بلاغی اسلوب میں بیان فرمایا کہ شاید یہ رؤیا دیکھنے والا بھی اپنی قسمت پر رشک کئے بغیر نہ رہ سکا ہوگا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے خاندان میں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے کا شرف عطا فرمائے گا۔

ناظرین کا نمائندہ چہرہ

مجھے لقاء مع العرب کے فرانسیسی ترجمہ کی سعادت بھی ملی۔ عربی اور انگریزی زبان میں تو یہ پروگرام اپنے ریکارڈنگ والے دن ہی ٹیلی کاسٹ ہو جاتا تھا۔ لیکن فرنچ زبان میں دو دن بعد نشر کیا جاتا تھا۔ اپنی تیاری اور پریکٹس کے طور پر مَیں حضور انور کے جوابات کا دل ہی دل میں فرانسیسی زبان میں رواں ترجمہ کرتا جاتا تھا۔ لیکن جب مرحوم حلمی شافعی صاحب حضور انور کے جواب کا عربی میں ترجمہ کرتے تو میری خوشی اور حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ خوشی اس لئے کہ اتنے اعلیٰ روحانی معارف پہلی دفعہ سننے کو ملتے تو ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو، اور حیرانی اس بات پر ہوتی کہ یہ سارا مضمون حضور انور کی بلیغ انگلش سے مَیں پوری طرح اخذ نہیں کر پاتا تھا جس کا اندازہ مجھے حلمی صاحب کا ترجمہ سن کے ہوتا تھا۔ یہ خوشی اور حیرانی کے ملے جلے آثار میرے چہرے پر نمایاں ہو جاتے تھے۔ اور حضور انور اکثر میری طرف دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ مَیں شافعی صاحب کے ترجمہ کے اثر کا اندازہ عبادہ کے چہرہ کو دیکھ کر لگا لیا کرتا ہوں۔

کلامِ اولیاء

میری شادی کے تقریباً دو سال بعد جب ہمارے ہاں پہلے بچے کی ولادت متوقع ہوئی تو ہم دونوں میاں بیوی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ اس وقت تک ہمیں ڈاکٹرز نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ہمارے ہاں لڑکا پیدا ہونے والا ہے یا لڑکی اس لئے بچے یا بچی کا نام عطا فرمانے کی درخواست کی۔ حضور انور نے چند لمحات کے لئے کچھ سوچنے کے بعد فرمایا اس کا نام ''حسّان'' رکھ لیں۔ پھر مجھے فرمایا تمہیں پتہ ہے حسّان کون تھے؟ وہ حسّان بن ثابت تھے جنہوں نے یہ مشہور شعر کہے تھے کہ:

كنت السواد لناظرى فعَمِىْ عليك الناظر

من شاء بعدك فليمت فعليك كنت أحاذر

ان شعروں کی ادائیگی کے دوران مَیں نے محسوس کیا کہ حضور انور نے لفظ ''فَلْيَمُتْ'' کو

زیادہ زور دے کر اور قدر بلند آواز کے ساتھ ادا کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کی انگلی کو بھی بلند فرمایا، لیکن اس وقت میری خوشی اس طرف توجہ میں روک بن گئی کیونکہ ہم نے لڑکا یا لڑکی کا نام مانگا تھا اور حضور انور کا صرف لڑکے کا نام عطا کرنا اس بات کی نوید تھی کہ ہمارے ہاں لڑکا پیدا ہونے والا ہے۔لیکن چند ہفتوں کے بعد چیک اپ کے لئے گئے تو ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ بچے کے دل کی دھڑکن سنائی نہیں دے رہی۔مزید تفصیلی چیک اپ کے بعد پتہ چلا کہ بچہ رحم مادر میں ہی فوت ہو چکا ہے۔اس وقت مجھے ''فَلْیَمُتْ '' کے الفاظ یاد آئے اور خدائی تقدیر کے تحت حضور انور کا اپنی انگلی بلند فرما کے ان کو زور دے کر ادا کرنے کا مطلب بھی سمجھ آ گیا۔اس پس منظر کے ساتھ مجھے بچے کی وفات کا اتنا زیادہ صدمہ نہ ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک پیارے کے ذریعہ مجھے پہلے ہی اس کی خبر دے چکا تھا۔

کراماتِ خلافت

میری خوش نصیبی تھی کہ حضور انورؒ نے کمال شفقت سے مجھے بھی اردو کلاس میں شامل فرمایا۔ایک دفعہ حضور انور خود ایک برتن میں کچھ حلوہ بنا کر لائے اور بچوں کی نگران خاتون کو فرمایا کہ یہ تقسیم کر دیں۔اتفاقاً ابتدا مجھ سے ہوئی ۔ چونکہ اردو کلاس میں اس دن غیر معمولی طور پر حاضری بہت زیادہ تھی اور حلوہ اس تعداد کے لحاظ سے بہت کم تھا اس لئے اس خاتون نے اندازہ لگا کر میری پلیٹ میں تھوڑا سا حلوہ رکھا۔حضور انورؒ نے اتنی قلیل مقدار دیکھ کر فرمایا کہ کنجوسی نہ کرو، اسے کچھ اور دو۔اس نے کچھ اور حلوہ میری پلیٹ میں رکھا لیکن پھر بھی مقدار بہت کم ہی رہی کیونکہ حلوہ شاید وہاں موجود تعداد کے لئے ناکافی تھا بلکہ ان کے نصف کیلئے بھی ناکافی تھا۔ حضور انور نے جب یہ دیکھا تو اس خاتون کے ہاتھ سے حلوہ والا برتن لے لیا اور خود تقسیم کرنا شروع کر دیا۔آپ نے سب کو ایک مناسب مقدار میں عطا فرمایا حتی کہ کیمرہ مین کو بھی دیا۔مَیں یہ سب دیکھ کر بہت حیران ہوا اور حضور انور کی خدمت میں عرض کیا کہ آج کے اس واقعہ نے میرے ذہن میں حضرت ابو ہریرہؓ کے دودھ والے واقعہ کی یاد تازہ کر دی ہے۔حضور انورؒ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا، جس سے مجھے تسلی ہوگئی کہ یہ محض خدائی تصرف اور برکت تھی جو حضور انور کے ہاتھ پر کرامت کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

سید القوم

اردو کلاس میں ہی ایک دفعہ حضور انورؒ نے روسٹ گوشت تقسیم فرمایا اور ایک دفعہ پھر ابتدا مجھ سے ہوئی۔ مَیں نے گوشت کھایا اور ہڈیاں میرے ہاتھ میں ہی تھیں کہ حضور انور ایک پلیٹ لئے میرے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا اس میں ہڈیاں رکھ دو۔ اس وقت مَیں نے چاہا کہ وہ ہڈیاں بھی کھا جاؤں اور حضور انور کے مقام کے احترام کے پیشِ نظر آپ کی پلیٹ میں نہ رکھوں۔ لیکن حضور انور نے دو تین بار جب فرمایا کہ ہڈیاں پلیٹ میں رکھ دو تو میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ یہ انتہا درجہ کی کرم نوازی تھی کہ پہلے مجھے کھلایا پھر ہڈیاں رکھنے کے لئے پلیٹ لے کر بھی خود ہی تشریف لے آئے۔

مقدس فرض اور تائید الٰہی

مکرم حلمی الشافعی صاحب کی وفات سے دو روز قبل مَیں نے رؤیا میں یہ آواز سنی:

You are going to replace Hilmi Sahib in the translation

یعنی تم حلمی صاحب کی جگہ ترجمانی کے فرائض سرانجام دو گے۔

مَیں یہ سن کر خوفزدہ سا ہو گیا کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ حلمی صاحب چند دن کے مہمان ہیں۔ دو دن بعد حلمی صاحب حضور انورؒ کے دفتر میں ملاقات کے منتظر تھے کہ دل کا حملہ ہوا اور آپ کی وفات ہو گئی۔ مَیں اس وقت حلمی صاحب کے ساتھ تھا اور اس واقعہ کا میرے دل پر بہت گہرا اثر ہوا۔

حلمی صاحب کی وفات کے دو ہفتے بعد حضور انورؒ نے مجھے لقاء مع العرب میں ترجمہ کرنے کا ارشاد فرمایا۔ مَیں نے یہ کہہ کے معذرت کی درخواست کی کہ ایک تو حلمی صاحب کی وفات میری آنکھوں کے سامنے ہوئی ہے اور مَیں ابھی تک اس صدمہ سے نکل نہیں پایا ہوں، دوسرے میں کئی سالوں سے حضور انور کے خطبات اور دیگر پروگرامز کا فرنچ میں ترجمہ کر رہا ہوں اب یکدم عربی میں ترجمہ کرنا میرے لئے مشکل ہو گا۔ چنانچہ حضور انور نے یہ ذمہ داری منیر عودہ صاحب کے سپرد فرما دی۔ دو ماہ بعد پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے بتایا کہ حضور انور نے فرمایا

ہے کہ منیر عودہ صاحب کو مجبوراً اپنے ملک واپس جانا پڑ گیا ہے، اس لئے اگلے پروگرام سے اگر آپ ترجمہ نہیں کر سکتے تو بتا دیں تا کہ یہ پروگرام مستقل طور پر ختم کر دیا جائے۔ مَیں نے حضور انورؒ کے ان کلمات پر غور کیا تو مجھے ان میں طارق بن زیاد کے حکیمانہ قول کا رنگ نظر آیا جب انہوں نے اپنے ساتھیوں کو حقیقی صورتحال کا ادراک کروانے کے لئے کہا تھا کہ تمہارے آگے دشمن ہے اور پیچھے سمندر، اسی فراستِ ایمانی اور منجھی ہوئی قیادت کے تحت حضور انور نے مجھے ایسے ہی موڑ پر لا کھڑا کیا جہاں میدان میں کود پڑنے کے سوا چارہ نہیں تھا۔ چنانچہ حضور انور کی دعاؤں، شفقت اور کرم نوازی کے ساتھ ترجمہ شروع کیا اور کئی سال تک یہ سعادت نصیب ہوتی رہی۔

چند پروگرامز میں ترجمانی کے بعد جب مَیں حضور انور کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو عرض کیا کہ حضور مَیں نے حلمی صاحب کی وفات سے قبل رؤیا دیکھا تھا جس میں ان کی جگہ ترجمہ کرنے کا پیغام تھا۔ حضور انور نے میری طرف دیکھا اور فرمایا یہ بات مَیں پہلے سے جانتا ہوں۔

1996ء میں حضور انور نے مجھے رسالہ التقویٰ کا ایڈیٹر بنا دیا گو کہ مَیں پہلے بھی اس کی کمپوزنگ، طباعت، پیکنگ اور ترسیل وغیرہ جیسے امور میں معاونت کرتا تھا تاہم اس کے ادارتی بورڈ میں شامل نہ تھا۔ مَیں نے اپنے اصلی نام کی بجائے ایک قلمی نام ''ابوحمزہ التونسی'' بنایا جس میں میری کنیت اور میرے ملک کا نام بھی تھا، جب مَیں نے حضور انورؒ کی خدمت میں منظوری کے لئے پیش کیا تو حضور نے اسے بہت پسند فرمایا اور منظوری عنائت فرما دی۔

قرآن کے علوم ومعارف آپ کے ساتھ ہیں

مجھے حضور انور کے بیرون ملک دورہ جات میں بطور مترجم جانے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ فرانس کے ایک دورے پر حضور انور کے ساتھ سوال وجواب کی مجلس منعقد کی گئی جس میں غیر از جماعت عربوں کی بھی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔ مجلس سوال وجواب کے لئے ڈیڑھ گھنٹے کا وقت مقرر تھا لیکن مختلف آیات قرآنیہ کی تفسیر کے بارہ میں سوالات کی خاصی تعداد باقی

تھی لہٰذا اس مجلس کا وقت بڑھا دیا گیا جو مسلسل ساڑھے تین گھنٹے تک جاری رہی۔ ایک شخص جو مجھ سے کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا بڑی سنجیدگی سے حضور انور کے جوابات سن رہا تھا۔ اگلے دن مجھے پتہ چلا کہ یہ شخص حافظ قرآن ہے اور فرانس میں کسی مسجد کا امام ہے اور اس کی حضور انور کے ساتھ ملاقات ہے جس میں مجھے ترجمانی کے لئے بلایا گیا ہے۔ جب ہم ملاقات کے لئے حضور انور کے کمرہ میں داخل ہوئے تو یہ شخص ایک عجیب والہانہ انداز میں روتے ہوئے حضور انور کی طرف بڑھا اور اونچی آواز میں چیخ چیخ کر یہ کہنے لگا:

''خدا کی قسم قرآنی علوم و معارف صرف آپ کے پاس ہیں۔''

حضور انور نے بھی کمال شفقت سے اپنے بازو کھول دیئے اور یہ شخص مذکورہ کلمات دہراتا ہوا حضور کے سینے سے جالگا، اور اسی وقت بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گیا۔

نابغہء روزگار شخصیت

ایک دفعہ مجھے حضور انور کی طرف سے یہ پیغام موصول ہوا کہ مکرم ایڈیشنل وکیل التبشیر صاحب لندن کے ساتھ ہیتھرو ائر پورٹ پر ایک عرب ملک کے مفتی کے استقبال کے لئے جانا ہے جو خصوصی طور پر حضور انور سے ملاقات کے لئے تشریف لانے والے ہیں۔ مفتی صاحب سے ملاقات کر کے محسوس ہوا کہ وہ بہت منکسر المزاج اور اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ حضور انور سے ملاقات کرنا آپ کو اپنے ملک میں کئی مشکلات سے دوچار کرسکتا ہے۔ کیا میں آپ سے اس ملاقات کا سبب جان سکتا ہوں؟ مفتی صاحب نے بتایا کہ انہوں نے رسالہ التقویٰ میں حضور انور کے خطبات جمعہ پڑھے تھے ان میں سے ایک خطبہ ان کو بہت پسند آیا۔ انہوں نے بتایا کہ مَیں نے کبھی ایسا خطبہ نہیں پڑھا جس میں اتنی خوبصورتی سے دین اور تاریخ اور سائنس اور سیاست میں ہم آہنگی کا مضمون بیان ہوا ہو۔ لہذا یہ پڑھنے کے بعد مَیں نے دینی و دنیاوی علوم کے لحاظ سے اس نابغہء روزگار شخصیت سے ملاقات کا عزم کرلیا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی سلطنت کا نمائندہ

1994ء میں میری والدہ محترمہ اور میری چھوٹی بہن مجھ سے ملنے لندن آئیں۔ پہلے دن

ہی والدہ صاحبہ نے مجھے بتایا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا ہے کہ بہت سے لوگ جلالی آواز میں کلمہ شہادت پڑھ رہے ہیں۔ اتنے میں کوئی کہتا ہے کہ وہاں دیکھو وہ رسول اللہ ہیں۔ مَیں اس جم غفیر کے قریب ہوتی ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتی ہوں، آپ نے پاکستانی لباس (شلوار اور قمیص) پہنی ہوئی ہے، مَیں نے تین دفعہ کوشش کی کہ آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ سکوں لیکن ہر دفعہ آپ کے چہرہ مبارک سے نکلنے والے نور کی شدت کے باعث میں آپ کے چہرہ مبارک کو نہ دیکھ سکی۔

حضور انور سے ملاقات کے دوران مَیں نے جب والدہ صاحبہ کے اس رؤیا کا ذکر کیا تو حضور نے فرمایا کہ انہوں نے پاکستانی لباس میں مجھے دیکھا ہے کیونکہ مَیں ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی سلطنت کا نمائندہ ہوں۔ پھر آپ نے میری والدہ صاحبہ کی بیعت لی۔ جب ہم حضور انور کے دفتر سے باہر آئے تو میری والدہ صاحبہ نے بتایا کہ حضور انور کی تعبیر بالکل درست تھی کیونکہ مَیں نے ملاقات کے دوران تین مرتبہ کوشش کی کہ حضور کے چہرہ مبارک کو دیکھ سکوں لیکن حضور کا چہرہ مبارک اس قدر پرنور تھا کہ مَیں اس کی طرف دیکھ نہ سکی۔

میری والدہ کی وفات حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے عہد مبارک میں ہوئی اور حضور انور نے ان کی نماز جنازہ غائب پڑھائی جو میری زندگی کے اہم واقعات میں سے ایک ہے۔

دو نہیں تین

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کا حافظہ بلا کا تھا اور آپ کے بارہ میں مشہور تھا کہ اگر حضور کسی سے ملے ہوں تو لمبے عرصہ تک اس کے اہل خاندان کے نام تک بھی حضور کو یاد ہوتے تھے۔ لیکن میرے ساتھ عجیب واقعہ ہوا کہ حضور انور نے اردو کلاس کے دوران مجھے کئی مرتبہ پوچھا کہ تمہارے کتنے بچے ہیں؟ اور مَیں ہر دفعہ حضور انور کی خدمت میں عرض کرتا کہ حمزہ اور طلحہ میرے دو ہی بچے ہیں۔ ایک دفعہ جب حضور انور نے یہی سوال پوچھا اور مَیں نے بھی اپنا سابقہ جواب دہرایا تو حضور انور کے چہرہ مبارک پر ایک خفیف سی مسکراہٹ بکھر گئی اور آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ تمہارے تین بچے ہیں۔ مَیں نے عرض کی نہیں حضور دو ہی ہیں۔ لیکن حضور انور نے تین

بار یہ بات دہرائی اور آخر پر فرمایا کہ تمہارے تین بچے ہیں اور تیسرے نمبر پر بیٹی ہے۔
خدا کی قدرت کے بھی عجیب نظارے ہیں کہ وہ اپنے پیاروں کے ذریعہ ایک عالم کو بشارتوں سے نوازتا ہے اور پھر انکے کہے ہوئے الفاظ کو حقیقت کا روپ دے کر بتا دیتا ہے کہ یہ مجھ سے ہے اور مَیں اس کے ساتھ ہوں۔ چنانچہ ایک سال کے عرصہ کے دوران ہی ہمارے ہاں بیٹی کی پیدائش ہوگئی جس کا نام حضور انور نے ''مناہل'' عطا فرمایا۔ فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

بے نظیر محبت

1999ء میں مجھے پاکستان جانے کا موقعہ ملا۔ ائر پورٹ پر ہی مَیں نے دیکھا کہ ایک افسر میری طرف بڑی تیزی سے بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ میرے قریب آتے ہی اس نے مصافحہ کیا۔ مَیں نے عرض کیا کہ مَیں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ اس نے میری بات کا جواب دینے کی بجائے پوچھا: حضور انور کا کیا حال ہے؟ جب مَیں نے حضور انور کے بارہ میں انہیں بتا دیا کہ آپ بالکل ٹھیک ہیں تو اس افسر نے بتایا کہ وہ ایم ٹی اے میں کام کرنے والے اشفاق ملک صاحب کا بھائی ہے۔ اس واقعہ سے مجھے کسی قدر اندازہ ہوا کہ حضور انور کے اہل وطن احمدی آپ سے کس قدر محبت اور پیار کا والہانہ تعلق رکھتے ہیں۔ اسی پر ہی بس نہیں بلکہ مجھے پاکستان میں کئی ایک جماعتوں کے دورہ کے لئے بھی لے جایا گیا جہاں مَیں نے دیکھا کہ لوگ قطاروں میں انتظار کر رہے تھے اور ایک عجیب محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے تھے جن میں رشک بھی تھا اور حسرت کی ہلکی سی آمیزش بھی۔ مَیں ان کی حالت کو دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ اہل پاکستان اس محبت میں بے مثال ہیں۔ وہ مجھ جیسے انسان سے اس قدر محبت اور پیار بھرے جذبات کا اس لئے اظہار کر رہے تھے کیونکہ مَیں خلیفۂ وقت کے پاس سے آیا تھا اور یہ سب اس کی محبت سے مجبور ہو کر اس کی باتیں سننے، اس کے پیار کے قصے تازہ کرنے، اور اس کے روح پرور کلمات سے روشنی پانے کے لئے دوڑے چلے آئے ہیں۔

خوشکن لمحات اور مشکل ترین گھڑی

مجھے بفضلہٖ تعالیٰ 240 سے زائد پروگرامز میں حضور انورؒ کی ترجمانی کی سعادت نصیب

ہوئی۔ آخری پروگراموں میں سے ایک پروگرام میں حضور انور نے کسی سوال کا کافی لمبا جواب عطا فرمایا جس کے ترجمہ کیلئے مجھے بھی تقریباً اتنا ہی وقت لگ گیا۔ جونہی میرا ترجمہ ختم ہوا حضور انور نے فرمایا:

مجھے اپنے جواب کی طوالت کا اندازہ ہی نہیں ہوا کیونکہ مَیں پورا آدھا گھنٹہ بولتا رہا ہوں۔ اور مَیں آپ کا ترجمہ سن کے بہت لطف اندوز ہوا ہوں۔ آپ نے بھی ترجمہ کے لئے پورا نصف گھنٹہ ہی لیا ہے اور چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے سب پوائنٹس کا بہت شاندار ترجمہ کیا ہے۔ چشم بد دور۔ اللہ آپ کو لمبی عمر دے کیونکہ ترجمہ میں آپ کا ثانی نہیں ہے۔ آپ ماشاء اللہ ذہین اور منفرد ہیں۔

میرے لئے یہ کسی ساعتِ سعد سے کم نہ تھا کہ میری نہایت ہی متواضعانہ سی کوشش کو حضور انور نے تعریف وثناء کے اتنے عظیم پھل عطا فرما دیئے۔ فرط جذبات سے مَیں اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکا اور بے اختیار زار وقطار رونے لگا۔ ابھی تک مَیں اسی کیفیت میں ہی تھا کہ حضور انور نے مجھے ان کلمات کا ترجمہ کرنے کا ارشاد فرمایا۔ یہ میرے لئے مشکل ترین گھڑی تھی اور مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اپنی زبان سے تمام دنیا کے سامنے اپنے متعلق ہی تعریفی کلمات کا ترجمہ کس طرح کروں۔

بہر حال یہ حضور انور کا حسن نظر، کمال شفقت اور اپنے خدام کی حوصلہ افزائی کا ایک عجیب ہی انداز تھا جس کو اب بھی یاد کرتا ہوں تو ایک عجیب روحانی لذت وسرور میں ڈوب جاتا ہوں۔

مکرم عبادہ بربوش صاحب پروگرام لقاء مع العرب میں بطور ترجمان

عربی رسالہ ''التقویٰ'' کے ادارتی بورڈ کی حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ 2009 میں ایک تصویر

کرسیوں پر دائیں سے بائیں: ہانی طاہر، عبادہ بربوش، حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز، عبدالمؤمن طاہر، عبدالماجد طاہر۔

کھڑے ہوئے: منیر احمد جاوید، نصیر احمد قمر، محمد احمد نعیم، عبدالمجید عامر، محمد طاہر ندیم۔

عبادہ بربوش صاحب کی رقیم پریس میں

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ یہ تاریخی تصویر

جس کی تفصیل اسی کتاب کے صفحہ 241 اور 242 پر گزر چکی ہے۔

محمد منیر ادلبی صاحب

مکرم محمد منیر ادلبی صاحب کا تعلق شام سے ہے۔آپ اپنے بزنس کے علاوہ انگریزی کی ٹیوشن پڑھایا کرتے تھے۔احمدیت میں داخل ہونے کے بعد زیادہ تر رجحان تصنیف وتالیف اور ترجمہ کتب کی طرف ہو گیا۔آپ نے بعض اہم موضوعات پر عربی میں کتب تالیف کیں۔ان میں "قتل المرتد" ، "انتبهوا الدجال يجتاح العالم"، "النبأ العظيم"، "الجن" وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی کتاب Christianity a Journey from Facts to Fiction اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی کتاب ''شرائط بیعت اور ہماری ذمہ داریاں'' کا عربی میں ترجمہ کرنے کی سعادت بھی آپ کے حصہ میں آئی۔

ان کے قبول احمدیت اور دیگر ایمان افروز واقعات انہی کی زبانی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

قبول احمدیت کا واقعہ

1982ء کی بات ہے کہ میری ملاقات برادرم وسیم الجابی سے ہوئی جو میرے والدین کی ہمسائیگی میں رہتے تھے اور میرے بھائی کے کلاس فیلو تھے۔ برادرم وسیم صاحب نے ایک دن مجھ سے کہا کہ میرے پاس ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے نام سے ایک ایسی کتاب ہے جس میں اسلامی تعلیمات کا بالکل منفرد اور نہایت حسین انداز میں نقشہ کھینچا گیا ہے۔اس کتاب کو پڑھنے کے بعد میری توجہ جماعتی تعلیمات اور افکار اور موضوعات کی طرف ہوئی

اور مزید جاننے کی جستجو میں برادرم وسیم نے مجھے اپنے والد صاحب سے بھی ملایا جنہوں نے کئی مفاہیم کی تشریح کی جن میں ایک دجّال کا موضوع بھی تھا۔ پھر انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ سب مفاہیم وتعلیمات حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی ہیں۔ پھر انہوں نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صدق کے دلائل سے آگاہ کیا۔ اس ساری تحقیق کے بعد جب میرا تعارف مکرم منیر الحصنی صاحب سے کروایا گیا تو مَیں نے ان کی خدمت میں اپنی بیعت کے کاغذات پیش کر دیئے۔

اپنی بیعت کے بعد مَیں نے اپنے والدین اور بہن بھائیوں کو احمدیت کی طرف بلایا اور خدا کے فضل سے سب نے تصدیق کرتے ہوئے بیعت کر لی۔ اسی طرح بعض دوستوں اور جاننے والوں کو بھی تبلیغ کی جن میں سے کئی احباب حلقہ بگوش احمدیت ہو گئے۔

خلافت کے ساتھ رابطہ کا پہلا تجربہ

جس عرصہ میں مَیں نے بیعت کی اس وقت جماعت احمدیہ شام میں کچھ کمزوریاں نظر آئیں اور ایک نئے احمدی کی حیثیت سے ان امور کا میری طبیعت پر بہت گہرا اثر ہوا۔ لہذا مَیں نے جو کچھ دیکھا اپنے نقطہء نظر سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں تحریر کر دیا۔ یہ خلیفہ وقت کی خدمت میں میرا پہلا خط تھا۔ میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ حضور انور کو حقیقتِ حال سے آگاہ کر دیا جائے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ ہوا جس کا مجھے وہم وگمان تک نہ تھا۔ مجھے حضور انور کی طرف سے جوابی خط موصول ہوا جس میں لکھا ہوا تھا کہ مَیں مصطفیٰ ثابت صاحب کو حالات کا جائزہ لینے اور مختلف مسائل کے حل کے لئے بھجوا رہا ہوں۔ یہ پہلا تأثر تھا جو خلافت کے متعلق میرے دل ودماغ میں راسخ ہو گیا کہ جماعت کا فرد خواہ کسی بھی درجہ کا ہو وہ جب بھی خلیفۂ وقت کی خدمت میں لکھتا ہے تو خلیفۂ وقت نہ صرف اس کی رائے کو پڑھتے ہیں بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے ہیں اور اگر وہ رائے درست ہو تو اس کے مطابق فوری طور پر اصلاحی کارروائی کرنے کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ یہی صحیح اسلامی نظام کا خاصہ ہے۔

خلیفۂ وقت سے پہلی ملاقات

1986ء میں مَیں نے حضور انور سے لندن حاضر ہو کر ملاقات کا شرف پانے کی درخواست کی تو حضور انور نے کمال شفقت سے اجازت مرحمت فرمادی۔ چنانچہ مَیں لندن پہنچا جہاں سے مجھے اسلام آباد لے جایا گیا کیونکہ حضورؒ ان دنوں اسلام آباد میں ہی مقیم تھے۔ اسلام آباد میں پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کے آفس جا کر معلوم ہوا کہ حضور انور بس چند لمحات میں تشریف لانے ہی والے ہیں۔ وہ ابھی یہ بات کر ہی رہے تھے کہ حضور انور اپنے مسکراتے ہوئے نورانی چہرے کے ساتھ کمرہ میں داخل ہوئے اور مجھے معانقہ کا شرف عطا فرمایا۔ مجھے اس دن حقیقی محبت کی مٹھاس کا ادراک ہوا۔ حضور انور نے ایسے لطف و کرم اور شفقت و محبت سے مجھے گلے لگایا کہ مجھے محسوس ہوا جیسے مَیں حضور انور کا کوئی پرانا دوست یا سگا بھائی یا عزیز ترین بیٹا ہوں۔ اس پر حضور انور کے پیار بھرے کلمات کی مٹھاس اور شفقت کی گرمائش ناقابل بیان حد تک مسحور کن تھی۔

مَن آدمی بہ لطفِ تُو ہرگز نہ دیدہ ام

اگلے دن حضور انور کے آفس میں میری ملاقات تھی۔ مجھے یاد ہے کہ اس ملاقات میں حضور انور نے پہلا سوال مجھ سے یہ کیا کہ کیا آپ نے کھانا کھا لیا ہے؟ پھر فرمایا قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مہمانوں کے ساتھ یہی سلوک کیا کہ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ (ھود:70) یعنی مہمان سے سلام دعا کے بعد دیگر باتوں سے قبل مہمان نوازی کا فرض ادا کیا۔

اس کے بعد فرمایا: مَیں نے پرائیویٹ سیکرٹری کو کہہ دیا ہے کہ جب تک آپ یہاں ہیں روزانہ آپ کی ملاقات ہوتی رہے۔ چنانچہ مسلسل ایک ماہ تک ہر روز تقریباً ایک گھنٹہ تک مَیں حضور انور کے ساتھ ملنے اور باتیں کرنے کی سعادت پاتا رہا جو کہ حضور انور کی غیر معمولی شفقت اور لطف و کرم پر دلالت کرتا ہے۔ یہ صورتحال دیکھ کر مجھے وہاں پر موجود لوگوں نے ''خوش نصیب شخص'' کے نام سے پکارنا شروع کر دیا تھا۔

دار الضیافت میں قیام کے دوران تقریباً ہر روز ہی ایسا ہوتا کہ کوئی شخص آ کر میرا دروازہ کھٹکھٹاتا جس کے ہاتھ میں حضور انور کی طرف سے میرے لئے کوئی نہ کوئی تحفہ ہوتا تھا۔

حضور انور نے کئی دفعہ غیر ملکی مہمانوں کے ساتھ مجھے بھی ڈنر پر مدعو فرمایا۔ اکثر اوقات حضور مجھے کھانوں کے بارہ میں بتاتے کہ اس کھانے میں فلاں فلاں چیز پڑتی ہے اور اس میں یہ یہ خاصیت پائی جاتی ہے، وغیرہ۔ پھر حضور اپنے دست مبارک سے ایک پلیٹ میں کچھ کھانا ڈال کر مجھے عطا فرما دیتے۔

ایک دفعہ حضور انور کے دفتر میں ملاقات کے دوران حضور نے پوچھا: منیر صاحب آپ کا کیا حال ہے؟ کوئی تکلیف تو نہیں؟ مَیں نے عرض کیا: نہیں حضور، الحمدللہ، سب ٹھیک ہے، بس کبھی کبھی درد شقیقہ ہوتی ہے اور کمر درد کی شکایت رہتی ہے۔ اس پر حضور انور بے ساختہ ہنس دیئے اور میری بات دہراتے ہوئے فرمانے لگے: صرف یہی معمولی تکلیف ہے باقی سب ٹھیک ہے! پھر آپ نے اپنی میز کی دراز سے کچھ میٹھی گولیاں (ہومیوپیتھی دوائی) نکال کے مجھے عنائت فرمائیں اور فرمایا ان کو ابھی کھا لو۔ چنانچہ مَیں نے ایسا ہی کیا۔ مَیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اس دن کے بعد سے مجھے وہ شدید درد شقیقہ کبھی نہیں ہوئی جو کہ اس سے قبل آئے دن مجھے پریشان کرتی رہتی تھی۔ اور میری کمر درد کے علاج کے لئے حضور انور نے پرائیویٹ سیکرٹری کو ارشاد فرمایا کہ وہ کسی احمدی سپیشلسٹ سے معائنہ کروانے کا بندوبست کریں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مجلس شوریٰ ہوئی تو حضور انور نے مجھے بلا کر اپنے پاس بٹھا لیا اور مختلف کمیٹیوں کے ممبران کے انتخاب کے سلسلہ میں مجھے ان کے نام لکھنے کا ارشاد فرمایا۔

پھر سب سے بڑا احسان مجھ ناچیز پر یہ فرمایا کہ پروگرام لقاء مع العرب میں مجھے اپنے کلمات مبارکہ کی ترجمانی کی سعادت سے فیضیاب فرمایا۔

تصنیف وتالیف کی طرف رجحان

80ء کی دہائی کے آخر پر جب جماعت احمدیہ شام کو ایک دفعہ پھر حکومتی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا تو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے فرمایا اب جماعت احمدیہ شام کے وہ افراد جن میں لکھنے کی صلاحیت ہے وہ کتابیں لکھنے کی طرف توجہ دیں اور جماعتی عقائد اور مفاہیم کو

اس طرح پھیلانے کی کوشش کریں۔ حضور انور کے ارشاد کی تعمیل میں دو شخصیات نمایاں طور پر شام میں ملکی سطح پر ابھر کر سامنے آئیں ان میں سے ایک مکرم محمد منیر ادلبی صاحب اور دوسرے مکرم نذیر المرادنی صاحب تھے۔ دونوں دوستوں نے مختلف موضوعات پر کم وبیش پانچ پانچ کتب تالیف کیں اور یہ عجیب بات ہوئی کہ ان کے شائع کرنے کی وہاں اجازت بھی مل گئی۔ یہ بات کسی غیر معمولی واقعہ سے کم نہیں، کیونکہ شام میں ہر دینی کتاب کے چھپوانے کے لئے وزارت اوقاف سے اجازت لینی پڑتی ہے اور وزارت اوقاف میں بڑے بڑے علماء اور مولوی ہی ان سب امور کی نگرانی کرتے ہیں۔ لیکن یہ محض خدا کا خاص فضل ہے کہ ان کتب کے بعد شام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی معرکۃ الآراء تالیف ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا ترجمہ بھی شائع کرنے کی اجازت مل گئی اور یہ کام کرنے کی سعادت بھی مکرم منیر ادلبی صاحب کے حصے میں آئی۔

قتل مرتد کے موضوع پر ٹی وی پر مذاکرہ

غالباً 1998ء کی بات ہے کہ ایک عربی ٹی وی چینل نے ''قضایا ساخنۃ'' (Burning Issues) کے عنوان سے مختلف مشکل اور مختلف فیہ دینی موضوعات پر گفتگو کے پروگرامز کی ایک سیریز ریکارڈ کی۔ ان میں سے ایک پروگرام ''قتل مرتد'' کے موضوع پر تھا۔ چونکہ مکرم منیر ادلبی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی کتاب ''مذہب کے نام پر خون'' کی روشنی میں عربی زبان میں ''قَتْلُ الْمُرْتَد۔۔اَلْجَرِیْمَۃُ الَّتِیْ حَرَّمَهَا الْإِسْلَام'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہوئی تھی جس میں عام علماء کے نقطہ نظر کے بالکل برعکس نظریہ پیش کیا گیا تھا۔ اس لئے ٹی وی چینل والوں نے مکرم منیر ادلبی صاحب کو اس پروگرام میں بلالیا، جبکہ ان کے مدمقابل ایک ایسی شخصیت تھی جو پورے عالم اسلامی میں کسی تعارف کی محتاج نہیں، یعنی استاد کلیۃ الشریعۃ جامعہ دمشق اور کئی دینی کتب کے علاوہ شہرۂ آفاق ''المَوْسُوعة الفقهية'' کے مصنف ڈاکٹر وھبہ الزحیلی صاحب۔ خاکسار ان دنوں عربی زبان کی تعلیم کے لئے شام میں ہی مقیم تھا اور خاکسار کو بھی اس مناظرہ میں جانے کا موقعہ ملا۔ چونکہ ڈاکٹر وھبہ الزحیلی صاحب کے شاگردوں اور عقیدتمندوں کی وہاں پر خاصی تعداد موجود تھی اور انہوں نے خود بھی کافی شور

مچایا لیکن حقیقت یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ ایک جید عالم کہلاتے تھے پھر بھی بار بار حدیثوں سے قتل مرتد کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے جبکہ منیر ادلبی صاحب نے متعدد قرآنی آیات پیش کیں جن سے قتل مرتد کی نفی ہوتی تھی۔ بلکہ مجھے یاد ہے کہ منیر صاحب کا آخری فقرہ یہی تھا کہ قرآن کریم قیامت تک اس بات کی گواہی دیتا رہے گا کہ مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔ اور ڈاکٹر وھبہ الزحیلی صاحب کا آخری فقرہ یہ تھا کہ حدیث قیامت تک یہ گواہی دیتی رہے گی کہ مرتد کی سزا قتل ہی ہے۔ اور شاید یہی جواب ان کی ہزیمت کے لئے کافی تھا کہ قرآن پر حدیث کو فوقیت دے کر اسلام کی طرف ایک ایسا عقیدہ منسوب کر رہے تھے جو اسلامی رواداری پر ایک بدنما داغ سے کم نہیں ہے۔

❁❁❁❁❁

مکرم منیر ادلبی صاحب لندن میں

مکرم عطاء المجیب راشد صاحب اور مکرم طٰہٰ قزق صاحب کے ساتھ

الدروبی برادران

مکرم محمد منیر ادلبی صاحب 1985ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی شفقتوں سے جھولیاں بھر کر جب واپس شام گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تبلیغ کا ایک ایسا موقع عطا فرما دیا جس میں ان کی مساعی بارآور ثابت ہوئیں اور جس کے نتیجے میں دو بھائی مکرم ڈاکٹر محمد مُسلَّم الدروبی صاحب اور مکرم ڈاکٹر بدیع الدروبی صاحب احمدیت میں داخل ہو گئے۔ ان دونوں بھائیوں کی بیعت کا واقعہ ڈاکٹر مُسلَّم صاحب کی زبانی پیش خدمت ہے۔

1985ء میں ہم نے اپنی انگریزی زبان کی روانی اور اس میں کسی قدر مہارت حاصل کرنے کے لئے برطانیہ جانے کا ارادہ کیا تا کہ وہاں کسی انسٹیٹیوٹ میں داخلہ لے کر انگریزی زبان میں مطلوبہ معیار حاصل کر سکیں۔ اس سلسلہ میں ٹکٹ وغیرہ کے بارہ میں معلومات حاصل کرنے کے لئے ابھی کسی مناسب ٹریول ایجنسی کی تلاش میں تھے کہ ہمارا تعارف ایک ایسے شخص سے ہو گیا جو دمشق میں انگریزی زبان کی کلاسز کا نگران تھا۔ ہم نے اس سے بات کی تو اس نے یہی نصیحت کی کہ ہمیں برطانیہ کے سفر سے پہلے کچھ دیر شام میں ہی اپنی انگریزی کو درست کرنا چاہئے۔ ہمیں اس کی نصیحت پسند آئی اور ہماری درخواست پر وہ ہمیں گھر پر ٹیوشن پڑھانے کے لئے بھی رضامند ہو گیا۔ یہ شخص مکرم محمد منیر ادلبی تھے۔ پہلے دن ہی ہم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ والی انگوٹھی ہے۔ ہمارے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ یہ حضرت امیر المومنین کی طرف سے تحفہ ہے۔ ہم نے جب حیران ہوتے ہوئے وضاحت چاہی تو انہوں نے کہا کہ اس بارہ میں مَیں آپ کو کل بتاؤں گا۔ ہم اگلے دن کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ ہمارے ذہن میں یہ بات بار بار آ رہی تھی کہ منیر ادلبی صاحب شاید کسی خلیفہ راشد کی اولاد میں سے ہیں جن کی یہ انگوٹھی ہے جو نسل در نسل ان کے خاندان میں منتقل ہوتی آئی ہے اور

آج ان کے پاس ہے۔

اگلے روز جب وہ تشریف لائے تو بجائے سوال کا جواب دینے کے انہوں نے دجّال کے بارہ میں ہم سے بات کرنی شروع کی۔ان کی بات نہایت اطمینان بخش تھی اور دجّال کے بارہ میں روایات کی تفسیر عقل کے عین مطابق تھی۔ ہمارے والد اور والدہ دونوں ہی تنگ نظر مولویوں سے متنفر تھے اور یہی بات ہمیں بھی ورثہ میں ملی۔لہٰذا اس جدید طرزِ فکر کے بارہ میں ہم کسی مولوی سے توثیق کروانے نہیں گئے بلکہ بازار سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم خریدی اور ان میں سے دجّال کے بارہ میں احادیث نکال کر مکرم منیر ادلبی صاحب کی بیان کردہ تفسیر کی روشنی میں گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا، اور الحمد للہ اپنی فہم کے مطابق سب کچھ درست پایا، لہٰذا اسے تسلیم کرلیا۔اس کے بعد مکرم منیر صاحب نے ''جن'' کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا موقف پیش کیا جو عین عقل کے مطابق تھا، یہ بھی ہمیں تسلیم کرنا پڑا۔پھر انہوں نے وفات مسیح ناصریؑ کا موضوع بیان کیا اور بالآخر نزول مسیح اور مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے دلائل بیان کئے جو اتنے واضح ،قوی اور روشن تھے کہ ہم ان کے سامنے بے بس ہوگئے اور ماننے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔ایک ہفتہ کی اس بحث مباحثہ کے بعد ہم نے خود کو ایک عجیب عالم میں پایا۔ان تمام امور کی وضاحت کے بعد منیر صاحب نے کہا اب مَیں آپ کے پہلے سوال کا جواب دیتا ہوں۔آپ نے مجھ سے اس انگوٹھی کے بارہ میں پوچھا تھا اور مَیں نے کہا تھا کہ یہ امیر المؤمنین کی طرف سے تحفہ ہے۔دراصل مسیح موعود علیہ السلام ظاہر ہو چکے ہیں اور اب ہم ان کے چوتھے خلیفہ کے عہد مبارک میں ہیں، اور انہوں نے ہی مجھے یہ انگوٹھی بطور تحفہ عنایت فرمائی ہے۔

منیر صاحب کی بات سن کر مجھے لڑکپن کا ایک رؤیا یاد آ گیا جس میں مَیں نے دیکھا تھا کہ مَیں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں۔یہ رؤیا میرے دل ودماغ پر نقش ہو گیا تھا۔ مجھے خلفاء کے زمانہ پر رشک آتا تھا اور دل میں اکثر یہ خواہش جنم لیتی کہ کاش میں بھی اسلام کے اس حسین زمانے میں ہوتا۔

ہم ذہنی طور پر بیعت کے لئے تیار تھے لیکن منیر صاحب نے ہمیں نصیحت کی کہ ہمیں استخارہ کرنا چاہئے۔مَیں نے استخارہ کیا تو رؤیا میں دیکھا کہ شاید مجھے مسیح موعود علیہ السلام نے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ والی انگوٹھی پہنائی ہے۔ چنانچہ ہم دونوں بھائیوں نے اگلے دن بیعت کرنے

کا فیصلہ کر لیا۔

ذیل میں درج باقی واقعات خاکسار نے خود ان کی زبانی سنے ہیں اس لئے ان کو خاکسار مختصرًا یہاں بیان کر دیتا ہے۔

تبلیغی کوششوں کا نتیجہ

چونکہ یہ بھائی اس وقت شام کے ایک شہر حلب میں طبّ کی تعلیم مکمل کرنے کے آخری مراحل میں تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے گردونواح اور دوستوں میں تبلیغ شروع کر دی۔ جس کے نتیجہ میں اس وقت پندرہ سے زائد مخلص دوست ان کے ساتھ مل گئے تھے اور انہوں نے مل کر کئی ایک تربیتی اور دینی اجتماعات بھی کئے۔ لیکن شام کے ملکی حالات ایسے تھے کہ سالہا سال کی فوجی حکومت نے دینی جماعتوں کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ ایسے حالات میں ان نومبائعین کی حفاظت نہ ہو سکی خصوصاً اس لئے بھی کہ یہ دونوں بھائی اس کے چند ماہ بعد ہی پڑھائی کے سلسلہ میں لندن آ گئے اور پیچھے ان احمدیوں کے ساتھ رابطہ کی کوئی صورت نہ رہی۔ تاہم ان میں سے ایک شیریں پھل آج بھی جماعت احمدیہ کے مجاہد کی صورت میں موجود ہے۔ یہ ہیں مکرم تمیم ابو دقہ صاحب جو کہ اردن سے ہیں لیکن اُن دنوں یہ حلب میں پڑھتے تھے۔ گو کہ ان دونوں بھائیوں کی براہ راست تبلیغ سے تو وہ احمدی نہ ہوئے تھے بلکہ لٹریچر پڑھ کر خود اس نتیجہ پر پہنچے تھے، تاہم وہاں پر تمیم صاحب کو لٹریچر کے میسر آنے کا سبب یہ دونوں بھائی ہی بنے۔

خلیفہ وقت کی شفقتوں سے فیض یاوری

بیعت کے بعد یہ دونوں برادران 1985ء میں ہی لندن آئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی ملاقات اور عنایات سے فیضیاب ہوئے۔ حضور انور کی طرف سے ان پر خاص کرم نوازی رہی۔ آپؒ روزانہ وقت دے کر کثرت کے ساتھ انگریزی میں گفتگو فرماتے اور ان کی انگریزی زبان میں تقویت کے لئے انہیں بولنے کا کہتے اور حوصلہ افزائی فرماتے۔

حضور انور نے خود ہی ان دونوں کی شادی اسلام آباد (پاکستان) میں مقیم ایک مخلص پٹھان فیملی میں کروادی اور از راہ شفقت خود ہی ان کے نکاح کا اعلان فرمایا۔

خلیفہ وقت کی اطاعت کی برکت

شام میں واپس جا کر دونوں بھائیوں نے باوجود ڈاکٹر ہونے کے تجارتی میدان میں قدم رکھا اور اپنی تجارتی کمپنی کھول لی۔ کچھ عرصہ کے کاروبار سے اندازہ ہوا کہ یہ کام کافی مشکل ہے۔ لیکن اس میں اتنا پیسہ لگا چکے تھے کہ واپسی کا نتیجہ بہت خوفناک مالی تنگی کی صورت میں نکل سکتا تھا۔ اپنی تجارت کو تقویت دینے کے لئے مزید رقم لگائی گئی جس سے ان پر قرض کے بوجھ میں تو کافی اضافہ ہو گیا لیکن کاروبار میں بہتری کے کوئی آثار نہ پیدا ہو سکے۔ ایسی صورت میں انہوں نے حضور انور کی خدمت میں لکھا کہ ہم بالکل پھنس کے رہ گئے ہیں، نہ واپس جا سکتے ہیں نہ مزید قرض لینے کی پوزیشن میں ہیں۔ حضور اس کاروبار میں برکت کے لئے دعا کریں۔

حضور انور کی طرف سے جواب آیا کہ آپ اس کام کو چھوڑ دیں اور اپنے اختصاص یعنی طبّ کے پیشہ کو اپنائیں۔

باوجود اس کے کہ اس تجارتی کاروبار کو ٹھپ کرنے کا مطلب بالکل کنگال ہونے کی صورت میں نکلتا نظر آتا تھا اور ایسی حالت میں ڈاکٹری کلینک کھولنے کے لئے باموقع جگہ کا حصول، اس کی فرنشنگ، اور مختلف آلات وغیرہ کے خرچ کے لئے پھر ادھار لینا پڑنا تھا پھر بھی دونوں بھائیوں نے حضور انور کے ارشاد کی تعمیل میں اپنے کلینک وغیرہ کی جگہ سلیکٹ کر لی اور آلات کے خریدنے کا کام ابھی جاری تھا کہ انہی دنوں انہیں اپنی تجارتی کمپنی میں کسی قدر منافع کے آثار نظر آنے شروع ہو گئے۔ انہوں نے حضور انور کی خدمت میں مفصل رپورٹ ارسال کی کہ حضور انور کی اطاعت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تجارت میں بھی برکت ڈالی ہے اور اگر اس تجارتی کمپنی کو ختم کریں تو ہماری مالی لحاظ سے یہ کیفیت ہو گی۔ لیکن ہم حضور انور کے ارشاد کے مطابق ہی عمل کریں گے، حضور ہمیں جو بھی ارشاد فرمائیں گے ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اس کام میں بہت برکت ڈالے گا۔

حضور انور نے ان کی رپورٹ پر فرمایا کہ اس صورت میں تو آپ کو یہ تجارت نہیں چھوڑنی چاہئے لہٰذا اسی کام میں محنت کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسی میں ہی برکت ڈالے۔

اس خط کے بعد آہستہ آہستہ تجارتی کمپنی کے حالات بہتر ہونے شروع ہو گئے۔ اور بڑھتے

بڑھتے اب خدا کے فضل سے الدروبی برادران کئی بڑی بڑی بیرونی کمپنیوں کے شام میں ڈیلر ہیں اور ان کی تجارت خدا کے فضل سے بہت وسیع ہو چکی ہے۔آج بھی اس موضوع پر بات کرتے ہوئے وہ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں سارا کچھ خلیفہ وقت کی اطاعت کا نتیجہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لئے نوازا کیونکہ ہم حضور انور کے ارشاد کے مطابق سب کچھ چھوڑنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

دنیاوی لحاظ سے بھی ڈاکٹر مسلم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت نوازا ہے۔ ان کو شام میں اعزازی طور پر سری لنکن قونصلیٹ ہونے کا فخر بھی حاصل ہے۔

ہمشیرہ اور والد صاحب کا موقف اور بیعت

ان کی ہمشیرہ نے ان کی تبلیغ سے بیعت کر لی جس کے بعد ان کی شادی جماعت احمدیہ شام کے ایک مخلص فرد مکرم ناصر عودہ صاحب کے بیٹے سے ہوگئی ۔ ان کے والد صاحب مکرم برہان الدروبی صاحب نے احمدیت کی مخالفت ہرگز نہیں کی۔ بلکہ ایک دفعہ اس بات کا ذکر ہوا تو انہوں نے کہا مَیں کس بات پر ان کی مخالفت کروں؟ کیا اس لئے کہ یہ پہلے سے بہتر ہو گئے ہیں؟ نمازوں کے پابند ہوگئے ہیں اور اخلاق واطوار میں پہلے سے اچھے ہوگئے ہیں؟ گو کہ ان کے والد صاحب مطمئن تھے کہ ان کے بچوں کا اختیار کردہ راستہ ہی درست ہے پھر بھی بڑھاپے میں جا کر ان عقائد کو چھوڑنا جن پر ساری عمر عمل کیا ہو کسی قدر مشکل کام ہوتا ہے۔تاہم جب کبھی گھر میں کسی مسئلہ پر دونوں بھائی متفق نہ ہو سکتے تو اپنے والد صاحب کے پاس راہنمائی کے لئے جاتے کہ اس بارہ میں کیا کرنا چاہئے؟ ان کے والد صاحب کا بہت حسین جواب ہوتا تھا کہ: ’’امیر المؤمنین سے مشورہ کریں‘‘۔ وہ باوجود اس کے کہ احمدی نہیں تھے پھر بھی حضور انور کا ذکر امیر المؤمنین کے نام سے ہی کرتے تھے۔شاید ان کا یہ ادب ہی خدا تعالیٰ کو پسند آ گیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں آخری عمر میں بیعت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور اس پر مزید عنایت یہ کہ ان کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے ازراہ شفقت ان کی نماز جنازہ غائب بھی پڑھائی۔

❁❁❁❁❁

احمد خالد البراقی صاحب

دمشق سے قریباً پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر پہاڑوں کے بیچوں بیچ ’’حوش عرب‘‘ نامی ایک بستی آباد ہے۔ یہ بستی بلکہ یہ پورا علاقہ ہی صاف آب وہوا، لذیذ پھلوں، اور خالص شہد کی وجہ سے مشہور ہے۔ موسمی اثرات کی وجہ سے اس علاقہ کی وجہِ شہرت بننے والے یہ امور تو آہستہ آہستہ زوال پذیر ہوتے جارہے ہیں، تاہم اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کو ایک ایسی وجہ شہرت سے نوازا ہے جو رہتی دنیا تک قائم رہے گی اور بفضلہٖ تعالیٰ آنے والی نسلیں اس بستی کو اچھے لفظوں سے یاد رکھیں گی۔ یہ وجہ شہرت اور یہ انعام اس بستی میں احمدیت کے نور کی شکل میں ظاہر ہوا۔

آیئے دیکھتے ہیں خدائی تقدیر کے تحت یہ واقعہ کیسے رونما ہوا؟ اس ایمان افروز داستان کی ابتدا مکرم احمد خالد البراقی صاحب سے ہوتی ہے۔ آیئے ہم انہی کی زبانی سنتے ہیں کہ انہوں نے کس طرح احمدیت قبول کی؟

پس منظر

مَیں سیرین آرمی کے Aviation College میں پائلٹ تھا اور اس شعبہ میں آنے والے نئے طلباء کی ٹریننگ کا کام بھی میرے ذمہ تھا۔ مَیں ایک عرصہ سے یہ کام چھوڑنے کی درخواست کررہا تھا لیکن درخواست منظور نہ ہورہی تھی۔ پھر 23/اپریل 1980 کو بعض سیاسی وجوہات کی بناء پر اچانک مجھے فارغ کردیا گیا۔ میری طبیعت پر اس کا بہت گہرا اثر پڑا۔ اس واقعہ نے مجھے اسلامی شریعت اور مختلف فرقوں کے بارہ میں تحقیق وتعلیم کی طرف راغب کردیا۔ اور میرے دل میں شریعت کالج میں تعلیم حاصل کرنے کی شدید خواہش نے جنم لیا۔

(شام میں یہ قانون ہے کہ اگر آپ ایک عرصہ تک تعلیم کے شعبہ سے منقطع رہیں اور دوبارہ کسی شاخ میں داخلہ کے خواہاں ہوں تو آپ ایف اے کا امتحان دوبارہ دینا پڑے گا اور پھر آپ کے نمبروں کے حساب سے مناسب شعبہ میں آپ کو داخلہ مل سکتا ہے۔) مَیں نے اگلے سال یعنی 1981 میں ایف اے کا امتحان دیا اور الحمدللہ کامیاب ہو گیا، اور اس سے اگلے سال مجھے شریعت کالج میں داخلہ مل گیا۔

جماعت سے تعارف

1985ء میں مَیں شریعت کالج کے تیسرے سال کا طالبعلم تھا۔اس وقت تک شریعت کے طالبعلم کو اسلامی فرقوں اور مذاہب کے بارہ میں بہت کچھ معلومات مل چکی ہوتی ہیں۔ مجھے یہ جان کر حیرانی ہوئی کہ ان فرقوں میں سے ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو اسلام کا دعویدار ہے لیکن وہ اسلام سے خارج اور اس کا سخت ترین دشمن ہے بلکہ وہ استعماری طاقتوں کا پروردہ اور انہی کے اہداف کی تکمیل کے لئے ہی سرگرم ہے۔ اور اس کا نام قادیانی فرقہ ہے۔ اس طرح کی مزید تفصیلات مجھے اپنی کتب اور اساتذہ ڈاکٹر وھبہ الزحیلی، ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی وغیرہ سے میسر آئیں۔

ایک دن میرے ایک عزیز بدر الدین البرتاوی (جو کہ میڈیکل کا طالبعلم تھا) نے مجھے بتایا کہ قادیانی جماعت دمشق میں بھی موجود ہے اور گزشتہ 70 سال سے ان کا مرکز ''شاغور'' کے علاقہ میں موجود ہے، اور تبلیغ اسلام کا کام کر رہی ہے۔ مَیں اس کی بات سن کے حیران و ششدر رہ گیا۔ کیونکہ میرے خیال کے مطابق اس جماعت کا تو مدتِ دراز سے ہمارے ''مجاہد'' علماء کے ہاتھوں نام ونشان مٹ چکا تھا۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ یہ یہاں پر ایک ایسے ملک میں تبلیغ کر رہی ہو جس کی غالب اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اسی طرح میرے اس عزیز نے یہ بھی بتایا کہ جماعت کا دعویٰ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور ان کا زندہ اور بجسدہ العنصری آسمان کی طرف رفع نہیں ہوا۔ اور دجال ظاہر ہو چکا ہے اور وہ زمین میں فساد پھیلا رہا ہے۔ اور مہدی منتظر بھی ایک سو سال سے ظاہر ہو چکے ہیں اور ان کی وفات کے بعد اب ان کے چوتھے خلیفہ موجود ہیں۔ میرے دل میں پہلے ہی مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالت کا بہت دکھ تھا اس پر اس

فرقہ کے بارہ میں یہ سب کچھ سننا میرے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ثابت ہوا۔ لہٰذا مَیں نے اپنے عزیز سے کہا کہ مجھے ان ’’کافروں‘‘ اور ’’مرتدوں‘‘ سے ملاؤ تا مَیں انہیں بتاؤں کہ وہ کس قدر گمراہ ہیں اور اسلام کی نہیں بلکہ دشمنان اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔

بیعت کا واقعہ

میری پہلی ملاقات مکرم محمد منیر ادلبی صاحب سے ہوئی جن کی شادی ہماری بستی ’’حوش عرب‘‘ کے ایک گھرانے میں ہوئی تھی۔ مَیں نے ان سے پہلا سوال یہ کیا کہ مَیں نے سنا ہے کہ آپ اسلام کی تبلیغ کرنے کے دعویدار ہیں۔ براہ کرم مجھے اس تبلیغ کے بارہ میں بتائیں نیز یہ بھی وضاحت کر دیں کہ یہ کونسا اسلام ہے جس کی آپ تبلیغ فرما رہے ہیں؟ منیر صاحب نے کہا کہ متعدد اہم امور میں سے مَیں تین بنیادی امور کے بارہ میں بات کروں گا۔ آپ پہلے پوری توجہ کے ساتھ انہیں سن لیں پھر خود فیصلہ کریں کہ کیا آپ نے مزید کچھ سننا ہے یا نہیں۔

منیر صاحب نے پہلا مضمون دجّال کے بارہ میں شروع کیا۔ تفصیل بتانے سے قبل انہوں نے مجھ سے دجّال کے بارہ میں اپنا فہم اور تصور بیان کرنے کو کہا۔ مَیں نے تقلیدی طرز پر جو کچھ سنا سنایا یا دینی کتب میں پڑھا تھا اس کا خلاصہ بیان کیا۔ جسے سن کر منیر صاحب کے ہونٹوں پر ہلکی سے مسکراہٹ پھیل گئی اور انہوں نے کہا اب آپ اس عظیم نشان کی وہ تفصیل سنیں جو ہمیں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے سمجھائی ہے۔ پھر انہوں نے دجّال سے متعلقہ جملہ روایات کی روشنی میں ثابت کیا کہ مغربی قومیں ہی دجّال کا مظہر ہیں۔ اس تفصیل کو سن کر میرا سر چکرا گیا۔ مَیں نے انہیں کہا کہ اب دوسرا موضوع بیان کریں۔

انہوں نے کہا: نہیں، پہلے مجھے دجّال سے متعلق اس تفصیل اور تشریح کے بارہ میں رائے سے آگاہ کریں۔ مَیں نے کہا کہ مَیں اپنی رائے آپ کے تینوں موضوعات ختم کرنے پر دوں گا۔ انہوں نے میرا خیال جانے بنا آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ مَیں نے بھی اس وقت محض مزید جاننے کی غرض سے صرف اتنا کہہ دیا کہ امکانی حد تک یہ تفسیر درست ہو سکتی ہے۔

اس پر منیر صاحب کافی خوش ہوئے اور دوسرا مضمون یعنی وفات مسیح ناصری علیہ السلام بیان کرنا شروع کیا۔ رات کا وقت تھا جب یہ سلسلہ شروع ہوا اور اس مضمون کے ختم ہونے تک

صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں بھی جیسے سچائی کا سورج پوری آب وتاب کے ساتھ طلوع ہوگیا۔ ساری رات جاری رہنے والی اس مجلس کے باوجود مجھے منیر صاحب کے تیسرے موضوع کے بارہ میں سننے کا بہت اشتیاق تھا کیونکہ اب تک انہوں نے جو کچھ بیان کیا تھا وہ تو میرے دل میں جاگزیں ہو چکا تھا اور مَیں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی سیرت اور آپ کے صدق کے دلائل سننے کے لئے بے چین تھا۔ لیکن مَیں نے خود ہی اس کو مؤخر کر دیا تا مَیں ایک دفعہ پھر سوچ سمجھ لوں اور کوئی فیصلہ جذبات میں آ کر نہ کیا جائے۔ لیکن یہ تاخیر قدرے لمبی ہوگئی کیونکہ منیر صاحب کو اپنے کام کے سلسلہ میں بستی سے شہر جانا پڑا اور پندرہ دن تک ہماری ملاقات نہ ہو سکی۔ ان دنوں میں مجھے ان سے ملنے کا بے حد اشتیاق رہا۔ مَیں چاہتا تھا کہ کب یہ آئیں اور تیسرا مضمون بھی بیان کریں۔ بہرحال دو ہفتوں کے بعد جب منیر صاحب دوبارہ تشریف لائے تو مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے دلائل بیان کئے۔ نیز انہوں نے شرائط بیعت بھی پڑھ کے سنائیں۔ ان مجالس میں میرے ساتھ تقریباً پندرہ اشخاص شامل رہے جو ان نئے مفاہیم کو سنتے، سمجھتے اور ان کو سراہتے رہے۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: بدر الدین البرتاوی، مرعی حسن البرتاوی، ابو انس الفلسطینی، حسن محمد البرتاوی، حسن عثمان البرتاوی، صالح احمد البراقی، محمد محمود عثمان، محمد المصری، علی عمر البرتاوی، ناصر احمد دعیبس جمعہ، عمر حسنا، حسن جمعہ وغیرہ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے دلائل اور شرائط بیعت پڑھنے کے بعد منیر صاحب نے کہا کہ کیا کوئی ہے جو ان مفاہیم اور ان کے لانے والے مسیح موعود و مہدی موعود علیہ السلام کی تصدیق کرے اور اس کی بیعت کرنا چاہتا ہو۔ اس پر ہم چار اشخاص نے اسی وقت بیعت کر لی۔ میرے علاوہ باقی تین دوستوں کے نام یہ ہیں: مرعی حسن البرتاوی، بدرالدین البرتاوی اور حسن عثمان البرتاوی۔ ان میں سے آخری دو بعد میں احمدیت پر قائم نہیں رہ سکے۔ بدر الدین البرتاوی کی شادی کے لئے اس کے سسرال نے احمدیت سے علیحدگی ہی شرط رکھی تھی جسے اس نے قبول کر لیا لیکن شادی اور دو بچوں کی ولادت کے بعد نوجوانی میں ہی فوت ہوگیا۔ حسن عثمان البرتاوی نے بھی اپنا کام بچانے کی خاطر جماعت سے قطع تعلق کر لی کیونکہ اسے دھمکی دی گئی تھی کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں اس کی ٹیچر کے طور پر تبدیلی کسی دور دراز جگہ پر کر دی

جائے گی۔

حیرت انگیز تبدیلی

احمد البراقی صاحب کی زبانی باقی واقعات سے قبل یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیعت سے قبل اور بعد کی ان کے گھر کی حالت کا نقشہ بیان کر دیا جائے جو ہماری درخواست پر خالد البراقی صاحب ابن مکرم احمد البراقی صاحب نے یوں لکھا ہے کہ:

سرکاری نوکری سے فراغت کے بعد میرے والد صاحب نے ''حوش عرب'' میں ٹریکٹرز اور موٹرز وغیرہ ٹھیک کرنے کی ورکشاپ کھول لی تھی۔ سردیوں میں ہماری بستی میں شدید برفباری ہوتی تھی اور یہ موسم وہاں کے اکثر لوگوں کے لئے اس لحاظ سے بہار بن جاتا تھا کہ وہ گھروں میں بیٹھ کر مختلف قصے کہانیاں بیان کرتے ،مل کر کھاتے پیتے، تاش کھیلتے ،اور سگریٹ یا حقہ نوشی کا شغل کرتے۔ میرے والد صاحب بھی ان تمام چیزوں کے رسیا تھے۔اور ہمارا گھر بھی والد صاحب کے دوستوں سے بھرا رہتا تھا۔گھر میں تاش کھیلنا، خوش گپیاں لگانا اور سگریٹ نوشی کرنا روزانہ کا معمول ہوتا تھا۔لیکن احمدیت قبول کرنے کے بعد میرے والد صاحب یکسر بدل گئے۔انہوں نے ان تمام غلط عادتوں کو چھوڑ دیا۔حتی کہ سگریٹ نوشی بھی ترک کر دی۔اور اس حد تک اس سے نفرت کرنے لگے کہ اس کی بُو تک سے انہیں کراہت ہونے لگی۔ وہ گھر جس میں قبل ازیں فضول قصے کہانیاں اور تاش کھیلنے اور سگریٹ نوشی میں وقت برباد ہوتا تھا اب اسی میں اللہ رسول کی باتیں ہونے لگیں،اور مسیح موعود علیہ السلام کے پیغام کی تبلیغ ہونے لگی۔

اہل بستی اکثر کہا کرتے تھے کہ احمد براقی کے بچے بہت ذہین ہیں لیکن اس نے احمدیت قبول کر کے ان کو ضائع کر دیا ہے۔باوجود لوگوں کی نفرت کے تمام بستی والے اپنے ٹریکٹرز اور موٹریں وغیرہ ٹھیک کروانے کیلئے میرے والد صاحب کے ہی پاس آتے تھے اور ان کے کام سے مخلص ہونے کے بارہ میں گواہی دینے پر مجبور تھے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے کبھی ہمیں ان کا محتاج نہیں کیا۔ باقی جہاں تک دنیاوی تعلیم کا تعلق ہے تو ہم سات بہن بھائی ہیں جن میں سے مَیں نے مکینیکل انجینئرنگ میں ڈگری کی ہے اور دیگر دو بھائیوں نے کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کی ہے۔ جبکہ بہنوں میں ایک ڈینٹسٹ ہے اور دو نے ادب عربی اور ایک نے فرنچ لٹریچر پڑھا ہے۔لوگ

بستی میں ہم سے قطع تعلق کرنے اور دور رہنے کی ترغیب دلایا کرتے تھے لیکن یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور عنایت ہے کہ اس نے ہماری شادیاں احمدیوں میں کروا دی ہیں اور اولاد کی نعمت سے بھی بہرہ مند فرمایا ہے۔ والحمدللہ علیٰ ذلک۔

تبلیغی مہمات

اب ہم احمد البراقی صاحب کی طرف واپس لوٹتے ہیں اور ان کی زبانی سنتے ہیں کہ انہوں نے بیعت کے بعد کیا کیا؟ وہ کہتے ہیں:

مَیں نے بستی کے نمبردار اور امام مسجد عبدالرحیم سعید جمعہ کو تبلیغ کی اور اسے شرائط بیعت اور مسیح موعود علیہ السلام کی ایک کتاب پڑھنے کے لئے پیش کی لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ مَیں نے کہا اگر آپ خود نہیں پڑھنا چاہتے تو مَیں آپ کے لئے شرائط بیعت پڑھ دیتا ہوں آپ سن ہی لیں۔ اس پر اس کے ساتھی محمد صالح حمزہ نے محض اس خیال سے کہ چونکہ احمدیت نعوذ باللہ جھوٹی ہے لہٰذا لازمی طور پر یہ کوئی فسق وفجور کی بات ہی ہوگی، اسے کہا کہ سن لو۔ نمبردار شرائط بیعت سننے پر رضامند ہوگیا، لیکن ساری شرائط سن لینے کے بعد کہنے لگا یہی تو صحیح اسلام ہے۔ مَیں نے کہا یہی وہ اسلام ہے جو احمدیت پیش کرتی ہے اور جسے آپ اسلام سے خروج قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ احمدیوں کے ساتھ نہ ملو، ان کے ساتھ کھانے پینے سے پرہیز کرو، ان سے رشتے نہ کرو اور ان کے ساتھ سلام دعا تک نہ کرو۔ اس نے کہا یہ میری رائے نہیں بلکہ ہم سے بڑے علماء کی رائے ہے۔ مَیں نے کہا یہ کیسے علماء ہیں جو آپ کو سکھاتے ہیں کہ صحیح اسلام کو فسق وفجور کا نام دو۔ اس نے کہا وہ ہم سے زیادہ علم والے ہیں اور ہم تو محض ان کے پیروکار ہیں۔ اس پر مَیں نے یہ آیت قرآنی پڑھی: اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَاب (البقرة:167) (یعنی اس وقت کو یاد کرو جب وہ لوگ جن کی پیروی کی جاتی تھی اپنے پیروکاروں سے بیزاری کا اظہار کریں گے......)۔ اس پر وہ کسی قدر جھلّا کر کہنے لگے کہ مَیں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اس نہج پر آگے بڑھنے سے رک جاؤ ورنہ یہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔ مَیں نے یہ کہتے ہوئے اسے خدا حافظ کہا کہ اِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (الحج:39) (یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا خود دفاع کرنے والا ہے)۔

دو سال بعد اس امام مسجد کی اس سے زیادہ بڑے عالم کے ساتھ لڑائی ہوگئی جس کی بناء پر اس سے مسجد کی امامت جاتی رہی۔اس واقعہ سے قبل وہ میرے خلاف لوگوں کو بھڑکاتا تھا لیکن اس کے بعد مجھ سے اچھے طریق پر پیش آنے لگا۔لوگوں نے اس سے کہا کہ تم کل تک تو اس سے قطع تعلق کی تعلیم دیتے رہے ہو پھر آج خود کیوں اس کے دوست بن گئے ہو۔اس نے کہا کہ مَیں آزاد ہوں اور آپ بھی آزاد ہیں ہر انسان کو حق ہے کہ جو چاہے کرے۔گو اس سے مسجد کی امامت تو چھن چکی ہے لیکن ابھی تک نمبردار وہی ہے۔اس نے جماعت کے خلاف بھڑکانا اور بولنا بند کر دیا ہے اور نہ صرف ہمارے بلکہ تمام احمدیوں کے ساتھ اچھے طریق پر ملتا ہے اور اکثر کہتا ہے کہ احمد خالد البراقی اخلاق اور معاملات میں سب سے بہتر شخص ہے کاش کہ وہ احمدیت کی دعوت کو اس بستی میں نہ لایا ہوتا۔

مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰه

ناصر محمد البراقی ہماری بستی اور برداری کا ایک شخص تھا،مَیں نے اسے اور اس کی بیوی کو تبلیغ کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ناصر البراقی میرے بھائی علی البراقی کا بہت گہرا دوست تھا۔میرا بھائی ان دنوں فرانس میں اعلیٰ تعلیم کے لئے گیا ہوا تھا۔مَیں نے اسے اپنے احمدی ہونے کے بارہ میں کچھ نہ بتایا تھا تا وہ اس معاملہ سے دور رہ کر پہلے اپنی پڑھائی مکمل کر لے۔لیکن ناصر البراقی نے میرے بھائی کو میرے بارہ میں لکھ دیا کہ وہ مرتد ہو گیا ہے اور اب اہل بستی میں کافرانہ خیالات اور تفرقہ پھیلا رہا ہے۔اس پر میرے بھائی نے مجھے اپنی پریشانی پر مشتمل خط ارسال کیا جس کے جواب میں مَیں نے اسے تسلی دی اور کہا کہ جب وہ آئے گا تو مَیں اسے ہر بات کی وضاحت کر دوں گا۔میرے اس خط کے ملتے ہی میرے بھائی نے سامان باندھا اور اپنی بیوی بچوں کو اکیلا ہی فرانس میں چھوڑ کر اپنی گاڑی پر پانچ دن کے مسلسل سفر کے بعد بستی آ پہنچا۔میرا بھائی بہت تھکا ہوا تھا تاہم اہل بستی بہت خوش تھے کہ اب وہ مجھے میری گمراہی سے واپس لے آئے گا اور یہ پرابلم ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔باری باری تمام لوگ آتے رہے اور مَیں ان کی ضیافت کا انتظام کرتا رہا۔ہر ایک میرے بھائی کو اپنے اپنے نقطۂ نظر سے مجھے احمدیت سے واپس لانے کا مشورہ دیتا۔لیکن جب بھی مَیں کمرے میں داخل ہوتا تو خاموشی چھا جاتی

اوراس میں موجود لوگ منہ پر جھوٹی مسکراہٹ سجاتے ہوئے مجھے بھائی کے بخیریت پہنچنے پر مبارکباد دینے لگتے۔رات بارہ بجے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔اس کے بعد جب سب لوگ چلے گئے تو میرے بھائی نے مجھ سے پوچھا کہ اب بتاؤ معاملہ کیا ہے۔مَیں نے بھی سب سے پہلے دجّال کے بارہ میں بات شروع کی۔مَیں نے دیکھا کہ میرا بھائی تھکاوٹ کی وجہ سے پوری طرح توجہ قائم نہیں رکھ سکتا اور سونے لگتا ہے۔اس کے اصرار پر مَیں نے بمشکل اس کو جگا جگا کر دجّال کے بارہ میں اپنی بات مکمل تو کر لی لیکن مجھے کچھ اندازہ نہ ہوسکا کہ آیا میرے بھائی نے مضمون سمجھا بھی ہے یا نہیں اور اس کے بارہ میں اس کی کیا رائے ہے۔تاہم مَیں نے اسے کچھ دیر سونے کا کہا اور باقی بات چیت صبح تک ملتوی کر دی۔

ابھی صبح نہیں ہوئی تھی کہ پھر لوگوں کا تانتا بندھنا شروع ہو گیا۔شاید ان کا مقصد یہ تھا کہ میرے بات کرنے سے قبل وہ میرے بھائی کے کان بھر دیں تا کہ بعد میں میری باتوں سے وہ متاثر نہ ہو سکے۔یہ سلسلہ سارا دن چلتا رہا اور رات گئے تک جاری رہا۔اور پہلے دن کی طرح جب آدھی رات کا وقت ہو گیا تو میرے بھائی نے دوبارہ مجھے اپنی بات مکمل کرنے کو کہا۔مَیں چاہتا تھا کہ وہ اپنی نیند مکمل کر لے تا ایسا نہ ہو کہ وہ صحیح طور پر توجہ قائم نہ رکھ سکنے کے سبب بات کو سمجھنے سے قاصر رہے اور ایمان لانے سے محروم رہ جائے۔لیکن اس کے اصرار پر مجھے دوسرا موضوع بیان کرنا پڑا تاہم اس کی حالت نیند اور بیداری کی کیفیات سے گزرتی رہی۔اور اسی طرح تیسرے دن صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دلائل کے علاوہ آپ کے لائے ہوئے بعض تجدیدی مفاہیم،تفسیرِ آیات،خصوصاً جنّ وشیاطین کے بارہ میں احمدی طرز فکر کے بارہ میں بات کی۔ساری باتیں سننے کے بعد میرے بھائی نے مجھ سے پوچھا کیا تم نے یہ سب باتیں ان لوگوں کو بھی بتائی ہیں؟مَیں نے کہا کہ نہ صرف یہ بلکہ اس سے کہیں زیادہ وضاحت سے ان کے ساتھ بات ہوئی ہے لیکن وہ عداوت پر مصر ہیں اور مخالفت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔اس پر میرے بھائی نے کہا: تعجب ہے کہ یہ لوگ کیوں نہیں سمجھ سکے۔اب ان کو آنے دو مَیں ان سے بات کرنے کی کوشش کروں گا،کیونکہ مجھے تو یقین آچکا ہے کہ جو بات تم کہہ رہے ہو وہ حق ہے۔

اگلا دن جمعہ کا مبارک دن تھا اور صبح سویرے ہی میرے بھائی کا وہ دوست جس نے خط لکھ

کر اسے فرانس سے بلایا تھا آچکا۔ وہ اس مبارک دن میں میرے احمدیت سے توبہ کرنے کی خوشخبری کا منتظر تھا۔ چنانچہ اس نے آتے ہی پوچھا کہ کیا بنا؟ میرے بھائی نے کہا ابھی تو مَیں دمشق میں واقع زاویۃ الحصنی میں احمدیت کے سنٹر میں جمعہ کی نماز ادا کرنے جارہا ہوں جہاں مَیں نے بیعت کرکے احمدیت میں شمولیت اختیار کرنی ہے اس لئے باقی باتیں مَیں آپ سے آکر کروں گا۔شاید اس سے بڑی اور حقیقی خوشخبری اس کو زندگی بھر سننے کے لئے کبھی نہ ملی ہو۔

بہر حال میرے بھائی نے 1986ء میں مکرم منیر الحصنی صاحب کے روبرو بیعت کرکے احمدیت میں شمولیت اختیار کی۔

حوش عرب میں بعض مولویوں کے بھڑکانے پر اہل بستی نے احمد البراقی صاحب کے گھر پر حملہ کر دیا اور گھر میں موجود مہمانوں کو زدوکوب کیا۔ان کے خلاف پولیس میں غلط رپورٹیں لکھوائی گئیں اور عدالتوں میں رجوع کرنے پر سزا بھی انہیں کو دی گئی ۔ انہیں اس جرم میں مار پیٹ برداشت کرنے کے علاوہ چند ماہ کی جیل بھی کاٹنی پڑی۔

مخالفتوں کے باوجود تبلیغ کا سلسلہ چلتا رہا اور آج خدا کے فضل سے اس چھوٹی سی بستی میں پچاس سے زائد احمدی موجود ہیں۔اور مسیح موعود علیہ السلام کے مصدقین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک۔

ڈاکٹر علی خالد البراقی صاحب

یہ مکرم احمد خالد البراقی کے بھائی ہیں ۔ انہوں نے فرانس سے شہد کی مکھی اور شہد کے بارہ میں سپیشلائزیشن کی ۔ دمشق یونیورسٹی کے زرعی کالج میں پروفیسر ہیں۔ ان کی بیعت کا دلچسپ واقعہ چند سطور قبل گزر چکا ہے۔ یہ خود بیان کرتے ہیں کہ بیعت کے بعد جب مَیں واپس فرانس پہنچا تو میری اہلیہ نے روتے ہوئے ماجرا پوچھا۔ مَیں نے کہا الحمد للہ سب خیر ہے۔ مَیں بھی اپنے بھائی کی طرح احمدی ہو گیا ہوں۔ اور جماعت احمدیہ سچی اور الٰہی جماعت ہے۔ اس کے بعد چند منٹ کی تشریح اور دلائل کے بعد میری اہلیہ بھی مطمئن ہوگئی اور فوراً ابیعت کر لی۔

کچھ ماہ کے بعد مجھے پتہ چلا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ عنقریب سوئٹزرلینڈ تشریف لا رہے ہیں۔ چنانچہ مَیں حضور انور سے پہلی ملاقات کا شرف حاصل کرنے کیلئے فرانس سے سوئٹزرلینڈ چلا گیا۔ جانے سے قبل مَیں نے فرانس سے دو تحفے حضور انور کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے خریدے، ان میں سے ایک خوبصورت نقش ونگار والا قرآن کریم تھا اور دوسرا تحفہ میری تحقیقی فیلڈ سے تھا یعنی شہد۔ جب مَیں ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضور انور شاید وقت کی کمی کی وجہ سے ہر ملاقات کرنے والے کو ایک منٹ یا اس سے بھی کم وقت دے پا رہے تھے۔ لیکن جب میری باری آئی تو مَیں نے اپنا نام، ملک اور فرانس میں تعلیم کا ذکر کر کے عرض کیا کہ مَیں نے ابھی چند ماہ قبل ہی بیعت کی ہے۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ مَیں حضور انور سے عربی زبان میں بات کرتا تھا اور حضور انور مکمل طور پر سمجھ رہے تھے، جبکہ حضور انور انگریزی میں بات کر رہے تھے اور مجھے حضور انور کی باتوں کی سمجھ آ رہی تھی۔ کچھ باتوں کے بعد مَیں نے حضور انور کی خدمت میں قرآن کریم کا تحفہ پیش کیا تو اس کے نقش ونگار اور رنگوں کو دیکھ کر حضور

نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف کا یہ حصہ دہرایا: ''لا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ وَلَا مِنَ الْقُرْآنِ اِلَّا رَسْمُه'' (یعنی ایسا بھی زمانہ آئے گا جب اسلام کی اصل تعلیم پر عمل نہیں ہوگا بلکہ اس کا محض نام ہی باقی رہ جائے گا۔ اسی طرح قرآن کریم کی تعلیمات کو بھی نظر انداز کر دیا جائے گا اور اس کے رنگ برنگے رسم الخط ہی باقی رہ جائیں گے)۔ پھر مَیں نے شہد کا تحفہ حضور انور کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ مَیں اسی فیلڈ میں سپیشلائزیشن کر رہا ہوں۔ یہ سن کر حضور بہت خوش ہوئے اور مجھے اس میدان میں مزید تحقیق کرنے کا ارشاد فرمایا۔ اسی طرح عربوں کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ اس کے بعد حضور انور نے مجھے بھی ایک بیش قیمت تحفہ سے نوازا۔ مَیں نے حضور انور کے ساتھ ملاقات میں یہ محسوس کیا کہ حضور کو عربوں سے والہانہ محبت ہے اور آپ کے دل میں ان کی بہت زیادہ عزت وتوقیر جاگزیں ہے۔ شاید اس کی وجہ اس قوم کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت ہوگی۔

احباب جماعت شام
کی ایک تصویر
جس کے وسط میں
مکرم ابونعیم صاحب مرحوم
اورالدروبی برادران
نمایاں ہیں

مکرم ڈاکٹرعلی البراقی صاحب، مکرم خالداللیل صاحب، مکرم عبداللہ واگس صاحب، مکرم ڈاکٹرمحمد
مسلم الدروبی صاحب اورمکرم برہان الدروبی صاحب
جلسہ سالانہ قادیان کے موقعہ پر

مکرم ڈاکٹر علی البراقی صاحب، مکرم خالد اللیل صاحب، مکرم عمار المسکی صاحب 2005 میں زیارت ربوہ کے موقعہ پر بعض اساتذہ جامعہ احمدیہ کے ہمراہ

مکرم تمیم ابو دقہ صاحب

مکرم تمیم ابو دقہ صاحب

آپ کا تعلق اُردن سے ہے۔ پیشہ کے اعتبار سے انجینئر ہیں، اچھے اور قادر الکلام شاعر ہیں، تاریخ اسلامی اور موازانہ مذاہب کے بارہ میں وسیع مطالعہ رکھتے ہیں نیز الحوار المباشر کے اہم اور ہر دلعزیز ممبر ہیں۔کئی سال تک انگریزی سے عربی ترجمہ کرنے والی بعض کمپنیوں کے ساتھ کام کیا اب تقریباً دو سال سے اردن سے ہی عربک ڈیسک کے ساتھ باقاعدہ طور پر مختلف کتب کی نظر ثانی اور پروف ریڈنگ وغیرہ کے کام سے منسلک ہیں۔

مکرم تمیم صاحب کی زندگی، بیعت اور مختلف کاموں کے بارہ میں ہم نے ان کے ساتھ انٹرویو ریکارڈ کیا تھا۔جس میں مذکور اہم واقعات انہی کی زبانی نظر قارئین کئے جاتے ہیں۔

خاندانی پس منظر

میرے خاندان کا تعلق طائف میں سکونت پذیر قبیلہ ''جرم'' سے ہے۔اس کے بعض خاندان فلسطین کے علاقہ ''خان یونس'' میں آکر آباد ہوگئے تھے۔اوراب تک اس علاقے کی تقریبا تین بستیاں ہمارے قبیلہ کے افراد پر مشتمل ہیں۔میرے پڑدادا انیسویں صدی میں عثمانی دورِ حکومت میں اس علاقے کے مشہور قاضی تھے جن کا نام الحاج شحادہ ابو دقہ تھا۔بعد میں برطانوی تسلط کے زمانہ میں بھی ان کو اعلیٰ عہدوں پر قائم رکھا گیا۔ان کی وفات کے بعد میری والدہ صاحبہ کے دادا اس منصب پر فائز ہوئے۔اب میرا خاندان اردن میں آباد ہے۔ میرے دو غیر احمدی بھائی سعودیہ میں ہیں۔ایک کینیڈا میں ہے جس نے بیعت کی ہوئی ہے۔ جبکہ ایک بہن اردن میں اور ایک غزہ میں بیاہی ہوئی ہیں۔

دینی رجحان وافکار

میرے والد صاحب کا دین کی طرف میلان بہت زیادہ تھا۔اکثر مجھے دینی کتب پڑھنے کی طرف راغب کرتے اور خوب حوصلہ افزائی کرتے۔ باوجود پڑھے لکھے ہونے کے مجھے کہتے کہ تم اونچی آواز میں یہ کتاب پڑھ کر مجھے سناؤ۔ ظاہر ہے اس سے مجھے بھی فائدہ ہوتا اور دینی کتب پڑھنے کا شوق مزید بڑھ جاتا۔

مجھے صحیح طور پر تو یادنہیں کہ کیا وجہ ہوئی لیکن اتنا یاد ہے کہ جب میں نے ہوش سنبھالا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میرے دل میں جاگزیں تھی اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس پر خدا تعالیٰ کا جتنا شکر کیا جائے کم ہے۔

اس وقت کی کتب سے اور سنی سنائی باتوں سے میرے ذہن میں یہ تصور قائم ہو گیا تھا کہ خدا تعالیٰ سے اس زندگی میں تعلق قائم نہیں ہوسکتا اس لئے میرے دل میں خدا تعالیٰ سے آخرت میں ملاقات کی شدید خواہش تھی۔اسی طرح اکثر سوچتا تھا کہ میں کس عجیب زمانے میں پیدا ہوا ہوں۔پچھلے زمانوں میں لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا آپ کے قدموں میں جان دی،اسلام کی عزت وناموس کے لئے قربان ہوگئے اور آئندہ زمانے میں بھی نزول مسیح کی خبریں موجود ہیں لیکن اس زمانے میں اسلام کی حالت ناگفتہ بہ ہے اور کوئی اچھی خبرنہیں ہے۔اس بارہ میں سوچ کر مجھے سخت کوفت ہوتی تھی۔

احمدیت سے تعارف اور بیعت

انجینئرنگ کی تعلیم کیلئے مَیں نے اردن سے شام کا سفر اختیار کیا اور اس کے ایک شہر حلب میں واقع انجینئرنگ کالج میں داخلہ لے لیا۔مَیں نے رہائش کے لئے ایک اور طالبعلم کے ساتھ مل کر اس کالج کے قریب ہی ایک چھوٹا سا گھر کرائے پر لیا۔یہ طالبعلم ساتھی اسلام سے دُور اور غیر اسلامی حرکات میں ملوث تھا۔چونکہ مَیں نے گھر میں اس کی غیر اسلامی حرکات پر پابندی لگائی ہوئی تھی جس کی خلاف ورزی پر اکثر اوقات میرا اس سے جھگڑا ہو جاتا تھا۔ایک دن مَیں نے گھر میں چند کتب پڑی ہوئی دیکھیں تو اس سے پوچھا کہ یہ کس کی ہیں؟ اس نے کہا

یہ ہمارے پڑوس میں رہنے والے کافروں کی ہیں۔میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ یہ کوئی بہت بڑے کفّار ہوں گے جن کو یہ اسلام سے دُور شخص بھی کافر کہہ رہا ہے۔بہر حال مَیں نے کتابیں دیکھنی شروع کیں۔ ان میں سے ایک کتاب پر جب مَیں نے’’ مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلاۃ والسلام‘‘ پڑھا تو سوچا کہ یہ بیچارے تو بہت ہی سادہ لوگ لگتے ہیں جنہیں اتنا بھی پتہ نہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پر صلاۃ اور تسلیم بھیجنا زیبا نہیں۔لیکن جب بعض کتب کی کچھ اور ورق گردانی کی تو مَیں نے ان لوگوں سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے پہلی ملاقات میں میرے ساتھ دجّال کے بارہ میں بات کی۔اور مجھے وہیں پر محسوس ہونا شروع ہوگیا کہ یہی درست مفہوم ہے۔گھر میں بھی آ کے مَیں نے ان تمام احادیث پر جو مجھے دجّال کے بارہ میں یاد تھیں ان احمدی نوجوانوں کی منطق کے مطابق غور کرنا شروع کیا تو ایک ایک کر کے گتھیاں سلجھتی گئیں۔مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہاں میسر تمام کتب کا مطالعہ کرلیا۔ اس مطالعہ کے دوران مَیں خاص طور پر اس بات کی ٹوہ میں تھا کہ مسیح موعود علیہ السلام اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل کس حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ اور یہ جان کر میرا دل اطمینان اور سکینت سے بھر گیا کہ حضور تو اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم لکھتے ہیں اور آپؐ سے محبت کا ایک عجیب سمندر حضورؑ کے کلام میں موجزن ہے۔اس ساری تحقیق کے بعد میرے سامنے سوائے بیعت کے کوئی چارہ نہ رہا۔اور بیعت کے ساتھ ہی دل ایسے اطمینان اور سکون سے بھر گیا جس کی طبیعت متلاشی تھی۔

حلب سے واپسی پر مَیں وہاں پر میسر تمام کتب ساتھ لے آیا۔اردن پہنچ کر میرا یہ معمول رہا کہ سارا دن ان کتب کو پڑھنے اور ان پر غور کرنے میں ہی گزارتا تھا۔تین ماہ کے مطالعہ اور غور وخوض کے بعد مجھے ایسے محسوس ہوتا تھا کہ نئے معانی اور مفاہیم کا ایک خزانہ میرے دل ودماغ میں سما گیا ہے،اور مَیں ایک عجیب روحانی نشے کے عالم میں تھا۔

مخالفت اور والدین کی بیعت

مَیں نے گھر آتے ہی بتا دیا تھا کہ مَیں نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو مسیح ومہدی مان کر ان کی بیعت کر لی ہے اور اب مَیں جماعت احمدیہ میں شامل ہو چکا ہوں۔میرے

گھر والوں نے اس پر بہت پریشانی کا اظہار کیا اور شاید اپنی طرف سے میری حالت پر ترس کھاتے ہوئے سمجھانے کی کوشش بھی کی۔ بعدازاں انہوں نے مولویوں سے جماعت احمدیہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ کافر اور اسلام سے خارج ہیں۔ اس پر انہیں مزید تشویش ہوئی لیکن میری طرف سے پرعزم جواب سن کر مایوس ہوگئے۔ مَیں نے انہیں تسلی دلائی کہ میری طرف سے آپ کو ہمیشہ خیر اور بھلائی ہی پہنچتی رہے گی۔ میرے بعض رشتہ داروں کی طرف سے نفرت، تمسخر اور تکفیر کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن ایک واقعہ ایسا ہوا جس نے میرے والدین کی سوچ کو کافی حد تک بدل ڈالا اور میرے گھر میں مخالفت کم ہوتی گئی۔ ہوا یوں کہ مَیں ایک دن گھر میں سورۂ کہف کی جماعتی تفسیر بیان کر رہا تھا اور تمام اہل خانہ اور بعض دیگر رشتہ دار بھی بڑے انہماک سے سن رہے تھے۔ اسی رات میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ کچھ باریش ومتدین نوجوان بیٹھے ہوئے ہیں ان میں سے ایک سے میری والدہ پوچھتی ہیں کہ میرے بیٹے نے سورۂ کہف کی جو تفسیر بیان کی ہے کیا وہ درست ہے؟ وہ کہتے ہیں ہاں درست ہے۔ اس کے بعد والدہ صاحبہ کی طرف سے مخالفت تو ختم ہوگئی لیکن انہوں نے آٹھ سال تک یہ خواب چھپائے رکھی اور آٹھ سال بعد جب بالآخر بیعت کی تو ہمیں اس خواب کے بارہ میں پتہ چلا۔ اس کے بعد الحمدللہ میرے والد صاحب نے بھی بیعت کر لی۔

خلافت کے ساتھ رابطہ کا انوکھا تجربہ

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ساتھ خط وکتابت شروع ہوئی تو مَیں نادانی میں بڑے لمبے لمبے خطوط لکھا کرتا تھا اور جو بھی نئے مفاہیم مجھے سمجھ آتے تھے حضور انور کی خدمت میں لکھ بھیجتا تھا۔ مجھے یہ جان کر ایک عجیب روحانی لذت محسوس ہوتی تھی کہ خلیفہ وقت نہ صرف میرے جیسے ادنیٰ اور ناچیز کی بات سنتے ہیں بلکہ میری غلطیوں کی تصحیح بھی کرتے ہیں اور حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں اور ڈھیر ساری دعائیں دیتے ہیں۔

پرانے احمدیوں سے رابطہ

حلب میں قیام کے دوران میرا احمدیوں کے ساتھ رابطہ رہا اور شام کے معروف مخلص احمدی

مکرم ناصر عودہ صاحب میرے پاس آتے جاتے تھے۔ بلکہ آخری بار وہ میرے پاس ایک ماہ قیام کرنے کی غرض سے تشریف لائے مگر بیماری کی شدت کے سبب چند دن کے بعد ہی جانے پر بضد ہوگئے۔ اسی رات مَیں نے خواب میں دیکھا کہ میرا ایک جاننے والا جو کہ بہرہ اور گونگا تھا فوت ہوگیا ہے۔ صبح اس خواب کی وجہ سے طبیعت میں ایک عجیب سی انقباض کی کیفیت تھی۔ چونکہ اس وقت ذرائع رسل ورسائل اور فون کی سہولت اتنی عام نہیں تھی اس لئے مجھے تین دن بعد پتہ چلا کہ ناصر عودہ صاحب مجھے الوداع کہہ کر جب دمشق گئے تو ایک دن بعد ہی ان کی وفات ہوگئی۔ اور اس وقت مجھے اس خواب کی تعبیر سمجھ میں آئی کہ گونگے بہرے شخص سے مراد دراصل ناصر عودہ صاحب ہی تھے جو نہ خود غلط بات کہتے تھے نہ ہی کسی سے سننا پسند کرتے تھے۔

اس عرصہ میں حلب میں مختلف کالجز کے تقریباً بیس کے قریب نوجوان احمدی ہو گئے تھے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب کو سچے خوابوں کے ذریعہ استقامت اور تقویت عطا ہو رہی تھی۔

سکینتِ قلبی

سیریا میں گو کہ اردن کی نسبت تعلیم بہت سستی تھی لیکن یہ خطرہ رہتا تھا کہ کسی وقت بھی سی آئی ڈی والے نامعلوم وجوہات کی بناء پر یونیورسٹی سے چھٹی کروا کر ملک چھوڑنے کا آرڈر صادر کردیں۔ اس بناء پر غیر ملکی طلباء ہر چھ ماہ کے بعد ایک سٹیفکیٹ حاصل کر لیتے تھے جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ ایک معین مرحلہ تک انہوں نے پڑھائی مکمل کر لی ہے۔ اسکا فائدہ یہ تھا کہ سیریا سے نکالے جانے کی صورت میں اس سٹیفکیٹ کی بناء پر اپنے ملک میں اسی مرحلہ کے بعد پڑھائی شروع کی جاسکتی تھی۔ اپنے ساتھیوں کی عادت کے برعکس میں شاید خوش فہمی کا شکار تھا اس لئے میں نے کبھی یہ سٹیفکیٹ نہ لیا تھا۔ جب میرے احمدی ہونے کی خبر یونیورسٹی میں پھیلی تو سی آئی ڈی کی طرف سے مجھے بلا کر کہا گیا کہ آپ کے لئے بہتر یہ ہے کہ آپ احمدیت چھوڑ دیں اور یونیورسٹی میں اسکا تذکرہ نہ کریں۔ میں نے عرض کیا کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس پر مجھے کہا گیا کہ آپ کو کچھ وقت دیا جاتا ہے جس میں آپ سوچ لیں کہ کیا کرنا ہے۔ اس کے بعد یونیورسٹی میں دیگر احمدی طلباء کو بھی بلوایا گیا جن میں سے بعض نے کمزوری دکھائی اور تحریری طور پر لکھ دیا اور بعض ثابت قدم رہے۔ کچھ دنوں کے بعد سی آئی ڈی آفیسر نے مجھے دوبارہ بلایا۔ میں بہت

پریشان تھا کچھ تو اس وجہ سے بھی کہ میرے بعض ساتھی کمزوری دکھا گئے تھے اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ میں نے ابھی تک یونیورسٹی میں اپنی تعلیم کا کوئی سٹیفکیٹ بھی نہ لیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ سیریا سے واپسی کے فیصلہ کی صورت مجھے یونیورسٹی کی تعلیم دوبارہ حاصل کرنا ہوگی۔ میں نے اس تناظر میں خدا تعالیٰ سے رو رو کر دعا کی تو ایک ایسی سکینت قلبی مجھ پر نازل ہوئی کہ جس کا بیان ممکن نہیں ہے۔ میں سی آئی ڈی آفیسر سے ملنے گیا تو عجیب منظر دیکھا کہ میرے جاتے ہی وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بڑے تپاک سے ملا۔ پھر اس نے اپنا پرانا مطالبہ دہرایا اور میں نے بھی اپنا پرانا جواب دیا کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے، اور اسے بتایا کہ اس جماعت سے آپ کو کسی قسم کا خطرہ نہیں ہونا چاہئے جس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ یونیورسٹی میں احمدی طلباء کے کردار اور اخلاق کو آپ سب سے ممتاز پائیں گے، وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال اس نے اپنے بڑے آفیسر سے فون کے ذریعہ بات کی کہ تمیم اپنی بات پر بضد ہے اور تحریری طور پر لکھ کر دینے کو تیار نہیں ہے۔ اس پر اسے ہدایت کی گئی کہ تحریری اقرار ہر صورت میں لکھوایا جائے۔ لہذا اس نے مجھ پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا اور اس سلسلہ میں ایک تیار شدہ فارم مجھے دے دیا جس پر یہ لکھا ہوا تھا کہ میں اس جماعت سے علیحدگی کا اعلان کرتا ہوں۔ میں نے یہ عبارت پڑھی اور اس کو کاٹ کر لکھ دیا کہ میں اس جماعت سے علیحدگی کا اعلان نہیں کر سکتا کیونکہ میں اسے سچا سمجھتا ہوں اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو سچا مسیح ومہدی مانتا ہوں۔ یہ تحریر لکھ کر میں نے اس آفیسر کو تھما دی اور اسے کہا کہ یہی میرا آخری فیصلہ ہے چاہے اسکی وجہ سے مجھے آپ یونیورسٹی اور سیریا سے نکلنے کا حکم بھی دیں تب بھی میرا یہ فیصلہ نہیں بدلے گا۔ ایک انیس بیس سالہ نوجوان سے ایسی بات سن کر وہ آفیسر ہکّا بکّا رہ گیا اور مجھے کچھ کہے بغیر واپس جانے کی اجازت دے دی۔ اسکے بعد مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا کیا۔ لیکن جو میرے خدا نے کیا وہ یہ تھا کہ نہ مجھے اس کے بعد کسی نے اس بارہ میں کبھی پوچھا نہ ہی یونیورسٹی سے مجھے نکالا گیا بلکہ میں نے انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کرنے تک وہیں تعلیم حاصل کی۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

احمدی عربی خاندان کی خواہش اور شادی

احمدی ہونے کے بعد مَیں چاہتا تھا کہ ایک احمدی عربی خاندان کی بنیاد رکھنے کے لئے کسی

تربیت یافتہ عرب احمدی لڑکی سے شادی کروں۔اس کے لئے میں نے حضرت خلیفة المسیح الرابعؒ کی خدمت میں خط لکھا تو حضور نے فرمایا کہ مَیں کبابیر جانے کی کوشش کروں۔ جب یہ خط مجھے ملا تو مَیں بہت حیران ہوا اور دل میں کہا کہ شاید حضور انور کے علم میں نہیں ہے کہ گو اُردن اوراسرائیل کے درمیان بظاہر تو ایک بارڈر ہی ہے لیکن ایک فلسطینی نژاداُردنی کے لئے یہ مسافت زمین کے کناروں سے بھی لمبی ہے جس کو پاٹنا تقریباً ناممکن ہے۔تاہم حضور انور کے ارشاد کی تعمیل میں مَیں نے اپنے بارہ میں معلومات کبابیر ارسال کردیں۔اس وقت انٹرنیٹ کا نظام تو میسر نہیں تھااس لئے تقریباً ایک ماہ کے بعد مکرم محمد شریف عودہ صاحب نے فون پر رابطہ کیا کہ وہ اس بارہ میں کچھ کوشش کر کے دیکھتے ہیں۔ یہ میرا شریف صاحب سے پہلی دفعہ فون پر رابطہ ہوا تھا اور شریف صاحب اس وقت شاید صدر خدام الاحمدیہ تھے۔اس کے بعد ہماری فون پر بات چیت ہوتی رہی۔اوراس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ایک دن شریف صاحب نے مجھے بتایا کہ میرے کبابیر جانے کی اجازت مل گئی ہے۔یوں مَیں کبابیر تو چلا گیا لیکن میری شادی کے سلسلہ میں کوئی خاص پیش رفت نہ ہوسکی۔تاہم حضور کے ارشاد کی تعمیل کی برکت سے وَاِذَاالنُّفُوْسُ زُوِّجَتْ میں مذکور روحانی زواج یعنی احمدی احباب کے ساتھ تعارف اور رابطہ پیدا ہوگیا جو بعد میں عربوں میں تبلیغ کے کام میں ممد ومعاون ثابت ہوا اور میرے لئے عربوں کے ساتھ ملنے ملانے کے نئے راستے کھل گئے۔

بعد میں میری ایک رشتہ دار کے ساتھ شادی کی بات طے ہوئی تو پہلے مَیں نے اسے تبلیغ کی اور جب الحمدللہ اس نے بیعت کر لی تب ہماری شادی ہوگئی۔

مرکز سے رابطہ بیعت کے کچھ عرصہ بعد مرکز میں میرا رابطہ مکرم عبد المؤمن طاہر صاحب کے ساتھ ہوا۔ ان دنوں عربک ڈیسک اپنے قیام کے ابتدائی مراحل میں تھا۔اسی طرح بعد ازاں مکرم عبادہ بربوش صاحب سے بھی رابطہ رہا اور غالباً 1990ء سے لے کر 2001ء تک رسالہ التقویٰ کے اداریئے اور دیگر مضامین لکھنے کا موقعہ بھی ملا۔

ایک ملال

گو کہ مَیں نے 1987ء میں بیعت کی تھی اور حضرت خلیفة المسیح الرابع رحمہ اللہ کی وفات

اس کے تقریباً 15 سال بعد ہوئی اس عرصہ میں حضور انور کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعہ تو رابطہ رہا لیکن لندن آ کر حضور سے ملاقات کی خواہش کی تکمیل نہ ہو سکی، جس کا بہت ملال رہا۔

میرا ایک قصیدہ

حضور انورؒ کی آخری بیماری میں کئی احمدی شعراء نے اپنے اپنے طریق پر دعائیہ اشعار لکھے اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ایک دفعہ حضور انور کو شفا سے نوازا اور سب کو ایسے لگا جیسے زخمی دلوں پر مرہم رکھ دیا گیا ہو۔ ایک دن محمد شریف عودہ صاحب نے مجھے کہا کہ تم نے بھی ضرور اس بارہ میں کچھ لکھا ہوگا۔ مَیں نے عرض کیا کہ ہاں مَیں نے بھی کچھ لکھا تو ہے۔ شریف صاحب نے مجھ سے وہ اشعار لے کر کبابیر کی ایک احمدی خاتون سے اچھی آواز میں ریکارڈ کروا کے ایم ٹی اے پر دے دیئے اور لوگوں نے بہت پسند کیا۔ کئی احباب نے کہا کہ یہ ہمارے دل کی بھی آواز تھی کہ اللہ تعالیٰ نے افراد جماعت کی تضرعات کو قبول فرما کے حضور انور کو صحت و عافیت سے نوازا ہے۔ اس قصیدہ کے چند اشعار قارئین کرام کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

الحمد للرحمن ذی الآلاء

نثني عليه ببكرة وعشاء

تمام تر حمد خدائے ذوالمنن کے لئے ہی مخصوص ہے۔ صبح و شام ہم اسی کی ہی ثنا کرتے ہیں۔

كم جاد حتى جاوزت آلاؤه

ما كان فوق العدّ والإحصاء

اس خدا نے کتنے ہی احسانات سے ہمیں بہرہ مند فرمایا ہے حتیٰ کہ اس کی نعمتوں کا شمار نہیں رہا۔

هذا أمير المؤمنين يقودنا

للرشد والإيمان والعلياء

اسکی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت حضرت امیر المؤمنین ہیں جو رشد و ایمان اور روحانی ترقیات کی طرف ہماری راہنمائی کرتے ہیں۔

قد عاد حمدًا للإله كعهده
يصلی قلوب الحاسدين بداء

اس خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضرت امیر المؤمنین پہلے کی سی شان کے ساتھ دوبارہ ظاہر ہوئے ہیں اور اس بات نے حاسدوں کے دلوں کو حسد کی بیماری سے جلا کر رکھ دیا ہے۔

الحمد لله الذی مِن فضله
غمر الخليفة باكتمال شفاء

الحمدللہ کہ اس خدا نے اپنے فضل سے خلیفہ وقت کو مکمل شفا عطا فرمائی ہے۔

سمع الإله إلى وجيب قلوبنا
تدعو لسيدنا بنبض بكاء

خدا تعالیٰ نے ہمارے دلوں کی پکار کو سن لیا جو رورو کر اپنے آقا و مولا کے حضور دعا گو تھے۔

فالله نسأل أن يظل رداؤه
ما شاء يؤوينا من الرمضاء

خدا تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ وہ رداءِ خلافت کا سایہ ہم پر قائم رکھے جو ہمیں ہر شدتِ تپش سے محفوظ رکھنے والی ہے۔

ويديم أركان الخلافة إنها
فضل من الرحمن ذی الآلاء

اور ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارکان خلافت کو قائم ودائم رکھے کیونکہ یہ خدائے رحمٰن کا فضل اور اس کی بے پایاں نعمت ہے۔

اہلیہ ثانی کی بیعت کا ایمان افروز واقعہ

2003ء میں مکرم تمیم صاحب نے دوسری شادی کی۔ ان کی دوسری اہلیہ فجر عطایا صاحبہ مکرم حلمی الشافعی صاحب کی نواسی ہیں۔ ہماری درخواست پر انہوں نے اپنی بیعت کا واقعہ لکھ بھیجا ہے جو انہی کی زبانی پیش کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ:

مَیں لبنان کے ایک میڈیکل کالج میں سال اوّل کی طالبہ تھی اور وہاں اپنے والد کے ساتھ رہ رہی تھی جبکہ میری والدہ اور دیگر اہل خانہ مصر میں مقیم تھے۔اس وقت تک نہ تو میرے والدین ہی احمدی تھے نہ ہی مجھے احمدیت کے بارہ میں کچھ علم تھا۔ باوجود اس کے کہ ان دنوں میرے نانا مکرم حلمی الشافعی صاحب لندن میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھے پھر بھی ہمیں صرف اتنا علم تھا کہ وہ ایک مبلغ کے طور پر لندن میں مقیم ہیں،لیکن یہ علم نہ تھا کہ کس جماعت کے مبلغ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

ان دنوں مَیں نے اپنے ماحول میں امام مہدی کے بارہ میں سنا تو اس بارہ میں مختلف کتب سے جو معلومات مجھے مل سکیں ان کے مطابق یہ محسوس کیا کہ اس شخصیت کی ولادت اور ظہور کے بارہ میں بہت سارا ابہام پایا جاتا ہے، نیز کئی ایسے منطقی سوالات پیدا ہوتے تھے جس کا جواب نہ مل سکا۔لہذا مَیں اس بارہ میں کوئی پختہ رائے نہ قائم کر سکی۔تاہم مَیں نے مسلسل چالیس دن تک یہ دعا کی کہ جب بھی امام مہدی کا ظہور ہو اللہ تعالیٰ مجھے اس کی جماعت میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔اس کے بعد مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سادہ سے گھر میں داخل ہوتی ہوں جو سرسبز درختوں سے گھرا ہوا ہے۔اس کے دو کمرے اور ایک چھوٹا سا صحن ہے۔ان میں سے ایک کمرے میں سبز رنگ کے کپڑے پر امام مہدی علیہ السلام کا تحریر کردہ خط پڑا ہوا ہے جس کے آخر پر ان کے دستخط بھی ہیں۔گو کہ اس خط کے حروف تو عربی تھے لیکن ایسے لگتا تھا کہ جیسے کسی غیر عربی شخص نے لکھے ہیں۔اس خط میں امام مہدی علیہ السلام نے مجھے بلایا تھا کہ مَیں سفر کر کے جاؤں اور ان کی جماعت میں شامل ہو جاؤں۔مَیں والد صاحب کے ساتھ رہ رہی تھی اور تعلیم حاصل کر رہی تھی ایسی صورتحال میں کہیں سفر کرنے کا کوئی خیال تک نہ تھا۔لیکن یہ عجیب واقعہ ہوا کہ اس رؤیا کے ایک دن بعد ہی میری والدہ مصر سے اطلاع دیئے بغیر ہمیں ملنے کے لئے لبنان آ گئیں اور جانے سے قبل مجھ سے مصر جانے کے بارہ میں پوچھا تو مَیں فوراً راضی ہو گئی اور سوچا کہ رؤیا میں سفر کر کے امام مہدی علیہ السلام کی جماعت میں شامل ہونے سے مراد شاید یہی سفر ہو۔لیکن مصر آ کر بھی میری مراد پوری نہ ہوئی کیونکہ اوّل تو کسی نے از خود ایسی کوئی بات نہ کی ،اور اگر مَیں نے اس بارہ میں بات کرنا چاہی تو سب نے شاید یہ سوچ کر اس بارہ میں مجھے کچھ نہ بتایا کہ مَیں لبنان میں ایک خاص قسم کے دینی ماحول سے وابستہ رہی ہوں اور عین ممکن

ہے کہ امام مہدی کے بارہ میں ان کے نقطۂ نظر سے اختلاف کرتے ہوئے دین سے مزید دور نہ ہو جاؤں۔ بہر حال مَیں بے نیل مرام ہی واپس آ گئی۔ مجھے امام مہدی کی تلاش میں ناکامی کے سبب مایوسی کا سامنا ضرور کرنا پڑا تاہم جو کچھ مَیں نے خواب میں دیکھا تھا اس کے بارہ میں مجھے کبھی بھی یہ شک نہ گزرا کہ وہ غلط ہے۔ایک سال کے بعد جبکہ مَیں مصر میں ہی تھی خواب میں دیکھا کہ مَیں ایک تاریک رات میں سمندر کے کنارے پانی میں چل رہی ہوں۔ جب مَیں نے آسمان کی طرف دیکھا تو اس کے ستارے ہماری دنیا کے آسمان کے ستاروں کی طرح نہ تھے بلکہ ان کی ترتیب اور تصویر بالکل مختلف تھی۔ مَیں نے اس آسمان میں ایک بڑا سا دروازہ بھی دیکھا جس میں سے نور ہی نور نکل رہا تھا اس میں کچھ عربی زبان میں لکھے ہوئے کلمات بھی نظر آئے لیکن مَیں انہیں سمجھنے سے قاصر رہی۔ مَیں سمندر کے پانی سے نکل کر خشکی پر آئی تو دیکھا کہ وہاں پر امام مہدی علیہ السلام کا میرے نام ایک خط پڑا ہوا ہے جس میں صرف یہ دو لفظ لکھے ہوئے تھے: ''اعجاز المسیح''۔ مجھے اس کا نہ کوئی مطلب سمجھ آیا نہ ہی اس کے امام مہدی کے ساتھ تعلق کی تفہیم ہوئی۔ اگلے دن جبکہ مَیں اپنے ماموں ڈاکٹر حاتم صاحب ابن حلمی شافعی صاحب مرحوم کے گھر میں تھی تو اتفاقاً ان کی لائبریری دیکھنے لگ گئی، اور یونہی ہاتھ بڑھا کے جو ایک کتاب اٹھائی تو ایک لمحے کے لئے میری سانس رک گئی، مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ میں دیکھ رہی ہوں وہ حقیقت ہے یا میرا کوئی خیال، کیونکہ اس کتاب کی جلد پر جلی حروف میں جو نام لکھا تھا وہ ''اعجاز المسیح'' تھا۔ (یہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی مبارک تصنیف ہے) مجھے اسی وقت خواب کی تعبیر مل گئی۔ چنانچہ مَیں ایک ایک کر کے اس لائبریری کی کتابیں پڑھنے لگی۔ دو سال تک مسلسل مطالعہ کرنے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ جیسے مَیں وقت ضائع کر رہی ہوں، اور اب مجھے مزید کسی تاخیر کے بیعت کر کے اس سفینۂ نجات میں سوار ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ مَیں نے 11 /اپریل 1999ء کو بیعت کر لی۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ سے پہلی ملاقات

مکرم تمیم صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے تو میری ملاقات نہ ہوسکی۔ لیکن آپ کی وفات کے

بعد اللہ تعالیٰ نے جماعت پر پھر احسان فرما کر خلافت خامسہ کے بابرکت عہد کی صورت میں عظیم الشان نعمت نازل فرمائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے پہلی ملاقات کی کہانی بھی بہت دلچسپ اور ایمان افروز ہے۔ خلافت خامسہ کے انتخاب کے بعد میری محمد شریف عودہ صاحب سے اکثر بات ہوتی رہتی تھی کہ ہمیں ایم ٹی اے پر ایک لائیو عربی پروگرام شروع کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خاص اجازت اور ہدایت کے مطابق اگست 2005ء میں پہلا پروگرام شروع ہوا، اس وقت اس کا نام الحوار المباشر نہ تھا بلکہ اس کا فارمیٹ یہ تھا کہ محمد شریف صاحب کسی دوست کو بطور مہمان بلاتے تھے اور لائیو فون کالز لیتے تھے۔ اس پروگرام کی ابتدا کے ساتھ ہی شریف صاحب نے مجھے کہہ دیا تھا کہ مَیں ویزہ کے لئے کوشش کروں اور ذہنی طور پر کسی پروگرام میں بطور مہمان شامل ہونے کے لئے تیار رہوں۔ مَیں نے ویزہ کے لئے کارروائی شروع کر دی تھی اور ابھی ویزہ ملنے کا انتظار ہی کر رہا تھا کہ شریف صاحب نے کہا کہ اس ماہ یعنی مارچ 2006ء کے پروگرام میں ویزہ ملنے کی صورت میں وہ مجھے بطور مہمان بلائیں گے۔ لیکن چونکہ مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کے عیسائیت کے ردّ میں پروگراموں کا سلسلہ "أجوبة عَنِ الإيمان" ایم ٹی اے پر چلایا جا چکا ہے اس لئے اس ماہ یہ طے پایا کہ ان پروگراموں کے بارہ میں مزید آگاہی کے لئے مصطفیٰ ثابت صاحب کو مہمان کے طور پر بلایا جائے۔ یہ پہلا پروگرام تھا جس نے الحوار المباشر کے نام سے نشر ہونا تھا۔ مجھے الحمد للہ ویزہ مل گیا اور ادھر پروگرام میں شرکت کے لئے مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب اور محمد شریف عودہ صاحب بھی لندن پہنچ گئے۔ اس دوران مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے بڑی عجلت میں لندن جانا پڑا ہے اور وہاں جا کر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز سے ملاقات ہوئی ہے۔ ملاقات کے دوران میں اپنا تعارف کروانے کی کوشش کرتا ہوں تو حضور انور فرماتے ہیں I know you۔ مَیں نے اس کی یہی تعبیر کی کہ شاید اس میں اگلے ماہ حضور انور سے میری ملاقات ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ اس ماہ کا پروگرام شروع ہونے سے ایک دن قبل مجھے محمد شریف صاحب نے فون کیا، ان کی آواز سے پریشانی نمایاں تھی انہوں نے مجھے بتایا کہ مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب شدید بیمار ہو گئے ہیں اور پروگرام میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔ ہم ابھی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو کر مصطفیٰ ثابت

صاحب کی جگہ آپ کو شامل کرنے کی درخواست کرتے ہیں اور حضور انور سے منظوری کی صورت میں آپ کو ابھی سفر کے لئے نکلنا ہوگا، اس لئے آپ اپنی تیاری مکمل کرلیں تا کہ منظوری ہوتے ہی وہاں سے چل پڑیں۔مَیں سوچ میں پڑ گیا کہ ایک تو یہ میرا پہلا لائیو پروگرام ہوگا، پھر یہ پروگرام اس موضوع کے بارہ میں نہیں ہوگا جس کی مَیں نے تیاری کی ہے بلکہ کسی ایسے موضوع کے بارہ میں ہوگا جس کا ابھی تک مجھے علم ہی نہیں ہے، نہ جانے وہاں کیا صورتحال پیدا ہوجائے۔ بہر حال ان سب سوچوں اور سوالوں کا میرے پاس ایک ہی جواب تھا کہ تمہارا کام لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوجانا ہے۔ باقی یہ خدا کے کام ہیں وہ خود ہی ساری کمی پوری فرمادے گا۔ بہر حال حضور انور کی منظوری سے مَیں اردن سے ٹکٹ خرید کر لندن کے لئے عازم سفر ہوا، اور پروگرام شروع ہونے سے صرف دو گھنٹے قبل لندن میں مکرم شریف صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ لندن پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مصطفیٰ ثابت صاحب کی صحت بہتر ہوگئی ہے اور وہ اب اس پروگرام میں شامل ہوسکیں گے۔ چنانچہ حضور انور کی ہدایت اور منظوری سے الحوار المباشر کے نام سے شروع ہونے والے اس پہلے پروگرام کا شروع سے ہی یہ فارمیٹ بن گیا کہ محمد شریف عودہ صاحب اس کے میزبان ہوں اور دو عرب دوستوں کے ساتھ عربک ڈیسک سے ایک ممبر شریک ہوا کریں۔ یہ پروگرام بہت اچھا اور کامیاب رہا۔ پروگرام کے اختتام پر حضور انور سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو مَیں نے عرض کیا: حضور میرا نام تمیم ابودقہ ہے۔ ابھی میں نے اپنا جملہ مکمل نہیں کیا تھا کہ حضور نے فرمایا: I know you۔مَیں نے عرض کیا کہ سیدی مَیں بعینہ یہ منظر اور یہ کلمات آنے سے قبل خواب میں بھی دیکھ اور سن چکا ہوں۔ فالحمد للہ ثم الحمد للہ۔

لائیو عربی پروگرام کا نام ''الحوار المباشر''

جب یہ لائیو پروگرام شروع ہوا تو اس کا کوئی نام نہ تھا۔ بعد ازاں کوئی مناسب نام تجویز کرنے کی بات زیر غور آئی تو کئی نام پیش ہوئے۔ اور یہ میری خوش بختی ہے کہ حضور انور کی طرف سے میرے تجویز کردہ نام ''الحوار المباشر'' ہی کی منظوری ہوئی۔

علاوہ ازیں ''ایم ٹی اے العربیہ 3'' کا ایک شعار ''نَبْضُ الإسْلامِ الأَصِيْل'' بھی الحمد

للہ میری ہی تجویز ہے۔

ایم ٹی اے العربیہ 3

ایم ٹی اے العربیہ 3 کے اجراء سے قبل ایم ٹی اے پر عربک سروس کے لئے تقریباً دو گھنٹے کی ٹرانسمیشن ہوتی تھی۔ ایک دن مَیں نے مکرم منیر عودہ صاحب سے ذکر کیا کہ عربک سروس کے لئے علیحدہ چینل کھولنے کا کیا امکان ہوسکتا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ایسا کرنا ممکن ہے۔ چنانچہ جب حضور انور کی خدمت میں یہ معاملہ پیش ہوا تو حضور نے فوراً ارشاد فرمایا کہ اس بارہ میں پوری تحقیق کے بعد مجھے رپورٹ دیں۔ یہ محض حضور انور کی دعائیں تھیں کہ جن کی برکت سے اس کے بعد تقریبا ڈیڑھ ماہ کے عرصہ میں علیحدہ عربی چینل کا اجراء ہوگیا۔ہم خود حیران تھے کہ اس سلسلہ میں کسی بھی انسانی کوشش کا اتنی جلدی نتیجہ نکلنا ناممکن تھا۔یوں حضور انور کی خاص دعاؤں کے طفیل یہ روحانی مائدہ عربوں کے گھروں میں نازل ہونے لگا۔

ایم ٹی اے العربیہ 3 نے جہاں دیگر عرب ممالک میں تہلکہ مچا دیا اور ایک کثیر تعداد جماعت کی طرف کھنچتی چلی آئی وہاں اردن میں بھی اس کے بابرکت ثمرات ظاہر ہونا شروع ہوئے جس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں جن کا مَیں خود گواہ ہوں۔

مقبول اور مقرون

ایک صاحب ڈاکٹر علی الزیادنہ جو عمان سے 250 کلومیٹر دور جنوب میں واقع ''معان'' نامی شہر کے باشندہ ہیں اور پیشہ کے اعتبار سے ڈینٹسٹ ہیں۔ان کا ہمارے ساتھ رابطہ ایم ٹی اے کے ذریعہ ہوا اور پھر متعدد بار عمان میں بھی ان سے ملاقات ہوئی۔انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ ہماری سب باتوں سے متفق ہیں لیکن خدا تعالیٰ سے دعا کر رہے ہیں کہ فیصلہ کرنے میں ان کی مدد فرمائے۔اسی طرح انہوں نے اپنے ایک اور دوست ادیب الرواشدہ صاحب کو بھی جماعت کے بارہ میں بتایا جو ایگریکلچرل انجینئر ہیں۔ان دونوں دوستوں نے کتابوں اور لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا اور ہماری ویب سائٹ پر میسر آڈیو وڈیو مواد سے استفادہ کیا۔ڈاکٹر الزیادنہ صاحب نے اپنے اس دوست کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ دعائے استخارہ دی جس میں

حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو میرے بارہ میں کسی شک میں ہو اسے چاہئے کہ ان الفاظ میں ہر روز خدا تعالیٰ سے دعا کرے تو خدا تعالیٰ ضرور اس کی راہنمائی فرما دے گا۔اس دعا کا ایک حصہ یہ ہے کہ اے خدا مَیں تجھ سے غلام احمد بن مرتضی کے بارہ میں راہنمائی چاہتا ہوں کہ وہ تیرے حضور مقبول ہے یا مردود؟ نیز مجھے بتا دے کہ وہ تیرے حضور مقرون ہے یا ملعون؟ ڈاکٹر صاحب نے اپنے دوست سے کہا کہ تم یہ دعا کرو اور مَیں سمجھوں گا کہ یہ استخارہ ہم دونوں کے لئے ہے۔اس انجینئر دوست نے اسی رات استخارہ کیا اور بکثرت درود شریف پڑھنے کے بعد انہی الفاظ میں دعا کرتے کرتے سو گئے تو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ گویا ایک عظیم الشان نور کے سامنے کھڑے ہیں جہاں انہیں محسوس ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور کھڑے ہیں اور اسی لمحے انہیں حضورؑ کی مذکورہ دعا کے الفاظ یاد آ جاتے ہیں۔چنانچہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں کہ کیا مرزا غلام احمد بن مرزا غلام مرتضٰی تیرے حضور مقبول ہے یا مردود؟ تو خدا تعالیٰ نے فرمایا:''مقبول ہے''۔پھر سوال کیا کہ کیا وہ تیرے حضور مقرون ہیں یا ملعون؟ تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ''مقرون ہے'' (یعنی خدا اس کے ساتھ اور وہ خدا کے ساتھ ہے)۔پھر خدا تعالیٰ نے انہیں سوال دوہرانے کو کہا اور جب انہوں نے دونوں سوال دہرائے تو دوبارہ وہی جواب سنا۔

یوں دو دفعہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جواب دینے میں بھی دونوں دوستوں کو علیحدہ علیحدہ جواب ملنے کی نوید تھی۔

احمدیوں کی انگوٹھی

ڈینٹسٹ دوست علی الزیادنہ صاحب کی بیوی شروق الغنیمین صاحبہ مولویوں کے پاس پڑھی تھی اور ابھی تک جماعت میں داخل ہونے کیلئے مطمئن نہ تھی۔ایک دن جب یہ صبح اپنی کلینک کو جا رہے تھے ان کی بیگم صاحبہ نے انہیں شادی کی انگوٹھی پہننے کو دی تو ڈاکٹر صاحب کو وہ انگوٹھی یاد آ گئی جو اکثر احمدیوں نے پہنی ہوتی ہے، لہٰذا انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ احمدی جو انگوٹھی پہنتے ہیں اس پر''اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ'' لکھا ہوتا ہے۔وہ یہ سن کر بہت متعجب ہوئیں اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر زار و قطار رونے لگ گئیں۔پھر بتایا کہ سات سال قبل جب وہ یونیورسٹی میں تھیں تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ انہوں نے ایک انگوٹھی پہنی ہے جس پر''اَلَیْسَ اللّٰهُ

بِکَافٍ عَبْدَہ ‘‘ لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے فون کیا اور یہ سارا واقعہ بتایا۔ اس پر مَیں نے اپنی اہلیہ کو ساتھ لیا اور ان دونوں دوستوں (ڈاکٹر صاحب اور انجینئر صاحب) سے ملاقات کی۔ انجینئر ادیب الرواشدہ کی اہلیہ نے میری بیگم کو بتایا کہ کئی سال پہلے انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف دیکھ رہی ہیں جن کا قد ایک بڑی عمارت کے برابر ہے اور وہ لوگوں سے کہہ رہی تھیں کہ دیکھو یہ مسیح ہیں لیکن لوگ ان کونہیں دیکھ رہے تھے۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے ان سب نے ’’معان‘‘ میں 13/مارچ 2008ء بروز جمعرات بیعت کر لی ہے۔ اور پہلی دفعہ اگلے ہی روز جمعہ کی نماز بھی ادا کی ہے۔ یہ احباب بفضلہٖ تعالیٰ آج تک بڑے اخلاص کے ساتھ جماعت کے ساتھ منسلک ہیں۔

......اور شفا ہو گئی

کچھ عرصہ قبل اردن کی ایک مسجد کے امام نے جماعت سے رابطہ کیا۔ ان کی ریڑھ کی ہڈی کے کچھ مہرے ہل گئے تھے جس کی وجہ سے ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا تھا۔ وہ چل پھر نہ سکتے تھے اس لئے سارا دن چارپائی پر لیٹے ٹی وی دیکھتے رہتے یا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔

مختلف ٹی وی چینلز بدلتے بدلتے اتفاق سے انہیں ہمارا چینل مل گیا جس کے پروگرامز سے یہ بہت متاثر ہوئے۔ استخارہ کیا اور خدا تعالیٰ سے یہ نشان مانگا کہ اگر یہ جماعت سچی ہے تو مجھے کامل شفا ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور انہیں شفا ہو گئی جس کے بعد انہوں نے جماعت سے رابطہ کر کے کتابیں بھی لیں اور بڑی پسندیدگی کا اظہار کیا، آخر کار بیعت کی سعادت پائی ہے۔ یہ دوست ابھی تک مسجد کے امام ہیں اور اپنے خطب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی کتب سے کئی مضامین لے کر لوگوں کو سناتے ہیں۔

ایک اور امام مسجد کی بیعت

اردن کے ہی ایک اور مولوی فخری جرادات صاحب کو بھی اتفاق سے ہمارا چینل مل گیا اور بہت پسند آیا اور انہوں نے خطبات جمعہ میں جماعتی عقائد خصوصاً وفات مسیح کا مسئلہ بیان کرنا شروع کر دیا اور اپنے کچھ عزیزوں سے جماعتی عقائد سے پسندیدگی کا ذکر بھی کر دیا۔ اس وجہ سے

ان کے خلاف محاذ کھڑا ہوگیا اور ان کو اس مسجد کی امامت سے برطرف کر دیا گیا جو انہوں نے خود بنائی تھی ۔انہیں دھمکیاں دی گئیں ۔ جواب طلبی کی گئی ۔ چونکہ اُس وقت تک انہوں نے بیعت نہ کی تھی اس لئے اس وقت تو انہوں نے احمدی ہونے کا انکار کر دیا، تاہم اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے بیعت کر لی ہے اور حق کو قبول کرنے پر بیحد خوشی کا اظہار کیا ہے۔

ایک ایمان افروز رؤیا

ایک اور شخص (جو ریٹائرڈ پولیس افسر ہیں) نے بھی اردن میں جماعت سے رابطہ کیا انہوں نے بتایا کہ 20 سال قبل جب کہ ان کی عمر 28 سال تھی اور ان کو پولیس کے وفد کے ساتھ حج کی سعادت ملی تھی وہاں انہوں نے ایک خواب دیکھی جو ابھی تک انہیں نہیں بھولی جس کی تفصیل بتاتے ہوئے انہوں نے کہا:

’’مَیں نے دیکھا کہ مَیں اُس حُجرے میں ہوں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے، مَیں قبر سے غلاف اٹھا کر اندر دیکھنا چاہتا ہوں کہ اچانک قدموں کی طرف سے قبر کھلتی ہے اور مَیں اندر چلا جاتا ہوں۔ اندر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہوں کہ آپ سو رہے ہیں۔ اسی طرح مَیں نے ایک شخص کے ساتھ کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے پاس کچھ برتن ہیں۔ وہ مجھے تعجب سے دیکھتے ہیں اور ان کا انچارج مجھے کہتا ہے کہ: تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ میری اس کے ساتھ گفتگو سے مجھے پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص سال میں ایک دفعہ عید الأضحیٰ کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیتا ہے۔

یہ خواب ان صاحب کے دل پر نقش ہوگئی پھر اچانک انہوں نے ایم ٹی اے دیکھا اور اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو فوراً پہچان لیا کہ یہی وہ شخص ہے جس کے بارہ میں انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ ہر سال ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیتا ہے۔ اس کے بعد خدا کے فضل سے انہوں نے بیعت کر لی۔

چاند آنگن میں اتر آیا

ایک صاحب اسامہ ابو الرب صاحب نے فون کیا اور جوش سے بتایا کہ وہ فورا بیعت کرنا

چاہتے ہیں۔مَیں اگلے ہی روز ان سے ملنے چلا گیا۔انہوں نے مع افراد خانہ بڑے تپاک سے ہمارا استقبال کیا۔ یہ صاحب انتہا پسند جماعتوں کے ساتھ منسلک رہنے کی بناء پر کچھ عرصہ جیل میں بھی رہے، رہائی ملنے پر انہیں اصل اسلام کی طرف رجوع کا خیال آیا کیونکہ انہیں یہ ادراک ہو گیا تھا کہ ان جماعتوں کے پاس اصل اسلام نہیں ہے چنانچہ وہ ان سے الگ ہو گئے اور اپنی بیوی کے ساتھ مذہبی امور کے بارہ میں تبادلہ خیال کرنے لگے۔ ایک دن انہیں ایم ٹی اے العربیہ مل گیا اور جب پروگرام دیکھنے شروع کئے تو ان کے ذہن میں جو بھی سوال پیدا ہوتا کسی نہ کسی پروگرام میں اس کا جواب مل جاتا۔ چنانچہ انہوں نے گھر والوں کے ساتھ ایم ٹی اے مزید باقاعدگی سے دیکھنا شروع کر دیا۔ پھر انہیں کچھ واضح خوابیں آئیں۔ایک خواب میں انہوں نے اپنے والد صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کوٹ جیسا کوٹ پہنے دیکھا۔ان کے والد صاحب نے خواب میں انہیں جماعت میں شمولیت اختیار کرنے کی نصیحت کی۔اس پر ان کی تسلی ہو گئی اور انہوں نے میرا فون نمبر حاصل کر کے جماعت میں شمولیت کی خواہش سے آگاہ کیا۔اور جس رات انہوں نے مجھے فون کیا اسی رات ان کی بیوی نے خواب میں دیکھا کہ آسمان پر چاند چمک رہا ہے پھر دیکھا کہ وہ زمین پر اتر رہا ہے تو اس نے اپنے خاوند بچوں اور دیگر اہل خانہ کو بلا کر کہا کہ چاند کو کسی طرح کھینچ کر اپنے آنگن میں اتار لیں۔ چنانچہ انہوں نے رسیوں سے پکڑ کر اسے اپنے گھر میں اتار لیا اور سب گھر والے اس بات پر بہت خوشی کے گیت گانے لگے۔

ایک نکتۂ معرفت

اس خاندان میں جماعت کی عجیب محبت دیکھنے کو ملی۔ جب انہوں نے بیعت فارم پر کیا تو ان کے چھ سالہ بیٹے نے کہا کہ میرا نام بھی درج کریں اور پھر پندرہ سالہ بیٹی نے بتایا کہ ان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ خلیفۂ وقت سے زیادہ محبت کرنی چاہئے۔ وہ حضور کی ناصرات کے ساتھ کلاسوں کو باقاعدگی کے ساتھ دیکھتی ہے اور یہ گمان کرتی ہے کہ وہ حضور کی مجلس میں موجود ہے حالانکہ اسے کوئی بات سمجھ نہیں آتی۔ پھر اس بچی کے بارہ میں اس کے والد نے بتایا کہ یہ کہتی ہے کہ اسے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی نشان دکھائے۔ یہ لوگ یہ دعا کیوں نہیں کرتے کہ خدا تعالیٰ ان کے دل میں

حضور علیہ السلام کی محبت پیدا کر دے کیونکہ اگر نشانات دیکھ کر بھی ان کے دل میں حضور کی محبت پیدا نہ ہوئی (اور ایمان نصیب نہ ہوا) تو ان کا انجام ہلاکت ہے۔

مَیں اس بچی کی حکمت سے بہت متعجب ہوا کہ خدا تعالیٰ نے یہ حکمت کی بات اس چھوٹی سی بچی کو سمجھا دی کیونکہ بہت سے لوگوں نے بڑے بڑے نشانات دیکھے لیکن ان کے دلوں میں جماعت کی سچی محبت پیدا نہیں ہوئی اور انہیں خلافت کی بیعت کی توفیق نہیں ملی۔

حادثہ میں معجزانہ حفاظت الٰہی

ایک سال قبل کچھ نومبائع دوست شام کے وقت میرے گھر تشریف لائے اور مختلف مسائل کے بارہ میں بات چیت ہوتی رہی۔ وہ جانے لگے تو مَیں اپنی گاڑی پر انہیں چھوڑنے چلا گیا۔ واپسی پر اکیلا گھر کی طرف آ رہا تھا تو تھکاوٹ اور نیند کی کمی کی وجہ سے ڈرائیونگ کے دوران ایک لمحے کے لئے میری آنکھ لگ گئی۔ اتنے میں گاڑی اپنی پوری رفتار کے ساتھ سڑک کے کنارے نصب بجلی کے آہنی کھمبے سے جا ٹکرائی۔ حادثہ اتنا شدید تھا کہ گاڑی کا انجن کھمبے سے ٹکرا کر اندر کی طرف دھنس گیا اور میرے گھٹنے پر شدید ضرب لگی جس کی وجہ سے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ مَیں اپنے ہوش وحواس میں ہی رہا اور اسی وقت وہاں ایک شخص بولا کہ مَیں ڈاکٹر ہوں۔ اسی طرح ایک اور شخص کی آواز سنائی دی کہ مَیں میل نرس ہوں۔ ان دونوں نے ابتدائی طبی امداد دی اور ایمبولنس کو بھی فون کر دیا۔ اسی وقت حضور انور کی خدمت میں دعا کی درخواست ارسال کر دی گئی۔ حادثے کی نوعیت اور میری چوٹوں کی شدت کے پیش نظر عمومی خیال یہی تھا کہ شاید مجھے دوبارہ اپنے پاؤں پر چلنے کے لئے سال بھر کا عرصہ لگ جائے گا۔ لیکن حضور انور کی خاص دعاؤں کی برکت سے میں تین چار ماہ میں ہی میں چلنے لگا اور جب صحتیاب ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نے شرف معانقہ عطا فرمایا اور فرمایا: الحمد للہ، الحمد للہ، الحمد للہ۔

مکرمہ مہا دبوس صاحبہ

آپ کا تعلق مصر سے ہے۔ پیشہ کے اعتبار سے انجینئر ہیں۔ دنیاوی اعتبار سے اعلیٰ خاندان، زندگی کی ہر آسائش اور مقام ومنصب میسر تھا لیکن احمدیت قبول کی تو یہ سب کچھ چھن گیا، خاوند نے دیار غیر میں ہی طلاق دے دی اور اکلوتا بیٹا بھی ساتھ لے گیا۔خاندان نے ساتھ چھوڑ دیا۔لیکن اس مخلص خاتون کو احمدیت کی شکل میں اور خلافت کی محبت میں ایسا بیش قیمت سرمایہ ملا کہ جس میں اس نے ہر درد کی دوا اور ہر دکھ کا مداوا پالیا۔ یہ مخلص بہن کئی سالوں سے MTA کے شعبہ ٹرانسلیشن کی انچارج اور ایم ٹی اے 3 العربیہ میں متعدد اہم امور کی انجام دہی جیسی خدمات کی توفیق پا رہی ہیں۔آیئے اس مخلص بہن کی کہانی انہی کی زبانی سنتے ہیں۔

خاندانی پس منظر

میری پیدائش 1955ء کی ہے۔ میرے والدین دونوں مصر کے ضلع ’’البحیرۃ‘‘ سے تعلق رکھتے ہیں جہاں سینکڑوں سال سے ہمارا خاندان آباد ہے اور ان کی زرعی زمینیں ہیں۔میرے آباء واجداد پانچ سو سال قبل مراکش کے علاقہ سے مصر کی طرف ہجرت کر کے آئے۔ان کے جد امجد متحدہ مراکش کے بادشاہ واثق باللہ تھے جن کے دشمن کے ہاتھوں قتل کے بعد ان کے خاندان کے بعض افراد شمالی افریقہ کے بعض ممالک میں ہجرت کر گئے جبکہ اس خاندان کے ایک حصہ نے واثق باللہ کے پوتے شہزادہ منصور ابو دبوس کی قیادت میں مصر کی طرف ہجرت کی اور قاہرہ اور اسکندریہ کے درمیان ’’البحیرۃ‘‘ نامی علاقے میں آباد ہو گئے۔

آباء واجداد کی انسانی ہمدردی کی خصوصیات

میرے دادا احمد طایل دبوس کو طب پڑھنے کا بہت شوق تھا جس کی اعلیٰ تعلیم کے لئے وہ 1924ء میں انگلینڈ آئے اور کیمبرج یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد جب واپس گئے تو ڈھیروں ڈھیر کمائی اور شہرت ان کی منتظر تھی لیکن انہوں نے سب کچھ چھوڑ کر اپنی بستی میں جا کر کلینک کھولا اور مفت علاج کر کے اپنے علاقہ کی خدمت کی۔

اسی طرح میرے نانا محمد طایل دبوس بھی صالح اور چھپ کر نیکی کرنے والے تھے۔ ان کے بارہ میں مشہور تھا کہ جب بھی انہیں پتہ چلتا کہ کوئی محتاج ہے یا اس کو مدد کی ضرورت ہے تو وہ اپنے مزارعوں میں سے کسی کو گدھے پر اناج وغیرہ لاد کر دیتے کہ فلاں گھر کے سامنے رکھ کر دروازہ کھٹکھٹا کر جلدی سے واپس آ جانا۔ وہ ایسا اس لئے کرتے تھے تا پتہ نہ چلے کہ یہ مدد کس نے کی ہے۔ اسی طرح میری ایک نانی کا تعلق خاندانِ سادات سے تھا۔ میرے والدین کو اپنے اچھے حسب نسب پر فخر تھا لیکن مجھے اس کی بجائے اپنی نانی کے واسطے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے تعلق پر ایک عجیب خوشی اور خوش بختی کا احساس ہوتا تھا۔

والدین اور بہن بھائی

ہم صرف دو ہی بہنیں ہیں، ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے۔ میری بہن ڈاکٹر ہیں، اسی طرح میرا بہنوئی بھی ڈاکٹر ہے اور جامعہ الأزہر میں کلیۃ الطب میں لیکچرار ہے۔ میرے والد نے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سول کورٹ میں جج کی حیثیت سے نوکری شروع کی اور بالآخر ترقی کرتے کرتے قاہرہ کی Court of Appeal کے صدر کے منصب تک جا پہنچے۔

دبوس نام کی وجہ

دبوس عربی زبان میں کیل یا پِن کو کہتے ہیں۔ متحدہ مراکش کے بادشاہ واثق باللہ کے بارہ میں مشہور تھا کہ اس کے پاس تیر یا نیزہ کی طرح کا ایک باریک آلۂ حرب تھا جس کو نشانے پر پھینکنے میں اسے کمال حاصل تھا۔ اسی بنا پر وہ ''ابو دبوس'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور ان کے

بعد ان کے خاندان کا نام دبوس مشہور ہوا۔

گھر کا ماحول اور تعلیم

ہمارے گھر کا ماحول دینی امور کی پابندی اور اسلامی اقدار کی پاسداری میں ایک مثال سمجھا جاتا تھا۔جس میں نماز روزہ اور دیگر اسلامی تعلیمات پر تو عمل بڑی سختی سے ہوتا تھا لیکن مصر کے مغرب زدہ معاشرے کے زیر اثر اس میں پردہ کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا۔مَیں اسی قسم کے ماحول میں پلی بڑھی لیکن یونیورسٹی میں گئی تو معلوم ہوا کہ بعض مسلمان ایسے بھی ہیں جو نام کے تو مسلمان ہیں ورنہ ان کے خیالات کسی دہریہ سے کم نہیں۔ اس بات نے مجھے قرآن کریم اور اسلامی کتب کے مطالعہ کی طرف راغب کیا تا مَیں ان بھولے بھٹکوں کو واپس لاسکوں۔

شادی اور لندن روانگی

1977ء میں مَیں نے سول انجینئرنگ کر کے ایک پرائیویٹ کمپنی میں ملازمت اختیار کر لی۔اسی سال میری شادی ہوگئی۔میری زندگی شروع سے ہی نہایت لاڈ وپیار، مالی فروانی اور ناز ونعم میں گزری تھی یہ سلسلہ شادی کے بعد بھی جاری رہا۔کچھ عرصہ کے بعد میرے خاوند نے سول انجینئرنگ میں ماسٹرز کرنے کے بعد پی ایچ ڈی کے لئے لندن جانے کا فیصلہ کیا، یوں مَیں مصر میں اپنے خاندان کے نسبتاً ایک دینی ماحول سے نکل کر برطانیہ کے آزاد معاشرہ میں آگئی جہاں میری زندگی میں بہت بڑی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ قاہرہ میں رہتے ہوئے کشائش اور گھریلو کام وغیرہ کرنے کی عادت نہ تھی لیکن برطانیہ میں مجھے زندگی ایک نئے طریق پر شروع کرنی پڑی جہاں مختلف مما لک سے مختلف طبائع اور مذاہب کے لوگ تھے۔مَیں نے کام شروع کیا تو وہاں بھی مَیں اکیلی ہی مسلمان تھی۔ بہر حال اس معاشرے میں بھی مَیں نے صوم وصلاۃ اور اسلامی تعلیم کی پابندی کا خیال رکھا۔تاہم اسلامی پردہ کے بارہ میں کچھ نہ کرسکی کیونکہ میرے کام کی جگہ پر اور میرے خاوند کے نزدیک پردہ قابل قبول نہ تھا بلکہ وہ پردہ کو عورت کی آزادی پر قدغن اور پسماندگی کی علامت سمجھتے تھے،اور اسلامی تعلیمات کی حکمتوں اور حقیقتوں سے میری نا آشنائی ان کے خیالات کے سامنے میری پسپائی کا باعث ٹھہرتی۔

اسلام کی صداقت ثابت کرنے کی تمنا

1983ء میں میرے پہلے بیٹے کی ولادت ہوئی، جس کی وجہ سے مَیں کام چھوڑ کر بچے کی پرورش کے لئے گھر کی ہو کر رہ گئی۔ اس دوران مجھے اسلام کے بارہ میں سوچنے کے لئے کافی وقت مل گیا۔ مَیں نے جو اسلام اپنے والدین کے ہاں سیکھا تھا اس کی بنا پر مجھے اس قدر یقین تھا کہ اگر اہل غرب پر اسلام کی خوبیاں واضح کر دی جائیں تو وہ ضرور اس کو قبول کر لیں گے۔ لیکن یہاں آ کر مجھے احساس ہوا کہ اہل مغرب اسلام کو حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام میں بے شمار فرقے ہیں اور ہر ایک کا طور طریق اسلام کی تبلیغ کی بجائے خود اسلام کے لئے ہی کلنک کا ٹیکا بن رہا ہے۔ اہل مغرب کے اعتراضات کے جواب دینے کے لئے میرے پاس علم کی کمی تھی۔ اس طرح مسلمانوں کو اصل اسلام کی طرف لانے کے لئے دل میں جوش ضرور تھا لیکن ان کو قائل کرنے کے لئے دلیل کوئی نہ تھی۔

ابھی انہی خیالات کی زد سے دل و دماغ باہر نہ نکلے تھے کہ ایک دن Jehovah's Witness کے دو نمائندے عیسائیت کی تبلیغ کے لئے آ گئے۔ عیسائیت کے حوالے سے ایک بندے کو خدا بنانے اور علی الاعلان اس کے پرچار نے میرے زخموں پر مزید نمک پاشی کا ہی کام کیا۔ پھر اسی عرصہ میں رمضان المبارک میں مصر گئی تو وہاں پر اہل مصر کا روزوں کا طریق دیکھ کر مزید مایوسی کا شکار ہو گئی کیونکہ وہ ساری رات فلمیں دیکھتے یا جاگ کر مختلف تفریحی پروگراموں میں مصروف رہتے اور صبح کے وقت روزہ رکھ کے سو جاتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ مختلف ہوٹلوں نے اپنی مشہوری کیلئے اشتہارات چھاپے ہوئے تھے کہ ہمارے ہاں رمضان کی بہترین تفریح میسر ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتا تھا کہ یہ کس قسم کے روزے ہیں جن میں عبادت اور اسلام نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ سب دیکھ کر مَیں نے فیصلہ کیا کہ آئندہ رمضان میں مصر کبھی نہیں جاؤں گی۔ لندن واپس آ کر مَیں نے مصر میں رکھے ہوئے ان دس دن کے روزوں کو دہرایا کیونکہ مجھے یقین سا ہو گیا تھا کہ اس لہو ولعب سے بھرے ہوئے ماحول کے روزے قبولیت کے معیار تک نہیں پہنچے تھے۔ میرا دل یہ ماننے کیلئے تیار نہ ہوتا تھا کہ اسلام اتنی آسانی سے غائب ہو جائے گا۔ یہ سوچ کر مَیں نے اصل اسلام اور مسلمانوں کی تلاش شروع کر دی۔ ان دنوں میں مَیں نے کثرت

سے اسلامی کتب کا مطالعہ کیا۔عیسائیوں کے ساتھ میری گفتگو چلتی رہی۔ میرا بیٹا کچھ بڑا ہوا اور سکول جانے لگا تو مَیں نے دوبارہ نوکری کرنی شروع کر دی۔اسی دوران بدنام زمانہ کتاب ”شیطانی آیات“ منظرعام پر آئی اور برطانیہ میں بھی کئی ایک مظاہرے ہوئے جس میں مسلمانوں نے اس کے مؤلف کو پھانسی دینے کا مطالبہ کیا اوراس کتاب کوسرعام جلایا اورسلمان رشدی کے پتلے جلائے۔مَیں نے پہلا کام یہ کیا کہ یہ کتاب پڑھی۔ بیشک یہ کتاب اہانت آمیزاور ہر مسلمان کی غیرت کو للکارنے والی تھی لیکن دوسری طرف مسلمانوں کا ردّعمل بھی قابل شرم حد تک گرا ہوا تھا جس کی وجہ سے میرا سرشرم سے جھک گیا۔ میرے انگریز ساتھی اسلام کے ساتھ تمسخر کرتے دکھائی دیئے ۔ کچھ وقت تو مَیں نے برداشت کیا اوراس غیر اسلامی تصرف پر مسلمانوں کو ہی ملامت کرتی رہی لیکن پھرمیری غیرت نے جوش مارا اورمَیں نے اسلام کا دفاع کرنے کا عزم کر لیا لیکن مجھے احساس ہو گیا کہ یہ بھی میرے بس کا کام نہیں کیونکہ میرے پاس نہ علم ہے نہ دلیل۔بہرحال اس کے باوجود بھی مَیں نے اپنی سی کوشش جاری رکھی۔ہمارے کام کے دوران ایک گھنٹے کی بریک ہوتی تھی جس میں مَیں اپنے ساتھ کام کرنے والوں کے ذہنوں میں اسلام کے بارہ میں غلط تصور کو دور کرنے کی کوشش کرتی اور انہیں کہتی کہ آج کل کے مسلمانوں کے تصرفات غیراسلامی ہیں۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام ہی غائب ہو گیا ہے۔اسلام قرآن میں موجود ہے لیکن مسلمان اس پر عمل پیرا نہیں ہیں۔

تم تو احمدیوں کی طرح باتیں کرتی ہو!

میری خوش قسمتی کہ میرے ساتھ ایک اہل سنت مسلمان پاکستانی نوجوان بھی کام کرتا تھا۔اس نے جب مجھے غیرمسلموں کے ساتھ بحث مباحثہ کرتے ہوئے دیکھا تو آ کر مجھے سمجھاتے ہوئے کہنے لگا کہ غیرمسلموں کے ساتھ بحث مباحثہ اوران کواسلام میں داخل کرنے کی غرض سے تبلیغ کرنا جائز نہیں ہے۔تبلیغ تو صرف عیسائی دین کا خاصہ ہے، اسلام ہرگز تبلیغی دین نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود ہی جب چاہتا ہے کسی کو ہدایت دے دیتا ہے۔اس نے مجھے نصیحت کی کہ مَیں ان بحث مباحثوں سے پرہیز کروں اور یہ کام بڑے بڑے مولویوں اورعلماء کے لئے رہنے دوں، کیونکہ عین ممکن ہے کہ کسی بات سے مجھے اپنے دین اورعقیدہ کے بارہ میں شک پیدا

ہو جائے اور موجودہ ایمان بھی جاتا رہے۔مَیں نے اسے بتایا کہ اسلام ایک عظیم نعمت ہے اور مَیں سمجھتی ہوں اس کی تبلیغ کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔اور اگر کسی دن مجھے محسوس ہوا کہ وہ راہ زیادہ درست ہے جس پر میرا مد مقابل کھڑا ہے تو ایسی صورتحال میں یا تو مجھے ثابت کرنا ہوگا کہ میرا راستہ ہی افضل و اعلیٰ ہے یا پھر جس راہ کی افضلیت ثابت ہو جائے مجھے اسی کو اختیار کرنا ہوگا۔میری یہ بات سن کر اس پاکستانی نے کہا تم تو احمدیوں کی طرح باتیں کرتی ہو۔مَیں نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں؟اس نے بتایا کہ وہ پاکستانی لوگ ہیں جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے ہیں لیکن ہیں پکے کفار، کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبی آنے کے قائل ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ ان کی جماعت کے بانی ہی امام مہدی اور مسیح بن مریم ہیں۔ مجھے ان باتوں سے بہت رنج ہوا کہ مسلمانوں کی حالت اب اتنی خراب ہوگئی ہے کہ اس طرح کی منفی سوچوں کے قیدی ہو کر رہ گئے ہیں۔مَیں ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اس پاکستانی نے کہا کہ ہماری ہمسائی بھی ایک احمدی خاتون ہے وہ آئے دن ہمیں اپنی جماعت کی کتابیں پڑھنے کیلئے دیتی رہتی ہے اور میری بیوی کو مختلف امور کے بارہ میں اپنی جماعت کا نقطۂ نظر سنانے پر مصر رہتی ہے لیکن ہم ان کی کتب نہیں پڑھتے کیونکہ احمدیوں کے پاس دوسروں کو قائل کرنے کے ساحرانہ طریقے ہیں۔یہ سن کر میرے دل میں احمدیوں کی کتب دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس وقت ان کے عقائد کی صداقت کو پرکھنے یا ان کو اپنانے کا میرے ذہن کے کسی گوشے میں کوئی خیال تک نہ تھا، بلکہ مقصد یہ تھا کہ پتہ تو چلے کہ اسلام کے دعویدار کس کس قسم کے غلط خیالات کو پکڑ کے بیٹھے ہوئے ہیں۔چنانچہ مَیں نے اس پاکستانی سے کہا کہ وہ یہ کتابیں مجھے لا دے۔

دن چڑھا ہے دشمنانِ دیں کا ہم پہ رات ہے

انہی ایام میں مجھے ایک عیسائی ساتھی نے لندن میں عیسائیت کے ایک تبلیغی اجتماع میں شرکت کی دعوت دی۔ باوجود اس کے کہ وہ رمضان المبارک کے دن تھے پھر بھی مَیں نے اس اجتماع میں جانے کی حامی بھر لی کیونکہ مَیں جاننا چاہتی تھی کہ آخر وہ کیا طریقے ہیں جن کو استعمال کر کے عیسائی اپنے جھوٹے عقائد کی تبلیغ کر رہے ہیں۔

جب مَیں اس اجتماع میں گئی تو یہ دیکھ کر مجھے بڑا دکھ ہوا کہ ایک بہت بڑے ہال میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع تھے اور سٹیج پر ایک شخص ناچتے گاتے ہوئے یہ کہہ رہا تھا کہ یسوع ہی اس دنیا کا نجات دہندہ ہے۔اور یہ ہزاروں کا مجمع اس جھوٹ کی تائید کر رہا تھا۔ پھر اسی اجتماع میں ایک کثیر تعداد میری آنکھوں کے سامنے حلقہ بگوش عیسائیت ہوئی۔ یہ منظر میرے لئے کسی شدید صدمہ سے کم نہ تھا۔مَیں عیسائیت قبول کرنے والوں کے بارہ میں سخت متعجب ہوئی کہ انہیں کس چیز نے آخر اس بے ثمر دین کو قبول کرنے پر مجبور کیا؟ اس اجتماع کے بعد رات کے وقت مَیں اپنی گاڑی میں گھر آرہی تھی جو شہر سے باہر کے ایک علاقہ میں تھا، جہاں کا راستہ تنگ اور دونوں جانب سے درختوں سے گھرا ہونے کی وجہ سے گپ اندھیرے کی لپیٹ میں تھا، شدید صدمہ کی حالت میں میرا دماغ آماجگاہِ تفکرات بنا ہوا تھا۔ اچانک مجھے ایسے لگا کہ آج یہی حالت اسلام کی ہے کہ ہر طرف سے ظلمتوں میں گھرا ہوا ہے۔ یہ سوچ کر میرے دل میں اسلام پر سے اس تاریک رات کے دُور ہونے کے لئے دعا کی شدید رغبت پیدا ہوئی۔ مجھے اس کے لئے کوئی مناسب جملے تو نہ سجھائی دیئے ہاں یہ سوالات دعا کا رنگ دھار کر میرے دل ودماغ کے راستے نوکِ زباں پر آگئے:

خدایا تو نے ان مشرکوں کو اپنے جھوٹے عقائد پھیلانے کے لئے کھلی چھٹی کیوں دی ہے؟ اے خدا تُو نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نصرت کرنی کیوں چھوڑ دی؟ تُو نے آج مسلمانوں کو اس بدحالی اور ضلالت میں بھٹکتے ہوئے کیوں چھوڑ دیا؟ اس خیر اُمّت کو کیا ہوگیا ہے؟ آج حقیقی اسلام کہاں ہے؟ کیا اسلام کا دفاع کرنے والا کوئی مسلمان بھی باقی نہیں رہا؟ ہمیں اسلام کی حقیقی تعلیمات کا علم کیسے ہو؟ کیا کوئی ہے جو ہمیں سیدھا راستہ دکھائے؟ کیا کوئی ہے جو ہمیں قرآن کریم کے صحیح معانی سکھائے؟

انہی خیالات کے زیر اثر بڑے درد سے میرے دل سے یہ دعا نکلی کہ اے اللہ تو اسلام کو اس کی عظمتِ رفتہ لوٹا دے اور اسے تمام ادیان پر غالب کر کے دکھا دے۔ اسی رات مَیں نے یہ بھی عزم کیا کہ چاہے اور کوئی میرے ساتھ ملے یا نہ ملے مَیں اکیلی ہی اسلام کے دفاع کی مہم کا آغاز کروں گی۔ چنانچہ مَیں نے انگریزی زبان میں مختلف پمفلٹس لکھنے اور انہیں اپنے جاننے والوں میں تقسیم کرنے کا پروگرام بنایا۔لیکن اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کیلئے میرے پاس علم تھا نہ

دلائل، اس لئے میرا یہ پروگرام باوجود شدید خواہش، اخلاص اور جوش کے میری اپنی ہی نظروں میں ناکام ہو گیا۔

لیکن دوسری طرف مجھے خبر نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے میری اس رات کی دعائیں سن لی ہیں، اور وہ میری مرادیں پوری کرنے والا ہے۔

پہلی دفعہ کتب احمدیت کا مطالعہ

دوسرے دن جب مَیں کام پر گئی تو میرا پاکستانی کولیگ احمدیوں کی وہ کتب بھی لے آیا جو اسے اس کی احمدی ہمسائی نے بغرض تبلیغ دی تھیں۔ یہ 1989ء کا سال اور رمضان کا مہینہ تھا اور میری عادت تھی کہ رمضان میں جو بھی فارغ وقت ملتا اس میں صرف اور صرف تلاوت قرآن کریم کرتی تھی۔ اس لئے مَیں نے فیصلہ کیا کہ رمضان کے بعد ان کا مطالعہ کروں گی، لیکن ان میں سے بعض پمفلٹس بطور خاص میری توجہ کا مرکز بنے لہٰذا مَیں نے کسی قدر عجلت سے ان کی ورق گردانی کی اور جماعت کی خدمات اور اس کے نظام اور اس کے اہداف کے بارہ میں معلوم کر کے میرے دل میں جماعت کے ساتھ مل کر تبلیغ اسلام کی مہم میں تعاون کرنے کا خیال آیا۔ لیکن جب ان کے کافر ہونے کا خیال آیا تو مَیں نے فیصلہ کیا کہ مَیں پہلے ان کے خیالات کی تصحیح کرتی ہوں اور جب یہ اپنے غلط عقائد سے باز آجائیں گے تب ان کے ساتھ مل کر دین اسلام کی صحیح تعلیمات پھیلانے میں تعاون کروں گی۔ ایسا سوچنے کا سبب میرا یہ وہم تھا کہ یہ چند پاکستانیوں کی ایک مختصر سی جماعت ہے اس لئے ان کو قائل کرنا بہت آسان ہوگا۔ یہ سوچ کر مَیں نے چھوٹے پمفلٹس پڑھنے کے بعد ایک بڑی کتاب کا مطالعہ شروع کیا جس کا نام Introduction to the study of the Holy Quran تھا (یہ دیباچہ تفسیر القرآن کا انگلش ترجمہ ہے) جس کے مصنف کا نام مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ لکھا ہوا تھا۔ مَیں نے یہ کتاب شروع تو کر لی لیکن یہ سوچ کر مجھے احساسِ گناہ دامنگیر رہا کہ مَیں رمضان میں ''کافروں'' کی کتابیں پڑھنے میں اپنا وقت برباد کر رہی ہوں۔ لیکن پھر یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ میری یہ تقصیر معاف فرما دے گا کیونکہ مَیں اسلام کے دفاع کیلئے ہی اس کتاب کو پڑھ رہی ہوں تاکہ ان ''کافروں'' کے غلط عقائد کی تصحیح کر سکوں۔ مَیں نے

کتاب شروع کی تو میرا مقصد ایسے نکات کی تلاش تھی جو واضح طور پر اسلام سے ٹکراتے ہوں۔لیکن جب پڑھنا شروع کیا تو پڑھتی گئی اور باوجود کتاب کی ضخامت کے چند دن میں ہی اپنے فارغ وقت کے مطالعہ میں ساری کتاب پڑھ لی۔لیکن نہ تو مجھے اس میں کوئی کلمۂ کفر ملا، نہ کوئی اسلام مخالف بات نظر آئی اور نہ ہی اسلام کو نقصان دینے والے افکار و خیالات مل سکے۔بلکہ اس کے برعکس مجھے اس کے پڑھنے کے ساتھ ایک غیر معمولی روحانی لذت محسوس ہونی شروع ہوگئی اور ایسے لگا جیسے میری روح اسی دھارے میں بہ رہی ہے۔اس کے مضامین کی جاذبیت اورحسن ناقابل بیان تھا۔مؤلف نے اسلام کو ایسے خوبصورت پیرائے میں پیش کیا تھا کہ جو پڑھنے والے کا دل موہ لینے والا ہے اوراس کے دل میں اسلام اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی شمعیں روشن کرنے کے مترادف ہے۔کتاب کی ابتدا میں مؤلف نے تاریخ ادیان کے سیاق میں مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ تورات اورانجیل کی تعلیمات کے نقائص اوران کے ناقابل عمل ہونے کے بارہ میں جس منطق اور حکمت اور محکم اسلوب سے بات کی وہ مجھے بہت اچھا لگا۔اس کے بعد سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ تھا جس کے اکثر واقعات کا مجھے علم تھا لیکن جوں جوں مَیں پڑھتی جاتی تھی میری حیرت بڑھتی جاتی تھی کیونکہ یہ ان معروف واقعات کو بیان کرنے اوران سے نتیجہ نکالنے اوران کی تشریح کرنے کا بالکل انوکھا انداز تھا اوراس سے یکسر مختلف تھا جو آج تک مَیں نے پڑھا تھا۔ایسے لگتا تھا کہ جو واقعات مَیں نے پڑھے تھے ان میں مؤلف نے اپنی بصیرت اورقوت بیان سے نئی روح پھونک دی ہے۔ بیشتر مقامات کے مطالعہ کے وقت مَیں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے واقعات کا ذکر اس قدر درد انگیز تھا کہ میں نے ایسے محسوس کیا جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ابھی ہوئی ہے۔اس کتاب کے مطالعہ کے دوران مجھے بڑی شدت کے ساتھ محسوس ہوا کہ اس کا مؤلف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی اور بہت ہی گہری محبت رکھتا ہے۔الغرض اشک اشک آنکھوں سے مَیں نے یہ کتاب مکمل کی تو آخر پر مختصراً مسیح موعود اور مہدی معہود کا ذکر پایا جس کی اس وقت مَیں تائید نہ کرسکی۔لیکن یہ بھی سچ تھا کہ مجھے اس کتاب میں سے کوئی ایک پوائنٹ بھی ایسا نہ مل سکا جو اسلام کے خلاف

ہو یا جس کی بنا پر اس کے مؤلف کو اسلام سے خارج اور کافر قرار دیا جا سکے۔ یہ سوچ کر میرے دل میں احمدیت کے لئے ہمدردی پیدا ہوگئی اور میرے ضمیر نے کہا کہ ان لوگوں کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ بلکہ مجھے ان کا اسلام دیگر مسلمانوں سے بہت زیادہ بہتر معلوم ہوا اور اس بات کی خوشی ہوئی کہ اسلام کو صحیح سمجھنے والے مسلمان بھی موجود ہیں جو اسلامی تعلیمات کو بہت اچھے انداز میں پیش کرنے والے ہیں۔ مَیں نے اس کتاب کو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر سب سے عمدہ اور تبلیغ اسلام کے لئے نہایت مفید پایا۔

اگلے دن مَیں نے اپنے پاکستانی کولیگ سے بات کی کہ مَیں نے ساری کتابیں پڑھ لی ہیں اور ان میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے جو احمدیوں کو کافر ٹھہراتی ہو۔ پھر ان کو کافر قرار دینے کا کیا جواز ہے؟ اس نے کہا کہ مَیں نے تو انہیں کافر قرار نہیں دیا، مجھے تو دین کے بارہ میں کوئی زیادہ علم نہیں بلکہ ان کو بڑے علمائے دین جن میں جامعۃ الازہر کے علماء بھی شامل ہیں نے باقاعدہ پوری تحقیق کے بعد کافر قرار دیا ہے۔ اس وقت مَیں نے اس سے اس کی احمدی ہمسائی کے بارہ میں پوچھا کہ کیا وہ اسلامی تعلیمات کی پابند ہے؟ اس نے کہا ہاں وہ اسلامی تعلیمات کی پابند ہے بلکہ ہم دونوں میاں بیوی سے بھی زیادہ اس کا پاس کرنے والی ہے۔ اس بات سے مَیں سخت متعجب ہوئی کہ کفر کا فتویٰ موجود ہے لیکن اس کا کوئی سبب نظر نہیں آتا بلکہ ان کافروں کا اسلام فتویٰ لگانے والوں کے اسلام سے کہیں بہتر اور حقیقت پر مبنی ہے، اس پر مستزاد یہ کہ یہ ''کافر'' عورت بھی اس ''مسلمان'' کی شہادت کے مطابق مسلمانوں سے زیادہ اسلامی تعلیمات کی پابند ہے۔ یہ سب سوچ کر مَیں نے اس پاکستانی کولیگ سے کہا کہ مَیں اس احمدی عورت سے ملنا چاہتی ہوں۔ میرا مقصد یہ تھا کہ اس جماعت کے کفر کی حقیقت معلوم کرسکوں اور اگر ان کے کچھ غلط عقائد ہیں تو ان کی تصحیح کر کے مَیں ان کے ساتھ مل کر اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دوں۔ میرے پاکستانی کولیگ نے اس احمدی عورت سے میری ملاقات کے بارہ میں کچھ خدشات کا اظہار کیا اور کہا کہ ان لوگوں سے ملاقات کرنے سے عقائد اور ایمان کو خطرہ ہوسکتا ہے لیکن مَیں نے اسے کہا کہ مَیں اپنے عقائد کے بارہ میں بہت مضبوط ہوں اور یہ کسی کے بس کی بات نہیں کہ مجھے میرے عقائد سے برگشتہ کردے۔

ایک ’’کافر‘‘ سے ایمان افروز ملاقات

میری درخواست پر کچھ دنوں کے بعد میرے اس پاکستانی کولیگ نے اپنی احمدی ہمسائی کے ساتھ میری ملاقات کا بندوبست کر دیا۔ جب مَیں اس کو ملنے کے لئے جا رہی تھی تو راستے میں اپنے عربی ہونے اور عربی دانی پر فخر وغرور محسوس کر رہی تھی، خصوصًا یہ سوچ کر میرا سر کچھ اور بلند ہو گیا تھا کہ میرے مدّ مقابل ایک پاکستانی عورت ہے جسے نہ عربی زبان کا علم ہے نہ قرآن کریم کا، اس لئے مَیں اسے بڑی آسانی سے قائل کر لوں گی اور آج غلط عقائد سے اسے تائب کروانے میں کامیاب لوٹوں گی۔ لیکن جب مَیں اس کے گھر پہنچی اور اس سے بات چیت شروع کی تو مجھے فورًا ہی احساس ہو گیا کہ میرا اندازہ غلط ہے اور یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا مَیں نے سمجھا تھا۔ چنانچہ مَیں نے اس عورت کی حرکات وسکنات اور اس کی بات چیت بلکہ ہر ہر لفظ پر غور کرنا شروع کر دیا تا کہ کوئی ایسی غیر اسلامی بات مجھے مل جائے جس کی بناء پر مَیں اپنے ایمان اور عقیدہ کی افضلیت ثابت کرنے کیلئے بات کا آغاز کر سکوں، لیکن مَیں نے اسے نہایت مخلص اور پکی مسلمان پایا۔ مجھے اس کے گھر میں یا اس کے قول وفعل میں کوئی غیر اسلامی بات نہ مل سکی بلکہ مَیں نے اسے اپنے سے بہت بہتر مسلمان پایا۔ جب اس نے قرآن کریم کی بعض آیات کے معانی بیان کرنے شروع کئے تو میں اس کے فہمِ قرآن کے سامنے حیرت زدہ رہ گئی بلکہ اس کی نہایت منطقی تفسیر نے مجھے کئی آیات کے بارہ میں اپنا فہم درست کرنے پر مجبور کیا۔ مَیں نے اس کے گھر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کی تصاویر بھی پہلی دفعہ دیکھیں۔ اس نے مجھے عیسیٰ علیہ السلام کے واقعۂ صلیب اور ان کی نجات کے بارہ میں تفصیل سے بتانا چاہا۔ مَیں نے کہا کہ ہمیں عیسیٰ علیہ السلام کی موت یا حیات سے کیا لینا دینا؟ لیکن اس نے مجھے یہ کہہ کر قائل کر لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی اتباع کرنے اور اسے سلام پہنچانے کی وصیت کی ہے اس لئے ہمیں علم ہونا چاہئے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا اور ان کا ظہور کس صورت میں ہونا ہے تا کہ ہم ان کو پہچاننے میں ٹھوکر نہ کھا جائیں۔ اس کی یہ بات مجھے کچھ دیر کے لئے ماضی میں لے گئی اور مجھے اپنی والدہ کی بات یاد آ گئی جب انہوں نے مجھے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے بارہ میں بتایا تھا، نیز یہ کہ وہ دوبارہ آسمان سے نزول فرمائیں

گے۔مَیں نے اپنی امی سے پوچھا تھا کہ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ یہی وہ عیسیٰ ہیں جو آسمان سے نازل ہوئے ہیں۔اس وقت میری والدہ نے کہا تھا کہ اگر کوئی عیسیٰ علیہ السلام ہونے کا دعویٰ کرے گا اور تین کی بجائے خدائے واحد کی عبادت اور عیسائیت کی بجائے دین اسلام کی اتباع کی طرف بلائے گا اور کسی انجیل کی بجائے قرآن کی حکومت قائم کرنے اور اسلام کی عظمت اور غلبہ کے لئے کام کرے گا تو ثابت ہوگا کہ وہی حقیقی عیسیٰ ابن مریم ہیں جن کی آمد کی خبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دی ہے۔

اپنی والدہ کا یہ قول یاد آیا تو مجھے اس احمدی عورت کی بات بھی کچھ کچھ سمجھ آنے لگی۔لیکن اس کے دلائل کے باوجود بانیٔ جماعت احمدیہ کو مسیح موعود اور امام مہدی مان لینا میرے لئے ممکن نہ ہوسکا۔لہذا مَیں نے اس احمدی عورت سے مطالعہ کے لئے مزید کتب مانگیں۔اس بار اس نے جو کتب دیں ان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال اور تحریرات بھی تھیں۔آپ کی خدا تعالیٰ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نظیر محبت، قرآنی آیات کی بے مثال تفسیر اور اسلامی تعلیمات کی حکمتوں کا بیان میرے دل ودماغ کو مسحور کرگیا۔آپ کی تحریرات کا حرف حرف میرے خیالات اور سوچوں پر ایسے چھا گیا کہ مَیں اس کی اسیر ہو کے رہ گئی۔حضور علیہ السلام کی محبت میرے دل میں گھر کرگئی۔اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود مجھے یہی خیال آرہا تھا کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ حضرت مرزا غلام احمد عظیم عالم اور ایک ولی اور صالح انسان تھے لیکن شاید احمدیوں نے آپ کے مقام ومرتبہ کے بارہ میں غلو سے کام لیتے ہوئے آپ کو نبی، امام مہدی اور مسیح موعود سمجھنا شروع کردیا۔لہٰذا مَیں نے اس احمدی عورت سے پوچھا کہ کیا مرزا صاحب نے خود یہ دعویٰ کیا ہے؟ اس نے بڑی شدّ ومدّ کے ساتھ اس کی تصدیق کی۔مَیں نے عجیب کشمکش کے عالم میں مزید دو ماہ تک اس احمدی عورت کی دی ہوئی کتب کا مطالعہ کیا، بالآخر میرے ذہن میں ایک بہت مضبوط سوال پیدا ہوا کہ اگر مرزا صاحب نے خود اپنے امام مہدی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا تو باوجود سو سال گزرنے کے آج تک مصر میں ہم نے ان کے بارہ میں کیوں نہ سنا؟ اور عربوں میں سے کثیر تعداد میں آپ پر ایمان لانے والے کیوں نہ ہوئے؟

الحاج محمد حلمی الشافعی صاحب سے ملاقات

جب مَیں نے اس احمدی عورت کوفون کر کے مذکورہ سوال دہرایا تو اس نے کہا کہ آپ کا خیال درست نہیں ہے کیونکہ عربوں کی بھی ایک کثیر تعداد جماعت احمدیہ میں داخل ہو چکی ہے۔ مَیں نے پوچھا اگر یہ بات ہے تو کیا میری ان میں سے کسی کے ساتھ ملاقات ہوسکتی ہے؟اس نے کہا کیوں نہیں۔

یہ 1989ء کا سال اور صد سالہ جشن تشکر کے ایام تھے جب مصر سے الحاج حلمی الشافعی صاحب بعض عربی کتب کی نظر ثانی اوران کی اشاعت میں مدد کے لئے یہاں تشریف لائے ہوئے تھے اوراسلام آباد میں مقیم تھے۔ چنانچہ یہ احمدی عورت مجھے الحاج محمد حلمی الشافعی صاحب سے ملانے کے لئے اسلام آباد لے گئی۔اس ملاقات میں مکرم لئیق احمد طاہر صاحب مربی سلسلہ برطانیہ بھی شامل تھے۔جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے دین کی خدمت اور تبلیغ کے لئے زندگی وقف کی ہوئی ہے تو میرے لئے خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔مَیں عیسائی مبلغوں کی کارروائیوں اورجھوٹے عقائد پھیلانے کے سلسلہ میں ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے نہایت دل شکستہ تھی اور مسلمانوں کی سستی اورغفلت کی وجہ سے سخت مایوسی کا شکار تھی۔لیکن جب مجھے یہ پتہ چلا کہ اسلام آباد میں رہنے والے تمام افراد ہی مبلغین ہیں اور انہوں نے اپنی زندگیاں تبلیغ اسلام کے لئے وقف کی ہوئی ہیں تو میری خوشی دیدنی تھی۔ یہ میری زندگی کا ایک خواب تھا اورمیری آنکھیں ایسے لوگوں کو دیکھنے کے لئے ترستی تھیں جنہوں نے تبلیغ اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی ہوئی ہوں۔آج میری خواہش کی تکمیل، میرے دیرینہ خواب کی تعبیر میری آنکھوں کے سامنے تھی۔ان کی باتیں،ان کے کام، ان کے اخلاق،علوم اوران کی تفسیر اوراحکام اسلامیہ کی حکمتوں کا بیان سن کر مجھے ایسے لگا جیسے مَیں آج سے چودہ سو سال قبل والے حقیقی اسلام کے زریں عہد میں جی رہی ہوں۔ ایسے موقعہ پر محترم حلمی شافعی صاحب سے تفصیلی بات چیت اورمکرم لئیق احمد طاہر صاحب کی گرانقدر نصائح میرے لئے کسی بیش قیمت خزانہ سے کم نہ تھیں۔

ایک لیلۃ القدر

جب مَیں گھر لوٹی تو بڑی متعجب تھی کیونکہ مَیں تو کئی سال سے ایسی ہی جماعت کے وجود کی خواہاں تھی جس کی غرض وغایت خدمت دین ہو، جس کے افراد مخلص اور محض دینی جذبہ کے تحت زندگیاں وقف کئے ہوئے ہوں، یہ سب کچھ سوچ کر مجھے صحابہ کا زمانہ یاد آ گیا اور اب پہلی دفعہ مجھے بانیٔ جماعت احمدیہ کے بارہ میں امام مہدی اور مسیح موعودؑ کے الفاظ سے بھی کوئی اجنبیت محسوس نہ ہوئی۔ بلکہ سمجھ آنی شروع ہوگئی کہ عیسیٰ علیہ السلام سے مشابہت سے مراد مہمات دینیہ اور حالات وواقعات کی مشابہت ہے۔ اس سوچ کے بعد میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ مَیں بھی اس جماعت کا حصہ بن جاؤں۔ لیکن ابھی تک ایک مسئلہ کی مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الأنبیاء ماننے کے بعد کسی اور نبی کی نبوت پر ایمان خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت اور آپ کی اہانت کے مترادف سمجھ رہی تھی۔ دوسری طرف یہ بھی خیال آتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت رکھنے والا شخص جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے کی جرأت کیسے کر سکتا ہے، اور کیسے ممکن ہے کہ وہ خدائی تائید کے بغیر اتنے اعلیٰ معارف اور حکمتوں پر مشتمل کتب کی تالیف میں کامیاب ہو جائے؟ اور کیونکر ممکن ہے کہ ایک شخص خود تو گمراہ ہو لیکن وہ ایسی پاک جماعت پیدا کر جائے جو علم وایمان اور تبلیغ دین کے جہاد میں اپنی مثال آپ ہو؟ کیسے ہو سکتا ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے اس گستاخی کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وتوقیر اور علوشان کے ایسے گیت گانے والے ہوں جس کا عشر عشیر بھی دیگر مسلمانوں میں نظر نہ آئے؟ کس طرح یقین کرلوں کہ ایک کافر جماعت اسلام کے نام پر اس قدر فتوحات اور کامیابیاں حاصل کرتی جا رہی ہو جبکہ اسی عرصہ میں اسلام کے ٹھیکیداروں اور دعویداروں کا حال بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہو؟ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور قرآن کریم کے مطابق شجرۂ خبیثہ پر شجرۂ طیبہ کے پھل نہیں لگتے۔

یہ سب سوچ کر پہلی دفعہ میرے دل میں آیا کہ ہو سکتا ہے بانی جماعت احمدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی نبی ہونے کے دعویٰ میں سچے ہوں۔ اور آپؑ کی نبوت آنحضرتؐ کی نبوت کا

ظل ہو۔ لیکن دوسری طرف یہ خوف بھی دامنگیر تھا کہ اگر یہ بات غلط ہوئی تو کہیں مَیں ان سوچوں سے اپنے خدا کے غضب کی مورد نہ بن جاؤں۔ میری خوش قسمتی تھی کہ مَیں مصر سے اور اپنے اہل وعیال سے دور تھی اور کسی سے اس بارہ میں مشورہ نہ کرسکی۔ اور برطانیہ میں مجھے کسی ایسے مولوی کا پتہ نہ تھا جس کی رائے پر بھروسہ کیا جاسکے۔ لہٰذا میرے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ خدا کے حضور جھکا جائے اور اسی سے راہنمائی طلب کی جائے۔ اس وقت مجھے استخارہ کے درست طریق کا بھی علم نہ تھا لہٰذا مَیں نے بڑے درد کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم کی دعا کی اور ساری رات یہی دعا کرتے کرتے گزر گئی۔ یہ مسئلہ میرے دل ودماغ اور اعصاب پر ایسے چھا چکا تھا کہ مجھے ساری رات میں ایک پل بھی نیند نہ آئی۔ لیکن طلوع فجر کے ساتھ ہی میرے دل میں بھی سچائی کا آفتاب روشن ہو گیا۔ رات کے دن میں بدلنے کے ساتھ ہی میرا دل بھی بدل گیا۔ میرے اندھیرے احمدیت کے روشن دن کے نور سے چھٹ گئے اور خوف وانقباض کی جگہ ایمان وانشراح جاگزیں ہو گیا۔ مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے اس رات کسی نے تمام امور کے بارہ میں میری راہنمائی فرما دی ہے، اور دیگر مسائل کے علاوہ نبوت کا مسئلہ بھی بڑی آسانی سے حل ہو گیا۔ مَیں نے سوچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے ہیں تا کہ ہر قسم کی خیر اور نعمتوں سے تمام عالم کو فیضیاب کریں۔ اور سب سے بڑی نعمت نبوت ہے۔ اس لئے یہ کہنا تو کسی طور درست نہ ہوگا کہ رحمۃ للعالمین نے آتے ہی تمام عالم کو نعمتوں سے فیضیاب کرنے کی بجائے سب سے بڑی نعمت سے محروم کر دیا۔ بلکہ اگر ان کی اتباع سے یہ نعمت بھی کسی کو ملتی ہے تو اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی عظمت شان ہے۔ یہ رمضان المبارک کے ایام تھے اور یہ رات میرے لئے لیلۃ القدر کی رات بن گئی۔ مَیں نے اپنی سابقہ زندگی پر نظر دوڑائی، اپنی دعاؤں اور اسلام کے غلبہ کے لئے تڑپ، اور مومنوں کی جماعت کی تمنا، جیسے تمام امور کا مجھے جواب مل گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے ایک نور میرے اندرونے کو روشنیوں سے بھر گیا ہے۔ جس نے ہر قسم کا غم وفکر اور حزن وقلق دور کر دیا ہے اور ایک عجیب خوشی اور خوش بختی کے احساس سے دل مالا مال ہو گیا ہے۔ یہ مسیح موعود اور امام مہدی کو پہچاننے کی خوش بختی اور سعادت تھی۔ اسی خوش بختی پر غور کرتے ہوئے میری آنکھیں بھیگ گئیں اور مَیں نے کہا کہ کاش مَیں آج سے ایک سو سال پہلے کے زمانہ میں ہوتی اور اس

پیارے اور حبیب کی ملاقات سے فیضیاب ہوتی جس کا انتظار سینکڑوں سالوں سے ہو رہا تھا۔

بیعت کا مرحلہ

صبح ہوتے ہی میں اس احمدی عورت کو ملنے اس کے گھر پہنچ گئی اور اسے حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ اس پر اس نے کہا: لگتا ہے آپ عنقریب ہماری جماعت میں شامل ہو جائیں گی۔ مجھے اس کی اس بات پر تعجب ہوا۔ کیونکہ مَیں تو یہی سمجھ رہی تھی کہ مَیں مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کا حصہ بن چکی ہوں، بلکہ شاید اپنے خیالات کے اعتبار سے مَیں تو اس سے قبل بھی احمدی ہی تھی۔ پھر بھی اس کا یہ کہنا کہ آپ عنقریب ہماری جماعت میں شامل ہو جائیں گی، میری سمجھ سے باہر تھا۔ تاہم اس وقت اس بارہ میں مزید بات نہ ہو سکی۔

اب مَیں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ کس طرح اپنے اہل خاندان کو ان امور کی وضاحت کروں گی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ میری بات سمجھ جائیں گے اور اس حقیقی اسلام کو قبول کر لیں گے۔ لیکن دوسری طرف ان کے انکار کا بھی خوف تھا۔ لہذا مَیں نے اس احمدی عورت سے مل کر مکرم حلمی الشافعی صاحب کے ساتھ ملاقات کی تا کہ مَیں اپنے خاندان کی طرف سے متوقع اعتراضات کے جوابات اور اپنے عقائد کے دفاع کے لئے دلائل سیکھ سکوں۔ اس ملاقات میں مکرم لئیق احمد طاہر صاحب مربی سلسلہ بھی موجود تھے۔ ہماری گفتگو کے دوران ہی ایک پاکستانی نوجوان آیا اور مکرم حلمی الشافعی صاحب کے سامنے ایک کاغذ رکھا جو کہ بیعت فارم کا عربی ترجمہ تھا تا حلمی صاحب اس پر آخری نظر ڈال لیں اور پھر صد سالہ جشن تشکر کے سال جلسہ سالانہ برطانیہ کے موقعہ پر اس کی اشاعت ہو سکے۔ یہ نوجوان عبد المومن طاہر صاحب تھے۔ جب مَیں نے اس کاغذ کے بارہ میں دریافت کیا تو مجھے حلمی صاحب نے بتایا کہ یہ بیعت فارم ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت اور آپ کی جماعت احمدیہ میں شمولیت کا یہ رسمی طریق ہے۔ مَیں نے کہا کہ مَیں نے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سچا مان لیا ہے اور آپ کی جماعت میں شامل ہونا چاہتی ہوں لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس کا صحیح طریق کیا ہے لہٰذا آپ مجھے بھی ایک کاپی دیں تا کہ مَیں اس فارم کو پر کر کے اس رائج طریق کے مطابق جماعت میں شمولیت کا اعلان کروں۔ حلمی صاحب نے مجھے کسی قدر انتظار کا مشورہ دیا تا کہ مَیں پورے وثوق سے یہ

قدم اٹھاؤں۔لیکن مَیں نے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر کل مَیں اس دنیا سے گزر جاؤں تو بیعت نہ کرنے کا گناہ کس کے سر ہوگا؟ چنانچہ مَیں نے دس شرائط بیعت پڑھیں جو کہ بذات خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر ایک دلیل ہیں، اور اسی وقت بیعت فارم پر کر دیا۔

یوں 9/جولائی 1989ء کو میری روحانی ولادت ہوئی۔ اس دن مکرم لئیق احمد طاہر صاحب نے مجھے اپنی قیمتی نصائح سے نوازا جو مجھے آج تک یاد ہیں اور ان سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ آج تمہارے سفر کا اختتام نہیں بلکہ ایک نئے سفر کا آغاز ہوا ہے۔ احمدیت کوئی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ اس راہ میں بہت سی تکالیف اٹھانی پڑیں گی اور بہت سی قربانیاں پیش کرنی پڑیں گی، لیکن ثبات قدم دکھانے والوں کا ہی انجام بخیر ہوتا ہے، اور وہی خدا تعالیٰ کا قرب پانے والے بنتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس روحانی ولادت کے ساتھ ہی مجھے اپنی دیرینہ خواہش بھی یاد آ گئی کہ کاش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئی ہوتی تو آپ اور آپ کے صحابہ کے ساتھ مل کر جہاد کرتی۔ آج میری روحانی ولادت آپؐ کے ظل کے زمانہ میں ہوگئی تا مَیں جہاد اکبر یعنی نفس کو پاک کرنے کے جہاد اور قلم کے جہاد میں شامل ہو کر اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل کر سکوں۔

انہیں ماتم ہمارے گھر میں شادی

اگلے دن جب مَیں کام پر گئی تو اپنے پاکستانی کولیگ کو بتایا کہ تمہاری بات درست ثابت ہوئی اور مجھ پر جماعت احمدیہ کی صداقت کا جادو چل گیا ہے اور مَیں نے بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں شمولیت اختیار کر لی ہے۔ یہ خبر اس کے لئے کسی بجلی کے جھٹکے سے کم نہ تھی، وہ ہکا بکّا رہ گیا۔ مَیں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا کہ وہ میرے ''کفر اور ارتداد'' کا باعث بنا ہے، اور مَیں اس کا شکریہ ادا کر رہی تھی کہ مجھے اس کی وساطت سے احمدیت جیسی عظیم نعمت مل گئی۔

احمدی عورت کا تعارف

گزشتہ سطور پڑھتے ہوئے قارئین کرام کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہو رہا ہوگا کہ یہ

خوش قسمت احمدی عورت کون تھی جن کی تبلیغی کوششوں کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے محترمہ مہا دبوس صاحبہ جیسی صالح خاتون کو قبول احمدیت کی توفیق عطا فرمائی۔

یہ خوش قسمت خاتون محترمہ حفیظہ صادقہ بھٹی صاحبہ ہیں جو حافظ بشیر الدین عبید اللہ صاحب مرحوم مبلغ سلسلہ احمدیہ کی بیٹی ہیں۔ مکرم حافظ صاحب مرحوم کو موریشس، یوگنڈا، لائیبر یا، سیرالیون اور گیمبیا کے علاوہ 1968 سے 1972ء تک فلسطین اور کبابیر میں بطور مبلغ خدمات سرانجام دینے کی توفیق ملی۔ ہماری درخواست پر اس تبلیغی داستان کو انہوں نے اپنے الفاظ میں قلمبند کر کے ارسال فرمایا ہے جو انہی کی زبانی نظر قارئین ہے۔

یہ میرے لئے بہت بڑی سعادت ہے کہ مجھے ایک نہایت مخلص اور اور فدائی عرب خاتون کے بارہ میں تحریر کرنے کا موقع مل رہا ہے جس نے اپنے شباب کے دور میں زندگی کے نئے موڑ پر قدم رکھا اور صبر واستقامت کے ساتھ ان مقدس راہوں کو چنا جس پر آئندہ نسلیں ہمیشہ ناز کریں گی انشاء اللہ۔

23/ مارچ 1989ء کو احمدیت کی صد سالہ جوبلی کا مبارک دن تھا جسے ساری جماعت نے بہت دعاؤں کے ساتھ شروع کیا۔ اس دن کی ابتدا بڑے بابرکت طریق سے ہوئی اور بفضلِ خدا خاکسارہ نے منتخب آیات قرآنِ کریم، منتخب احادیث نبویہ اور منتخب تحریرات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سیٹ بنا کر بعض ایسے غیر از جماعت گھرانوں میں جا کر تحفہ دئے جن کے ساتھ میرے ذاتی تعلقات تھے۔ ایک غیر احمدی مسلمان فیملی کو جن کے ساتھ میرا قریبی تعلق تھا مَیں نے حضرت مُصلح موعودؓ کی کتاب ''دیباچہ تفسیر القرآن'' کا انگریزی ترجمہ بھی تحفہ میں دیا۔ اُن صاحب کا نام فاروق اعوان اور اہلیہ کا نام خالدہ ہے۔ فاروق صاحب نے وہ کتاب اپنے دفتر میں ایک عرب خاتون مہا دبوس کو پڑھنے کے لئے دے دی جو کہ وہاں بطور سوِل انجینئر ملازم تھیں۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے یہ نایاب تحفہ ایسے قابل اور قدر دان کے ہاتھ میں پہنچا دیا جسے اپنے دین سے بے حد محبت تھی، الحمد للہ۔ مہا دبوس ایک معتبر اور رئیس خاندان کی بیٹی ہیں۔ اُن دنوں وہ اپنے شوہر اور ایک بیٹے کے ساتھ علاقہ چوبہم کے نہایت اعلیٰ مقام پر رہائش پذیر تھیں۔ ان کا بنگلہ اگرچہ دنیاوی زیب و زینت کی تمام نعمتوں سے آراستہ تھا مگر شاید ان کے دل میں کوئی سچی تمنا کروٹیں لے رہی تھی۔ اسی سال ماہِ رمضان میں وہ اپنے

پاکستانی کولیگ سے ہمارا پتہ لے کر ہمارے گھر پہنچ گئی۔ ایک خوش پوش، صورت اور سیرت میں بہت بھلی خاتون میرے سامنے حیرانگی کے عالم میں سراپا سوال تھی کہ یہ جماعت کیسے وجود میں آسکتی ہے جبکہ بقول ان کے امام مہدی کا ظہور تو عرب قوم سے وابستہ ہے۔ وہ حضرت مصلح موعودؓ کی اس اعلیٰ تصنیف سے بہت متأثر تھی۔ سچائی کی جستجو اور اللہ کی تقدیر اسے یہاں لے آئی۔ گفتگو کا سلسلہ ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ مذہب سے لگاؤ تو اسے بچپن سے ہی تھا اس لئے کام پر بھی عیسائی دوستوں میں تبلیغ کا موقع پاتی رہی مگر یہاں آکر احمدیت کے تعارف اور جماعتی نظام کی عظمت نے تو اسے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ رخصت ہوتے وقت مَیں نے دو عدد کتابیں ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا انگریزی ترجمہ اور عربی میں ''المسیح الموعودؑ'' تحفۃً دیں۔ دو ہفتہ کے بعد ہم پھر ملے۔ باتوں کا سلسلہ جاری رہا، مجھے انگریزی زبان پر پورا عبور تو نہ تھا، جوشِ محبت میں کیسے سمجھانے کی کوشش کی کچھ یاد نہیں مگر اتنا جانتی ہوں کہ سچائی کا پیغام اس کے دل کو چھونے لگا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر کردہ مزید کتب کا مطالبہ کیا۔ اس بار اس کی باتوں میں حقیقت کو پا لینے کا جذبہ نظر آتا تھا۔ خیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''مسیح ہندستان میں'' اور ایک دو اور تصنیفات دیں، اب یہ سلسلہ بڑی تیزی سے بڑھنے لگا۔ خدا تعالیٰ نے فطرت میں بات کی گہرائی اور حق کی شناخت کا جذبہ رکھا تھا اس لئے احمدیت یعنی حقیقی اسلام کو سمجھنے کی تڑپ مہا کو اپنے گھریلو مسائل اور آنے والے خدشات کے باوجود کھینچ لاتی رہی۔ جماعتی کتب اس سرعت سے پڑھتی تھیں کہ گویا نگلے جا رہی تھیں۔ سچی خواہش اور سعی کے ساتھ ساتھ دلی شفا اور روح کی سیرابی کے لئے دعا ان کا معمول بن گیا۔ عبادت گزار تو پہلے ہی تھی مگر احمدیت کے معاملہ میں تو عجب کشمکش اور بیقراری کا عالم تھا۔ خود کو بھی اس کے لئے دعا کا موقع مل رہا تھا لیکن مہا کے حالات اور تشنگی کے بارہ میں حضرت خلیفہ رابعؒ کی خدمت میں خاکسارہ باقاعدگی سے خصوصی دعا کی درخواست کرتی رہی اور خدا تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضور اقدس کی بابرکت دعاؤں سے اس کی تقدیر بدل گئی۔ بہت قلیل عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کے سینے کو اپنے نور سے منور کر دیا اور شجر احمدیت کو ایک شیریں پھل لگا، الحمدللہ۔

مجھے یاد ہے کچھ ماہ بعد جب مہا کو اسلام آباد لے کر گئی جہاں اُن کی ملاقات مکرم محترم حلمی

شافعی صاحب سے کروانا مقصود تھا نیز مکرم لئیق احمد طاہر صاحب مبلغ سلسلہ بھی موجود تھے، اپنے ہم وطن کو دیکھ کر مہا کے چہرے کی رونق قابلِ دید تھی۔ اُن کے ساتھ تین چار گھنٹے کی ملاقات اور گفتگو کے بعد اس کی طبیعت میں بشاشت نمایاں طور پر نظر آنے لگی۔ دورانِ گفتگو کھانے کا بھی انتظام تھا مگر اس بندی خدا کو تو جلد جلد روحانی مائدہ کو ہی جذب کرنا تھا۔ شبہات کے بادل چھٹ چکے تھے مگر تشفیٔ قلب کی تمنا کچھ باقی تھی۔ وہ رات شاید اس نے اپنے ربّ کے حضور گریہ وزاری اور التجا میں ہی گزار دی۔ اگلے روز صبح صبح ہی میرے پاس آئی اور 100 پاؤنڈز کا چیک بڑی انکساری سے میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بے اختیار بغلگیر ہوگئی اور کہا یہ حقیر سا تحفہ اُس کی طرف سے جماعت کو دے دینا۔ اس کی کیفیت نے مجھے بھی آبدیدہ کر دیا۔ خلوصِ دل، ایثار و محبت اور شکر و امتنان میں دیا ہوا اس کا یہ پہلا ہدیہ بارگاہ الٰہی میں بڑے پیار سے قبول ہوا اور ایک بے چین روح کی تسکین کے سامان ہوگئے۔ چند دن کے بعد اسلام آباد میں مکرم حلمی شافعی صاحب کے ساتھ دوسری ملاقات تھی غالباً دو تین گھنٹے کے بعد یہ نگینہ احمدیت کی آغوش میں آ گیا الحمدُ للہ۔ بیعت فارم پُر کر لینے کے بعد مکرم محترم حلمی صاحب نے دعا کروائی جس میں مکرم لئیق احمد طاہر صاحب بھی شامل تھے۔ دعا کے بعد مکرم لئیق طاہر صاحب نے مہا کو جماعت کی طرف سے قرآنِ کریم کا پانچ جلدوں پر مشتمل انگریزی تفسیر کا سیٹ تحفہ میں دیا۔ اس کے بعد اسلام آباد کی مسجد کی طرف جاتے ہوئے کہنے لگی کہ دعا تو مَیں ہمیشہ کرتی تھی لیکن جو رقت اور لذت مجھے اس سفر کے دوران اور اب بیعت کے بعد نصیب ہوئی ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ بعد ازاں مسجد کو دیکھتے ہی اس کی زبان پر یہ فقرات تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسی ہی سادہ مسجد ہوا کرتی تھی۔ ساتھ ہی کہا کہ مَیں چھوٹی عمر میں ہی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے واقعات سنتی تو میرے دل میں یہ شدید تڑپ اٹھتی کہ کاش میں بھی ان جانثاروں میں شامل ہوتی۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ ایک دن اس کی یہ معصوم مگر سچے اور خالص دل سے نکلی ہوئی خواہش وہ قادرِ مطلق خدا کس رنگ میں پوری کرنے والا ہے۔

بہر حال بعد کے واقعہ کا مختصر بیان یہ کہ مہا کو بہت چاہنے والے شوہر نے احمدیت کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ والدین، اکلوتی بہن اور دوسرے عزیز و اقارب نے نہ صرف ردّ کر دیا، حتّٰی کہ جگر کا ٹکڑا بھی چھین لیا گیا، حجاب اوڑھنے کی وجہ سے ملازمت بھی جاتی رہی۔ لیکن اس دور میں آنے

والا کوئی کٹھن مرحلہ، کوئی دشوار گھڑی مہا کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکی۔ظاہری ہر سہارا چھوٹ چکا تھا مگر دستِ قدرت نے اپنی رحمت سے اس ستم رسیدہ کو تھام لیا اور فقط رضائے باری کی خاطر ہمت وحوصلہ سے قربانی دینے والی کے لئے خود تسکین کے سامان پیدا کر دیئے اور فضلوں کے دروازے کھول دئے۔

عیداور عزم جدید

احمدیوں کے ساتھ پہلی نمازِ عید میری بیعت کے چار دن بعد عید الاضحیٰ تھی۔مَیں عید کی نماز پڑھنے کے لئے جب اسلام آباد پہنچی تو اتنی تعداد میں افرادِ جماعت دیکھ کر دنگ رہ گئی۔اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ صد سالہ جوبلی کے سلسلہ میں مختلف ممالک کے دورہ پر تشریف لے گئے تھے اور عید کی نماز مکرم عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لندن نے پڑھائی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیمات اور کلام کے حوالے سے بتایا کہ محض لباسِ جدید زیب تن کر لینے اور خوشبو لگا لینے اور اچھے اچھے کھانے کھا لینے کا نام عید نہیں ہے بلکہ یہ قربانیوں کی یاد دلانے والی عید ہے اور ہمیں ان قربانیوں کو یاد کر کے خود کو بھی ایسی قربانیاں کرنے کے لئے تیار کرنا چاہئے۔پھر آپ نے شہید کابل حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف شہید صاحب کا ذکر خیر کیا۔یہ سن کر مجھے پہلی دفعہ احساس ہوا کہ خطبہ کے الفاظ ومعانی میرے دل میں اترتے جارہے ہیں۔اس وقت مجھے احساس ہوا کہ احمدیت اسلام کی راہ میں کس طرح کی عظیم قربانیاں پیش کر رہی ہے۔

اس واقعہ کو سن کر مجھے اپنے ضمیر کے سامنے سخت ندامت کا سامنا کرنا پڑا کہ ایک یہ لوگ ہیں جو احمدیت کو قبول کر کے جانوں کی قربانیاں دے رہے ہیں اور غیر معمولی ثبات اور استقامت دکھا رہے ہیں اور ایک مَیں ہوں جو محض مخالفت کے ڈر سے پریشان ہوں اور اپنے احمدی ہونے کا اعلان بھی کرنے میں متردد ہوں۔اس وقت میرے دل سے دعا نکلی کہ اے خدا میرا سب کچھ اس راہ میں فدا ہے،تو مجھے قبول فرما لے اور اپنے سچے دین کی تبلیغی مہمات میں مجھے بھی حصہ ڈالنے کی توفیق عطا فرما۔اس وقت میرے جسم کا ذرہ ذرہ قربان ہونے کے لئے بیقرار ہو گیا اور مَیں اپنا دل ودماغ، اپنے احساسات اور اپنے تمام قویٰ کو اس راہ میں مسخر کرنے

کے لئے بے چین ہوگئی۔ یہ 14/ جولائی 1989ء کا دن تھا اور مَیں سمجھتی ہوں کہ مَیں نے حقیقی بیعت اسی دن ہی کی۔ کیونکہ بیعت کا اصل معنی تو یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کا اور اپنی ہر چیز کا خدا تعالیٰ سے سودا کر دے اور اس کے بدلہ میں خدا تعالیٰ کی جنتوں کا امیدوار ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (التوبة: 111) یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے نفوس اور اموال کا سودا کر لیا ہے اور ان کے بدلہ میں انہیں جنت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

مخالفت کی بادِ سموم

اس دن میرے اندر ایک عجیب ہمت پیدا ہوگئی اور مَیں مزید صبر نہ کر سکی لہٰذا اسی شام اپنے خاوند کو اپنی بیعت اور جماعت احمدیہ میں شمولیت کے بارہ میں بتا دیا۔ یہ بات انہیں کسی طور بھی قابل قبول نہ ہوئی۔ انہوں نے مجھے طلاق دینے اور میرا چھ سالہ اکلوتا بیٹا چھیننے کی دھمکی دی۔ لیکن خدا تعالیٰ کے خاص فضل اور اس کی عطا کردہ ہمت کی وجہ سے یہ دھمکیاں میرے عزم صمیم کو ذرہ برابر بھی متزلزل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

خاوند کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد مَیں نے مصر جا کر اپنے والدین اور اہل خاندان کو حق کی طرف بلانے کا پروگرام بنایا۔ مَیں بڑی پُر امید تھی اور مجھے ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے 65 سال قبل میرے دادا مغرب سے طب کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اہل علاقہ کی جسمانی بیماریوں کے علاج اور شفا کی خوشخبری لے کے گئے تھے اسی طرح مَیں بھی ان کے لئے روحانی بیماریوں سے شفا کا پیغام لے کے جارہی تھی۔ مَیں انہیں بتانے کیلئے بے چین تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق ہدایت کا سورج مغرب سے طلوع ہو گیا ہے۔ لیکن ان کی طرف سے مخالفت دیکھ کر مجھے شدید دھچکا لگا، زیادہ دکھ اور افسوس اس بات کا تھا کہ میرے اپنے والدین جن کی مَیں چہیتی بیٹی تھی آج میری مخالفت میں سب سے آگے تھے۔ ہوا یوں کہ میرے مصر پہنچنے سے قبل انہیں میرے قبول احمدیت کا پتہ چل چکا تھا جس کی بنا پر انہوں نے احمدیت کے بارہ میں علماء ازہر سے پوچھا تو انہوں نے جماعت کے متعلق کفر کا فتویٰ دیا۔ لہٰذا انہوں نے میری کوئی بات نہ سنی اور اسی وقت مجھ سے جماعت چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ مَیں نے

اپنے والد صاحب سے کہا کہ آپ جج ہیں اور مَیں آپ کو ایک عادل منصف اور قاضی سمجھتی ہوں، ایک جج کا کام اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ صرف ایک فریق کی بات سن کر ہی فیصلہ صادر نہ کیا جائے، بلکہ دوسرے فریق کا موقف بھی ضرور سن لینا چاہئے۔لیکن میرے والد صاحب پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور وہ مجھ سے ایک لفظ بھی سننے پر آمادہ نہ ہوئے۔

والدین سے مایوس ہو کر مَیں نے اپنے رشتہ داروں کو قائل کرنا چاہا لیکن ان کا موقف بھی میرے والدین کے موقف سے مختلف نہ تھا۔اس کے بعد مَیں نے اپنی ان سہیلیوں کو بات سمجھانے کی کوشش کی جو کہ مجھے بہت عزیز تھیں کیونکہ ان کے ساتھ میرا بچپن اور جوانی کے ایام گزرے تھے، مجھے امید تھی کہ وہ میری بات سنیں گی۔لیکن انہوں نے بھی میری بات سننے سے انکار کر دیا۔حتی کہ ان میں سے میری عزیز ترین سہیلی کے خاوند نے مجھے کہا: تم اپنی تمام سہیلیوں میں اچھی اور سب سے عقل منداور سمجھدار تھی حتی کہ ہم سب تمہاری عقلمندی اور سمجھداری کی مثال دیا کرتے تھے۔لیکن تم یہ کیا کر بیٹھی ہو؟ ہمیں بہت افسوس ہے کہ ہم نے تجھے کھو دیا؟

علماء کی جہالت

اسی مخالفت کے طوفان میں میرے والدین اور عزیز رشتہ داروں نے میری بات تو نہ سنی لیکن سب نے مل کر جامعہ الأزہر کے بعض علماء کو بلا کر مجھے اپنی سنانے اور احمدیت سے ہٹانے کی کوشش کی۔لیکن ان کی کوئی بات، اور کوئی دلیل مجھے میرے راستہ سے ذرہ برابر بھی ہٹانے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ان مولویوں میں سے ایک کی مثال یہاں بیان کر دیتی ہوں کہ جب کئی گھنٹوں کی گفتگو کے بعد اس نے دیکھا کہ میری رائے میں کچھ فرق نہیں آیا بلکہ مَیں پوری شدت کے ساتھ اپنے عقائد پر قائم ہوں اور ان کی سچائی کے دلائل دے رہی ہوں تو وہ غصہ میں آ گیا اور نہایت ہی خسیس انداز میں بولا کہ اگر تم عورت ذات نہ ہوتی تو مَیں تمہارا سر پھاڑ دیتا۔اب تک تو میرا حسن ظن تھا کہ یہ علماء ہیں اور لوگوں کو حکمت ،موعظہ حسنہ اور دلیل و برہان سے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن مجھے شدید تعجب ہوا کہ یہ مولوی تو سر پھاڑنے کی باتیں کر رہا تھا۔میرے خیال میں اس سے بڑی جہالت کی بات مَیں نے کسی عالم کے منہ سے نہیں سنی تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہی خوب فرمایا ہے کہ:

واللہ نحن المسلمون بفضلہ

ولکن نزا جھل علی العلماء

یعنی خدا کی قسم ہم تو اس کے فضل سے حقیقی مسلمان ہیں لیکن علماء پر تو جہالت ہی غالب آئی ہوئی ہے۔

خدائی تائید ونصرت اور حفاظت کا ہاتھ

الغرض میرے گھر والوں، عزیز و اقارب اور سہیلیوں وغیرہ میں سے کسی نے میری باتوں کو جہالت کا نام دیا تو کسی نے حماقت سے تعبیر کیا، کسی نے میرے قبول احمدیت کے اقدام کو اپنے دین سے خیانت کہا اور کسی نے اسے میرا جنون قرار دیا۔ گو ظاہری صورت میں مَیں نے بڑے صبر اور حوصلہ سے یہ سب باتیں برداشت کیں۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ ان مخالفت کی آندھیوں کے سامنے تنِ تنہا ڈٹ جانے میں میرا کوئی بھی کمال نہ تھا۔ یہ محض خدا تعالیٰ کی خاص عطا اور اس کا فضل تھا کہ اس نے ان حالات میں مجھے صبر اور طاقت عطا فرمائی، اسی نے اپنی مدد ونصرت کے نظارے دکھا دکھا کر مجھے اپنے ایمان پر مضبوطی سے قائم کیا۔ اس سلسلہ میں متعدد امور میں سے مَیں ایک رؤیا کا ذکر کرنا چاہوں گی۔ مَیں نے ان دنوں میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک بڑے اجتماع کے لئے جمع ہیں اور جب شام کے وقت اجتماع ختم ہو گیا تو سب لوگ اپنا بستر لے کر سونے کے لئے چلے گئے۔ جب سب چلے گئے تو مَیں نے محسوس کیا کہ صرف مَیں ہی رہ گئی ہوں جسے بستر نہیں ملا چنانچہ مَیں کوئی بستر اور رات بتانے کیلئے کسی مناسب جگہ کی تلاش میں سرگرداں پھرتی اور سوچتی رہی کہ میرے لئے نہ تو بستر میسر ہے نہ رات بتانے کو کوئی جگہ۔ ایسے میں مجھے محسوس ہوا کہ ایک بہت بڑے اور مضبوط ہاتھ نے مجھے پکڑ کر اٹھا لیا ہے۔ اور مجھے ایسے لگا کہ جیسے کسی نے مجھے اپنی گود میں لے لیا ہے۔ اس وقت میرے دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ مَیں خدا تعالیٰ کی گود میں آ گئی ہوں۔

اس قسم کے رؤیا کے بعد بھی کیا میرے دل میں کسی قسم کا ضعف، خوف، یا دنیا کی طرف میلان کا رجحان رہ سکتا تھا؟ میرے ذہن میں اس رؤیا کی یہی تعبیر آئی کہ میری نازونعم کی زندگی کے وسائل تو ختم ہو جائیں گے اور مجھے اکیلے ہی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن خدا

تعالیٰ کی نصرت و مدد اور حفاظت ہر آن میرے شامل حال رہے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہی خوب فرمایا ہے کہ:

جب سے ملا وہ دلبر دشمن ہیں میرے گھر گھر

دل ہو گئے ہیں پتھر قدر و قضا یہی ہے

مشت غبار اپنا تیرے لئے اڑایا

مصر میں میرے گھر والوں نے میری بات سننے سے انکار کر دیا اور تعلق توڑنے کے در پے ہو گئے، عزیز و اقارب نے چھوڑ دیا اور سہیلیوں اور بچپن کی عزیز ترین ساتھیوں نے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی۔ مجبوراً اس گھٹن کے ماحول سے نکل کر مجھے واپس لندن آنا پڑا جہاں اس سے بھی بڑے امتحان میرے منتظر تھے۔ میرے خاوند نے قبول احمدیت کے ''جرم'' میں مجھے طلاق دے دی اور مَیں اپنے ہی گھر میں اجنبی ہو گئی۔ ابھی اسی صدمے میں تھی کہ ایک اور مصیبت گری جب مجھ سے میرا اکلوتا لخت جگر بھی چھین لیا گیا۔ ان دو واقعات کے بعد میرے گھر میں میرے لئے رہنے کی جگہ نہ رہی اور صرف چند ضروری چیزیں لے کر مجھے اس گھر سے نکلنا پڑا۔ باہر کا حال بھی گھر سے کچھ مختلف نہ تھا، وہ اس طرح کہ مَیں اسلامی پردہ کی پابندی نہیں کرتی تھی لیکن احمدیت قبول کرنے کے بعد مَیں نے اسلامی پردہ کی بھی مکمل پابندی شروع کر دی، اس کی سزا مجھے کام سے فراغت کی صورت میں ملی۔

لیکن خدا تعالیٰ نے میرے دل میں اپنی ایسی محبت اور ایسا عشق ڈال دیا تھا کہ میرے سامنے ان ساری مادی اشیاء کی حیثیت کچھ بھی نہ تھی۔ خدا اور اس کی رضا ہی میرا سرمایہ بن گئی جس کی بناء پر میرے لئے دنیاوی نقصانات بے معنی ہو گئے۔ ان حالات میں مَیں اکثر اس آیت کو دہراتی رہتی تھی:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُم مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (التوبة: 24)

کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہارے اَزواج اور تمہارے قبیلے اور وہ اموال جو تم کماتے ہو اور وہ تجارت جس میں گھاٹے کا خوف رکھتے ہو اور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ پیارے ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے۔ اور اللہ بدکردار لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

مشت غبار اپنا تیرے لئے اڑایا

جب سے سنا کہ شرط مہر و وفا یہی ہے

حقیقت یہ ہے کہ مَیں یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ مَیں نے بہت کچھ کھویا اور بہت بڑی قربانی دی کیونکہ سبھی کچھ جب خدا کا ہے تو اس کو اسی کی طرف لوٹانے سے کیا معرکہ مار لیا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بالمقابل مجھے ایمان اور روحانی طور پر بہت عظیم نعمتیں عطا فرمائیں جن کا کچھ بھی بدل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ میں اس وقت ایسی خوشی اور خوش بختی محسوس کر رہی تھی کہ جس کا لطف زندگی میں کبھی نہ پایا تھا۔

محترم ملک خلیل الرحمٰن صاحب کا ذکر خیر

میرے خون کے رشتہ دار تو کنارہ کش ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلہ میں احمدیت کا خاندان عطا فرما دیا جنہوں نے ہر طرح سے میری مدد کی۔ مکرمہ حفیظہ صادقہ بھٹی صاحبہ اس مدد میں پیش پیش رہیں اور مجھے کتب اور انگریزی زبان میں ترجمہ شدہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے خطبہ جات ارسال کرتی رہیں ۔ چونکہ رہائش کے اعتبار سے میرا تعلق ریڈنگ جماعت سے تھا اس حوالے سے میرا تعارف ملک خلیل الرحمٰن صاحب سے ہوا جو اس جماعت کے صدر تھے۔ نیز انگریزی زبان میں حضور رحمہ اللہ کے خطبات کے مترجم بھی۔ اس مشکل وقت میں انہوں نے اور ان کی اہلیہ نے بھی میرا بہت خیال رکھا اور اپنے علم اور تجربات سے میری بہت مدد کی۔ فجزاھم اللّٰہ خیرًا فی الدنیا و الآخرۃ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے پہلی ملاقات

بیعت کے بعد کچھ عرصہ حضور رحمہ اللہ صد سالہ جوبلی کی تقریبات کے سلسلہ میں دوروں پر رہے، اور کچھ میرے حالات ایسے رہے جن میں مجھے مصر بھی جانا پڑا اور پھر کئی قسم کی پابندیوں کا سامنا بھی رہا جس کی وجہ سے بیعت کے بعد 9 ماہ تک حضور انور کی ملاقات سے محروم رہی۔ جس کا مجھے بہت افسوس تھا۔ تاہم اس دوران حضور انور کی خدمت میں خطوط لکھتی رہی۔ بالآخر انتظارِ بسیار کے بعد مجھے حضور انور سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا۔ یہ ملاقات نہایت عظیم الشان تھی۔ جب میری نظر خلیفۂ وقت کے چہرہ مبارک پر پڑی تو مجھے ایسے محسوس ہوا کہ مسیح موعود علیہ السلام کی خلافت کا یہ درخت اور یہ ثمر اپنی ذات میں جماعت کی احمدیہ کی مکمل تصویر اور آیت استخلاف کی مجسم صورت ہے۔ آپؒ نے فرمایا: مجھے ایسے لگتا ہے کہ مَیں آپ کو پہلے سے جانتا ہوں اور آپ نئی نہیں بلکہ پیدائشی احمدی ہیں۔ دراصل یہی میرا بھی شعور تھا۔ مَیں تو یہ خیال کرتی تھی کہ احمدیت جیسے میرے خون میں موجود تھی۔

اس ملاقات میں حضور انور نے پوچھا کہ کیا آپ کو شعر اچھے لگتے ہیں؟ مَیں نے نفی میں جواب دیا اور عرض کیا کہ مَیں تو انجینئر ہوں مجھے کنکریٹ اور لوہے کے سوا اور کسی چیز کی سمجھ نہیں آتی۔ آپ ہنس دیئے اور مزید کچھ نہ فرمایا۔

بعد میں مجھے پتہ چلا کہ حضور انور تو خود بہت اچھے شاعر ہیں، لیکن ملاقات میں شاید حضور کا اشارہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہزاروں عربی اشعار کی طرف تھا۔ چونکہ اس وقت تک مَیں نے زیادہ تر جماعت کی انگریزی کتب کا ہی مطالعہ کیا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی وفارسی اور اردو کتب اور اشعار کے بارہ میں کچھ علم نہ تھا اس لئے ایسا جواب دینے کی غلطی ہوگئی۔ لیکن بعد میں جب ان کتب کا مطالعہ کیا اور حضور علیہ السلام کے خدا تعالیٰ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی محبت میں عربی اشعار پڑھے تو حضور رحمہ اللہ کو دیا ہوا جواب یاد کر کے شدید ندامت ہوئی۔ اس غلطی کا اور اپنی جہالت کا کسی قدر تدارک مَیں نے اس طرح کیا کہ بعد میں مسجد فضل میں بچوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر ترنم کے ساتھ پڑھنے کی کلاس لیتی رہی نیز بعض قصائد کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کی سعادت پائی۔

چل کے خود آئے مسیحا کسی بیمار کے پاس

حضور انور سے ملاقات کے چند ماہ بعد میرے والدین مجھے ملنے برطانیہ آئے۔ دراصل وہ آخری بار مجھے سمجھانے اور واپس لانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ دوسری طرف مَیں نے ان کے یہاں آنے کو غنیمت جانا اور اپنی سرتوڑ کوشش شروع کر دی کہ کسی طرح یہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے ملاقات پر آمادہ ہو جائیں۔ بالآخر مَیں نے انہیں کہا کہ حضور انور ہومیوپیتھی کے ماہر بھی ہیں اس لئے آپ صرف ان سے اپنی بیماری کی دوا لینے کی غرض سے ہی ملاقات کر لیں۔ میرے اصرار پر انہوں نے رضامندی کا اظہار کر دیا۔ جب ملاقات کیلئے حاضر ہوئے تو مسجد پہنچنے پر میرے والد صاحب نے کار سے نیچے اترنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ مَیں نے اجازت لے کر گیٹ کھلوایا اور گاڑی مسجد کے احاطہ میں پارک کر دی۔ ملاقات کے لئے جانے سے قبل بھی مَیں نے آخری کوشش کی لیکن والد صاحب نے کہا کہ وہ بہت تھکان محسوس کر رہے ہیں اور گاڑی سے اتر کر حضور کے دفتر تک نہیں جا سکتے۔

جب مَیں اپنی والدہ کے ساتھ حضور انور کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئی تو آپ نے کچھ دیر کے بعد میرے والد صاحب کے بارہ میں دریافت فرمایا۔ جب مَیں نے یہ عرض کیا کہ وہ گاڑی میں ہیں اور یہاں نہیں آسکے تو آپ فوراً اکھڑے ہو گئے اور فرمایا: آپ کی گاڑی کہاں ہے؟ مَیں نے عرض کیا کہ حضور انور کے دفتر کے بیرونی دروازہ کے پاس ہے۔ آپ نے دروازہ کھولا اور گاڑی تک جا پہنچے، آپ نے آگے بڑھ کر میرے والد صاحب کو سلام کیا، ان کی صحت کے بارہ میں کچھ دریافت فرمایا اور پھر دوبارہ سلام کے بعد دفتر واپس تشریف لے آئے۔ میرے والد صاحب کے بارہ میں فرمایا کہ ان کی بیماری کا علاج ممکن ہے لیکن کسی قدر لمبا ہے۔ آپ نے میری والدہ صاحبہ کو بھی شوگر کی دوا عطا فرمائی۔ مَیں یہ سب ماجرا ایک ایسے شخص کی طرح دیکھ رہی تھی جس کو اپنے حواس پر کوئی اختیار نہ رہا ہو۔ میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ خلیفۂ وقت انکساری کے اس اعلیٰ مقام پر فائز ہیں کہ مجھ جیسی ادنیٰ احمدی کے ایسے باپ کو خود ملنے کے لئے بھی جا سکتے ہیں جو ان سے ملنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

میری والدہ نے تو چند روز دوا استعمال کر کے چھوڑ دی، لیکن میرے والد صاحب نے

استعمال کرنے سے انکار کر دیا لہٰذا شفا سے بھی محروم رہے۔ میری والدہ ایک لمبے عرصہ سے بڑے الحاح کے ساتھ والد صاحب کی شفا کے لئے دعا کیا کرتی تھیں۔ آج ان کی ساری دعائیں قبول ہوگئی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے میرے والد کی بیماری کی دوا بھی ارسال فرمادی تھی لیکن انہوں نے خود اسے ٹھکرا دیا لہٰذا استفادہ سے محروم رہے۔

وقف نو

جب میری دوسری شادی ہوئی تو اس کے کچھ عرصہ بعد ہی حضور انور رحمہ اللہ نے وقف نو کی تحریک کا اعلان فرمایا اس وقت میرے دل میں ایک عجیب امنگ نے جنم لیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیٹی عطا فرمائے تو مَیں اُس کے فضل سے اس کی صحیح اسلامی تربیت کروں خصوصاً پردہ کی پابند بناؤں، تا اسلامی پردہ کا صحیح تصور قائم کرنے میں میرا بھی کچھ حصہ ہو۔ اس عجیب تمنا اور معصوم خواہش کے پیچھے میرا اپنی گزشتہ زندگی پر احساس ندامت تھا جو مَیں نے بے پردہ ہی گزار دی۔

بہرحال مَیں نے حضور انور رحمہ اللہ کی خدمت میں اس خواہش کا اظہار کر دیا کہ جو بھی میری اولاد ہو حضور انور اسے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمالیں۔ اور حضور انور رحمہ اللہ نے ازراہ شفقت میری درخواست منظور فرمالی۔ چنانچہ اس خواہش کی تکمیل اس وقت ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے مجھے دوسری شادی کے بعد نور الہدیٰ (بیٹی) اور علاء الإیمان یحییٰ (بیٹا) عطا فرمائے۔

پہلی خدمت کی سعادت

کچھ عرصہ بعد مَیں نے مسجد فضل کے قریب رہائش اختیار کر لی جہاں سے مجھے خلیفۂ وقت کی اقتداء میں پنجوقتہ نماز اور دینی اجلاسات وغیرہ میں شمولیت کی توفیق ملتی رہی۔ ان دنوں کی روحانی سعادت میرے لئے نا قابل بیان ہے۔ مجھے یاد ہے شروع شروع میں مجھے مسجد میں کسی ایسے کام کی تلاش تھی جو مَیں مستقل طور پر اپنے ذمہ ہی لے لوں۔ اس وقت عورتیں محمود ہال میں نماز جمعہ ادا کرتی تھیں۔ چنانچہ ہر جمعہ کی صبح اس جگہ کی صفائی ستھرائی اور صفوں کے بچھانے وغیرہ کا کام مَیں نے سنبھال لیا۔ مَیں آج تک یہ کام یاد کرتی ہوں تو ایک انوکھی روحانی لذت محسوس کرتی ہوں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مزید مختلف خدمات کی توفیق عطا فرمائی۔

خوابوں کی بستی قادیان

مَیں نے ربوہ اور قادیان کے بارہ میں بہت کچھ سنا تھا اور میرے دل میں قادیان کی بستی دیکھنے کی بڑی تمنا تھی تا ان مقامات کی زیارت کرسکوں جہاں حضرت مسیح موعو علیہ السلام پیدا ہوئے ، جہاں پر منارة المسیح واقع ہے اور جہاں سے حضور علیہ السلام نے تبلیغ اور دعوت کا آغاز فرمایا۔ اب تو ان تمام گلی کوچوں ان مقامات اور انکے بام و در کی تصاویر اور ویڈیوز میسر ہیں اور بار ہا ایم ٹی اے کے ذریعہ افراد جماعت ان کو دیکھ چکے ہیں۔ لیکن اُس وقت ایسی کوئی سہولت میسر نہ تھی۔ اس وقت ان مقامات کے بارہ میں ایک نیا احمدی سوچ تو سکتا تھا لیکن دیکھنے سے محروم تھا۔

دسمبر 1990ء میں مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک سفید رنگ کی کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوں اور ڈرائیور سے کہتی ہوں کہ مجھے سفید منارے کے پاس لے چلو جہاں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق عیسیٰ بن مریم کا نزول ہونا ہے۔ وہ گاڑی چلاتا ہے تو مَیں اس سے پوچھتی ہوں کہ یہ سفید منارہ ربوہ میں ہے یا قادیان میں؟ وہ کہتا ہے: قادیان میں۔ جب ہم قادیان میں داخل ہونے لگتے ہیں تو مجھے کار کے اندر سے ہی وہ سفید منارہ نظر آ جاتا ہے۔ پھر کار جب کھڑی ہو جاتی ہے تو میں اتر کر ایک گھر کے اندر داخل ہوتی ہوں جس کے درمیان کھلا صحن ہے اور اردگرد کمرے ہیں۔ اس جگہ موجود لوگ میرا بہت اچھے طریق پر استقبال کرتے ہیں اور مجھے ایک خوبصورت کپڑا تحفہ میں دیتے ہیں۔

سفرِ قادیان اور معجزانہ حفاظت الٰہی

اس رؤیا کے بعد تو میرے دل میں قادیان دیکھنے کی تمنا مزید شدت کے ساتھ تلملا نے لگی۔ اس رؤیا کے پورے ایک سال بعد 1991ء میں قادیان میں 100 ویں جلسہ سالانہ کا انعقاد ہونا تھا جس میں شامل ہونے کیلئے حضرت خلیفة المسیح الرابع رحمہ اللہ نے بھی سفر اختیار کرنے کا ارادہ فرمایا، اور میں بھی ان خوش قسمت احمدیوں میں شامل تھی جنہوں نے اس جلسہ میں شرکت کے لئے قادیان کا تاریخی سفر کیا۔ جب ہم نیو دہلی کے ائر پورٹ پر اترے تو اس

وقت جلسہ شروع ہونے میں 24 گھنٹے سے بھی کم وقت رہ گیا تھا۔ ہم نے ڈومیسٹک فلائٹ کے ذریعہ امرتسر تک کا سفر کرنا تھا لیکن ڈومیسٹک ائرپورٹس کے عملہ کی ہڑتال کی وجہ سے پروازیں منسوخ ہوچکی تھیں۔ ریل کا پتہ کیا تو اس دن کی گاڑی بھی نکل چکی تھی۔ مجبوراً ہم نے تین کاریں کرایہ پر لیں۔ اس سفر میں ہمارے ساتھ مکرم نعیم شاہ صاحب، مبارک چوہدری صاحب اور راویل بخاری صاحب بھی شامل تھے۔ ہم نے سفر شروع کر دیا لیکن غروب آفتاب کے بعد جب اندھیرا چھا گیا تو کاروں کے ڈرائیور حضرات نے کہا کہ حالیہ ہندوسکھ فسادات کے پیش نظر امن عامہ کی صورتحال خراب ہے اور رات کے وقت سفر کرنا نہایت خطرناک ہے۔ لیکن چونکہ ہم نے ہر حال میں اگلی صبح تک قادیان پہنچنا تھا اس لئے انہیں سفر جاری رکھنے کو کہا۔ بادلِ نخواستہ ڈرائیور حضرات نے ہماری بات مان لی۔ تمام راستہ سنسان تھا۔ ہماری تین گاڑیوں کے علاوہ ایک اور گاڑی بھی ہمارے قافلے میں شامل ہوگئی جس میں کچھ غیر ملکی سوار تھے اور نہ جانے کس جگہ جا رہے تھے۔ آدھی رات کے بعد ہم ایک ہوٹل پر رکے تو یہ غیر ملکیوں کی کار بھی ہمارے ساتھ ہی رک گئی لیکن انہوں نے ہم سے پہلے کھانا وغیرہ ختم کر کے دوبارہ سفر شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہماری گاڑیاں بھی دوبارہ سنسان شاہراہوں پر رواں دواں تھیں۔ ابھی سفر شروع کئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ہمیں سڑک کے بیچوں بیچ غیر ملکیوں کی گاڑی کھڑی نظر آئی۔ جب قریب پہنچے تو دیکھا کہ گاڑی کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور اس میں سوار تمام غیر ملکیوں کی لاشیں زمین پر بکھری پڑی تھیں۔ شاید ڈاکوؤں نے انہیں لوٹ کر قتل کر دیا تھا۔ اگر ہم ان غیر ملکیوں سے پہلے چل پڑتے تو ہمارا بھی یہی حشر ہوتا لیکن شاید اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لئے اس وحشتناک موت سے محفوظ رکھا کیونکہ ہم جلسہ سالانہ میں شمولیت کیلئے جا رہے تھے۔ اس حادثہ کے بعد ڈرائیوروں نے آگے سفر کرنے سے انکار کر دیا۔ اگرچہ مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور ہماری حفاظت فرمائے گا لیکن مجبوراً ڈرائیوروں کی بات ماننی پڑی۔ رات کا باقی حصہ ہم نے ایک گردوارے میں گزارا اور فجر کے وقت دوبارہ سفر شروع کر دیا۔ مَیں اس تاخیر کی وجہ سے راستہ بھر دعائیں کرتی رہی کہ ہم کہیں جلسہ کے افتتاح سے لیٹ نہ ہو جائیں۔ بالآخر صبح تقریباً ساڑھے آٹھ بجے ہم قادیان کے قریب پہنچ گئے۔

خواب کی تعبیر

ابھی ہم قادیان میں داخل نہ ہوئے تھے کہ مجھے اچانک منارۃ المسیح نظر آیا۔ مجھے ایسے لگا جیسے مَیں نے یہ منظر پہلے بھی دیکھا ہے۔ یہ سوچتے ہی مجھے ایک سال پہلے کا رؤیا یاد آ گیا۔ یہ بالکل وہی منظر تھا جو مَیں نے رؤیا میں دیکھا تھا اور رؤیا کے عین مطابق ہماری کار کا رنگ بھی سفید تھا اور مَیں اس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔اس وقت مجھے خیال گزرا کہ اگر ہم حادثہ کی وجہ سے راستہ میں نہ رکتے تو شاید بوقت فجر یہاں پہنچتے اور تاریکی کی وجہ سے قادیان کے باہر سے یہ منظر دیکھنا نصیب نہ ہوتا جو رؤیا میں دیکھا تھا۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ ہم افتتاح سے قبل پہنچ گئے اور جلسہ بخیر وخوبی کامیابیوں کے ساتھ اختتام پذیر ہوا جس کے اختتام پر ایک لڑکی مجھے ملی۔اس نے کہا کہ اس کی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ قادیان میں قیام کے دوران میرے ساتھ رہے گی تا کہ زبان وغیرہ کی وجہ سے مجھے کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہ لڑکی محترم میر محمود احمد ناصر صاحب کی بیٹی اور سابق صدر خدام الاحمدیہ UK مرزا فخر احمد صاحب کی اہلیہ عائشہ فخر ہیں۔انہوں نے کہا کہ کل وہ مجھے بعض مقامات دکھانے کے لئے لے جائیں گی۔اگلی صبح جب ہم مختلف مقامات کی زیارت کے بعد بیت الدعاء کی طرف سے سیڑھی کے ذریعہ نچلی منزل کی طرف اترے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ مَیں بعینہٖ اسی صحن میں کھڑی تھی جو رؤیا میں دیکھا تھا۔اس صحن کے اردگرد کمرے تھے اور میرے سامنے وہ کمرہ تھا جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ رؤیا کو اس طرح بعینہٖ پورا ہوتے دیکھ کر میرے آنسو نکل آئے۔ اس وقت وہاں عائشہ کی والدہ صاحبہ بھی موجود تھیں جنہوں نے میرے آنسوؤں کا سبب معلوم ہونے پر مجھے گلے سے لگا لیا اور اپنا تعارف کروایا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی بہن ہیں اور عائشہ حضرت مصلح موعودؓ کی نواسی ہیں۔لیکن ساتھ تعجب بھی ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اتنا قریبی رشتہ ہونے کے باوجود یہ نہایت سادہ اور منکسر المزاج ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی صحت وعمر میں برکت عطا فرمائے۔آمین۔

اسی طرح قادیان میں گزارے ہوئے باقی دن بھی روحانیت سے معمور اور یادگار تھے۔

والد صاحب کی وفات اور ایک بڑا ابتلاء

1997ء میں میرے والد صاحب کی وفات ہوگئی۔ مجھے ان کی جدائی کا تو غم تھا ہی لیکن اس سے زیادہ اس بات کا دکھ تھا کہ وہ خلیفۂ وقت کی بیعت کے بغیر ہی اس جہان سے رخصت ہو گئے۔ بہرحال مَیں نے اس موقعہ پر دوبارہ اپنے اعزاء واقارب کواحمدیت کی طرف بلانے کی کوشش کی لیکن ان کے رویّہ میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ مَیں نے ان دنوں نہ صرف ان کے لئے بلکہ پورے مصر کے لئے دعائیں کیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے۔ ان دنوں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جس کی وجہ سے قریب تھا کہ مَیں ضلالت کے گڑھے میں جا گرتی اور ساری روحانی متاع گنوا بیٹھتی لیکن خدا تعالیٰ نے یہاں بھی محض اپنے غیبی ہاتھ سے مجھے اس گڑھے سے نکال لیا۔ مَیں نے عرض کیا ہے کہ میرا دل چاہتا تھا کہ اہل مصر بلکہ پوری عرب دنیا تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام پہنچے۔ میرے اس تبلیغی جوش کو وقتی طور پر جھوٹی تسکین ملی تو انجانے میں میرا قدم لاہوری جماعت کی طرف اٹھ گیا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے سے قبل اس وقت کے حالات کا کسی قدر نقشہ ذہن نشین ہونا ضروری ہے۔ اس وقت نہ جماعت کا کوئی عربی ٹی وی چینل تھا، نہ ویب سائٹ، نہ کسی عربی رسالے یا لٹریچر کا عربوں تک پہنچنے کا کوئی الیکٹرونک راستہ تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ عرب ممالک میں تبلیغ احمدیت کے لئے نہ کوئی مبلغ تھا نہ ہی وہاں موجود افراد جماعت آج کل کی طرح تبلیغی مہمات میں تندہی کے ساتھ شریک تھے۔ ان حالات میں باپ کی وفات کا دکھ اور اپنے خاندان میں ہی اکیلی آواز کے دسیوں انکاری اور اس کے ساتھ اپنے بڑھتے ہوئے تبلیغی جوش کی حالت میں جب اچانک انٹرنیٹ کھولا تو لاہوری جماعت کی ویب سائٹ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصویر نظر آئی۔ چونکہ مجھے لاہوری جماعت کے بارہ میں کچھ علم نہ تھا اس لئے ابتداء میں تو انہیں احمدی ہی سمجھا اور ان سے خط وکتابت شروع ہوگئی جو مصر میں ان کی نمائندہ عورت سے ملاقات کا سبب بنی۔ اس عورت نے غلط سلط معلومات دے کر یہ تاثر دیا کہ احمدیت اور لاہوری جماعت میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ لاہوری جماعت ہی اصل ہے اور مسیح موعود علیہ السلام نے دوسرے مسلمانوں سے دینی اختلاط، یا ان کے پیچھے نماز پڑھنے، ان میں رشتے کرنے وغیرہ

سے نہیں روکا بلکہ یہ احمدیوں کی اپنی اختراع ہے اور محض اس وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام پھیلانا مشکل ہورہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

بہرحال مذکورہ بالا حالات اور اس لاہوری عورت کی خلاف حقیقت باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہا صاحبہ نے اس کی باتوں کو سچ سمجھ لیا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں تحریر کر دیا کہ مجھے آپ سے از حد محبت اور عقیدت ہے لیکن آپ نے ہی ہمیں سکھایا ہے کہ ہمیشہ سچ کا ساتھ دو اور میرے خیال میں لاہوری جماعت سچ پر ہے اس لئے مَیں آپ کو بھی اس سچ کو قبول کرنے کی دعوت دیتی ہوں۔ نیز انہوں نے اعتراضات کی ایک لسٹ بھی ارسال کر دی۔

اس خط کے ملتے ہی حضور انور رحمہ اللہ نے ایک طرف مکرم عبد المؤمن طاہر صاحب کو ان کے اعتراضات کا مفصل جواب تیار کرنے کا ارشاد فرمایا اور دوسری طرف مکرم شریف عودہ صاحب کو بذریعہ فون ان سے رابطہ رکھنے اور سمجھانے کی نصیحت فرمائی۔

چنانچہ مؤمن صاحب نے لاہوریوں کے ردّ میں علمائے جماعت کے بعض تحقیقی اور مسکت جوابات پر مبنی مقالہ جات کا ترجمہ نیز اعتراضات کا جواب خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کے حوالے سے ان کو ارسال کر دیا گیا جس کو پڑھتے ہی ان کی کایا پلٹ گئی۔ مہا صاحبہ کہتی ہیں کہ اس وقت مارے ندامت کے کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔ بار بار یہی خیال آرہا تھا کہ یہ مَیں کیا کر بیٹھی؟ کاش مَیں نے کوئی قدم اٹھانے سے قبل ہی ان سوالات کے بارہ میں پوچھ لیا ہوتا۔

بہرحال جب حق آشکار ہوگیا تو فوراً رجوع کیا اور حضور انور رحمہ اللہ کی خدمت میں معافی کا خط لکھ دیا اور نہایت ندامت کے ساتھ دعا کی درخواست کی۔

حضور انور نے ان کے خط پر فرمایا کہ آپ کی نیت نیک تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ضائع ہونے سے بچالیا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ درست ہے کہ عدم علم اور کچھ مخصوص حالات ان کے غلط سمت میں قدم اٹھانے کا موجب بنے لیکن ہمیں ان کے اس واقعہ سے یہ سبق سیکھنا چاہئے کہ:

1۔ خلافت کا تو کچھ بھی بدل نہیں ہے۔ اس سے منہ موڑ کے دینی و دنیاوی راحت کا تصور ایک خام خیال ہے۔ یہ وہ شجرۂ طیبہ ہے جس پر آسمانی علوم وانوار کے تازہ بہ تازہ شیریں

ثمرات لگتے ہیں جن سے جماعت کی روحانی ترقیات کی منزلوں کا تعین ہوتا ہے اور ان تک پہنچنے کے ہدف مقرر کئے جاتے ہیں اور پھر دعاؤں سے ان کا حصول ممکن ہوتا ہے۔اس لئے ان ثمرات سے منہ موڑنا تو کانٹوں میں دامن الجھانے کے مترادف ہے۔

2۔ اگر کسی قسم کے سوالات یا اعتراضات پیدا ہوں تو خلیفۂ وقت سے راہنمائی حاصل کریں نیز استقامت کے لئے دعا کی درخواست کریں۔کیونکہ سو فیصد ممکن ہے کہ آپ کی فہم کا قصور ہو یا بعض اعتراضات عدم علم کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہوں۔یہ بات بہرحال ادب اور عقل کے خلاف ہے کہ پہلے سوچے سمجھے بغیر غلط قدم اٹھا لیا جائے اور پھر طرح طرح کے سوالات اٹھائے جائیں۔

زہر میں تریاق

محترمہ مہا صاحبہ نے حقیقت حال جاننے کے بعد انگریزی زبان میں لاہوری جماعت کے ردّ میں ایک مفصل آرٹیکل لکھا جو آج تک ہماری مرکزی ویب سائٹ پر موجود ہے۔مہا صاحبہ کا کہنا ہے کہ آج تک کئی نوجوانوں نے انہیں بتایا ہے کہ اس آرٹیکل کے مطالعہ کے بعد ان کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے بعض سوالات کا جواب مل گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں غلط خیالات کی زد سے نکالا ہے۔سو گو کہ یہ ایک غلطی تھی جس کی اصلاح کی بھی اللہ نے توفیق عطا فرمائی اور پھر اس کے نتیجہ میں لکھے ہوئے اس آرٹیکل کے سبب کئی ذہنوں کے غلط خیالات کی اصلاح بھی ہوگئی۔اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ٹھوکر سے محفوظ رکھا۔

شجر حجر تو سنیں گے

غلطی کی اصلاح کے بعد مَیں نے دوبارہ دیوانہ وار اپنے خاندان اور جاننے والوں کو احمدیت کی طرف بلانا شروع کر دیا۔لیکن جیسے مَیں نے اپنی روش نہ بدلی اسی طرح وہ بھی اپنی ڈگر پر قائم رہے۔ چنانچہ جب کبھی جوشِ تبلیغ سے مجبور ہو جاتی تو اپنی گاڑی لے کر شہری آبادی سے دور نسبتاً پُرسکون شاہراہوں پر چلی جاتی اور جنوں خیز خود کلامی کی کیفیت میں کہتی کہ اگر اہل مصر نے مسیح موعود علیہ السلام کا کلام سننے سے انکار کر دیا تو کیا ہوا مَیں یہ

کلام ان اشجار واحجار کو سناؤں گی، مَیں اس پیغام کو مصر کی ہواؤں اور فضاؤں میں بکھیر دوں گی۔مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک قصیدہ کے شعر پڑھتی جاتی تھی اور دعائیں کرتی جاتی کہ اے خدا تو ان ہواؤں اور فضاؤں اور درختوں اور پتھروں کی زبانی اہل مصر کو یہ کلام سنا دے۔میری تمنا تھی کہ کاش خدا کے فرشتے مسیح موعود علیہ السلام کے ان اشعار کو لکھ لیں اور جا کر اہل مصر کے کانوں میں ڈال دیں اور دلوں میں بٹھا دیں۔شاید کوئی اسے پاگل پن کا نام دے لیکن مسیح موعود علیہ السلام کے پیغام کو عرب دنیا میں پھیلانے کیلئے یہ میرا دلی جوش تھا۔

(گویا بقول شاعر ؎

مذاقِ اہلِ جہاں کو بھلی لگے نہ لگے
شجر حجر تو سنیں گے غزل سناتے جائیں)

ان دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جو اشعار میں بکثرت پڑھتی تھی ان میں سے بعض یہ ہیں:

اِلٰھِیْ فَدَتْكَ النَّفْسُ اِنَّكَ جَنَّتِيُ
وَمَا اَنْ اَرٰی خُلْدًا كَمِثْلِكَ يُثْمِرُ

اے خدا! میری جان تجھ پر قربان تُو میری بہشت ہے۔اورمَیں نے کوئی ایسی بہشت نہیں دیکھی کہ تیرے جیسا پھل لاوے۔

طُرِدْنَا لِوَجْهِكَ مِنْ مَّجَالِسِ قَوْمِنَا
فَاَنْتَ لَنَا حِبٌّ فَرِيْدٌ وَّ مُؤْثَرُ

اے میرے خدا! صرف تیرے سبب سے ہی ہم اپنی قوم کی مجلسوں سے نکالے گئے۔پس تُو ہی ہمارا یگانہ دوست ہے جسے ہم نے سب پر ترجیح دی ہے۔

اِلٰھِیْ بِوَجْهِكَ اَدْرِكِ الْعَبْدَ رَحْمَةً
وَلَيْسَ لَنَا بَابٌ سِوَاكَ وَمَعْبَرُ

اے میرے خدا! اپنے منہ کے صدقہ اپنے بندہ کی خبر لے کیونکہ ہمارے لئے تیرے سوا نہ کوئی دروازہ اور نہ کوئی جائے گذر ہے۔

اِلٰی اَیِّ بَابٍ یَا اِلٰھِیُ تَرُدُّنِیُ
وَمَنُ جِئتُہٗ بِالرِّفُقِ یَزُرِ وَیَصُعَرُ

اے میرے خدا! تُو اپنے دروازہ کے علاوہ مجھے کس دروازہ کی طرف لوٹائے گا جبکہ حال یہ ہے کہ میں جس کے پاس نرمی کے ساتھ بھی جاتا ہوں وہ بدگوئی کرتا اور منہ پھیر لیتا ہے۔

صَبَرُنَا عَلٰی جَوُرِ الُخَلَائِقِ کُلِّھِمُ
وَ لٰکِنُ عَلٰی ھَجُرٍ سَطَا لَا نَصُبِرُ

ہم نے تمام دنیا کا ظلم برداشت کرلیا مگر تیری جُدائی کی ہمیں برداشت نہیں۔

تَعَالَ حَبِیُبِیُ اَنُتَ رَوُحِیُ وَرَاحَتِیُ
وَاِنُ کُنُتَ قَدُ انَسُتَ ذَنُبِیُ فَسَتِّرُ

آ میرے حبیب! تُو میری راحت اور میرا آرام ہے، اگر تُو نے میرا کوئی گناہ دیکھا ہے تو میری پردہ پوشی فرمادے۔

بِفَضُلِكَ اِنَّا قَدُ عُصِمُنَا مِنَ الُعِدَا
وَاِنَّ جَمَالَكَ قَاتِلِیُ فَأْتِ وَانُظُرُ

تیرے فضل سے ہم دشمنوں سے بچائے گئے، مگر دیکھ کہ تیرے حسن و جمال نے ہمیں قتل کر دیا ہے

وَ فَرِّجُ کُرُوُبِیُ یَا اِلٰھِیُ وَ نَجِّنِیُ
وَ مَزِّقُ خَصِیُمِیُ یَانَصِیُرِیُ وَ عَفِّرُ

اے میرے خدا میرے غم دور فرما اور اے میرے مددگار! میرے دشمن کو پارہ پارہ کر اور خاک میں ملا۔

بَلَاءٌ عَلَیُکُمُ وَالُعِلَاجُ اِنَابَۃٌ
وَبِالُحَقِّ اَنُذَرُنَا وَبِالُحَقِّ نُنُذِرُ

اے لوگو، تم پر ایک بلاء نازل ہوئی ہے جس کا علاج توبہ ہے۔ اور ہم نے تو سچے طور پر متنبّہ کر دیا اور کر رہے ہیں۔

اَصِیُحُ وَقَدُ فَاضَتُ دُمُوُعِیُ تَأَلُّمًا

وَ قَلْبِیُ لَکُمُ فِیُ کُلِّ اٰنٍ یُوَغَّرُ

مَیں آواز دیتا ہوں اور درد سے میرے آنسو جاری ہیں اور میرے دل میں ہر آن تمہارے لئے گرمجوشی پائی جاتی ہے۔

خلافت راشدہ

مصر میں کچھ عرصہ قیام کے بعد میں کبابیر چلی گئی جہاں سے 2002ء کے وسط میں دوبارہ لندن آئی اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی وفات تک آپ کے لطف وکرم اور برکات سے فیض پایا۔ آپؒ کی وفات پر دیگر احمدیوں کی طرح مجھے بھی محسوس ہوا کہ جیسے مَیں یتیم ہوگئی ہوں لیکن انتخاب خلافت خامسہ کے ساتھ ہی تمام خوف امن میں بدل گئے اور ایسے لگا جیسے دو چار دن کے توقف کے بعد پھر وہی ساقی وہی مے اور وہی ساغر ہے اور عاشقوں و پروانوں کا وہی جوش وہی فدائیت اور تڑپ ہے۔ زندگی میں پہلی دفعہ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا کا وعدہ پورا ہوتے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا اور محسوس کیا تو اس کے حقیقی معنی سمجھ آئے۔

حضورؒ کی وفات سے چند روز قبل میری بیٹی نور الہدی نے اردو کلاس میں شامل ہونے کی درخواست کی تھی جس کا جواب مؤرخہ 17/اپریل 2003ء کو تیار ہوا لیکن ہمیں بذریعہ ڈاک آپ کی وفات کے بعد ملا۔ اس خط میں میری بیٹی کو اس کلاس میں شرکت کی اجازت کے ساتھ اردو زبان سیکھنے اور اس کلاس سے روحانی فائدہ اٹھانے کی دعا دی گئی تھی۔

پھر جب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بچوں کی کلاس شروع فرمائی تو میری بیٹی اور بیٹا دونوں اس پہلی کلاس میں شامل تھے۔ یوں خدا کے فضل سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی میری بیٹی کے لئے دعا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے عہد مبارک میں پوری ہوئی۔

عہد خلافت خامسہ

عہد خلافت خامسہ کے شروع سے ہی عربوں میں تبلیغ کے نئے ابواب کھل گئے۔ پروگرام الحوار المباشر اور پھر ایم ٹی اے 3 العربیہ کے قیام کے بعد تو مجھے ایسے لگا جیسے میری پرانی آرزو

اور جوش تبلیغ حقیقت کا روپ دھار گیا ہے۔ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام شجر وحجر اور ہواؤں کو سناتی تھی اس امید پر کہ شاید کسی دن یہ ہی کلام مسیح موعود علیہ السلام اہل مصر تک پہنچا دیں۔اب ایم ٹی اے 3 العربیہ کے ذریعہ حقیقت میں ہوا کے دوش پر یہ پیغام نہ صرف مصر بلکہ تمام عرب دنیا میں پہنچ رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

بدرِ منیر

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ پہلی ملاقات سے لے کر آج تک خدا تعالیٰ کا میرے ساتھ عجیب معاملہ ہے کہ ملاقات سے ایک دو روز قبل خواب میں میری حضور انور سے ملاقات ہو جاتی ہے اور ہر دفعہ مَیں دیکھتی ہوں کہ حضور انور کا چہرہ مبارک گول اور اتنا نورانی ہے جیسے بدرِ منیر ہو۔کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ میں یہ مذکورہ رؤیا دیکھتی ہوں اور اگلے دنوں میں بظاہر حضور انور کے ساتھ ملاقات کا کوئی معلوم پروگرام نہیں ہوتا پھر بھی کہیں نہ کہیں حضور انور سے ملاقات ہو جاتی ہے۔

خدا تعالیٰ کے بے پایاں افضال والطاف کا سلسلہ جاری ہے، دربار خلافت کی عطاؤں اور اکرام کے پیش نظر مجھے آج بھی ان لوگوں کی حالت پر رونا آتا ہے جو اس روحانی مائدہ اور اس آسمانی نعمت سے محروم ہیں۔کاش کہ وہ اس نعمت کی قدر کرتے اور کاش کہ انہیں اس روحانی ماحول کی لذت کا کچھ اندازہ ہوسکتا۔آخر پر اپنے ان عزیزوں اور سہیلیوں کے لئے جو مجھے کافر، گمراہ، جاہل اور دیوانہ سمجھتے ہیں یہی کہتی ہوں کہ:

يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ (سورة يٰس:28)۔

مکرم غانم احمد غانم صاحب

تعارف اور خاندانی پس منظر

مکرم غانم احمد غانم صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

مَیں اُردن سے ہوں۔ میری پیدائش1955ء میں فلسطین کے شہر طولکرم کی ایک بستی ''شویکۃ'' میں ہوئی۔ میرا تعلق ایک پرانے متدین گھرانے سے ہے۔ ہمارے جد امجد ''الشیخ غانم'' اپنے زمانے کے ولی اللہ اور صالح بزرگ سمجھے جاتے تھے۔ آپ حضرت عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اتباع میں سے تھے، میرا نام برکت کی خاطر ہمارے اسی جد امجد کے نام پر رکھا گیا۔

علاوہ ازیں ہمارا شمار سادات میں ہوتا ہے کیونکہ ہمارا نسب سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملتا ہے۔ اور ہمارے خاندان کے پاس وہ نسب نامہ موجود ہے جس میں بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تک ہمارا نسب لکھا ہوا موجود ہے۔ اس نسب نامہ میں ناموں کے اندراج کا طریق یہ تھا کہ ایک خاص تقریب منعقد کی جاتی جس میں کوئی جانور ذبح کر کے تمام خاندان کی دعوت کی جاتی تھی اور پھر اس موقع پر یہ نسب نامہ نکالا جاتا جس میں صرف لڑکوں کا نام لکھا جاتا تھا۔ یہ طریق صدیوں سے چلا آتا تھا لیکن آہستہ آہستہ کم ہوتا چلا گیا اور چند دہائیاں قبل بالکل ختم ہو گیا۔

چھوٹی عمر میں عائلی ذمہ داری کا بوجھ

میرے والدین کی کُل اولاد چار بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں جن میں میرا چوتھا نمبر ہے۔

میرے والد صاحب کی عمر 45 سال تھی کہ ایک حادثہ میں ان کی وفات ہوگئی اور گھر کی ذمہ داری ہماری والدہ اور ہم بچوں پر آن پڑی۔ بہن بھائیوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ ذمہ داری مجھے ہی ادا کرنے کی توفیق ملی۔ میری والدہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ خدا شکر ہے کہ اس نے مجھے غانم جیسا بیٹا عطا کیا جس نے اپنے والد کی وفات کے بعد میرے ساتھ گھر کی ذمہ داری کو خوب سنبھالا۔

چرچ کی بطخ آلو برابر!

مَیں اپنے والد کا لاڈلا تھا۔ وہ اکثر مجھ پر فخر کیا کرتے تھے اور نہ صرف میرے ساتھ اپنے دکھ سکھ بانٹتے بلکہ مجھے بہت سے قصے کہانیاں بھی سنایا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک قصہ آج تک میرے دل و دماغ پر نقش ہے۔

یہ قصّہ محمد نامی ایک نوجوان مسلمان کا ہے جس نے عیسائیت پر اتمام حجت کا یہ اسلوب اختیار کیا کہ چرچ میں جا کر کہا کہ مَیں نے عیسائیت قبول کرنی ہے۔ چنانچہ پادری اس کو عیسائیت میں داخل کرنے کی کارروائی مکمل کرنے کے بعد بپتسمہ دینے کے لئے چرچ کے احاطے میں اس کام کے لئے بنائے ہوئے پانی سے بھرے ایک حوض کے پاس لے گیا۔ جہاں تین دفعہ اسے پانی میں غوطہ دیا اور ہر دفعہ یہ کہتا کہ محمد ہونے کی حالت میں اس پانی میں غوطہ لگا اور پطرس ہونے کی حالت میں باہر آ جا۔ یوں گویا محض تین غوطوں کے بعد وہ محمد سے پطرس بن گیا۔ اس نے اسی چرچ کی ہی خدمت کرنی شروع کر دی۔ کچھ عرصہ بعد پادری صاحب نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی۔ جب عیسائیوں کے ہاں روزہ رکھنے کا موسم آیا تو ایک دن یہ نوجوان گھر میں بطخ لے آیا اور روزوں کے دوران اس کا گوشت کھانے پر اصرار کیا جبکہ عیسائیوں میں روزوں کے ایام میں گوشت کھانا منع ہوتا ہے۔ لہذا اس موقع پر اس کے اور اس کی بیوی اور اس کے پادری سسر کے مابین یہ مکالمہ ہوا:

نوجوان بطخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا: مَیں نے اسے پکا کر کھانا ہے۔

اس کی بیوی نے کہا: روزوں کے ایام میں گوشت کھانا عیسائی مذہب کے خلاف ہے۔ صرف سبزیاں وغیرہ ہی کھا سکتے ہیں۔

نوجوان: یہ سبزی ہی تو ہے۔

اس کی بیوی: اچھا بتاؤ تو سہی کہ تمہارے خیال میں یہ کونسی سبزی ہے؟

نوجوان: تمہیں نظر نہیں آتا کہ یہ اتنا بڑا آلو ہے۔

اس کی بیوی یہ سن کر اسے اپنے والد کے پاس لے گئی اور کہنے لگی: یہ بطخ جس کے بال و پر اور گوشت ہے اسے پطرس آلو سمجھ کر روزوں کے ایام میں کھانا چاہتا ہے جو کہ ہمارے دین میں جائز نہیں ہے۔

پادری نے نوجوان کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

یہ بطخ آلو کیسے ہوسکتی ہے؟

نوجوان: آئیے مَیں آپ کو سمجھاتا ہوں ۔ یہ کہہ کر وہ انہیں پتمسہ دینے والے حوض کی طرف لے گیا اور بطخ کو اس میں تین غوطے دیئے اور ہر دفعہ یہ کہا کہ اے بطخ پانی میں غوطہ لگا اور آلو بن کر باہر آ۔ لہذا تین غوطوں کے بعد اس نے کہا کہ اب یہ آلو بن گئی ہے۔

پادری: یہ ابھی تک بطخ ہی ہے اور محض تین غوطوں سے یہ آلو نہیں بن سکتی۔

نوجوان: جس طرح یہ بطخ تین غوطے لگا کر آلو نہیں بن سکتی اسی طرح مَیں بھی تین غوطے لگا کر پطرس نہیں بن سکتا، لہذا مَیں آج بھی وہی محمد ہی ہوں۔

تبصرہ

اس قصّہ کے لکھنے سے ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ بلکہ یہ دھوکہ ہے اور سچے دین کو اپنی صداقت کی دلیل کے لئے کسی دھوکہ دہی کی ضرورت نہیں ہوسکتی۔ اسلام کی صداقت کے دلائل اتنے روشن ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی اور حیلہ کی حاجت نہیں رہتی۔ جب ایمان دل میں داخل ہوجاتا ہے تو اس کا اثر انسان کے اعضاء اور روئیں روئیں پر ہوتا ہے اور اس کی حرکات وسکنات اور اس کے قول وفعل میں اس ایمان کا عکس نظر آنے لگتا ہے۔ لیکن اگر دل میں ایمان نہیں تو پھر غوطے دینے سے پیٹ میں پانی تو داخل کیا جاسکتا ہے دل میں ایمان نہیں ڈالا جاسکتا۔

اس لئے اس قصہ کے ذکر کرنے سے مقصد صرف یہی بتانا ہے کہ دیگر مذاہب سے

روحانیت گم ہوگئی ہے اور اب دین کے نام پر محض رسم ورواج اور مختلف قسم کی حرکات رہ گئی ہیں۔اور ایسا دین نہ صرف خدا تعالیٰ تک پہنچنے کی درست راہ کا پتہ بتانے سے قاصر ہے بلکہ حقیقی تقویٰ اور روحانیت پیدا کرنے سے بھی عاجز ہے جو قلب وروح کی تسکین کا باعث بنتی ہے۔

وطن کی محبت اور دفاع کا جوش اور گرفتاری

1948ء میں فلسطین کے بڑے حصہ پر اسرائیلی قبضہ ہوگیا جبکہ باقی ماندہ حصہ کا الحاق اردن کے ساتھ کر دیا گیا جسے مغربی کنارے کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ حصہ 1967ء تک اردن کا حصہ رہا لیکن اس سال عربوں کی اسرائیل کے ساتھ جنگ میں نہ صرف اس حصہ پر بلکہ اردن، مصر، شام اور لبنان کے بھی بعض حصوں پر اسرائیل نے قبضہ کرلیا۔اس شکست کا ہمارے دل ودماغ پر بہت گہرا اثر پڑا۔اس وقت میری عمر محض 12 سال تھی لیکن وطن کی محبت اور غیرت میرے دل میں جوش مارتی تھی پھر ہر آنے والے دن میں یہ محبت مضبوط سے مضبوط ہوتی گئی اور وطن کے دفاع کا جذبہ جوش مارتا گیا یہاں تک کہ مَیں نے اس ظالمانہ قبضہ سے اپنے وطن کو چھڑانے میں اپنا کردار ادا کرنے کی ٹھان لی۔اس کے لئے کسی مناسب پلیٹ فارم کی ضرورت تھی چنانچہ مَیں نے فلسطین کی تحریک آزادی کی تنظیم ''الفتح'' کی نمائندگی اختیار کر لی جس کے سربراہ مرحوم یاسر عرفات تھے۔اس تنظیم سے منسلک ہونے کے جرم میں مجھے اردن میں اگست 1977ء میں گرفتار کر لیا گیا۔اور مجھے اپنی جوانی کے ابتدائی تین سال وطن کی خاطر جیل میں گزارنے پڑے۔چونکہ مَیں سیاسی قیدی تھا اس لئے مجھے دیگر سیاسی قیدیوں کے ساتھ رکھا گیا جن کا تعلق مختلف دینی وسیاسی تنظیموں اور گروہوں سے تھا۔پہلے سال مجھے نہایت ہی تنگ جیل خانہ میں رکھا گیا جہاں جگہ کی ظاہری تنگی تو تھی ہی اس کے ساتھ ساتھ آئے دن قسما قسم کی تحقیقات اور پابندیوں کی وجہ سے عرصۂ حیات مزید تنگ کر دیا گیا تھا۔اس جیل میں مَیں سب سے چھوٹا قیدی تھا۔اس وقت میری عمر صرف 22 سال تھی۔

جماعت احمدیہ سے تعارف

جیل میں پہلا سال گزارنے کے بعد ہمیں سیاسی قیدیوں کی مرکزی جیل میں منتقل کر دیا گیا

جس میں کل 250 قیدی تھے۔ اس جیل میں میرا تعارف مرحوم ناصر عودہ صاحب سے ہوا۔ بعض سیاسی اختلافات کی بنا پر تنظیم ''الفتح'' کے دو حصے ہو گئے تھے اور مرحوم ناصر عودہ صاحب کا تعلق ''الفتح'' کے دوسرے حصہ سے تھا جس کے تقریباً 50 قیدی اس جیل میں تھے جبکہ ہمارے حصہ کے صرف 4 قیدی تھے۔ الفتح کے ان دونوں حصوں میں شدید اختلافات کی بنا پر سخت عداوت پائی جاتی تھی۔ اس ظاہری عداوت کے باوجود ناصر عودہ صاحب کے دینی علم اور مختلف پارٹیوں کی غلط طرزِ فکر کی تصحیح اور ان کے اعتراضات کے جواب حتی کہ بعض اشترا کی اور مارکسی خیالات کے حامل قیدیوں کے سوالات کے شافی جوابات دینے کی وجہ سے میں طبعًا ان کی طرف میلان رکھتا تھا اور ان کے ساتھ بیٹھتا اور ان کی باتوں سے مستفیض ہوتا اور ان کی تائید کرتا تھا۔

اپنے دیگر دوستوں کے ساتھ باتوں کے دوران مجھے معلوم ہوا کہ ناصر عودہ صاحب احمدی ہیں اور عجیب وغریب خیالات رکھتے ہیں۔ جبکہ مجھے ان کے خیالات میں کوئی عجیب وغریب بات نظر نہ آئی، بلکہ ان کے جملہ خیالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع پیش نظر ہوتا تھا۔ ہاں وہ یہ ضرور کہتے تھے کہ امام مہدی ظاہر ہو گئے ہیں اور وہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام ہیں جنہوں نے جماعت احمدیہ کی بنیاد رکھی ہے۔ مجھے اس وقت اس بات سے اتنا سروکار نہ تھا بلکہ میرا ردّ عمل بہت ہی مثبت تھا۔ مَیں نے کہا کہ تمام دنیا امام مہدی کی منتظر ہے اگر وہ آ گئے ہیں تو یہ تو بہت اچھی بات ہے، کم ازکم ان کے آنے سے مسلمانوں کے موجودہ حالات ضرور بدلیں گے۔

میرا فہم یہ کہتا تھا کہ امام مہدی ایک عام امام ہے جس کا ماننا نہ ماننا برابر ہے۔ لیکن جب مجھے میرے ایک دوست نے بتایا کہ ناصر عودہ جس امام مہدی کی بات کرتا ہے وہ اس کے اعتقاد کے مطابق نبی ہے تو یہ سنتے ہی مجھے اپنے بچپن کے زمانے کی ایک بات یاد آ گئی۔ میری عمر اس وقت دس گیارہ سال تھی کہ سکول میں ایک طالبعلم نے استاد سے پوچھا کہ حیفا میں جماعت احمدیہ کے افراد رہتے ہیں۔ ہمیں اس جماعت کے بارہ میں بتائیں۔ استاد نے جواب دیا کہ یہ جماعت کافر ہے کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نئے نبی کی آمد کے قائل ہیں۔ یہ یاد آتے ہی مَیں نے اپنے وراثتی عقائد کی بنا پر اس عقیدہ کا بڑی قوت کے ساتھ انکار کر دیا اور فوراً ناصر عودہ صاحب سے کہا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ اپنی جماعت کے بانی کو نبی سمجھتے

ہیں ۔انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے درست سنا ہے۔اس پر انہوں نے ختم نبوت کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی لیکن مَیں اس قدر متشدد تھا کہ مَیں نے کچھ سننے سے انکار کر دیا اور انہیں کہا کہ مَیں آپ کا احترام کرتا ہوں اور آپ کے ساتھ دوستی کے رشتہ سے منسلک رہنا چاہتا ہوں لہذا آج کے بعد براہ کرم آپ میرے ساتھ احمدیت کے بارہ میں بات نہ کریں۔

ظلماتِ زنداں میں شعاعِ نور

جیل میں مجھے تین سال تک بغیر کسی کیس کے رکھا گیا۔ یہ تین سالہ مدت، جیل کے قوانین کے مطابق چار سال بن جاتی ہے۔ بہرحال جیل میں آنے والا آخری رمضان میرے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔اس رمضان میں مجھے ناصر عودہ صاحب نے کہا کہ اگر تم جماعت احمدیہ کے بارہ میں سننا نہیں چاہتے تو چلو یہ کتاب ہی پڑھ لو۔ یہ کہہ کر انہوں نے مجھے مرحوم منیر الحصنی صاحب کی کتاب ''المودودی فی المیزان'' دی۔مَیں نے کتاب کے ابتدائی چند صفحات پڑھے لیکن مجھے کوئی تسلی نہ ہوئی۔مَیں نے اس رمضان میں ایک خاص پروگرام بنا کر احمدیت کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور راہنمائی چاہی۔

مَیں ساری رات عبادت کرتا اور تلاوت قرآن کریم میں مصروف رہتا۔ جب سحری کا وقت ہو جاتا تو مَیں اپنے ساتھیوں کے لئے سحری تیار کرتا۔ وہ تو سحری کے بعد نماز پڑھے بغیر ہی سو جاتے لیکن مَیں نماز فجر تک تلاوت قرآن کریم کرتا رہتا اور پھر دعائے استخارہ پڑھتا کہ اے اللہ مجھے احمدیت اور اس کے بانی مرزا غلام احمد کے بارہ میں حق سے آگہی عطا فرما۔ یہ دعا کرتے کرتے آخری عشرہ آ گیا۔ ایک دن طلوع آفتاب سے قبل نہ جانے نیند یا بیداری کی حالت میں مَیں نے مشرقی جانب افق پر ایک شخص کو سفید کپڑے پہنے ہوئے بیٹھے دیکھا جو جنوب یعنی قبلہ کی طرف دیکھ رہا تھا جبکہ اس کے سامنے کچھ میٹرز کے فاصلے پر آگ کا ایک روشن اور طویل ستون سا دکھائی دیتا تھا۔اس شخص نے سر پر جو عمامہ باندھا ہوا تھا وہ میرے لئے کسی حد تک عجیب وغریب تھا۔مَیں نے اسے دیکھتے ہی خواب کی اس کیفیت میں ہی کہا کہ یہ خمینی تو بہر حال نہیں ہے۔

خواب میں یہ جملہ کہنے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں میں ہم ایرانی انقلاب اور خمینی کی

شخصیت سے بھی بہت متأثر تھے کیونکہ خمینی نے آتے ہی ایران سے اسرائیلی سفارتخانے کو ختم کر کے فلسطینی سفارتخانہ کھولنے کا حکم دیا تھا۔ بعض لوگ اس وقت خمینی سے اس قدر متأثر ہوئے تھے کہ انہیں امام مہدی ماننے کو بھی تیار نظر آ رہے تھے۔ لیکن اس رؤیا سے مَیں نے یہی سمجھا کہ لوگ جس کے منتظر ہیں وہ خمینی نہیں ہے۔ اس کے بعد مَیں نے ہمیشہ خمینی کو ایک سیاسی شخصیت کے روپ میں ہی دیکھا اور مجھے اس بات کا خوب ادراک تھا کہ انہوں نے مذہب کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے اور وہ صرف شیعہ ازم کے ہی داعی ہیں۔

رہائی اور اردن میں مستقل قیام

اگست 1980ء میں میری رہائی ہوگئی لیکن مَیں فلسطین واپس نہ جاسکا کیونکہ وہاں اسرائیلی حکومت مجھے دوبارہ گرفتار کرسکتی تھی۔ لہذا مَیں نے اُردن کے ایک شہر ''اِربد'' میں ہی مستقل قیام کرنے کا فیصلہ کیا جو دارالحکومت عمان سے شمال کی طرف قریباً 80 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ مَیں نے اس وقت ابتدائی درجہ کے کمپیوٹر کا ایک کورس بھی کیا تھا جس کی ہر شعبہ میں بہت مانگ تھی لیکن سیاسی قیدی رہنے کی بنا پر اردن کے قانون کے مطابق نہ تو مَیں کسی حکومتی ادارے میں کام کرسکتا تھا، نہ ہی مجھے نیم حکومتی کسی کمپنی میں کام کی اجازت تھی بلکہ بڑی بڑی پرائیویٹ کمپنیوں اور اداروں میں کام کرنے کی ممانعت تھی۔ لہذا باقی بچ جانے والے پرائیویٹ سیکٹرز میں ہی کام تلاش کرنے پر مجھے ایک جگہ سپروائزر کا کام مل گیا لیکن خراب مالی اور اقتصادی حالات کی بناء پر مجھے 12 سے 14 گھنٹے کام کرنا پڑتا تھا۔ اور وقت کا پہیہ چلانے کے لئے مجھے مسلسل دس سال تک اسی کام سے منسلک رہنا پڑا۔

غلطی کا احساس

مذکورہ کام کرتے ہوئے ابھی مجھے دو سال ہی ہوئے تھے کہ 1982ء میں مکرم ناصر عودہ صاحب دمشق سے بعض فلسطینی راہنماؤں کے ساتھ اردن تشریف لائے تو ان سے ملاقات کے دوران مَیں نے خود ان سے جماعت احمدیہ کے بارہ میں بات کی۔ اس پر انہوں نے مجھے 6 آڈیو کیسٹس دیں جن میں مرحوم مصطفیٰ ثابت صاحب نے تبلیغی غرض کے لئے مختلف اختلافی

مسائل پر سیر حاصل گفتگو ریکارڈ کی ہوئی تھی۔

مرحوم مصطفیٰ ثابت صاحب نے یہ مضامین بہت ہی اعلیٰ اور مسحور کن پیرایہ میں بیان کئے تھے۔ مَیں نے ان کیسٹس کو بار بار سنا۔ حتی کہ دیگر مسائل کے علاوہ ختمِ نبوت کے بارہ میں جو کچھ سنا اور سمجھا اس کی بنا پر میرے لئے واضح ہو گیا کہ مَیں غلطی پر تھا۔ بلکہ میری طرح کے دیگر مسلمانوں نے بھی اپنی غلطی سے ختم نبوت کے صحیح اور عظیم معانی سے منہ موڑا ہوا ہے جو درحقیقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور مرتبہ کو بلند کرنے والا ہے۔

(قارئین کرام کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ مصطفیٰ ثابت صاحب نے خلافت ثالثہ کے آخری جلسہ سالانہ پر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کے ساتھ ایک ملاقات کی تھی جس میں حضور رحمہ اللہ نے مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کو عربوں میں تبلیغ کے لئے کوئی لٹریچر وغیرہ تیار کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ لہذا ثابت صاحب نے یہ چھ کیسٹس تیار کیں۔ اور اگلے جلسہ پر حضور انور کی خدمت میں پیش کر دیں۔ جبکہ وہ آپ کی خلافت کا پہلا سال تھا۔ چنانچہ آپ نے یہ کیسٹس مختلف عرب ممالک کے احمدیوں کو ارسال کرنے کی ہدایت فرمائی۔ ندیم)

مرحوم طٰہٰ قزق صاحب سے ملاقات

مرحوم مصطفیٰ ثابت صاحب کی ریکارڈ کردہ کیسٹس دیتے ہوئے مجھے مکرم ناصر عودہ صاحب نے کہا تھا کہ اگر ممکن ہو تو مَیں ان کی کاپی بنا کر اصل مکرم طٰہٰ قزق صاحب صدر جماعت اردن کو دے دوں۔ لہذا انہوں نے مجھے مکرم طٰہٰ قزق صاحب کا ایڈریس اور فون نمبر وغیرہ دیا۔ یہ کیسٹس چھ ماہ تک میرے پاس رہیں جس کے بعد مَیں نے ان کی کاپی بنا لی اور اصل واپس کرنے کے لئے مکرم طٰہٰ قزق صاحب کے ساتھ ملاقات کی۔ پہلی ہی ملاقات میں مَیں ان کے اخلاق و اخلاص سے بہت متاثر ہوا اور پھر ان کے ساتھ ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ مَیں نے انہیں اور ان کی اہلیہ کو اعلیٰ اخلاق اور غیر معمولی اخلاص کا نمونہ پایا۔ انہوں نے مجھے اتنا پیار دیا کہ مَیں نے ان میں اپنے والدین کی سی شفقت اور محبت کو محسوس کیا۔ ان کے گھر کے دروازے ہمیشہ احمدیوں کے لئے کھلے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں نیک اور مخلص وجودوں کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

پہلی ملاقات کے بعد میرا جب کبھی ''اِربِد'' شہر سے عمان آنا ہوتا تو مَیں مرحوم طٰہٰ قزق صاحب کو ملے بغیر واپس نہ لوٹتا تھا۔ ان سے میں مختلف کتب لیتا اور جلد ہی پڑھ کر واپس کر دیتا۔ بلکہ اکثر اوقات تو یوں ہوتا کہ اگر کتاب چھوٹی ہوتی تو مَیں اسے سفر کے دوران ہی ختم کر لیتا تھا اور پھر میرا دل چاہتا کہ کاش مَیں ابھی واپس چلا جاؤں اور کوئی اور کتاب ان سے لے آؤں تا دوسری دفعہ ان سے ملاقات ہونے تک میں ان علوم سے بہرہ مند ہوتا رہوں۔ وہ اکثر مجھے مذاق میں کہتے کہ: تم کتابیں پڑھتے ہو یا نگلتے ہو؟

شادی اور بیوی کا احمدیت سے تعارف

مَیں نے 1983ء میں شادی کر لی اور اس وقت تک گو دل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کا قائل ہو چکا تھا لیکن بیعت نہ کی تھی۔ مَیں نے اپنی بیوی کو بھی احمدیت کے بارہ میں بتانا شروع کیا بلکہ مختلف مسائل اور احمدیت کے علوم سے اپنی بیوی کو متعارف کروانے کیلئے مَیں نے یہ طریق اختیار کیا کہ روزانہ کام پر جانے سے قبل اسے کوئی نہ کوئی کتاب کاپی کرنے کیلئے دے جاتا تا کہ طٰہٰ قزق صاحب کو اصل کتاب واپس کرنے کے بعد ہمارے ذاتی استعمال کے لئے بھی اس کتاب کی ایک کاپی موجود رہے۔ کاپی کرنے کے دوران میری بیوی کی نظر سے مختلف موضوعات گزرتے رہے اور حسب توفیق وہ انہیں پڑھتی بھی رہی یوں اسے بھی احمدیت کے بارہ میں مکمل آگاہی حاصل ہوگئی۔

بیعت

1984ء کے آخر کی بات ہے کہ مکرم طٰہٰ قزق صاحب نے مجھے ایک کتاب دی جسے مَیں نے عمان سے اِربِد کی طرف سفر کے دوران بس میں ہی پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کی تصاویر بھی تھیں۔ ایک صفحہ پر حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی تصویر دیکھ کر مجھے محسوس ہوا کہ مَیں اس شخص کو جانتا ہوں اور جیسے مَیں نے یہ تصویر پہلے بھی دیکھی ہے۔ یہ خیال آتے ہی مجھے 1980ء میں جیل کے دوران دیکھا ہوا اپنا رؤیا یاد آ گیا۔ جس میں مَیں نے مشرقی جانب افق پر ایک شخص کو سفید کپڑے

پہنے ہوئے بیٹھے دیکھا۔اور یہ سفید کپڑوں والی نورانی شخصیت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی تھی۔ یہ رؤیا مَیں نے احمدیت کے بارہ میں استخارہ کرنے کے بعد دیکھا تھا اور اُس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ حیات تھے۔ان تمام کڑیوں کے ملنے کے بعد مَیں نے مکرم طٰہٰ قزق صاحب سے کہا کہ مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔یوں خدا تعالیٰ کے خاص فضل سے 1984ء میں مَیں نے بیعت فارم پر کر کے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں ارسال کر دیا۔فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

ابوعماد صاحب کا ذکر خیر

مکرم غانم احمد غانم صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

مَیں راج گیری اور سڑکیں وغیرہ بنانے والی ایک پرائیویٹ کمپنی میں حصہ دار تھا اور ٹھیکے لے کر کام کیا کرتا تھا۔مکرم ابوعماد محمد محمود یوسف صاحب بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ان کے ساتھ گاہے گاہے احمدیت کے بارہ میں بات ہونے لگی۔ایک سال تک یہ تبلیغی سلسلہ چلتا رہا جس کے بعد انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے عہد خلافت میں بیعت کر لی۔ان کی عمر اس وقت تقریباً 60 سال تھی۔ان کی وفات گزشتہ رمضان المبارک میں ہوئی ہے۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذکرِ خیر پر مشتمل چند امور اور یادیں بھی یہاں نقل کر دی جائیں۔

اہل خانہ کی طرف سے مخالفت

ابوعماد صاحب کی اہلیہ ایک مسکین طبع عورت تھی لیکن ابوعماد صاحب کی بیعت کے بعد مولویوں کے زیر اثر آ گئی اور اپنے خاوند کی شدید مخالفت میں اس حد تک جا پہنچی کہ مولویوں کے کہنے پر سعودی عرب کے مفتی الشیخ ابن باز سے اپنے خاوند کے خلاف فتویٰ لینے پر آمادہ ہوگئی۔اس کام کے لئے وہ اپنے خاوند کی اجازت اور علم کے بغیر ہی اپنے ایک بیٹے کو لے کر سعودی عرب گئی اور جب واپس آئی تو بغیر اجازت کے جانے پر شاید کچھ شرمندہ ہونے کی وجہ سے اپنے گھر آنے کی بجائے اپنے بھائی کے گھر چلی گئی۔اس کی اس روش پر ابوعماد صاحب اسے طلاق دینا چاہتے تھے لیکن جب انہوں نے مجھ سے بات کی تو مَیں نے انہیں سمجھایا کہ

آپ کی بیوی کا شاید اتنا قصور نہیں ہے جتنا کہ مولویوں کا جنہوں نے اس کو یہ پٹی پڑھائی ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ آپ اسے معاف کر دیں اور واپس اپنے گھر لے آئیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔لیکن اس حسن سلوک کا بھی اُمّ عماد پر کوئی اچھا اثر نہ پڑا۔ مولویوں کے ساتھ مسلسل رابطے اور انہی کے مشورہ سے وہ ابوعماد کی مخالفت میں اس حد تک بڑھی کہ خفیہ طور پر انہیں کھانے میں زہر ملا کر دینے کی کوشش کرنے لگی۔ اللہ تعالیٰ کے لطف وعنایت اور فضل سے یوں ہوا کہ ام عماد کے اس خفیہ پروگرام کی خبر ان کی ایک بیٹی کو ہوگئی جس نے اپنی ماں کے ان عزائم کے بارہ میں اپنی تمام بہنوں کو بتا دیا اور یوں ان سب بہنوں نے مل کر اپنی والدہ کی نگرانی شروع کردی۔ اور انہیں ایسا کرنے سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔

اُمِّ عماد کا عناد

ابوعماد صاحب نے شدید مخالفت کے ایام میں اپنی بیوی کو یہ مشورہ دیا کہ وہ احمدیت کی صداقت کے بارہ میں استخارہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے راہنمائی چاہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس پر حقیقت حال منکشف فرما دے گا۔ چنانچہ اس نے استخارہ کیا تو رؤیا میں دیکھا کہ جس کمرے میں ہم عمومًا دو یا تین یا زیادہ سے زیادہ چار احمدی افراد نماز پڑھا کرتے تھے اس میں ابوعماد خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں اور وہ کمرہ ایسے نمازیوں سے بھر گیا ہے جنہوں نے سفید رنگ کے لباس پہنے ہوئے ہیں اور غیر معمولی باہمی محبت والفت کے ساتھ نماز ادا کر رہے ہیں۔

اس واضح رؤیا کے باوجود بھی امّ عماد اپنے عناد پر قائم رہی۔ جبکہ اس کی زندگی میں ہی اس کی یہ خواب بھی پوری ہوگئی۔ جب مکرم عبدالمومن طاہر صاحب اردن تشریف لائے اور اِربد بھی آئے تو اس وقت اس کمرہ میں نمازیوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو گیا تھا۔

تبلیغ اور مولویوں کی مخالفت

ابوعماد صاحب زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن اکثر کتاب ''القول الصریح فی ظہور المہدی والمسیح'' کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ اس کتاب میں مؤلف نے نہایت خوش اسلوبی سے جملہ

بڑے بڑے اختلافی امور کے بارہ میں ٹھوس دلائل جمع کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مؤلف (مولانا نذیر احمد مبشر صاحب مرحوم) کو اس کی بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس کتاب کو بار بار پڑھنے کی وجہ سے وہ اکثر لوگوں کو تبلیغ کیا کرتے تھے اور بحث ومباحثہ بھی کر لیتے تھے۔ ایک روز مَیں اتفاقاً ہی ان کے علاقہ سے گزر رہا تھا کہ مَیں نے ابو عماد صاحب کو اس علاقہ کے امام مسجد کے ساتھ کھڑے دیکھا۔ یہ مولوی ابو عماد صاحب کی بات سننے کے لئے ہی تیار نہ تھا اور اعتراض پر اعتراض کئے جا رہا تھا۔ مَیں نے ان کے قریب پہنچ کر مولوی صاحب سے کہا کہ اگر آپ کو بات کرنی ہے تو آئیں میرے ساتھ کر لیں لیکن شرط یہ ہے کہ بالکل پر امن طریق پر بات ہوگی۔ مولوی صاحب نے میرے بارہ میں سنا تو بہت تھا لیکن ملاقات پہلی بار ہو رہی تھی اس لئے انہوں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ ابو عماد صاحب نے جواب دیا کہ یہ غانم صاحب ہیں۔ یہ سنتے ہی مولوی صاحب بغیر کسی بات کئے فوراً وہاں سے رخصت ہو گئے۔

ابو عماد صاحب ہمیشہ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے عین وقت پر میری مدد کے لئے غانم بھیج دیا جبکہ غانم کا نہ تو یہ معمول کا رستہ تھا اور نہ ہی وہ پہلے کبھی اس وقت یہاں آیا تھا۔

یہ مذکورہ مولوی ابو عماد کو احمدیت سے برگشتہ کرنا چاہتا تھا لہذا ایک روز وہ چند مولویوں، ایک ہیڈ ماسٹر اور کچھ سکول ٹیچرز کو لے کر ابو عماد کے گھر جا پہنچا۔ اس دوران ہیڈ ماسٹر نے یہ کہہ دیا کہ اسے پاکستان میں اپنے قیام کے دوران ربوہ جانے کا بھی اتفاق ہوا جہاں اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ احمدی نماز کے دوران رقص کرتے ہیں۔ اس صریح کذب کو سن کر ابو عماد صاحب سخت غصے میں آ گئے اور بار بار لعنۃ اللّٰہ علَی الْکاذِبِیْن کہنا شروع کر دیا۔ ہیڈ ماسٹر شدید غصے میں آ کر کہنے لگا کہ آپ ہم پر جھوٹ کا الزام کیوں لگاتے ہیں۔ اس صورتحال میں امام مسجد مولوی نے کہا کہ کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا کہ احمدی نماز کے دوران رقص کرتے ہیں؟ ہیڈ ماسٹر نے کہا: ہاں مَیں نے خود دیکھا ہے۔ اس پر مولوی نے کہا کہ ابو عماد تو جھوٹے پر لعنت ڈال رہا ہے جبکہ آپ نے تو سب کچھ خود دیکھا ہے اور آپ تو سچے ہیں پھر آپ کو غصے میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔ یوں صورتحال کسی قدر قابو میں آئی لیکن بعد میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں گستاخی کر کے ابو عماد کو انگیخت کرنا چاہا

تو ابوعماد نے انہیں یہ کہہ کر گھر سے چلے جانے کا کہا کہ میرے گھر میں جھوٹوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

تعزیت کی تیاری!

ابوعماد صاحب پر 2007ء میں دمہ کا شدید حملہ ہوا اور وہ اکثر ہسپتال کے چکر لگاتے رہتے تھے بلکہ ہر دفعہ کئی کئی دن تک انہیں انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں رکھا جاتا۔ مرض بہت زیادہ بڑھ چکا تھا اور انہیں بھی اپنی وفات بہت قریب دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن ان کی بیوی کو شاید ابو عماد کی وفات زیادہ قریب دکھائی دے رہی تھی لہذا اس نے گرتی ہوئی صحت اور بڑھتی ہوئی مرض کو دیکھتے ہوئے اپنے گھر کو ابوعماد کی وفات کی صورت میں تعزیت کے لئے آنے والوں کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ لیکن خدا تعالیٰ کے کام بھی نرالے اور اس کی قدرتیں بھی نہایت عجیب ہیں کہ جب ابوعماد کی بیوی اپنے گھر کو تعزیت کرنے والوں کے لئے تیار کر چکی تو خدا تعالیٰ کی قضا ابوعماد کی بجائے اس کی بیوی کو آ گئی چنانچہ تعزیت کے لئے تیار اس گھر میں ابوعماد کی بجائے اس کی بیوی کی وفات پر تعزیت کرنے والے مہمانوں کا استقبال کیا گیا۔ ابوعماد اپنی بیوی کی وفات کے بعد تین چار سال تک زندہ رہے اور اگست 2011ء میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

مکرم غانم احمد غانم صاحب کی زبانی مرحوم ابوعماد صاحب کے ذکر خیر کے بعد اب ہم غانم صاحب کی زبانی ہی بعض دیگر اہم امور کا تذکرہ کرتے ہیں۔

اہلیہ کی بیعت

میری اہلیہ اُمّ معاذ صاحبہ گو کہ عقائد جماعت احمدیہ سے واقف تھی اور ہمیشہ احمدیت کا دفاع کرتی تھی بلکہ جو کوئی اسے کہتا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان سے نازل ہونا ہے تو وہ اسے بڑی قوت کے ساتھ یہ جواب دیتی کہ دین اسلام کے احیاء کیلئے کسی دوسری امت سے نبی کی آمد کا یقین رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی ہتک کے مترادف ہے کیونکہ یہ خیر اُمّت ہے جو کسی دوسری امت کی محتاج نہیں ہو سکتی لہذا اس کے احیاء کے لئے خود آنحضور صلی اللہ علیہ

وسلم یا آپ کے کسی خادم کا آنا ہی شایان شان ہے۔ مَیں جب بھی اس سے بیعت کے بارہ میں بات کرتا تو وہ ہمیشہ مجھے کہتی کہ مَیں احمدی ہوں اور بیعت کی ضرورت نہیں ہے۔ مَیں ہمیشہ اسے کہتا کہ امام مہدی کی بیعت واجب ہے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو اس کی وصیت فرمائی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ ''فَبَایِعُوْہُ فَاِنَّہٗ خَلِیْفَۃُ اللّٰہُ الْمَھْدِیْ'' یعنی اس کی بیعت کرنا کیونکہ وہ مہدی خدا کا خلیفہ ہے۔ مَیں ہمیشہ یہ بات کہہ کر خاموش ہو جاتا اور اس بارہ میں کسی قسم کی شدت اور اکراہ وغیرہ کے خلاف تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ایک دن وہ خود ہی بیعت کر لے گی۔

1996ء میں میرے ساتھ کام کرنے والے ایک مخلص دوست مکرم محمد اسحاق صوفان نے بیعت کر لی اور کچھ عرصہ کے بعد اس کی بیوی نے بھی صدق قلب سے بیعت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو مَیں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ مکرم محمد اسحاق صوفان کی اہلیہ بیعت کرنا چاہتی ہیں اور یوں وہ اِربد شہر کی پہلی احمدی خاتون ہو جائیں گی۔ تم خود کو احمدی کہتی ہو لیکن ابھی تک بیعت نہیں کی۔ میری خواہش ہے کہ تم بیعت کر کے اربد کی پہلی احمدی خاتون بن جاؤ جیسے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شہر کا پہلا احمدی ہونے کی سعادت عطا فرمائی ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے کہا کہ مجھے بیعت فارم لا دو۔ اور یوں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس نے بیعت کر لی۔

مخالفت میں بیوی کا ثبات قدم

میرے سسرال والوں کو میری اہلیہ کی بیعت کا علم ہوا تو انہوں نے اسے احمدیت سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی۔ میری اہلیہ کا ایک بھتیجا جو کہ سلفی طرز فکر کا پیرو اور نہایت متشدد تھا۔ اس نے کہا کہ اگر مجھے میری یہ پھوپھی نظر آ گئیں تو مَیں انہیں قتل کر دوں گا۔ میرے سسرال والوں نے میری اہلیہ کو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر تم چاہو تو ہم تمہاری غانم سے علیحدگی کروا دیتے ہیں۔ لیکن بفضلہ تعالیٰ میری اہلیہ نے انہیں بڑا ہی فیصلہ کن جواب دیا کہ مَیں الحمد للہ اپنے خاوند کی طرح پکی احمدی ہوں اور میری درخواست ہے کہ ہماری عائلی زندگی میں کوئی دخل اندازی نہ کرے کیونکہ میرے خاوند خدا کے فضل سے آپ سب سے زیادہ اچھے مسلمان ہیں۔

بھائی کا موقف

مجھ سے چھوٹے بھائی نے شریعت کا علم حاصل کیا اور ہماری بستی کی مسجد کا امام بن گیا۔ وہ میری مخالفت میں اتنا بڑھا کہ یہاں تک کہہ دیا کہ میرے احمدی ہوجانے سے میرا نکاح فسخ ہوگیا ہے۔اس نے میری والدہ کو بھی مجھ سے متنفر کر دیا اور جب کبھی میرے بچے فلسطین جاتے تو ان پر بھی یہ غلط اثر ڈالنے کی کوشش کرتا اور بحث ومباحثہ میں شدید رویہ اختیار کر جاتا تھا۔ مَیں نے اپنے بچوں کو نصیحت کی ہوئی تھی کہ اپنے چچا کے جملہ اعتراضات کے جواب ضرور دیں لیکن ہمیشہ ادب واحترام کا پاس کرتے رہیں۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے تھے۔

ایک دفعہ میری بڑی بیٹی ''یثرب'' کے ساتھ اس کے اس چچا نے بحث کی اور سب کے سامنے اسے لاجواب کرنے کی نیت سے کہا کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی تم اپنے امام مہدی کو ایک نبی مانتے ہو جو کہ ایک واضح غلطی ہے۔ یہ بات انہوں نے نہایت جوش اور بلند آواز کے ساتھ اپنے دست وبازو ہوا میں لہراتے ہوئے کہی۔میری بیٹی نے کہا کہ چچا جان! خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے تو آپ بھی قائل ہیں۔میرے اس متشدد بھائی نے کہا کہ یہ درست نہیں ہے۔

میری بیٹی نے کہا: کیا آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی اللہ کی آمد کے قائل نہیں ہیں؟

یہ سنتے ہی میرے اس متشدد بھائی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔اوراس نے اپنے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کرتے ہوئے کہا کہ مَیں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں کچھ نہیں سننا۔اس پر میری بیٹی نے کہا کہ میرے سوال کے جواب میں ہی دراصل آپ کے سوال کا جواب ہے۔کیونکہ اگر آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے قائل ہیں تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نبی کی حیثیت سے ہی آئیں گے۔یہ سن کر میرا یہ متشدد بھائی غصہ سے سیخ پا ہوتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

ارتداد کا اتہام

1990ء میں مرحوم طٰہٰ قزق صاحب ، مرحوم ابو عماد صاحب، مکرم سعید سوڈانی، مرحوم

ابراہیم سوڈانی اور میرے خلاف شرعی عدالت میں ارتداد کا مقدمہ دائر کر دیا گیا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس مقدمہ کے برے اثرات سے محفوظ رکھا۔اس مقدمہ کے دوران جج نے ہمیں اس بات کا قائل کرنے کی سرتوڑ کوشش کی کہ ہم غلطی پر ہیں اور ہم گویا کہ اسلام سے ارتداد کے مرتکب ہوئے ہیں۔پھر ہمیں دھمکی دی کہ اگر ہمارے خلاف فیصلہ ہو گیا تو ہمیں واجب القتل قرار دے دیا جائے گا، ہمارے اموال ضبط کر لئے جائیں گے اور ہماری ہمارے اہل خانہ سے جبری علیحدگی کروا دی جائے گی۔ہمارے ارتداد کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی لکھی گئی کہ ہم نے جہاد کو منسوخ قرار دیا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔

اس کے جواب میں مَیں نے جہاد کے مفہوم کی وضاحت کی۔لیکن وہ جہاد کے ظاہری معانی پر ہی مصر رہے اور ہماری باتوں کو محض تاویلیں قرار دیا۔یہ رمضان کا مہینہ اور سخت گرمی کے دن تھے۔کچھ دیر کے بعد عدالت کے محرر نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہم اس سخت گرمی کے ماحول میں کس قدر مشقت اٹھا کر تمہارے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔یہ سنتے ہی مَیں نے اسے کہا کہ تم تو تاویل کے قائل ہی نہیں ہو پھر تم نے جہاد کی ایسی تعریف کیسے کر لی؟ میری بات سن کر جج نے محرر کو سختی سے خاموش رہنے اور بغیر اجازت منہ نہ کھولنے کی ہدایت کی۔اور پھر مجھے کہنے لگا کہ ہم تفسیر، حدیث اور فقہ کے تین علماء تمہارے لئے بلواتے ہیں تا کہ تم پر علمی رنگ میں حجت تمام کریں۔مَیں نے فوراً آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ میرے ساتھ بحث کے دوران اگر یہ تینوں یا ان میں سے کوئی احمدیت کی صداقت کا قائل ہو گیا تو پھر آپ کا کیا موقف ہو گا؟ جج نے کہا کہ پھر وہ بھی مرتد شمار ہو گا اور اس پر بھی مرتد کے احکام لاگو کئے جائیں گے۔مَیں نے کہا پھر یہ امر تو انصاف کے خلاف ہونے کے سبب کسی طور قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

مجدّد جھوٹ نہیں بول سکتا

علی ثلجی نامی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص کے ساتھ میری بحث شروع ہوئی اور خاصا طول پکڑ گئی۔ بالآخر مَیں نے اسے بعض کتب پڑھنے کیلئے دیں۔ مطالعہ کے بعد کتب واپس دیتے ہوئے وہ کہنے لگے کہ بعض امور کے بارہ میں 50 فیصد، بعض کے بارہ میں 70 فیصد اور بعض

کے بارہ میں 80 فیصد تک مَیں مطمئن ہوں۔مَیں نے کہا کہ مَیں آپ کو کچھ اور کتب دیتا ہوں تا کہ آپ کو مزید اطمینان نصیب ہو جائے۔اس نے کہا کہ مَیں مرزا غلام احمد صاحب کو مجدد مانتا ہوں لیکن مہدی اور نبی نہیں مان سکتا۔مَیں نے کہا کہ ایک شخص جسے آپ مجدد تسلیم کرتے ہیں وہ کہتا ہے کہ اللہ نے مجھے امام مہدی بنا کے بھیجا ہے، کیا آپ کے خیال میں مجدّد جھوٹے شخص کو کہتے ہیں؟ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

راہ مولیٰ میں اسیری

2007ء میں مجھے احمدیت کی تبلیغ کرنے کے جرم میں گرفتار کرلیا گیا۔میرے گھر کی تلاشی لی گئی اور تمام کتب ضبط کر لی گئیں۔کئی دن تک تفتیش ہوتی رہی جس کے بعد مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں مشرقی افق کی طرف دیکھ رہا ہوں اور کہتا ہوں کہ دیکھتے ہیں چاند پہلے نکلتا ہے یا سورج۔پھر کہتا ہوں کہ اگر چاند نکلا تو یوں ہوگا اور اگر سورج نکلا تو یوں ہوگا۔لیکن صبح اٹھ کر مجھے بھول گیا کہ مَیں نے چانداور سورج کے نکلنے پر کن امور کا ذکر کیا تھا۔تاہم مَیں نے خواب کی تعبیر یہ کی کہ میری رہائی شمسی یا قمری اعتبار سے کسی اہم دن کو عمل میں آئے گی۔چنانچہ شاہِ اردن کے حکم سے بعض اسیران کی رہائی کا حکم سنایا گیا جن میں مَیں بھی شامل تھا اور میری رہائی عید الفطر والے دن عمل میں آئی جو کہ قمری اعتبار سے نہایت اہم دن تھا۔فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کا عہد مبارک آپ کے نام کی طرح مسرتیں بکھیرنے والا ہے، خصوصًا عرب دنیا کو ایم ٹی اے 3 العربیہ کا جو آپ نے تحفہ عطا فرمایا ہے وہ نہایت بے نظیر ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کے عہد مبارک میں عرب ممالک میں کثرت سے سعید روحوں کو قبول احمدیت کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

مکرم عبد الرحمٰن الشافعی صاحب

مکرم عبد الرحمٰن الشافعی صاحب حال جرمنی کہتے ہیں کہ میرا تعلق لبنان سے ہے۔لبنان کے مغربی حصے کے رہائشیوں کی اکثریت مسلمانوں کی ہے جبکہ مشرقی حصہ میں عیسائیوں کی اکثریت ہے۔میری ولادت عیسائی اکثریت والے مشرقی حصہ میں ہوئی۔ 1985ء کی بات ہے کہ میں اکثر عیسائیوں کے فرقہ یہوواوٹنس کے افراد سے بحث کیا کرتا تھا۔میرے دل میں خیال آتا تھا کہ آخر امت اسلامیہ کو ہر طرف سے مار کیوں پڑ رہی ہے؟ عربوں کو کیا ہو گیا ہے؟ تنزل آخر مسلمانوں کا ہی مقدر کیوں ہو کر رہ گیا ہے؟ لیکن مجھے کوئی اطمینان بخش جواب نہ سجھائی دیتا تھا۔کچھ عرصہ کے بعد میں لبنان کے مغربی حصہ میں مسلمان اکثریت والے علاقے میں منتقل ہو گیا جہاں جا کر مجھے مزید ٹھیس یہ پہنچی کہ عیسائی علاقہ جس سے میں آیا تھا نہایت صاف ستھرا اور منظّم تھا جبکہ اسی ملک میں مسلمانوں کا علاقہ نہایت گندا اور بے ترتیب تھا۔ مجھے ایک بار پھر احساس کمتری دامنگیر ہو گیا اور میں نے ملک چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔یوں میں پہلے فرانس اور پھر وہاں سے جرمنی چلا آیا۔یہاں میں نے شادی کی اور میری ایک بیٹی پیدا ہوئی۔یہ بچی ابھی تین سال کی تھی کہ اسے سرطان ہو گیا اور اسکی وفات نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا۔میں نماز روزہ سے دور ایک نام کے مسلمان کی زندگی بسر کر رہا تھا۔لیکن بچی کی وفات کے بعد میرے دل میں ایک دفعہ بچی کو دیکھنے کی عجیب خواہش نے جنم لیا اور میرے اندر سے اس آرزو نے اتنا جوش مارا کہ میرے ہاتھ دعا کے لئے اٹھتے چلے گئے۔میں نے خدا کے حضور اپنی بچی کو دیکھنے اور اس سے ملنے کے لئے دعا کی۔چنانچہ خواب میں مَیں نے اپنی بچی کو آسمانوں میں دیکھا کہ وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ میں یہاں پر خوش ہوں، آپ میرے بارے میں غمناک اور پریشان نہ ہوا کریں۔اس رؤیا کے بعد بچی کی طرف سے میری تسلی ہوگئی۔

دین میں دلچسپی

قبولیت دعا کے اس نشان کے بعد دین کے معاملہ میں میری دلچسپی میں اضافہ ہوا، لیکن کون سا دین حق پر ہے؟ اس کی تلاش میں میں یہووا وٹنس کے علاوہ دیگر عیسائی فرقوں کے پاس گیا۔ یہودیوں کی باتیں بھی سنیں لیکن کہیں چین سکون اور اطمینان قلب نصیب نہ ہوا اور کہیں بھی پیاس نہ بجھ سکی۔

ایک رات میں سویا ہوا تھا کہ مَیں نے محسوس کیا کہ کسی نے میرے کان پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا کہ اٹھو اور وضو کر کے نماز پڑھو۔ میں نے پہلی دفعہ اسے اتنی اہمیت نہ دی اور سو گیا۔ ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ دوبارہ ایسا ہوا۔ اس وقت تہجد کا وقت تھا۔ مَیں نے وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ یہ میری 20 سال بعد پہلی نماز تھی۔ میں نے اس نماز میں خصوصاً اور بعد میں عموماً خدا تعالیٰ سے حق کا راستہ دکھانے کی دعا کی۔

جماعت احمدیہ سے تعارف

مارچ 1991ء میں میری ملاقات ایک مصری عرب حامد السباعی سے ہوئی۔ یہ شخص احمدی تھا لیکن بعد میں جماعت سے تعلق قائم نہ رکھ سکا۔ بہر حال اس سے میری دوستی ہو گئی اور میں اس کے ساتھ اکثر ملتا رہتا تھا۔ میری طبیعت نمازوں اور دین کی طرف تو مائل ہو ہی چکی تھی۔ اب مجھے قرآن کریم کی تلاوت اور اس کے مفاہیم جاننے کی جستجو ہوئی۔ باوجود اس کے کہ میں خود عربی ہوں اور میری زبان عربی ہے لیکن میں اسکے معانی اور تفسیر سمجھنے سے قاصر تھا۔ میں نے حامد السباعی سے پوچھا کہ کیا مسلمانوں میں سے کسی نے قرآن کریم کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ ہاں جماعت احمدیہ کا ایک ترجمۂ قرآن میسر ہے۔ چنانچہ وہ میری خواہش پر مجھے جماعت احمدیہ کے سنٹر میں لے گیا جہاں میری ملاقات مکرم عبد الباسط طارق صاحب مربی سلسلہ سے ہوئی۔ انہوں نے بغیر کسی سوال کے پہلے ہمیں چائے وغیرہ پلائی پھر ہمیں جماعت کا تعارف کروایا۔ میں نے عرض کیا کہ میں جرمن زبان میں ترجمہ قرآن خریدنا چاہتا ہوں۔ محترم مربی صاحب نے فرمایا کہ خریدنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے آپ میری طرف سے اسے بطور

تحفہ رکھ لیں۔ میں ان کی کرم نوازی پر بہت حیران ہوا اور میرا دل چاہا کہ مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے والوں کے اس کام میں مجھے بھی حصہ ڈالنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے 200 مارک ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ اگر آپ قرآن کریم کے ترجمہ کی قیمت نہیں لیتے تو یہ میری طرف سے اپنے اس مشن کے لئے قبول فرمالیں۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے لیکن میں اس رقم کو یونہی نہیں رکھ سکتا بلکہ مجھے آپ کو رسید دینی ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت مجھے رسید کاٹ کر دے دی۔ مجھے اس بات نے سب سے زیادہ متأثر کیا کہ یہ لوگ امانت کا کس قدر خیال رکھنے والے اور اپنی جماعت سے کتنے مخلص ہیں۔ جب ہم لوٹنے لگے تو مولانا عبد الباسط طارق صاحب نے مجھے عربی کتاب ''اَلْقَوْلُ الصَّرِيْحُ فِيْ ظُهُوْرِ الْمَهْدِيِّ وَالْمَسِيْح'' دی۔ میں نے گھر آ کر ترجمہ قرآن کے علاوہ اس کتاب کو بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ میں نے اس کتاب کو اپنے سرہانے کے پاس رکھ لیا اور رات کو سونے سے قبل تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھنے لگا۔ گو کہ کتاب اتنی بڑی نہ تھی لیکن سمجھ سمجھ کر پڑھنے کی وجہ سے میں نے اسے ایک ماہ میں ختم کیا۔ دراصل اس میں مجھے ان تمام سوالوں کا جواب مل گیا جن کے بارہ میں میں سوچا کرتا تھا اور جو میرے دل و دماغ میں موجزن تھے۔ دوران مطالعہ جب بھی کسی سوال کا جواب مجھے ملتا تو مجھے اپنے آپ پر قابو نہ رہتا اور بے اختیار آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔

خواب کے ذریعہ راہنمائی

اس مذکورہ کتاب کے مطالعہ کے بعد میں نے بہت دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے خواب کے ذریعہ میری راہنمائی فرمائی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک وادی میں گہری جگہ پر ہوں جبکہ اونچی جانب ایک فرشتہ صورت بزرگ چل رہے ہیں جن کو مَیں تو نہیں جانتا لیکن وہ مجھے میرا نام لے کر بلاتے ہیں اور کہتے ہیں: اے عبدالرحمٰن، میں تمام لوگوں کو بلا رہا ہوں کیا تم بھی میرے ساتھ آنا چاہو گے؟ میں نے کہا: ہاں میں آتا ہوں۔ لیکن ڈرتا تھا کہ کہیں چڑھائی چڑھتے ہوئے وادی میں نہ گر جاؤں۔ وادی میں مجھے کئی لوگ اپنے اپنے دنیاوی کاموں میں مگن دکھائی دے رہے تھے۔ اس فرشتہ صورت بزرگ نے جب میری حالت دیکھی تو اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور فرمایا: لو میرا ہاتھ تھام لو میں تمہیں اوپر کھینچ لیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے میرا ہاتھ مضبوطی سے

پکڑ کر اوپر اٹھالیا۔ اس کے بعد مجھے فرمایا کہ میرے پیچھے چلو، میں ان کے ساتھ ہولیا۔ اسی اثناء میں میں نے بڑی دلنشیں آواز میں اس آیت کی تلاوت سنی:

﴿رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِياً يُنَادِيْ لِلإِيْمَانِ أَنْ آمِنُواْ بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الأَبْرَارِ﴾ (آل عمران: 194)

یعنی: اے ہمارے ربّ! یقیناً ہم نے ایک منادی کرنے والے کو سُنا جو ایمان کی منادی کر رہا تھا کہ اپنے ربّ پر ایمان لے آؤ۔ پس ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے ربّ! پس ہمارے گناہ بخش دے اور ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ موت دے۔

ذرا آگے بڑھے تو میں نے دیکھا کہ چند بادیہ نشین لوگ جیسے میرے انتظار میں ہیں۔ میں ان کو نہیں جانتا تھا۔ لیکن میں اس خوبصورت فرشتہ صفت انسان کے پیچھے تھا اس لئے نہ رک سکا اور چلتا گیا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

اس خواب کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد مجھے حامد السباعی نے بتایا کہ جماعت احمدیہ کے خدام کا گروس گیراؤ (جرمنی) میں اجتماع ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے بھی لے چلو۔ چنانچہ ہم 10رمئی 1991ء کو اس اجتماع میں شریک ہونے کیلئے گروس گیراؤ پہنچ گئے۔ یہاں پر ہر طرف السلام علیکم اور وعلیکم السلام کی آوازیں سن کر اور خدام کے مابین محبت و پیار کی فضا دیکھ کر میری تو کایا پلٹ گئی۔ اور جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کو پہلی دفعہ دیکھا تو آپ کی محبت کا اسیر ہو گیا۔ مجھے اپنے دل میں حضور انور کی طرف ایک خاص جذب محسوس ہوا۔ یہ جمعہ کا دن تھا جب نماز جمعہ کے لئے کھڑے ہوئے تو میری کیفیت عجیب ہوگئی کیونکہ حضور انور نے نماز جمعہ میں جن آیات قرآنیہ کی تلاوت فرمائی ان میں وہ آیت بھی تھی جو مجھے خواب میں سنائی دی تھی یعنی رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا...... (آل عمران:194) یہ آیت سنتے ہی ایک بجلی سی میرے تن بدن میں کوند گئی اور مجھے محسوس ہوا کہ اس بجلی نے ہر قسم کے شکوک وشبہات اور وساوس کو ختم کر کے مجھے صاف کر دیا ہے۔ آنسو تھے کہ تھمتے نہ تھے اور ہچکیاں تھیں کہ رکنے کا نام نہ لیتی تھیں، مجھے تو اپنی خبر نہ تھی لیکن میرے اردگرد کے خدام فکرمند تھے کہ مجھے پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ مجھ پر تو خلافت کے حسن و جمال اور احمدیت کی صداقت کا جادو ہو گیا تھا۔

بیعت

اجتماع کے دوران بعض احباب نے حضور انور کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اگرچہ نماز جمعہ کے بعد میں تو اپنے آپ کو احمدی ہی سمجھنے لگا تھا لیکن جب بیعت کے با قاعدہ طریق کا علم ہوا تو میں بھی اس اجتماعی بیعت میں شامل ہو گیا۔ اتفاقاً میں حضور انور کے اس قدر قریب تھا کہ حضور نے مجھے فرمایا لاؤ ہاتھ دو۔ اور جب میں نے اپنا ہاتھ حضور انور کے دست مبارک میں دیا تو ایک بار پھر جذبات سے مغلوب ہو گیا کیونکہ حضور انور نے جس طرح میرے ہاتھ کو پکڑا تھا وہ بالکل اس فرشتہ صورت انسان کی طرح تھا جسے میں نے خواب میں دیکھا تھا اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے وادی سے نکال لیا تھا۔ اور جب میں نے بیعت کے دوران حضور انور کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا تو مجھے وہی نور نظر آیا جو خواب میں اس فرشتہ صورت بزرگ کے چہرے پر دیکھا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے تعلق کا ایک واقعہ

1996ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ جرمنی تشریف لائے تو میں ساتھ ساتھ تھا اور کئی مواقع پر ترجمانی کی بھی توفیق ملی۔ میں حضور انور کے ساتھ ہمبرگ تک گیا۔ میں نے کام کے لئے اپلائی کیا ہوا تھا۔ اسی دورہ کے دوران مجھے کمپنی سے کال آ گئی کہ کل انٹرویو کے لئے آ جاؤ۔ یہ کام کی جگہ ہمبرگ سے زیادہ فاصلہ پر نہ تھی۔ حضور انور تو فرینکفرٹ تشریف لے آئے اور میں اس انٹرویو کی خاطر ہمبرگ ہی ٹھہر گیا۔ رات کو وہاں سویا تو خواب میں والد صاحب سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے مجھے حضور انور کے بارہ میں سختی سے کہا کہ تم دنیاوی کاموں کے پیچھے بھاگتے پھر رہے ہو۔ یہ شخص خلیفۃ اللہ ہے اس کو نہ چھوڑو۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی میں انٹرویو پر جانے کی بجائے سیدھا فرینکفرٹ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

مکرم عبد الرحمٰن الشافعی صاحب اب بفضلہٖ تعالیٰ جماعت احمدیہ برلن (جرمنی) کے ایک فعال کارکن ہیں اور جلسہ سالانہ کے موقعہ پر مختلف جرمن تقاریر کے لائیو ترجمہ میں بھی خدمت کی سعادت پاتے ہیں۔

مکرمہ اُمّ احمد صاحبہ

مکرمہ امّ احمد صاحبہ کا مکمل نام جنان علی جبر عنانی ہے۔ ان کی ولادت 1958ء کی ہے اور شام کے ایک شہر حلب سے ان کا تعلق ہے۔ 1995ء میں ان کا ایم ٹی اے کے ذریعہ جماعت سے تعارف ہوا اور پھر ان کی تبلیغ سے تمام اہل خانہ یکے بعد دیگرے احمدیت کی آغوش میں آتے گئے۔ انہیں یہ فخر حاصل ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے لقاء مع العرب میں متعدد بار ان کا ذکر فرمایا، ان کے سوالوں کے جواب دیئے اور انہیں دعائیں دیں۔ خلافت کے ساتھ ان کو ایک عشق کا سا تعلق ہے۔ آیئے ان سے ان کی کہانی سنتے ہیں۔

جماعت سے تعارف

آپ بیان کرتی ہیں کہ: ہم نے نئی نئی ڈش لگوائی تھی اور ایک دن میں ٹی وی کے سامنے بیٹھی مختلف چینلز دیکھ رہی تھی کہ اچانک ایم ٹی اے پر آکر ٹھہر گئی۔ اس وقت مکرم محمد حلمی الشافعی صاحب کسی موضوع پر بول رہے تھے۔ ان کی بات میرے دل کو لگی اور میں نے کہا کہ کیا ہی اعلیٰ درجہ کا کلام اور روشن افکار ہیں جن کو عقل بھی قبول کرتی ہے اور انشراح صدر بھی نصیب ہوتا ہے۔ پروگرام ختم ہوگیا اور میں نے چینل بدل لیا لیکن بدقسمتی سے مجھے ایم ٹی اے کا چینل نمبر لکھنا یاد نہ رہا۔ یوں کئی ہفتے گزر جانے کے بعد بھی مجھے یہ چینل نہ مل سکا۔ اس وقت ایم ٹی اے کی نشریات کسی اور چینل پر صرف چند گھنٹوں کے لئے تھیں جس کے بعد اسی چینل پر عیسائی تبلیغی پروگرام شروع ہو جاتے تھے۔ شاید اس لئے بھی ایم ٹی اے کی تلاش میں مشکل پیدا ہوئی۔

ابھی اس بات کو چند ہفتے گزرے تھے کہ ایک دن میرے خاوند نے آواز دی کہ دیکھو ایک چینل پر لکھا ہے کہ: الخليفة الرابع للمسيح الموعود عليه السلام۔ یہ جملہ پروگرام لقاء مع

العرب میں سکرین پر لکھا ہوا دکھائی دیا تھا۔میں نے آکر دیکھا تو حیران رہ گئی کہ یہ تو وہی چینل ہے جسے میں نے کھو دیا تھا اور اس کی تلاش میں تھی۔چنانچہ میں اپنے خاوند اور اٹھارہ سالہ بیٹی رولا محمد احمد جبر کے ساتھ ملکر یہ پروگرام دیکھنے لگی۔اس روز حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہدہد کے قصے کی حقیقت بیان فرمائی۔جہاں اس سحر بیانی اور پرمعارف حکیمانہ کلام نے مجھے مسحور کر دیا وہاں اس بات نے مجھے بہت زیادہ پریشان بھی کر دیا کہ اگر یہ مسیح موعود کے چوتھے خلیفہ ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ عیسیٰ ابن مریم نازل ہو گئے ہیں۔اور اگر یہ بات درست ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر گزر بھی گئے ہوں اور ہمیں کچھ بھی خبر نہ ہو؟ پھر یہ سوال کہ مسیح علیہ السلام کیسے آئے اور کیسے وفات پائی جبکہ ہم ابھی تک ان کے انتظار میں ہیں؟ ان تمام سوالات کا جواب اسی دن تو مجھے نہ مل سکا تاہم اس پروگرام کی میرے دل میں کچھ ایسی محبت بیٹھ گئی کہ نہ صرف باقاعدگی سے اسے دیکھنے لگی بلکہ اسے ریکارڈ کر کے اس کے ایک ایک لفظ اور جملے میں پنہاں معانی کی گہرائی کو سمجھنے لگی۔مجھے ایسی تفسیر قرآن سننے کو ملی اور مختلف سوالوں کے ایسے بے مثل جواب ملنے لگے جن سے روح تک سیرابی کا سامان ہو گیا۔

مَیں پہلے پہل پروگرام میں ہونے والی ہر بات کی سچائی کی پوری تحقیق کرتی تھی جس کے لئے مجھے کئی کتابوں کی چھان بین کرنی پڑتی تھی۔ان امور میں سب سے اہم وہ حدیث شریف تھی جو سورہ جمعہ کی آیت وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعۃ:4) کی تفسیر میں بیان ہوئی ہے۔پھر اس کے بعد میں نے اس پروگرام میں محمد حسین بٹالوی اور ابوالحسن ندوی اور ابوالأعلیٰ مودودی کے بارہ میں بھی سنا۔مجھے ان کے بارہ میں کچھ علم نہ تھا کیونکہ میں تو صرف میٹرک پاس تھی اور دینی امور کے بارہ میں کچھ زیادہ نہ جانتی تھی۔چنانچہ میں نے اپنے خاوند سے لائبریری جانے کی اجازت لی اور وہاں پر مودودی صاحب کی دو تین کتابوں کی ورق گردانی کی جن سے مجھے جھوٹ اور بہتان کی بو آئی۔وہ لکھتا ہے کہ مرزا غلام احمد جھوٹا مدعی اور کافر ہے لیکن جو میں نے ٹی وی پر دیکھا وہ اس بات کی دلیل تھا کہ حضرت مرزا صاحب کے تو پیروکار بھی ہمارے زمانے کے بڑے بڑے مولویوں سے زیادہ پاک صاف اور زیادہ سچے ہیں پھر مرزا صاحب خود کس قدر سچے اور پاک وجود ہوں گے۔

رؤیا کے ذریعہ راہنمائی

مجھے اس وقت نماز استخارہ کا بھی کوئی علم نہ تھا اور نہ ہی اس کا طریق معلوم تھا۔ تاہم اپنے طریق پر میں دعا ضرور کر رہی تھی۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ٹائپ رائٹر پر کچھ ٹائپ کر رہی ہوں اور جو ورق لکھا ہوا اس سے نکلتا ہے اس پر انگریزی عبارات ہیں جن سے میں صرف ایک ہی لفظ پڑھ سکی جو چمکنے والے گہرے سبز رنگ کا ہے۔ یہ لفظ تھا: Theolo۔ بعد میں مختلف ڈکشنریوں سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس لفظ کا معنی ہے علم دین۔ مجھے اس سے یہی سمجھ آئی کہ میں جو لقاء مع العرب سے دینی علوم سیکھ رہی ہوں وہی حقیقی دین ہے اور میں درست راستے پر ہوں۔

بیعت اور معارف کی دنیا کا سفر

میری بیٹی میرے اس سفر کی ساتھی تھی۔ روزانہ شام کو جب میرے خاوند کام سے گھر تشریف لاتے تو ہم بیٹھ کر ساری باتوں کا ذکر کرتے جو ہم نے پروگرام لقاء مع العرب میں سنی ہوتی تھیں۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے اپنے خاوند سے کہا کہ اب میں مزید نہیں چھپا سکتی، مَیں دل سے احمدی ہو چکی ہوں۔

اب مختلف آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے سمجھنے کا مرحلہ آیا۔ میری بیٹی نے اس میں بھی میرا ساتھ دیا۔ مثلاً ہم نے لقاء مع العرب میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی زبانی سنا کہ قرآن کریم کی آیات میں کوئی تضاد یا تعارض نہیں ہے۔ لہٰذا اس اصول کی بنا پر ہم نے مختلف آیات قرآنیہ پر غور شروع کیا اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے جس حد تک غور کیا ہر قسم کے تضاد کا جواب ہمیں ملتا گیا۔

اسی طرح حضور رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ صحیح احادیث کا قرآنی آیات سے کوئی تعارض نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ہم نے غور کیا کہ درود شریف میں ہم پڑھتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ یعنی ہم دعا کرتے ہیں کہ جیسی نعمتیں وبرکات ابراہیم علیہ السلام پر ہوئیں ویسی ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوں۔ چنانچہ

اس حوالے سے جب ہم نے قرآن کریم کا مطالعہ کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر کونسی نعمتیں اور برکتیں نازل ہوئی تھیں تو پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں کتاب اور حکمت اور نبوت جاری فرمائی تھی۔ لہذا وہی نعمتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اولاد پر بھی نازل ہونی چاہئیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے نرینہ اولاد تو ایسی نہ تھی کہ جن میں ان تمام روحانی مراتب کا وعدہ پورا ہوتا۔ یہاں پہنچ کر ہم اٹک کے رہ گئے۔

ان دنوں کی یہ عجیب بات تھی کہ جو سوال بھی ہمارے ذہنوں میں جنم لیتے تھے لقاء مع العرب میں ان کا جواب ہمیں مل جاتا تھا۔ ہم اس مذکورہ بات پر غور کر رہے تھے کہ ایک دن حضور انور رحمہ اللہ نے پروگرام میں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا ذکر فرمایا جس کے بارہ میں قرآن کریم میں آیا ہے کہ وہ طوفان میں ڈوب گیا تو حضرت نوح نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ وہ تو میرے اہل بیت میں شامل تھا جن کے بچانے کا تو نے وعدہ کیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا إِنَّه، لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّه، عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ۔ یعنی وہ تیرے اہل بیت سے کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ اس کے تو اعمال ہی غیر صالح ہیں۔ پھر اس کی تمہارے ساتھ کیا نسبت ہوسکتی ہے۔ دوسرے معنوں میں اس کا یہ مفہوم تھا کہ تیری جماعت میں سے جس کے بھی عمل صالح ہیں وہ اس لائق ہے کہ اس کی نسبت تیرے ساتھ قائم ہو۔

میرے لئے یہ نقطہ نہایت بنیادی اور شاید سب سے زیادہ اہم تھا۔ چنانچہ ابراہیمی امت میں ہونے والے انعامات اس امت کے ان لوگوں پر ہوں گے جو حقیقی طور پر عمل صالح کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد بنیں گے۔ آگے چل کر اس نکتہ کی بنا پر مجھے خاتم النبیین کے حقیقی معنی سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔

اس کے بعد میں نے حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ سے خط وکتابت شروع کی۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ خط وکتابت میرے لئے ایک خزانے سے کم نہیں۔ مجھے ایسے لگا جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے میرے لئے معارف کی ایک کھڑکی کھول دی۔ اور حضور انور کے منطقی جوابات اور پر لطف تفاسیر کی وجہ سے حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ تو جیسے میری زندگی بن گئے۔ اس کے بعد حضور انور کی خدمت میں اپنے سوالات اور استفسارات بھیجنے شروع کئے۔ اس وقت میری فرحت ومسرت دیدنی ہوتی تھی جب حضور انور میرا ذکر فرما کر میرے لئے دعائیں کرتے تھے۔

بیٹی کی شادی اور رؤیا

میری بیٹی کی شادی ہوگئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ مجھے کہتی ہے کہ امی میں اکیلی ہوں۔ میں نے اس رؤیا سے سمجھا کہ میری بیٹی کے ہاں اولاد نہ ہونے کی خبر ہے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ پانچ سال گزر گئے اور اس کے ہاں ولادت نہ ہوئی۔ بالآخر ہم نے مل کر دعا کی کہ اے خدا ہماری دعائیں سن اور میری بیٹی کو اولاد کی نعمت عطا فرما، تا کہ وہ ہمارے پورے خاندان کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی دلیل ہو۔ اور خدا تعالیٰ نے دعائیں سنیں اور یہ نشان ظاہر ہوا اور اب خدا کے فضل سے میری بیٹی کے تین بچے ہیں جو سارے گھر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قصائد گنگناتے پھرتے ہیں۔

بیماری میں خدا تعالیٰ کے پیار کی نظر

ایک دفعہ میں بیمار ہوگئی اور میری کیفیت یہ تھی کہ مسلسل دو دن تک نہ تو نیند آئی اور نہ ہی کچھ کھایا بلکہ بھوک بھی بالکل غائب ہوگئی۔ میں ایسی حالت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود بھیجنے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تفسیر آیات قرآنیہ کے طریق پر غور کرنے لگی۔ کچھ دیر گزری تھی کہ مجھے شدید بھوک محسوس ہوئی۔ میں نے اپنے خاوند سے کہا کہ میں نے کچھ کھانا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں بازار سے بھُنا ہوا گوشت لے آتا ہوں۔ میں نے کہا نہیں مجھے تو صرف عربی ڈش ''کُبّہ'' کھانے کی حاجت ہو رہی ہے۔ لیکن اس وقت خدا تعالیٰ کی محبت اور شکر سے دل بھر گیا جب ہماری اس گفتگو کے دوران ہی دروازے پر دستک ہوئی اور میری ہمسائی ایک ڈش لے کر کھڑی تھی جس میں مختلف انواع کے ''کُبّہ'' رکھے ہوئے تھے۔ یہ محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کی برکت تھی جس کی حقیقت ہمیں آپ کے خادم صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آکر بتائی تھی۔

بیعت کے بعد کی برکات

بیعت کے بعد میرے خاوند کے کاروبار میں غیر معمولی ترقی ہوتی گئی۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے

ایسے ایسے نظارے دکھائے کہ ایسے لگتا تھا کہ ساری دعائیں قبول ہوتی جاتی ہیں۔حکمت کے ساتھ ایم ٹی اے کے پروگرام دکھانے کی وجہ سے میرے داماد نے بھی احمدیت قبول کر لی اور آہستہ آہستہ محبت واخلاق اور حسن سلوک کی وجہ سے ہماری بہو نے بھی بیعت کر لی۔

ایک خوشگوار اتفاق

مکرمہ امّ احمد صاحبہ نے خاکسار کی درخواست پر جب یہ ایمان افروز واقعات ارسال کئے تو خاکسار نے بعض استفسارات کے علاوہ ان سے ان کے خاندان کے بیعت کرنے والے افراد کے نام بھی ارسال کرنے کی درخواست کی۔ اسکے بعد کیا ہوا؟ مکرمہ امّ احمد صاحبہ بیان کرتی ہیں:

میرے لئے بڑے ملال کی بات تھی کہ میرے خاندان میں سے احمدیت قبول کرنے والوں کے ناموں میں میرے خاوند کا نام نہ ہو۔گوکہ انہوں نے گزشتہ پندرہ سالوں میں احمدیت کی صداقت کے بے شمار نشان دیکھے تھے لیکن ابھی تک قبول احمدیت کی توفیق نہ ملی تھی۔اور میں اس کے لئے مسلسل دعا کر رہی تھی۔

گزشتہ دنوں میں نے حسن عودہ کے بارہ میں انٹرنیٹ پر ایک فورم پر ایک شبہ کا جواب لکھا اور اس کا ذکر اپنے خاوند سے کیا تو انہوں نے کہا کہ اس کا ای میل مجھے لا کر دو کیونکہ لازمی طور پر اسے کسی ایسی بات کا علم ہوا ہوگا جو آپ کو علم نہیں ہے۔اس پر میں نے اپنے خاوند سے کہا کہ کیسی عجیب بات ہے کہ میں نے آپ کو احمدیت کی صداقت کے سینکڑوں دلائل دیئے ہیں لیکن ان سب کو چھوڑ کر آپ کو اس کے جھوٹا ہونے کی صرف ایک دلیل کی تلاش ہے۔ یہ بات سن کر ان کی کایا پلٹ گئی۔سچائی دل میں راسخ ہو چکی تھی لیکن بیعت کرنے میں انقباض تھا۔ چنانچہ جب میری بیٹی سے ان کی بات ہوئی تو اس نے کہا کہ ابو جان فرض کریں کہ آج وہ امام مہدی آ جاتا ہے جس کا آپ انتظار کر رہے ہیں پھر بھی آپ کو بیعت تو کرنی ہوگی۔ بیعت کے بغیر تو چارہ نہیں۔اس لئے اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت دل میں بیٹھ گئی ہے تو بیعت بھی کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ میں بیعت کرتا ہوں۔ الحمدللہ اب میرا پورا گھر احمدیت کے نور سے روشن ہے اور مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی برکات سے مستفیض ہو رہا ہے۔

۞۞۞۞۞

مکرم جمال اغزول صاحب

مراکش سے تعلق رکھنے والے اس نیک اور صالح نوجوان کو اکیس سال کی عمر میں احمدیت قبول کرنے کی توفیق ملی۔ اس وقت سے لے کر آج تک تبلیغ میں پیش پیش ہیں۔ انٹرنیٹ پر ایک چیٹ روم کے ذریعہ اکثر تبلیغ کرتے رہتے ہیں جس سے کئی سعید روحوں کو ہدایت نصیب ہو چکی ہے۔ علمی اور ادبی ذوق ہونے کی وجہ سے رسالہ التقویٰ میں متعدد اداریئے اور مضامین بھی لکھے۔ پروگرام لقاء مع العرب کا یہ ایک شیریں ثمر ہیں۔ آیئے ان سے ان کے احمدیت کی طرف سفر کا حال سنتے ہیں۔

قبول احمدیت سے پہلے کے دینی رجحانات

مکرم جمال اغزول صاحب آف مراکش بیان کرتے ہیں کہ جماعت احمدیہ میں شمولیت سے قبل میرا تعلق اہل سنت جماعت سے تھا جس کا یہ دعویٰ تھا کہ صرف ان کا اعتقاد ہی قرآن وسنت پر مبنی ہے، اور دینی امور میں صرف ان کا فہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے فہم کے مطابق ہے۔ اس تصور نے جہاں مجھے دیگر دینی جماعتوں کی طرف مائل ہونے سے روکے رکھا وہاں یہ دینی مسائل کے بارہ میں مختلف انداز فکر اور آراء کو موضوعِ بحث لانے میں بھی حائل رہا۔ اس اعتقاد کے باوجود میرے ذہن میں کئی سوالات اٹھتے تھے جن کا ہمارے طرز فکر میں کوئی جواب نہ تھا۔ شاید یہی وہ امور تھے جو میرے جماعت کی طرف آنے کا سبب بن گئے۔

''احیاء'' کا مضمون اور میرے احیاء کا آغاز

مجھے جماعت احمدیہ کے بارہ میں کچھ علم نہ تھا۔ ایک دن خلیجی ممالک سے شائع ہونے والے ایک رسالہ ''إحیاء التراث العربي الإسلامي'' میں جماعت کے بارہ میں ایک مضمون پڑھا جس میں بہت ہی غلط تصویر پیش کی گئی تھی اور جماعت کو بہائیت کے مشابہ قرار دیا گیا تھا۔

بہرحال اس وقت چونکہ مجھے جماعت میں کسی قسم کی دلچسپی نہ تھی اس لئے کوئی خاص توجہ نہ دی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ایک دن ایک ٹی وی چینل پر میں نے احمدیت، قادیان اور مرزا غلام احمد کے الفاظ سنے تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی جماعت ہے جس کے بارہ میں میں نے عربی مجلّہ میں مضمون پڑھا تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں جماعت کی منفی تصویر تھی جس کا مطلب یہی تھا کہ اس جماعت سے محتاط رہنا ہی درست راستہ ہے۔ اس کے باوجود اس چینل پر میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے خطبات سننے لگا۔ ان خطبات کو سن کر آہستہ آہستہ میرے ذہن میں موجود احمدیت کی تصویر بدلنے لگی۔ اس کے بعد پروگرام لقاء مع العرب شروع ہوا تو گہرے علمی اور دینی موضوعات پر سیر حاصل بحث اور پُر معارف و پُر حکمت کلام نے مجھے جماعت کے بارہ میں تحقیق کرنے پر مجبور کر دیا۔

میں نے جماعت کے اصول اور عقائد کا مطالعہ شروع کر دیا۔ یہ باتیں ایک جگہ لکھی ہوئی تو نہ تھیں تاہم مَیں لقاء مع العرب میں مختلف مسائل اور دینی امور کی شرح کے دوران استعمال ہونے والی منطق سے خود ہی ان اصولوں کو اخذ کر لیتا تھا اور پھر ان کو دیگر مسائل پر لاگو کر کے دیکھتا تو حیرت انگیز منطقی اور دل کو لگنے والا نتیجہ نکلتا تھا۔ کچھ عرصہ تک اپنے اس طرز تفکیر کے مطابق جب جماعتی افکار اور عقائد کو درست پایا تو بعض ایسے امور جن کے سمجھنے سے قاصر تھا کے بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے خط و کتابت شروع کی۔ حضور انور نے میرے ایک ایک استفسار پر پُر حکمت معارف کے دریا بہا دیئے۔ میرے کئی غلط تصورات کی تصحیح ہو گئی اور دل میں اٹھنے والے تمام سوالوں کا جواب مل گیا۔

مغز اور چھلکا

اسی عرصہ میں مجھے مرکز سے تفسیر کبیر جلد اول کے ترجمہ کا تحفہ ارسال کیا گیا۔ میں نے جب اس تفسیر کو پڑھا اور اس کا دیگر تفاسیر سے موازنہ کیا تو زمین و آسمان کا فرق نکلا۔ یہاں الٰہی علوم اور حکمتوں کی کُنہ کا بیان تھا اور شریعت کے مغز کا خلاصہ تھا جبکہ دیگر تفاسیر میں محض چھلکے پر اکتفاء کیا گیا تھا۔ اس تفسیر کے مطالعہ نے میرے دل میں اسلام کی ایسی حسین تصویر پیش کی کہ جو روح تک اترتی چلی گئی۔

استخارہ اور شیخ قاسمی کا خطبہ

1995ء کے آخر کی بات ہے کہ میں نے دینی معاملہ میں کوئی قدم اٹھانے سے قبل استخارہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک روز بعد ہی جمعہ کی صبح جب میں بیدار ہوا تو میری زبان پر کچھ دعائیہ کلمات تھے۔ میں نے اس سے یہی سمجھا کہ مجھے خدا تعالیٰ سے دعا کرنے کی ضرورت ہے تا کہ وہ خود میری صحیح راستہ کی طرف راہنمائی کرے۔ چنانچہ میں نے بڑے تضرع اور ابتہال کے ساتھ دعا شروع کر دی۔

اسی روز جمعہ کی نماز پڑھنے گیا تو ہماری مرکزی مسجد کے مولوی شیخ قاسمی نے خطبہ جمعہ کے آخر پر ایک شخص کے رؤیا کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ شخص رؤیا کی تعبیر کرنے پر اصرار کر رہا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ اس نے یہ رؤیا بار بار دیکھا ہے اور جاننا چاہتا ہے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ اس شخص نے رؤیا میں دیکھا کہ طوفان نوح برپا ہے اور کشتیٔ نوح پر لوگ جوق در جوق سوار ہو رہے ہیں۔ اس کشتی پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے اور ایک شخص لوگوں کو اس میں سوار ہونے کیلئے بلا رہا ہے۔ بعد میں پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص مسیح ابن مریم علیہ السلام ہے۔

شیخ قاسمی نے اس رؤیا کو بیان کرنے کے بعد کہا کہ یہ ناممکن ہے کہ اس کشتی پر کھڑے ہو کر بلانے والا شخص مسیح ابن مریم ہو کیونکہ یہ زمانہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے۔ لہٰذا نوح علیہ السلام کی کشتیٔ نجات مسیح علیہ السلام کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ پھر اس نے کہا کہ یہ درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی بشارت دی ہے

لیکن ان کے نزول سے پہلے تو دجال اور یاجوج وماجوج نے آنا ہے اور ان باتوں کے ظہور میں ابھی بہت وقت پڑا ہے۔

مجھے وہیں بیٹھے ہی یہ احساس ہو گیا کہ شیخ قاسمی کو اس رؤیا کی تعبیر سمجھ نہیں آئی جبکہ مجھے سمجھ آ گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ اَلْمُؤمِنُ یَرٰی اَوْ یُرٰی لَہٗ ، یعنی مومن کبھی خود رؤیا دیکھتا ہے اور کبھی اس کے بارہ میں کسی اور کو دکھایا جاتا ہے۔ چونکہ میں نے دو روز قبل ہی استخارہ کیا تھا اس لئے مجھے یقین ہو گیا کہ اس رؤیا میں میرے لئے واضح پیغام تھا۔ نماز جمعہ کے بعد میں واپس آتے ہوئے یہی سوچتا رہا کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے دعویٰ کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور مولویوں کے اقوال کی بنا پر ان کی تکذیب کرنا سراسر انصاف سے دور بات ہے۔ ان خیالات اور سوچوں نے مجھے بیعت کا مرحلہ طے کرنے پر آمادہ کر دیا۔

نومبر 1995ء میری روحانی ولادت کا مہینہ تھا جب میں یکسر بدل گیا تھا اور میں نے بیعت کا خط حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں ارسال کر دیا جس کا جواب مجھے 30 دسمبر 1995ء کو ملا جس سے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی۔ اس خط کے بعد میں نے اپنی تمام تر کوششیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کرنے اور شرائط بیعت کو کما حقہ اپنے اوپر لاگو کرنے میں صرف کر دیں۔

ایک پادری سے گفتگو

میں نے کئی بار رؤیا میں دیکھا کہ ایک پادری کچھ نوجوانوں کو عیسائیت کی تعلیم دے رہا ہے۔ بار بار دیکھنے کی وجہ سے مجھے اس پادری کی شکل صورت یاد ہو گئی تھی۔ مجھے فکر لاحق ہونی شروع ہوئی کہ اس میں نہ جانے میرے لئے کیا پیغام ہے۔ انہی دنوں میرے والد صاحب کے ایک دوست کی وفات ہو گئی اور میں تعزیت کرنے کیلئے چلا گیا۔ وہاں پہنچا تو سنا کہ لوگ تعزیت کے بعد اس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ کیا شرک پہلے تھا یا توحید۔ میں نے تعزیت کے بعد کہا کہ توحید ہی ازلی ابدی سچائی ہے اور شرک کی جو شکلیں ہیں وہ توحید کے معانی کو بگاڑنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں، جیسے عیسائیت شروع تو توحید سے ہوئی تھی لیکن اب تین خداؤں کا تصور پیش کرتی ہے اور ایک انسان کو خدا بنا لیا ہے۔ میرا یہ کہنا تھا کہ مجھے فصحیٰ عربی میں کسی نے کہا کہ ہم

تین نہیں ایک خدا کے قائل ہیں۔ میں نے دیکھا تو فوراً پہچان گیا کہ یہی تو وہ پادری ہے جسے میں اکثر رؤیا میں دیکھتا ہوں کہ وہ عیسائیت کی تبلیغ کر رہا ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ پروفیسر ولیم ہیں جو انسٹیٹیوٹ آف سٹڈیز اینڈ ٹرانسلیشن میں استاذ ہیں۔ اس نے مزید کہا کہ آج کی عیسائیت دراصل وہی ہے جو یسوع مسیح لے کر آئے تھے۔ میں نے کہا کہ اگر یہ وہی عیسائیت ہے تو اقانیم ثلاثہ یا اُلوہیت مسیح کے الفاظ انجیل سے مجھے نکال دیں۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس کے بعد ایک لفظ بھی نہ بولا۔ جب میں اس مجلس سے واپس آنے لگا تو یہ پادری میرے پیچھے پیچھے آیا اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا کہ تثلیث کا مطلب یہ نہیں کہ تین خدا ہیں اور پھر عقل سے دور تشریحات شروع کر دیں کہ تین سے کیا مراد ہے۔ بہر حال اس واقعہ کے بعد مجھے پتہ چلا کہ حکومت نے ان کو اس ملک سے نکال دیا ہے کیونکہ یہ شخص بظاہر یہاں پر ایک استاد کی حیثیت سے کام کر رہا تھا جب کہ خفیہ طور پر اینگلیکن چرچ کے مبلغوں کے انچارج کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔

خلیفۂ وقت کی دعاؤں کے ثمرات

میں اکیلا احمدی تھا اور دعائیں کرتا تھا کہ میرے ملک کے لوگوں کو بھی خدا تعالیٰ اس سچائی کو قبول کرنے کی توفیق دے۔ اس سلسلہ میں مَیں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں خط بھی لکھا جس کے جواب میں حضور نے اپنے خط مؤرخہ 25 رجنوری 1996ء میں مجھے فرمایا تھا کہ مجھے خدا تعالیٰ سے بہت امید ہے کہ وہ آپ کو بہت سارے ثمرات طیبہ عطا فرمائے گا۔ اور آج حضور کی ان دعاؤں کے ثمرات میرے ارد گرد موجود ہیں۔ اللہ کے فضل سے اب میرے ملک میں ہی بہت سے احمدی ہو گئے ہیں۔

میرا نئے احمدیوں کو یہی پیغام ہے کہ اپنے پیارے امام حضرت مرزا مسرور احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کریں ان سے دعائیں لیں کیونکہ انہی دعاؤں کے طفیل وہ خدا کے فضل اور رحمتوں کے وارث بنیں گے اور روحانیت میں ترقیات نصیب ہوں گی۔

❁❁❁❁❁

مکرمہ فاہمی غزلان صاحب

پروگرام لقاء مع العرب کا ایک اور ثمرہ اور آسمانی راہنمائی کی ایک اور مثال ایک ایسی خاتون جس نے اپنے جیسی کئی اور احمدی بہنوں کی طرح تنِ تنہا سفر شروع کیا اور ہر طرح کی مخالفت کا مقابلہ کرتے ہوئے محض دعاؤں سے اور احمدیت کے نور سے منور ہو کر اپنے اعلیٰ اخلاق سے اپنے خاوند اور دیگر اہل خاندان کو بھی احمدیت کی نعمت سے آشکار کروایا۔ ان کا خاندان مراکش میں احمدیت کی شناخت بن گیا اور آج خدا کے فضل سے ان کے خاوند جماعت احمدیہ مراکش کے صدر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دینے کی توفیق پا رہے ہیں۔ آیئے ان سے ان کی احمدیت قبول کرنے کی داستان سنتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کی عجیب حکمتیں

مکرمہ فاہمی غزلان صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ شاید سب سے بڑی بات جو میں نے جماعت احمدیہ کی آغوش میں آنے سے سیکھی وہ خدا تعالیٰ کی تقدیر اور مختلف امور میں اس کی حکمتوں کا پوشیدہ ہونا ہے۔ انہی حکمتوں میں سے شاید ایک یہ بھی تھی کہ 1994ء میں جب سیٹلائٹ ڈش عام ہونی شروع ہوئی تو تمام دنیا کو اس کھڑکی کے راستے دیکھنے کیلئے ہم نے بھی اپنے گھر میں ڈش لگوا لی۔ ایک دن ایک ٹی وی چینل پر میں نے سفید عمامہ والے ایک شخص کو دیکھا جس کے اردگرد چند مرد اور عورتیں بیٹھی تھیں۔ یہ شخص انگریزی میں اسلامی امور کے بارہ میں بات کر رہا تھا اور ایک عربی شخص بڑی روانی سے ترجمہ کرتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس مجلس کے سامعین ایک عجیب کیفیت میں یہ کلام سن رہے تھے۔ میں نے اس پروگرام کو روزانہ دیکھنا شروع کر

دیا۔شروع شروع میں تو بڑی متعجب ہوتی تھی کہ ایک عجمی شخص اچھے خاصے پڑھے لکھے عربوں کو دین کی باتیں سکھا رہا ہے، اوراس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ جب یہ شخص پروگرام میں آتا تو حاضرین عجیب عقیدت کے ساتھ اس کے ہاتھ چومتے، اور کبھی اس کو امیر المؤمنین اور کبھی خلیفہ کے نام سے بلاتے۔میں نے دیکھا کہ ان کی اکثر باتیں عیسیٰ علیہ السلام اور مسیح موعود ومہدی معہود کی بعثت کے گرد گھومتی تھیں۔

ہمارے مقامی وقت کے مطابق یہ پروگرام 4 سے 5 بجے شام نشر ہوتا تھا جو میرے لئے بہت مناسب وقت تھا۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی آہستہ آہستہ اس پروگرام کا حصہ بنتی گئی اور روزانہ اپنا کام ختم کر کے اپنے ان مہمانوں کے استقبال کے لئے ٹی وی کے سامنے بیٹھ جاتی اور ان کی باتیں سنتی۔سفید عمامہ والے اس شخص کے ہونٹوں پر اکثر مسکراہٹ رہتی لیکن کبھی کبھی وہ بولتے بولتے آبدیدہ بھی ہو جاتے، اور حاضرینِ مجلس کا ان کے ساتھ ایسا تعلق تھا کہ ان کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے بوجھل ہو جاتیں۔آہستہ آہستہ میرا بھی ان کے ساتھ کچھ ایسا رشتہ قائم ہو گیا کہ انگریزی سمجھ نہ آنے کے باوجود جب یہ روتے تو میں ان کے ساتھ رو پڑتی اور اگر یہ ہنستے تو میں بھی بے اختیار ہنس دیتی، جبکہ اس کا سبب مجھے ترجمہ سننے کے بعد معلوم ہوتا تھا۔

جماعت کے ساتھ خط وکتابت

اس پروگرام کے آخر میں جماعت کے ساتھ رابطے کا ایڈریس دیا جاتا تھا جس پر میں نے ایک سوال پر مشتمل خط لکھا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ کچھ ہی انتظار کے بعد مجھے فرنچ ڈیسک کے انچارج مکرم عبد الغنی جہانگیر صاحب کی طرف سے اس کا جواب موصول ہوا جس میں جماعت کے تعارف پر مبنی بعض کتب اور پمفلٹس تھے۔میں سوچتی تھی کہ اسلام اس وقت بہت کمزوری کی حالت میں ہے، لیکن اس مواد کو پڑھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو اسی حالت میں ہرگز نہیں رہنے دے گا بلکہ اس دور میں یہ لوگ اسلام کے چہرہ سے بدعات اور غلط مفاہیم کا گرد وغبار صاف کرنے کے لئے اٹھے ہیں۔

تحقیق کی ابتدا

ان کتب اور پمفلٹس کے مطالعہ کے بعد میں ان خیالات کو لے کر اپنی ایک سہیلی کے پاس گئی جس کے والد امام مسجد تھے اور وہ خود بھی کافی دیندار عورت تھی۔لیکن جماعت احمدیہ کے نام سے اسے کچھ واقفیت نہ تھی اس لئے میں نے اس کے والد صاحب سے پوچھا تو انہوں نے جماعت کا تعارف کچھ اس طرح کروایا کہ یہ تو قادیانی جماعت ہے اور استعماری طاقتوں اور یہودی سازش کا نتیجہ ہے۔ اس جماعت کو اسلام کی تباہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔وہاں سے لوٹتے ہوئے میری اس سہیلی نے مجھے تنبیہ کی کہ ان کا چینل دیکھنا گناہ ہے اور جو اسے سنتا یا دیکھتا ہے یا اس جماعت میں شامل ہوتا ہے وہ کافر ہے۔

میں نے سوچا کہ اس معاملہ میں کسی قدر تحقیق کر لینی چاہئے۔ چنانچہ میں نے لائبریری میں جا کر احمدیت کے بارے میں دریافت کیا تو کسی کو کچھ علم نہ تھا لیکن جونہی میں نے قادیانی جماعت کہا تو میرے مخاطب نے فوراً بات سمجھ کر کچھ کتب دیں جن میں سے سب سے اہم کتاب: ’’موقف الأمة الإسلامية من القاديانية‘‘ تھی۔اس کتاب کا کوئی ایک مؤلف نہ تھا بلکہ علماء کی ایک جماعت تھی جن میں سے ہر ایک کا نام ’مولوی‘ یا ’مولانا‘ سے شروع ہوتا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ضرور اس کتاب میں مجھے ساری معلومات مل جائیں گی۔ میں نے بڑی دلچسپی اور بے صبری کے ساتھ یہ کتاب پڑھی۔کتاب میں تمام باتیں باحوالہ کی گئی تھیں اور یہ اسلوب مجھے پسند تھا اس لئے کتاب پڑھنے کے بعد میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے اس جماعت کے شر سے بچا لیا، کیونکہ اس کتاب کے مطابق ان لوگوں سے بُرا اور شر انگیز اور ان سے زیادہ بڑا کافر شاید دنیا میں کوئی نہیں۔ بہر حال میں نے دل میں عزم کر لیا کہ اب میں اس پروگرام کو کبھی نہیں دیکھوں گی۔

میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا

جب سہ پہر کے چار بجے اور لقاء مع العرب پروگرام کا وقت ہوا تو میرا دل اس پروگرام کو دیکھنے کے لئے بے قابو ہونے لگا۔میں اپنے کئے ہوئے عزم کے سامنے شرمندہ ہونے لگی۔

بالآخر مجھے پروگرام دیکھنے کے لئے مضبوط دلیل مل گئی۔ میں نے کہا کہ میں اس لئے پروگرام دیکھتی ہوں کہ تا کہ ان کی غلطیاں پکڑ کر ان کی اصلاح کی کوشش کروں کیونکہ یہ بیچارے بڑی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ دل کو سمجھا کے جب ٹی وی آن کیا اور میری پہلی نظر اس سفید عمامہ والے شخص پر پڑی تو میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور میرے دل کی دھڑکن اس شخص کی باتوں کی نغمگی پر اوپر نیچے ہونے لگی۔ مجھے انگریزی زبان کی اس گفتگو میں سے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا اس کے باوجود میری یہ کیفیت تھی۔ پھر جب ترجمہ سنا تو میں نے کہا ناممکن ہے کہ یہ لوگ ویسے ہوں جس طرح اس کتاب میں لکھا گیا ہے۔

بہر حال میں نے اس کتاب میں سے سب سے زیادہ مضبوط اور چبھنے والے اعتراضات یکے بعد دیگرے لقاء مع العرب میں بھیجنے شروع کئے، لیکن جب بھی کوئی اعتراض اس کتاب کی بازاری اور گری ہوئی زبان اور لہجہ میں لکھنے لگتی تو اس سفید عمامہ والے شخص کی صورت ذہن میں آ جاتی اور میرے تن بدن میں ایک جھرجھری سی آ جاتی اور مجبوراً مجھے اعتراضات کی زبان نرم کرنی پڑتی۔ اس شخص کی شخصیت کا مجھ پر اس قدر اثر تھا کہ باوجود اختلاف کے مَیں جب بھی کوئی اعتراض بھیجتی تو اس کو امیر المؤمنین اور حضرۃ الخلیفۃ کے نام سے ہی مخاطب کرتی۔

عجیب لوگ

جس بات نے میرے اکثر بت توڑے یہ تھی کہ جب بھی حضور کے سامنے میرے اعتراضوں میں سے کوئی اعتراض پیش کیا جاتا تو حضور تبسم فرماتے اور کہتے کہ بہت اچھا سوال ہے، اور بعض اوقات فرماتے کہ جس نے یہ اعتراض بنایا ہے اس کا بھی شکریہ کہ اس کی وجہ سے ہمیں بعض ایسے امور بیان کرنے کی توفیق مل جاتی ہے جن کی طرف عام حالات میں خیال نہیں جاتا۔ اس بات نے میرے اندر زلزلہ برپا کر دیا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جن کو چبھتا ہوا اعتراض تبسم پر مجبور کر دیتا ہے اور معترض پر لعن طعن کرنے کی بجائے اس کا شکریہ ادا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے دل کس قدر کشادہ ہیں اور ان کی قوت برداشت کس قدر عظیم ہے۔

ایک اور بات جس نے مجھے بہت زیادہ متأثر کیا کہ حضور انورؒ جب کلام فرماتے تو ایسے لگتا تھا کہ علم کا ایک سمندر ہے جو موجوں کی صورت کناروں سے چھلکا جارہا ہے، کیونکہ حضور بولنا شروع کرتے اور بعض اوقات پورا گھنٹہ بولتے چلے جاتے حتی کہ بعض اوقات حلمی صاحب کو درخواست کرنی پڑتی کہ مجھے ترجمہ کے لئے کچھ وقت دے دیں تا کہ لمبے ترجمہ کی وجہ سے کچھ رہ نہ جائے۔

مجھے یاد ہے کہ میں نے سلیمان علیہ السلام کا قصہ دیگر تفاسیر میں پڑھا ہوا تھا اور میری عقل اس کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھی۔ یہ حقیقت سے دور ایک دیو مالائی داستان معلوم ہوتی تھی۔ میں نے یہ سوال بھی حضور انور کی خدمت میں ارسال کر دیا۔اس پر حضور انور کا جواب میرے اندر کی تڑپ اور اضطراب پر بردوسلام بن کر نازل ہوا۔اوراس سوال کے جواب کے آخر پر میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اب تیری ساری دعاؤں اور تضرعات کی قبولیت کا وقت آ گیا ہے، اب تیرے احمدی ہونے کا وقت آ گیا ہے۔اس کے باوجود میں اپنے دل کے ہر شک کو مٹا دینا چاہتی تھی۔

استخارہ اور رؤیا

حضور انور کی بات گو کہ مدلل اور مطمئن کرنے والی ہوتی تھی اس کے باوجود تقریباً ہر پروگرام میں ہی استخارہ کرنے اور خدا تعالیٰ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کے بارہ میں دعا کرنے کی طرف ہی توجہ دلاتے تھے۔ چنانچہ میں نے استخارہ شروع کیا اور خواب میں دیکھا کہ ایک وسیع علاقے میں لمبا اور بہت بڑا خیمہ لگا ہوا ہے۔ اس خیمہ میں ایک شخص بہت غمزدہ اور حزین بیٹھا ہوا ہے۔اتنے میں ایک شخص اس کے پاس آتا ہے اور پوچھتا ہے تم اتنے دکھی کیوں ہو؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں، میں لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف بلاتا ہوں لیکن لوگ میری تصدیق نہیں کرتے۔اس پر سوال کرنے والا شخص اسے کہتا ہے کہ میں تیری تصدیق کرتا ہوں، میں محمد رسول اللہ ہوں۔اس رؤیا کے بعد میں نے کہا اب جو ہونا ہے ہو جائے، اب مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے فوراً بیعت کر لی اور بیعت کے ساتھ ہی پردہ کرنا بھی شروع کر دیا۔

مخالفت کی ابتدا

سب سے زیادہ مخالفت میرے خاوند کی طرف سے ہوئی۔ حالانکہ میرے خاوند دین سے دور صرف نام کے مسلمان تھے۔ میرے خاوند ہر معاملہ میں اس کے سپیشلسٹ سے مشورہ کے قائل تھے۔ان کا خیال تھا کہ اگر بیماری کے علاج کے سلسلہ میں لوگ ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں تو دینی امور کے سلسلہ میں فقہاء کی رائے ہی معتبر ہوگی۔ چنانچہ میرے بارہ میں رائے لینے کے لئے وہ مولویوں اور فقہاء کے پاس جا پہنچے جنہوں نے مشورہ دیا کہ جیسے تیسے وہ مجھے احمدیت سے واپس لانے کی کوشش کریں۔ چنانچہ میرے خاوند اس کے بعد ہر معاملے میں میری مخالفت کرنے لگے۔میرا ردّعمل یہ تھا کہ میں ان کے لئے رو رو کر دعا کرنے لگی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے میری دعائیں سنیں اور میرے خاوند کو بھی اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے کی توفیق عطا فرما دی جس کے بعد وہ خدا کے فضل سے بہترین خادم دین بن گئے۔

بڑا خیمہ

2000ء میں ہم نے جلسہ سالانہ یوکے میں شمولیت کی سعادت پائی۔ یہاں آکر احمدیوں سے مل کر مجھے پتہ چلا کہ یہاں تو ہر چیز ہی میرے تصور سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جب جلسہ گاہ میں بڑا خیمہ دیکھا تو مجھے اپنا رؤیا یاد آ گیا۔ یہ ہو بہو وہی خیمہ تھا جس میں مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اکیلے بیٹھے ہوئے دیکھا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آکر فرمایا تھا کہ میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں۔ یہ بات میرے لئے ازدیاد ایمان کا باعث ثابت ہوئی۔

حضور انور سے ملاقات

حضور انور سے فیملی ملاقات سے قبل عالمی بیعت میں شرکت کے ذریعہ حضور انور کے ساتھ روحانی تعلق کا ایک عجیب رنگ ہوگیا تھا۔ وہ ایک ایسا تجربہ تھا جس میں ایک وقت ایسا آیا کہ الفاظ وکلمات کی حدوں سے بہت آگے دل کی دھڑکن اور ہچکیوں اور تضرعات و ابتہالات کی زبان بولی جانے لگی جسے سمجھنے کے لئے کسی ترجمان کی ضرورت نہ تھی۔

اس کے بعد حضور انور سے ہماری فیملی ملاقات ہوئی۔ میں قبل ازیں ان لوگوں پر رشک کیا کرتی تھی جنہوں نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا، آپ کی باتیں سنیں اور آپ سے دعائیں لیں۔لیکن جب حضور انور کے پاس ملاقات کے دوران بیٹھے تو مجھے اولین کی کیفیات اور روحانی لذتوں کا کچھ ادراک ہو گیا۔حضور انور نے مجھ سے احمدیت کی طرف سفر کی تفصیلات سماعت فرمائیں اور پھر ہمیں دعاؤں سے مالا مال کر کے رخصت فرمایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ سے ملاقات

2006ء میں ہمیں ایک بار پھر جلسہ سالانہ برطانیہ میں شرکت کی توفیق ملی۔ اب کی بار حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ تو نہیں تھے اور آپ سے جدائی کا غم بھی غالب تھا نیز یہ بھی احساس تھا کہ خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ساتھ تو تعارف تھا، نہ جانے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ ملاقات کیسی ہوگی۔لیکن جونہی ہم حضور انور سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور میری پہلی نظر آپ کے چہرہ مبارک پر پڑی میرا دل مسرت واطمینان سے بھر گیا۔حضور انور نے اتنے پیار اور شفقت کا سلوک فرمایا کہ مجھے ایسے لگا جیسے ہمارا حضور انور کے ساتھ کئی سالوں سے بہت گہرا تعارف ہے۔شاید یہ صرف خلافت کا ہی خاصہ ہے اور یہ اس کے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے کی علامت ہے کیونکہ دلوں کو ایک شخص کے دل ونظر کے ساتھ سوائے خدا تعالیٰ کی ذات کے اور کوئی نہیں باندھ سکتا۔ یہ ایسی نعمت ہے جس کے ساتھ جڑے رہنے اور اس کے جاری وساری رہنے کے لئے ہر احمدی کو دعائیں کرتے رہنا چاہئے۔

مکرم عصام الخامسی صاحب

مکرمہ ''فاہمی غزلان'' صاحبہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ مکرم عصام الخامسی صاحب ان کے خاوند ہیں اور انہی کے ذریعہ جماعت میں شامل ہوئے اور قبول احمدیت کے بعد یکسر بدل گئے ۔ آپ پیشہ کے اعتبار سے فارماسسٹ ہیں اور چند سالوں سے صدر جماعت احمدیہ مراکش کے طور پر خدمت کی سعادت پا رہے ہیں۔ آیئے ان سے ان کے احمدیت کی طرف سفر کی تفاصیل سنتے ہیں۔

آپ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بیعت کئے ہوئے دس سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے۔ جب بھی بیعت سے پہلی زندگی پر غور کرتا ہوں تو بہت شرمندگی اور ندامت کا احساس ہوتا ہے۔

میری بیوی ''فاہمی غزلان'' کو احمدیت قبول کرنے میں مجھ پر سبقت حاصل ہے۔ اس نے 1995ء میں بیعت کی اور اس کے بعد میں تین سال تک اس سے تمسخر اور استہزاء کرتا رہا۔ بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے بارہ میں بھی بے باکانہ طریق پر کہتا تھا کہ یہ کیسا خلیفہ ہے جس کو عربی بھی بولنی نہیں آتی اور اسے ترجمان کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جو امام مہدی کا نمائندہ ہو اور پوری امت اسلامیہ کی اصلاح کرنے کا دعویدار ہو اس کو عربی بھی نہ آتی ہو۔ علمائے اسلام نے دینی علوم کی تحصیل اور ان میں تعمق کیلئے جو بائیس شروط بیان کی ہیں ان میں سے شرط اول عربی زبان کا علم ہے۔ پھر یہ بھی خیال کرتا تھا کہ اگر یہ لوگ سچے ہوتے تو سب سے پہلے شیخ قرضاوی ان کو قبول کرتے۔

میں اس قسم کے فتاویٰ جاری کرتے وقت یہ بھول گیا تھا کہ میری اپنی حالت تو یہ ہے کہ اسلام کے پانچ ارکان کا بھی پوری طرح علم نہیں ہے۔

اہلیہ کی دعا اور قبولیت کے آثار

میری بیوی سپین میں احمدیوں کے ساتھ رابطہ میں تھی وہ جب بھی میرے بارے میں پوچھتے تو میری بیوی بتاتی کہ وہ تو تمسخر کرتا ہے اور دینی امور سے بے رغبت ہے۔ احمدی اسے یہی نصیحت کرتے کہ تم دعا اور حسن اخلاق کے ساتھ اپنی کوششیں جاری رکھو۔

شاید یہ میری بیوی کی دعا کا ہی اثر تھا کہ ایک روز میرے دل میں آیا کہ دیکھوں تو سہی کہ احمدی اپنی کتب میں کیا لکھتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی سے چھپ کر ایک کتاب ''القول الصریح فی ظہور المہدی والمسیح'' پڑھنی شروع کی۔ اس کتاب میں امام مہدی اور دجال کے بارہ میں ایسی معلومات تھیں جن کو پڑھ کر میں حیرت ودہشت کی تصویر بن کے رہ گیا۔ یہ درست ہے کہ دینی معاملات میں میرا علم صفر تھا لیکن جو کچھ میں نے اس کتاب میں پڑھا وہ اُن سنی سنائی دیومالائی باتوں کی نسبت عقل و منطق کے زیادہ قریب اور سمجھ میں آنے والا تھا۔ مجھے یہ احساس ہوگیا کہ یہ جماعت کوئی عام جماعت نہیں ہے بلکہ ایک نئی طرز فکر لے کر اٹھی ہے۔ ان کا طریقہ تفکیر اور دینی امور کے سمجھنے کا انداز نہایت سادہ، عام فہم اور عقل و منطق کے عین مطابق ہے۔ اس میں نہ کسی قرضاوی کے پیچھے چلنے کی ضرورت ہے نہ کسی مولوی سے ہدایت پانے کی۔ میں دل ہی دل میں اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا، اور بیتے دنوں میں اپنی بیوی کے ساتھ تمسخر اور استہزاء کو یاد کر کے اپنے ضمیر کے سامنے شرمندہ ہونے لگا۔

تکبر کا بت ٹوٹتے ٹوٹتے ہی ٹوٹا

مجھے اپنی بیوی کے حق پر ہونے کا خیال آنے لگا تھا لیکن تکبر اور اَنا کی وجہ سے میری طبیعت یہ بات ماننے کے لئے تیار نہ تھی کہ اپنی بیوی کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کروں۔ شاید اس اعتراف کے لمحات میں مجھے اپنا سارا تکبر اور جھوٹا رعب پاش پاش ہوتا نظر آتا تھا۔ اس سوچ بچار کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ میری استہزاء کی عادت ختم ہوگئی لیکن سمجھنے بوجھنے کے باوجود انکار کی عادت قائم رہی۔

عقل و منطق پر مبنی درست اسلامی مفاہیم نے میری پیاس بڑھا دی تھی۔ لیکن کیا میں اپنی

بیوی سے کہوں کہ مجھے پڑھنے کیلئے کوئی کتاب دے؟ ہرگز نہیں، اس سے تو میری ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔ میں اس طریق پر سوچنے لگا تھا۔ پھر اندر کی پیاس سے مجبور ہو کر میں نے اپنی بیوی سے چھپ کر ایک اور کتاب پڑھنی شروع کی۔ میں نے دیکھا تھا کہ یہ کتاب میری بیوی نے متعدد بار پڑھی تھی اور اس کو بڑا سنبھال کر رکھتی تھی۔ یہ کتاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تالیف منیف ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا عربی ترجمہ تھا۔ کتاب کے شروع میں اس کی تعریف وتوصیف کے ساتھ مختلف اخبارات وجرائد کے حوالے درج تھے جن کو پڑھ کر میرے اندر طعن وتشنیع اور انکار واعتراض کی عادت پھر عود کر آئی اور میں نے پھر سوچا کہ اب مجھے اس کتاب میں ضرور ایسے پوائنٹ مل جائیں گے جن سے میں اپنی بیوی کی جہالت کو ثابت کر سکوں گا۔ کیونکہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ کتاب اس قسم کی تعریف کی مستحق ہو جس کا ذکر پیش لفظ میں کیا گیا ہے۔ لیکن جوں جوں میں یہ کتاب پڑھتا گیا میری زبان احمدیت اور اپنی بیوی کے خلاف گنگ ہوتی گئی۔ اس کتاب میں مذکور مفاہیم اور معارف عام آدمی کی سوچ وفکر کا نتیجہ نہیں ہو سکتے۔ ایک دفعہ پھر مجھے ضمیر نے جھنجھوڑا لیکن اس بار بھی میرے تکبر نے یہی جواب دیا کہ اگر تم اپنی غلطی کا اعتراف کرو گے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ تمہاری بیوی تم سے زیادہ متقی اور زیادہ عقلمند ہے اور وہ سچ کو پہچاننے میں تم پر سبقت لے گئی ہے۔

شاید میری طبیعت اور مزاج میں کسی قدر تبدیلی دیکھ کر ایک دن میری بیوی نے مجھے کہا کہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے: فَلَمَّا جَآءَ تهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهِ يَسْتَهْزِءُ وْنَ۔ (غافر:85)

ترجمہ: پس جب اُن کے پاس ان کے پیغمبر کھلے کھلے نشان لے کر آئے تو وہ اُسی علم پر شاداں رہے جو اُن کے پاس تھا اور ان کو اُسی بات نے گھیر لیا جس سے وہ تمسخر کیا کرتے تھے۔

یہ آیت پڑھ کر میری بیوی نے ایک عجیب بات کہہ دی کہ مجھے نہ اس کی تفسیر چاہئے نہ ہی آپ کی رائے مطلوب ہے بلکہ میری یہی درخواست ہے کہ آپ اس آیت پر غور کریں۔

میرے گھر میں بڑے بڑے علماء کی تفاسیر تو پڑی ہوئی تھیں لیکن میں نے ان میں سے کبھی کوئی تفسیر پڑھی نہ تھی بلکہ یہ بڑی بڑی جلدیں تو آنے والے مہمانوں کو متاثر کرنے کیلئے رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے تفسیر ابن کثیر دیکھی تو اس میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا تھا کہ اس آیت میں

بڑے بڑے علمائے یہود کا ذکر ہے جنہیں توریت کا بھی علم تھا۔ لیکن باوجود اپنی کتاب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں پیشگوئیاں ہونے کے انہوں نے اپنے علم پر تکبر کرتے ہوئے انکار کر دیا۔ میں یہ پڑھ کر حیرت زدہ رہ گیا کیونکہ اس وقت مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث یاد آ گئی جس میں آپ مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کی قدم بقدم پیروی کروگے...... ۔ مجھے سمجھ آ گئی کہ میں کن کی سنت کی پیروی کر رہا ہوں۔ اس سارے واقعہ کے بعد میں نے چپ سادھ لی۔

اب چوری چھپے یا بہانوں بہانوں سے میں لقاء مع العرب دیکھنے لگا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا سوالوں کے جوابات کے دوران عقلی اور منطقی لحاظ سے مسحور کن طریق پر دلائل دینا، نیز خدا تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر بے اختیار ہو کر آبدیدہ ہو جانا ایسی صفات تھیں جو دل میں بیٹھتی چلی گئیں۔ اور میں حضورؒ کی شخصیت کا گرویدہ ہوتا چلا گیا۔

گو کہ میں دل سے احمدی ہو گیا تھا لیکن مجھے اپنے احمدی ہونے کا اعلان کرنے میں ابھی بھی انقباض تھا۔ اب میں نے بڑی باقاعدگی سے نماز پڑھنی شروع کر دی تھی اور اکثر تہجد بھی ادا کرنے لگا تھا۔ یہ تبدیلی میری بیوی کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ کچھ دن تک یہ سب دیکھنے کے بعد ایک روز وہ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی:۔ کیا آپ مجھے بتائیے بغیر احمدی تو نہیں ہو گئے؟ میں نے کہا کہ کیا صرف احمدی ہی نماز روزہ کی پابندی کرتے اور تہجد ادا کرتے ہیں؟

گو اس جواب کے بعد میں چپ ہو گیا لیکن میرے دل میں بار بار یہی خیال آتا رہا کہ آج تک میں جس اسلام کو مانتا تھا اس نے تو کبھی مجھ میں ایسی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی، اس نے تو کبھی مجھے تہجد کے لئے اٹھنے پر مجبور نہ کیا تھا۔ اس لئے میری بیوی اپنے اس اندازے میں بھی سچی ٹھہری اور یہ حقیقت سمجھنے میں بھی سبقت لے گئی کہ آج کل کے زمانہ میں ایسی تبدیلی احمدیت یعنی حقیقی اسلام کا ہی کرشمہ ہو سکتا ہے۔

میں اپنی اسی ڈگر پر چلتا رہا یہاں تک کہ 1998ء کا سال آ گیا جس میں مجھے شوگر نے آ لیا اور اس بیماری نے میری زندگی میں بہت سی چیزوں کو بدلنے کے علاوہ میرے کبر کے بت کو بھی توڑ ڈالا اور میں نے اپنی بیوی کو یہ خوشخبری سناتے ہوئے کہا کہ تمہیں مبارک ہو کہ تمہاری ساری

دعائیں قبول ہوگئیں کیونکہ میں کافی عرصہ سے اپنے آپ کو احمدی سمجھتا ہوں لیکن احمدیت کا اعلان کرنے میں میرے نفس کی اَنا آڑے آتی رہی لیکن آج میں تمہارے ذریعہ بیعت فارم پُر کرنا چاہتا ہوں۔

جلسہ سالانہ یوکے میں شرکت

2000ء میں ہمیں جلسہ سالانہ یوکے میں شرکت کی توفیق ملی۔عجیب سماں اور عجیب منظر تھا۔جلسہ کے دوران مجھے ایسے لوگ ملے جن کو اس سے قبل بالکل نہیں جانتا تھا لیکن ان میں ایسی محبت دیکھی جس کی جھلک میں نے اپنی سابقہ زندگی میں نہ دیکھی تھی۔انکی محبت کی صرف ایک وجہ تھی کہ وہ بھی میری طرح احمدی تھے۔

مجھے یاد ہے میرے لندن پہنچنے کے ساتھ ہی ایک پاکستانی نوجوان کی ڈیوٹی میرے ساتھ لگا دی گئی۔ہم دونوں ایک دوسرے کی زبان سمجھنے سے قاصر تھے پھر بھی وہ میرا سایہ بن کر ایسے خدمت کرنے لگا کہ میں کسی چیز یا کام کی طرف ابھی اشارہ ہی کرتا تھا کہ وہ اس کی انجام دہی کے لئے دوڑ پڑتا تھا۔وہ اس وقت تک میرے ساتھ رہا جب تک میری ملاقات دمشق سے جلسہ میں شمولیت کے لئے آئے ہوئے تین مربیان سے ہوگئی یعنی محمد احمد نعیم صاحب، داؤد احمد عابد صاحب اور محمد طاہر ندیم صاحب۔اس کے بعد میرا زیادہ تر وقت ان کے ساتھ گزرا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے پہلی ملاقات

اس جلسہ میں میری حالت یہ تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہر ہر بات اور ہر حرکت وسکون جو مجھے نظر آتا تھا اس کا اثر میرے تن بدن پر اور دل میں مجھے محسوس ہوتا تھا یہاں تک کہ جب بھی حضور انور کو کہیں جاتے ہوئے دیکھتا تو باوجود ہزاروں کے مجمع کے میں اس یقین کے ساتھ ہاتھ ہلانے لگتا تھا کہ جیسے حضور صرف میری طرف ہی دیکھیں گے۔

جلسہ سے قبل مسجد میں شاید کسی کے نکاح کا اعلان تھا جس کے بعد حضور انور جب واپس تشریف لے جانے لگے تو ہم لوگوں نے فورًا حضور کے گزرنے کیلئے جگہ خالی کر دی۔حضور انور نے واپس جاتے جاتے اچانک میرے سامنے توقف فرمایا اور مجھے شرف مصافحہ بخشا۔فرطِ

خوشی سے میں تو جیسے بیہوش ہوتے ہوتے بچا۔حضور انور نے اردو میں کچھ پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ مجھے اردو نہیں آتی۔ چنانچہ ایک مسحور کن تبسم کے ساتھ حضور نے انگلش میں میرا حال دریافت فرمایا نیز پوچھا کہ میرا تعلق کس ملک سے ہے۔پھر وہی پیاری سی مسکراہٹ کا جلوہ عطا فرماتے ہوئے تشریف لے گئے۔ میرے اردگرد کے احمدی مجھ پر رشک کر رہے تھے جب کہ مجھے خوشی کے ساتھ اندر سے یہ حسرت کاٹے جا رہی تھی کہ حواس باختگی کے عالم میں میں حضور انور کے دست مبارک کو بوسہ دینے کا شرف نہ حاصل کر سکا۔

ایک ہفتہ کے بعد ہماری پہلی فیملی ملاقات تھی۔کسی کی ملاقات کا یہ منظر میں نے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔بیرونی کمرہ ملاقات کے منتظر احباب سے بھرا ہوا تھا۔کوئی اپنے اس تحفہ کی آرائش میں مگن تھا جو وہ حضور انور کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تھا۔کوئی ہاتھ میں پکڑے ہوئے ان خطوط کی ترتیب میں مصروف تھا جو وہ حضور کے لئے لے کے آیا تھا اور کوئی اپنے اور اپنے بچوں کی ظاہری وضع قطع اور لباس کو بار بار چیک کر رہا تھا۔ پاکستان سے آئے ہوئے مہمانوں کی اکثریت نے اس خوشی کے موقعہ پر اپنے چہروں پر آنسو سجائے ہوئے تھے۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ پاکستان میں احمدیوں کے مشکل حالات اور خود ان کی مالی مشکلات کے پیش نظر یہ احمدی اس لئے اشکبار تھے کہ شاید خلیفہ وقت سے ان کی یہ آخری ملاقات ہو اور دوبارہ آنے کا موقعہ نہ مل سکے۔

ہماری باری آئی تو اس دفعہ میں حضور انور کے دست مبارک کو بوسہ دینا نہیں بھولا اور حضور انور سے عرض کیا کہ میں معانقہ کرنا چاہتا ہوں۔حضور انور نے کمال شفقت سے اپنے بازو کھول دیئے اور میں جیسے کسی امن کے حصار میں آگیا۔میں روح تک سیراب ہو گیا۔نہ جانے کب تک میں اسی کیفیت میں رہا اور حضور انور نے مجھے اپنے سے الگ نہیں فرمایا بلکہ مجھے خود ہی ان لوگوں کا خیال آیا جو سرِ مژگاں اشک سجائے اپنے اس امام کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے نہ جانے کب سے منتظر تھے۔حضور نے اس ملاقات میں ہمیں اپنی دعاؤں اور شفقتوں سے نواز دیا۔

حضور انور نے میرے بچوں کو فرمایا کہ تم نے بہت اچھا قصیدہ پڑھا تھا۔میں حیران تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیسا امام عطا فرمایا ہے کہ اتنی شدید مصروفیت اور ہزاروں لوگوں کے ساتھ ملاقات کے باوجود دو تین روز قبل کے اس واقعہ کو یاد رکھا۔ واقعہ یوں ہوا تھا کہ دو تین روز قبل

حضور انور کی طرف سے مہمانان کی دعوت کے دوران میرے بچوں نے لوکل مراکشی زبان میں ایک قصیدہ پڑھا تھا، حضور انور نے اس کو بھی یاد رکھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ سے ملاقات

2004ء میں مجھے جلسہ سالانہ یو کے میں شرکت کی توفیق ملی۔ جب ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو ہو بہو وہی احساس وجذبات تھے جو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے پہلی ملاقات کرتے وقت تھے۔ مجھے ایک ذرہ بھی فرق نہیں محسوس ہوا تھی کہ حضور انور کا تبسم بھی وہی اور آنکھوں سے وہی شفقت اور رحمت اور بے پناہ پیار جھلک رہا تھا۔شاید یہ خلافت کا خاصہ ہے جو اللہ تعالیٰ ہر خلیفہ کو عطا فرما دیتا ہے۔

جبرالٹر کی چوٹیوں سے سلام

2006ء میں مجھے دوبارہ حضور انور ایدہ اللہ کی زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ عجیب بات یہ تھی کہ حضور انور مجھے جانتے تھے۔اور میری کیفیت اس وقت مزید عجیب ہوگئی جب حضور انور نے اس ملاقات میں فرمایا کہ 2005ء میں جب میں سپین گیا تو جبرالٹر کے پہاڑوں کی سیر کے دوران وہاں سے اپنے مراکشی احمدیوں کو السلام علیکم کہا تھا۔

خاکسار (محمد طاہر ندیم) عرض کرتا ہے کہ ان الفاظ پر غور کریں۔ان میں مضمر محبت اور شفقت کا سمندر موجزن ہے۔ یہ درست ہے کہ افراد جماعت احمدیہ کو اپنے آقا سے بے پناہ محبت ہے لیکن جو محبت ہمارے پیارے امام کو ہم سے ہے اس کے سامنے ہماری محبت بہت معمولی دکھائی دیتی ہے۔ذرا غور تو کریں کہ جبرالٹر کے پہاڑوں سے حضور انور کی نظر مراکش کے شہروں اور آبادیوں پر پڑتی ہے تو آپ کو وہاں پر بسنے والے اپنے خدام یاد آجاتے ہیں،اور ان کی محبت کا احساس اس قدر جوش مارتا ہے کہ بے اختیار ان کے لئے سلامتی کی دعائیں نکلنے لگتی ہیں۔آج ایسی بے نظیر محبت کی مثال صرف اور صرف جماعت احمدیہ میں موجود ہے اور یہ محبت بذات خود احمدیت کی سچائی کی ایک روشن دلیل ہے۔آج مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے والے اور آپ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سلام بھیجنے والے گواہ ہیں کہ

اس سلام کے جواب میں انہیں ایسی سلامتی کی دعائیں ملتی ہیں جن کی بنا پر وہ عافیت کے حصار میں آجاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا تھا کہ:

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

بعض اہم ایام

2007ء میں مجھے حضور انور کی طرف سے ایک ارشاد موصول ہوا جس میں مجھے صدر جماعت مقرر فرمایا گیا تھا۔ میرے لئے یہ بالکل حیران کن بات تھی کیونکہ میں اپنے آپ کو کبھی بھی اس قابل نہیں سمجھتا تھا۔ بہر حال حضور انور کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اب تک یہ ذمہ داری ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

2007ء میں مجھے رمضان کے ایام میں سے ایک ہفتہ کے لئے لندن رہنے کا موقعہ ملا۔ میری زندگی کے یہ شاید سب سے خوبصورت اور پر لطف ایام تھے جن میں پانچ وقت حضور انور کی اقتداء میں نمازیں ادا کرنے اور دعائیں کرنے کی توفیق ملی۔ اور ان دنوں میں میری ایک ایسی خواہش پوری ہوگئی جو شاید ہر احمدی کے دل میں جوش مار رہی ہو۔ ان دنوں ایک دستی بیعت کی تقریب کے دوران مجھے حضور انور کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی توفیق ملی۔ میرا دل چاہتا تھا کہ یہ لمحات طویل تر ہوتے چلے جائیں اور میں اسی حالت میں حضور انور کے قدموں میں بیٹھا رہوں۔

تبلیغی مساعی

تبلیغ کے معاملہ میں ہمارے فعال احمدی مکرم جمال اغزول صاحب کی تجویز پر ہم نے انٹر نیٹ پر ایک چَیٹ روم(Chat Room) کھولا جس میں شروع شروع میں ہمارے مراکشی لوگ ہی آتے تھے بعد میں تیونس اور لیبیا کے لوگ بھی آنے شروع ہوگئے۔ اس چَیٹ روم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے کئی احباب کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ جب ہمارے رُوم کی مقبولیت بڑھنے لگی تو ہمارے مخالفین نے شکایت کر کے اس کو بند کروا دیا۔ اس کے بعد مکرم جمال

اغزول صاحب نے کوشش کر کے ایک اور روم بنوا لیا جو بہت مشہور ہوا اور تقریباً تمام عرب ملکوں سے لوگ اس میں آتے رہے اور کئی اس کے ذریعہ احمدیت کے نور سے روشناس ہوئے۔اس کے بعد ہمارے ایک بہت ہی مخلص اور صالح احمدی مکرم ابوشیماء مصطفیٰ ابوعبیل صاحب نے اپنی جیب خاص سے ایک مشہور نیٹ ورک پر کمرہ کھول کر ہمیں دے دیا جس میں اب ہر ملک سے حق کی تلاش کرنے والوں کا ورود ہوتا رہتا ہے۔ہم اس میں اکثر الحوار المباشر یا پروگرام سبیل الہدیٰ کی آڈیو لگا دیتے ہیں۔نیز سوالات کے جوابات بھی دیئے جاتے ہیں۔

ایک سو نو مبایعین

2005ء میں ہمیں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے خط موصول ہوا جس میں حضور انور نے اس خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ 2008ء میں خلافت جوبلی کے موقعہ پر مراکش میں نومبایعین کی تعداد ایک سو کرنے کی کوشش کریں۔میں سوچ میں پڑ گیا کہ 1998ء سے لے کر 2005ء تک تو ہمارے ہاں نومبایعین کی تعداد صرف چار یا پانچ ہے پھر اگلے اڑہائی تین سال میں یہ تعداد سو تک کیسے پہنچے گی۔یہ ہدف نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن نظر آتا تھا۔ بالآخر سوچ سوچ کر یہی فیصلہ کیا کہ ہم خلیفۂ وقت کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے جو ہم سے بَن پڑتا ہے کرتے ہیں باقی خدا کے ہاتھ میں ہے اس نے اگر خلیفۂ وقت کے دل میں یہ تحریک فرمائی ہے تو اس کو پورا بھی خود ہی فرمائے گا۔

2008ء کا سال ختم ہوگیا اور ہماری انتہائی کوشش کے باوجود نومبایعین کی کل تعداد 73 ہوئی۔آپ میرے دل کی کیفیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیا ہوسکتی ہے۔مجھے اس بات کی تو خوشی تھی کہ کہاں مجھے تین چار کی بھی امید نہ تھی اور کہاں اللہ تعالیٰ نے ستّر سے اوپر نومبایعین عطا فرما دیئے لیکن اس بات کا بہر حال بہت دکھ تھا کہ ہدف کے قریب تو پہنچے لیکن پورا نہ کر پائے۔2009ء میں نومبایعین کی تعداد 100 سے تجاوز کر گئی،لیکن جس بات نے مجھے چونکا دیا یہ تھی کہ جن احباب سے میری بات ہوئی ان میں سے اکثر نے بتایا کہ ان کا جماعت سے تعارف 2005ء اور 2008ء کے درمیان ایم ٹی اے کے ذریعے ہوا اور وہ جماعت کی صداقت کے قائل ہوگئے اور اس وقت سے اپنے آپ کو احمدی سمجھتے ہیں لیکن ہمارا ان سے رابطہ 2009ء میں

ہوا۔اگر ان احباب کو شامل کرلیا جاتا تو 2008ء میں حضور انور کی خواہش کے مطابق سو نومبایعین کا ٹارگٹ پورا ہوگیا تھا۔

میرا یہ بات بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خلیفۂ وقت کی طرف سے جب بھی کوئی ارشاد موصول ہو خواہ وہ بظاہر کتنا ہی مشکل نظر آئے اگر ہم دعاؤں ،نیک نیتی ، اخلاص اور اپنی پوری محنت ،تندہی کے ساتھ اس کی تکمیل کی کوشش کریں تو ضرور خدا تعالیٰ فضل فرمائے گا اور وہ کام ہو کر رہے گا۔انشاء اللہ۔

جلسہ سالانہ سپین

مارچ 2010ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جلسہ سالانہ سپین کو رونق بخشی ۔اس جلسہ میں جماعت احمدیہ مراکش سے بھی ایک مختصر وفد شامل ہوا۔جب مراکش کے بعض احمدیوں کو اس کا علم ہوا تو بعض نے مجھے حضور انور کی خدمت میں ان کی طرف سے سلام اور دعا کی درخواست عرض کرنے کا کہا ،بعض نے خطوط لکھ کر دیئے اور الحمد للہ تین احباب نے بیعت بھی کی جن کے بیعت فارم لے کر میں جلسہ میں حاضر ہوا۔

اس سفر میں ہم نے خدا تعالیٰ کی غیر معمولی رحمتوں اور فضلوں کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کیا۔اول تو ویزا کا حصول اتنی آسانی سے ممکن ہوگیا جس کی توقع ہی نہ تھی۔دوسرا آج کل کے عالمی مالی بحران کے پیش نظر مراکش سے سپین آنے والے ہر شخص کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس لئے سپین میں داخلہ کے وقت خوب تفتیش کی جاتی ہے۔لیکن ہمیں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

سپین پہنچے تو وہاں نہ کوئی ہمارا اہل زبان اور نہ رشتہ دار تھا لیکن ایسے لوگ تھے جن کی محبت اور اخوت کے جذبے کی وجہ سے ہمارے دل ایک ایسے نا قابل بیان حسین رشتہ اخوت کو محسوس کر رہے تھے جس کی دنیاوی قرابت داریوں میں مثال نہیں ملتی۔

اگلے دن حضور انور مسجد بشارت کے صحن میں تشریف فرما ہوئے۔شاید حضور انور کی خدمت میں مراکش کے وفد کے آنے کی اطلاع دے دی گئی تھی اس لئے حضور انور کے استفسار فرمانے پر ہم خدمت اقدس میں پیش ہوگئے۔حضور نے ازراہ شفقت مراکش میں اپنے خدام کا حال

دریافت فرمایا نیز فرمایا کہ مراکش اور الجزائر کے امازیغی قبائل سے تعلق رکھنے والوں کے لئے ہم عنقریب امازیغی زبان میں پروگرام اور خصوصاً خطبہ جمعہ کے تراجم ایم ٹی اے پر پیش کرنے والے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو ان کے لئے بہت خوشکن خبر ہے۔

میرے ساتھ اس وفد میں میرے دو بیٹوں کے علاوہ مکرم عمر بورقبۃ اور مکرم سعید ازکاغ بھی شامل تھے۔

مکرم عمر بورقبۃ صاحب ملکی سطح پر شہرت یافتہ آرٹسٹ ہیں۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے زمانے میں جماعت کی صداقت کے قائل ہوگئے تھے اور شاید بیعت کا خط بھی لکھا تھا جس کے بعد اب تک ایم ٹی اے کے ذریعہ جماعت کے ساتھ منسلک تھے۔ ان کو معلوم ہی نہ تھا کہ اب اس ملک میں جماعت کی تعداد خدا کے فضل سے سو سے تجاوز کر گئی ہے، بلکہ اس سے بھی عجیب بات یہ کہ یہ دوست میرے ہی محلّہ کے رہائشی تھے اور انہیں میرے بارہ میں اور مجھے ان کے بارہ میں کوئی خبر نہ تھی۔ آخر 2009ء میں ہمارا ایک دوسرے سے تعارف ہوگیا اور یوں وہ جماعت کا حصہ بن گئے۔ سپین میں حضور انور سے ملاقات کے دوران اس دوست نے صد سالہ خلافت جوبلی کے حوالے سے بنائی ہوئی اپنی ایک پینٹنگ پیش کی۔ حضور انور نے ازراہ شفقت انہیں الیس اللّٰہ بکاف عبدہ کی انگوٹھی عطا فرمائی۔

حضور انور سے ہماری علیحدہ طور پر بھی ملاقات ہوئی جس میں حضور نے اپنی شفقتوں سے ہمیں مالا مال فرمادیا۔ پیار ومحبت، اخوت ومودت وعقیدت، اور ایک عجیب روحانیت سے معمور جلسہ کے ایام بہت جلد گزر گئے لیکن ان کی پاکیزہ یادیں آج تک روح وقلب کو معطر کر رہی ہیں۔

❖❖❖❖❖

مکرمہ سناء الفاسی الحسنی صاحبہ

تعارف اور خاندانی پس منظر

میرا تعلق دار البیضاء مراکش سے ہے۔ میرے والد صاحب حسینی النسب ہیں اور اسی مناسبت سے ان کے آباء واجداد ''الحسونی'' لقب سے مشہور ہیں۔ میرے دادا جان کا ''الزاویۃ الحسونیۃ'' کے نام سے ایک دینی مدرسہ بھی تھا جس میں وہ دینی تعلیم کے علاوہ بچوں کو قرآن کریم بھی حفظ کروایا کرتے تھے۔ مَیں نے ان کو دیکھا ہے اور ان کی شخصیت اور نورانی چہرے سے بہت متأثر تھی۔ میری والدہ صاحبہ حسنی النسب ہیں اور ان کا خاندانی نام الحسنی ہے۔ یوں ماں باپ دونوں کی طرف سے میرا خاندانی نسب بفضلہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس خاندان سے ملتا ہے۔ اس لحاظ سے میرے دل میں کبھی کبھی یہ خواہش بہت جوش مارتی تھی کہ کاش میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت طیبہ اور نسل مبارک کے زمانہ میں ہوتی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی برکات سے مستفیض ہوتی۔

احمدیت سے پہلا تعارف

1996ء کی بات ہے کہ ایک دن مختلف ٹی وی چینلز دیکھتے ہوئے ہاٹ برڈ پر ایم ٹی اے دیکھا اس وقت اُردو میں بات ہو رہی تھی اس لئے مجھے کچھ سمجھ نہ آیا۔ دوسری بار جب مَیں نے ایم ٹی اے دیکھا تو اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کچھ فرما رہے تھے۔ مجھے ان کے چہرہ پر صدق وصفا اور طہارت وپاکیزگی کے ساتھ ساتھ خدائی نور چمکتا ہوا دکھائی دیا۔ مجھے اس وقت نہ جماعت کا علم تھا نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کا، پھر بھی حضور انور رحمہ اللہ کا چہرہ

مبارک دیکھ کر میرے دل نے کہا کہ یہ شخص سچا ہے۔حضور کی شکل وشباہت دیکھ کر مجھے میرے دادا جان یاد آ گئے جو ''الزاویۃ الحسونیۃ'' کے نام سے ایک دینی مدرسہ چلایا کرتے تھے اور نہایت نیک صالح اور باصفا انسان تھے۔ابھی تک مجھے احمدیت کے بارہ میں کچھ علم نہ تھا۔میں اس وقت ایک سکول ٹیچر کے طور پر کام کرتی تھی۔گرمیوں کی چھٹیاں مَیں نے سپین کے علاقہ غرناطہ میں گزارنے کا فیصلہ کیا جہاں میرے دو بھائی مقیم تھے اور چھوٹا موٹا کاروبار کرتے تھے۔مکرم مولانا کرم الٰہی ظفر صاحب مرحوم اسی علاقے میں رہتے تھے اور میرے چھوٹے بھائی قاسم کی دکان پر آتے جاتے اور انہیں احمدیت کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔

(وضاحت کے لئے عرض ہے کہ مرحوم ومغفور مولانا کرم الٰہی صاحب ظفر 1996ء میں پرتگال سے واپسی کے بعد چند ماہ کے لئے غرناطہ میں رہے تھے جہاں مکرمہ سناء صاحبہ کی ان سے ملاقات ہوئی۔اور اس کے تقریباً دو ماہ بعد ہی مولانا صاحب کی وفات ہوگئی۔ندیم)

مولانا کرم الٰہی ظفر صاحب کا طریق تبلیغ

جب مَیں غرناطہ پہنچی تو مکرم مولانا کرم الٰہی ظفر صاحب نے ہمیں اپنے گھر بلایا مَیں اپنے والدین اور بھائی کے ہمراہ ان کے گھر پہنچی تو مولانا صاحب کو دروازے پر منتظر پایا۔انہوں نے ہمارا پرتپاک استقبال فرمایا اور خوب آؤ بھگت کی۔مولانا کرم الٰہی ظفر صاحب کی سادہ طبیعت، عاجزی وانکساری، اور نیکی سے نیز بیماری کے باوجود ان کے غیر معمولی جوشِ تبلیغ میں بہت متاثر ہوئی۔مولانا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں بات شروع کی اور آپ کے خادم صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے بارہ میں وضاحت فرمائی کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل اور عکس ہیں اور آپ سے علیحدہ ہو کر کچھ نہیں ہیں بلکہ آپؐ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپؐ کا ہی علم بلند کر کے جماعت احمدیہ کی شکل میں سفینۂ نجات تشکیل دی ہے اور ہمیں اس میں سوار ہونے کے لئے بلا رہے ہیں۔مجھے یاد ہے کہ اس مفہوم کو زیادہ آسان زبان میں بیان کرنے کے لئے وہ ایک آئینہ بھی لے آئے اور اصل اور ظلّ یا عکس کا فرق ہمیں سمجھایا۔مولانا صاحب سپینش اور انگلش میں بات کرتے تھے اور میں اپنے والدین کو ترجمہ کر کے بتاتی تھی۔میرے والدین بار بار یہی کہتے تھے کہ ہم اہل سنت جماعت سے ہیں اور

ہمارا تعلق آل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ جبکہ مولانا صاحب یہی سمجھاتے رہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسی تعلیم اور اقدار کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائیں۔ مولانا صاحب کی باتیں سن کر میری حالت عجیب تھی آنسو رکنے کا نام نہ لیتے تھے اور میرے دل میں بڑی قوت کے ساتھ یہ احساس جاگزیں ہو گیا تھا کہ اگر میں نے اس جماعت میں شمولیت اختیار نہ کی تو پتہ نہیں کیا ہو جائے گا۔ کیونکہ اس مبعوث سماوی پر ایمان لانے کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے نسب ملنے کا کوئی معنی نہیں اگر میں نے آپ کی وصیت پر ہی عمل نہ کیا۔

دعا اور رؤیا کے ذریعہ راہنمائی

مولانا کرم الٰہی ظفر صاحب کے گھر سے واپسی پر مَیں عربی، فرنچ اور سپینش زبان میں جماعت کی بعض کتب لے آئی۔ نماز عشاء پڑھنے کے بعد میں نے ان کتب کا مطالعہ شروع کیا جو فجر سے ایک گھنٹہ پہلے تک جاری رہا جس کے بعد مَیں نے وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اے اللہ اگر تیرے نزدیک احمدیت میرے دین و دنیا اور آخرت کے لئے اچھی ہے تو پھر میرے دل میں اسکی محبت ڈال دے اور اگر تیرے نزدیک یہ میرے دین و دنیا اور آخرت کے لئے بہتر نہیں ہے تو مجھے اس سے اور اسے مجھ سے دور کر دے۔ اس کے بعد مَیں نے فجر کی نماز ادا کی اور پھر جو سوئی تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے کہتا ہے کہ تمہارا احمدیت کے بارہ میں کیا خیال ہے؟ مَیں جواب دیتی ہوں کہ مجھے تو بہت اچھی لگی ہے۔ اس پر وہ کہتا ہے کہ تمہارا دل جو کہتا ہے وہی کرو۔ اس کے بعد مجھے اطمئنان نصیب ہو گیا اور مَیں نے بیعت کر لی۔ مولانا کرم الٰہی ظفر صاحب کے ذریعہ بیعت کرنے والی مَیں آخری فرد تھی کیونکہ اس کے بعد ان کی وفات ہو گئی۔

مسجد بشارت کی زیارت

مولانا مرحوم کی وفات پر ہم مسجد بشارت کی زیارت کے لئے بھی گئے اور یوں مولانا مرحوم

کی خواہش بھی پوری ہوگئی کیونکہ وہ ہمیں مسجد بشارت دیکھنے اور احمدیوں سے ملنے کا کہا کرتے تھے۔ وہاں پر میرے والدین نے جب افراد جماعت احمدیہ کو نماز پڑھتے دیکھا تو ان کے کافی شکوک وشبہات دور ہوئے لیکن اس کے باوجود وہ یہی خیال کرتے رہے کہ جماعت کے شاید کوئی سیاسی اہداف ہیں یا یہ کہ احمدیت کی تبلیغ کا اثر عیسائیوں پر زیادہ ہوسکتا ہے کیونکہ احمدیت کا بھی عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایک خاص تعلق دکھائی دیتا ہے۔ بہر حال میرا جماعت احمدیہ کی طرف میلان دیکھتے ہوئے انہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ اپنے ملک واپس جا کر کہیں مجھے کوئی مشکلات نہ درپیش ہو جائیں۔

تسلی بخش تحقیق

مَیں نے ابتداء میں باوجود بیعت کر لینے کے اس امر کو اپنے والدین سے بھی مخفی رکھا اور اس عرصہ میں جماعتی عقائد اور دلائل کا مطالعہ کرتی رہی۔ دو امور کا بطور خاص ذکر کرنا چاہوں گی جن کے بارہ میں میری تحقیق نے میرے ایمان اور یقین کو مزید راسخ کر دیا۔

1۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں مَیں نے قبل ازیں دو آراء پڑھی ہوئی تھیں۔ ایک مروجہ رائے تھی جو مَیں نے اپنے نانا جان اور والد صاحب سے سنی ہوئی تھی۔ میرے نانا جان قدور الحسنی صاحب اپنے زمانے کے اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان تھے دینی علوم میں دسترس رکھنے کی وجہ سے انہوں نے فرانس، بلجیئم، ہالینڈ اور سعودیہ وغیرہ میں سینکڑوں طلباء کو پڑھایا۔ نیز مختلف دینی موضوعات کے علاوہ تاریخ عرب وغیرہ پر متعدد کتب بھی لکھیں۔ میرے نانا جان نے بتایا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہہ ایک شخص کو یہودیوں نے پکڑ کر صلیب پر لٹکا کر مار دیا جبکہ اصل مسیح کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھا لیا تا کہ وہ آخری زمانہ میں نازل ہو کر مسلمانوں کی راہنمائی کر سکیں۔

دوسری رائے مَیں نے بعد میں احمد دیدات کی پڑھی تھی جنہوں نے لکھا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہی صلیب پر لٹکائے گئے حتی کہ جب آپ بے ہوش ہوئے تو یہودیوں نے سمجھا کہ آپ کی وفات ہوگئی ہے ایسی حالت میں آپ کے حواری آپ کو صلیب سے اتار کر لے آئے اور مرہم پٹی کرتے رہے یہاں تک کہ آپ شفایاب ہو کر اس علاقے سے رخصت ہو گئے۔

یہ بات قرین قیاس تھی لیکن یہ تشنگی باقی تھی کہ آخر مسیح علیہ السلام نجات کے بعد کہاں گئے اور انہوں نے کیا کیا اور کتنا عرصہ زندہ رہے؟

بہر حال جب مَیں نے اس بارہ میں جماعت کی رائے پڑھی تو تمام کڑیاں ملتی چلی گئیں۔ مسیح کی ہجرت کا بھی پتہ چل گیا اور بعد کی زندگی کے بارہ میں بھی معلومات مل گئیں یوں جب تمام جزئیات مکمل ہو گئیں تو آسمان پر چلے جانے کی کہانی بالبداہت باطل ہو گئی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ حقیقت کو قبول کرنا نہایت آسان ہو گیا۔

{وفات مسیح علیہ السلام کے معاملہ میں غیر از جماعت مسلمان حضرات عجیب مخمصے میں پھنس چکے ہیں۔ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کے غلط معانی شاید کسی زمانے میں بعض عقول کے لئے قابل قبول تھے آج منصف مزاج اس عقیدہ کو بشدت ردّ کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس طرح کی حیلہ بازیوں سے پاک ہے۔ اس کے علاوہ یہ عقیدہ نصاریٰ کے حق میں جاتا ہے اور نصاریٰ کے اسلام پر حملوں کے ردّ میں مسلمانوں کو اس بارہ میں اپنی رائے کو بدلنا پڑا ہے۔ دوسری طرف بعض غیر از جماعت اب اس بات کے بھی قائل ہو گئے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے اور واپس نہیں آئیں گے۔ بلکہ بعض معاندین جماعت بھی اس عقیدہ کے قائل ہو گئے ہیں۔ لیکن یہاں پہنچ کر رک جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے نیز ان کے نزدیک یہ بھی حقیقت ہے کہ اب کسی نے بھی نہیں آنا۔ اور یہ موقف بھی انہیں مجبوراً اختیار کرنا پڑتا ہے کیونکہ اگر اس کے باوجود کسی کے آنے کا یقین رکھیں تو انہیں ہر حال میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ماننا پڑتا ہے کیونکہ حدیثوں میں مذکور آمد مسیح کا زمانہ گزرتا جا رہا ہے لیکن آپؑ کے علاوہ میدان میں کوئی دعویدار نہیں ہے۔

نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل عربی ویب سائیٹ ملاحظہ ہو جس پر بتفصیل وفات مسیح کے بارہ میں بحث کی گئی ہے اور فورم کے شرکاء کے سوالوں کے جواب ویسے ہی دلائل کے ساتھ دیئے گئے ہیں جیسے جماعت احمدیہ کے پیش کرتی ہے، جبکہ یہ ویب سائٹ غیر احمدیوں کی ہے۔ ویب سائٹ کا لنک یہ ہے:

http://www.bennoursalah.com/vb1/showthread.php?t=61

ان امور کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قول:

''وہ گھڑی آتی ہے جب عیسیٰ پکاریں گے مجھے''

کے عالمی سطح پر پورا ہونے کے دن قریب سے قریب تر ہوتے جارہے ہیں۔ندیم}

2۔ اس کے بعد مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے دلائل میں ایک بڑی دلیل کسوف وخسوف کا بھی مطالعہ کیا جو رمضان کے مہینے میں واقع ہوا تھا۔لہٰذا مَیں نے ''القرویین'' کے علاقہ میں فلکیات کے بارہ میں انسٹیٹیوٹ سے رابطہ کرکے اس بارہ میں معلومات حاصل کیں تو مجھے پتہ چلا کہ واقعۃً انہی تواریخ میں رمضان کے مہینے میں یہ واقعہ ہوا تھا۔اس تحقیق نے میرے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کو راسخ کر دیا۔فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

مراکش لوٹنے کے بعد بھی مَیں مولانا کرم الٰہی ظفر صاحب کی فیملی سے رابطہ میں رہی بلکہ ان کی بیٹی طاہرہ مراکش میں تشریف لائیں، نیز مراکش کے کئی احمدیوں سے رابطہ ہوگیا جو بفضلہٖ تعالیٰ آج تک جاری ہے۔

خواہش کی تکمیل

مَیں نے ذکر کیا ہے کہ میری یہ خواہش تھی کہ جیسے میرا نسب خاندان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے کاش مَیں اس زمانہ بھی پیدا ہوئی ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور آپ کی ذریت طیبہ کا زمانہ پایا ہوتا۔قبولِ احمدیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے میری یہ خواہش یوں پوری کردی کہ مجھے خلفاء کا زمانہ مل گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی ذریت کا عہد ہے،اس بات پر مَیں جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔

مکرم محمد ابراہیم اِخلف صاحب

ایک مخلص اور صالح نوجوان جن کی اللہ تعالیٰ نے قبول احمدیت کی طرف راہنمائی فرمائی، پھر اس کی تبلیغ سے اس کے اہل خانہ بھی احمدی ہوگئے، اسی کی تبلیغی کوششوں سے اس کی بستی میں بھی جماعت کا قیام عمل میں آیا۔ عربی کے علاوہ ڈچ اور مراکشی قبائلی ''امازیغی'' زبان بھی بولتے ہیں اور حضور انور کی ہدایت پر ان زبانوں میں مختلف پروگرامز بھی ریکارڈ کروا رہے ہیں۔ آیئے ان سے ان کے اس سفر کے بعض واقعات سنتے ہیں۔

میری پیدائش 1973ء میں ہالینڈ میں ہوئی جب کہ میرے والدین کا تعلق مراکش کے شمالی ساحلی علاقے سے ہے جہاں سے وہ کافی عرصہ پہلے ہالینڈ شفٹ ہوگئے تھے۔

میرا خاندان دینی اعتبار سے کافی حد تک مذہبی اور صوم وصلاۃ کا پابند تھا۔ گھر کے ماحول پر بھی مراکشی رنگ غالب تھا اس لئے باوجود ہالینڈ میں پیدا ہونے کے مجھے ایسے لگتا ہے کہ جیسے میں مراکش میں ہی پیدا ہوا۔ کچھ بڑا ہوا تو میرے والدین نے مجھے تین سال کے لئے مراکش بھیج دیا جہاں میں نے قرآن کریم پڑھا اور مراکش کے مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ مراکش کا طرز زندگی بہت مشکل تھا، ہمیں سکول جانے اور آنے کیلئے روزانہ دس کلومیٹر کے قریب چلنا پڑتا تھا۔ صبح کے وقت سردی جبکہ دوپہر کو سخت گرمی ہوتی تھی۔ اس موسمی شدت اور مشکل حالات نے ہمیں جسمانی اور ذہنی طور پر مضبوط بنا دیا۔

جنّ، عذاب قبر اور عیسیٰ علیہ السلام

شروع سے ہی مجھے دینی امور میں دلچسپی تھی اور خدا تعالیٰ کی محبت اور قبولیت دعا کا یقین

تھا۔ مراکش میں رہائش کے دوران، جبکہ میں ابھی بچہ ہی تھا، بعض امور بڑی اچھی طرح ہمارے گوش گزار کرائے گئے۔ ان میں سے ایک یہ کہ مُردوں کو قبر میں عذاب دیا جاتا تھا۔ میرے دل میں اس قدر جستجو پیدا ہوئی کہ میں اپنی ایک بہن اور بھائی کو لے کر قبرستان جا پہنچا جہاں ہم قبروں کے ساتھ کان لگا لگا کر سننے کی کوشش کرتے رہے کہ شاید ہمیں کسی مردے کو عذاب دینے کی آواز سنائی دے۔ لیکن ہمیں کچھ سنائی نہ دیا۔

پھر ہمیں یہ کہا گیا کہ جنّات پرانے کھنڈروں اور ویران گھروں میں رہتے ہیں۔ چنانچہ ہم مختلف بے آباد مقامات پر گئے کہ شاید ہمیں کوئی جن دکھائی دے، لیکن وہ بھی نہ دکھائی دیا۔

پھر ہمیں بتایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چلے گئے ہیں۔ چنانچہ میں رات کو کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آسمان پر نظر دوڑاتا کہ شاید مجھے کہیں عیسیٰ علیہ السلام نظر آ جائیں۔ بہر حال یہ بچپن کی معصوم اور فطری سوچ کا نتیجہ تھا۔

اسلامی کتب کا مطالعہ اور سکول کی پڑھائی

مراکش سے واپسی کے بعد ابھی گو کہ ہماری عمر اتنی زیادہ نہ تھی لیکن اسلامی کتب پڑھنے کا خاص شوق پیدا ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ سولہ سال کی عمر تک ہم نے علمائے اسلام اور مستشرقین کی دسیوں کتب کا مطالعہ کر لیا تھا۔

اسلامی کتب کے مطالعہ اور قرآن کریم کی آیات و احادیث کو حفظ کرنے کے شوق کے باوجود میں سکول کی پڑھائی میں بہت کمزور تھا، جس پر میرے والد صاحب اکثر مجھے سزا دیتے تھے جبکہ میری والدہ بہت متفکر اور غمگین ہو جاتی تھیں اور بہت کثرت سے میرے لئے دعائیں کرتی رہتی تھیں۔ اسی عرصہ میں میں نے خواب میں اپنی آنکھوں کے سامنے سفید کاغذ دیکھا اور ایک آواز سنی کہ پڑھو، چنانچہ میں نے پڑھا پھر آواز سنائی دی کہ اس کو دوبارہ پڑھو۔ یہ آواز بار بار سنائی دیتی رہی کہ اس کو دوبارہ پڑھو اور ہر دفعہ وہ کاغذ میرے نزدیک سے نزدیک آتا گیا اور مجھے اس کی تحریر زیادہ سے زیادہ سمجھ آتی گئی۔

اس رؤیا کے بعد میں پڑھائی میں اچھا ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ہالینڈ میں جس بستی میں میں رہتا تھا اس میں دیگر عرب بھی تھے لیکن ان میں سے میں پہلا عربی تھا جو یونیورسٹی تک

پہنچا تھا۔

مسیح ہندوستان میں

انہی دنوں کی بات ہے کہ ایک دفعہ میں کتابوں کی ایک بڑی دکان پر تھا جہاں ایک کتاب خصوصی طور پر میری توجہ کا مرکز بنی جو جرمن محقق Holger Kersten کی تالیف Jesus Lived In India تھی۔ میں نے یہ کتاب خرید لی۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور حیات و وفات کا معاملہ مجھے شروع سے ہی بہت پریشان کرتا تھا اس لئے میں نے یہ کتاب بہت جلد پڑھ لی۔ اس کتاب کے مؤلف نے علمی طور پر ثابت کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں۔ میں کتاب پڑھتا گیا اور دل سے اس کے مضمون کو قبول کرتا گیا۔ اب میرے لئے صرف یہ سوال باقی تھا کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی ہے تو پھر قرآن کریم میں مذکور عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب سے کیا مراد ہے۔ اس کا حل بھی اس کتاب میں موجود تھا کیونکہ مؤلف نے ذکر کیا تھا کہ ہندوستان کے ایک شخص مرزا غلام احمد نے قرآن کریم میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صلیب کے الفاظ کا یہ معنی کیا ہے کہ وہ صلیب پر لٹکائے تو گئے لیکن اس پر فوت نہیں ہوئے تھے۔ اس بات نے مجھے مجبور کیا کہ میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی شخصیت اور آپ کے افکار و خیالات کے بارہ میں کچھ تحقیق کروں۔

تحقیق کا آغاز

یہ 90ء کی دہائی کے شروع کی بات ہے جب انٹرنیٹ وغیرہ کی سہولت اتنی عام نہ تھی نیز جماعت کی طرف سے انٹرنیٹ پر کسی قسم کا کچھ مواد میسر نہ تھا نہ ہی ہالینڈ میں جماعت کی تبلیغی سرگرمیاں اس قدر تیز تھیں اور مزید برآں یہ کہ مجھے بھی جماعت کے بارہ میں کچھ علم نہ تھا بلکہ اس کا نام تک نہ سنا تھا۔ جبکہ دوسری طرف ہالینڈ میں لاہوری جماعت بہت سرگرم تھی اور انہوں نے اپنا کافی لٹریچر وغیرہ بھی پھیلایا ہوا تھا۔ مجھے لائبریری میں ان کی ایک کتاب مل گئی جس میں انہوں نے بتایا تھا کہ ان کی جماعت حقیقی جماعت احمدیہ ہے نیز حضرت مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کی تحریرات کے حوالے سے لکھا تھا کہ دجال کیا ہے اور یاجوج وماجوج کی حقیقت کیا

ہے، کسر صلیب سے کیا مراد ہے وغیرہ وغیرہ، علاوہ ازیں یہ بھی لکھا تھا کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب غلطی پر ہیں۔ چونکہ مجھے اس وقت لاہوری جماعت کی حقیقت کے بارہ میں کچھ علم نہ تھا اس لئے اس مسئلے کو بالکل نہ سمجھ سکا بلکہ میرا سارا دھیان حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی شخصیت اور آپ کے افکار واقوال کی طرف تھا۔آپ کے حوالے سے جو بھی مضامین میں نے اس کتاب میں پڑھے میری عقل انہیں قبول کرتی گئی، لیکن چونکہ آپ کے دعویٰ کے بارہ میں لاہوری جماعت کوئی واضح موقف نہیں رکھتی جس کی بناء پر آپ علیہ السلام پر ایمان لانے یا نہ لانے کی بات ہوتی۔لہٰذا باوجود دلی طور پر ان تمام افکار ومفاہیم کو قبول کر لینے کے بھی آپ علیہ السلام پر ایمان لانے اور آپ کی جماعت میں شمولیت کا سوال پیدا نہ ہوا۔

تالیف منیف دیباچہ تفسیر القرآن

یہ ایام میرے لئے بہت مجاہدے اور روحانی تجربات کے ایام تھے۔میں بکثرت تہجد پڑھتا اور عبادت کرتا تھا نیز قرآن، احادیث اور صوفیاء کی کتب کا مطالعہ کرتا رہتا۔اور ایک گوشہ نشینی کی سی کیفیت میں وہ ایام گزار رہا تھا جن میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بہت فضل فرمائے اور خود میری راہنمائی فرمائی۔انہی امور میں سے ایک یہ بھی ہوا کہ میرا بڑا بھائی ایک دن حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی تالیف منیف دیباچہ تفسیر القرآن کا ڈچ زبان میں ترجمہ خرید لایا۔ یہ کتاب ایک غیر معمولی تالیف ہے۔اس میں توریت وانجیل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں پیشگوئیاں پڑھ کر بہت لطف آیا، پھر ردّ عیسائیت کے دلائل پڑھ کر میرے دل نے کہا کہ اس شخص نے تو عیسائیت کی صلیب توڑ کے رکھ دی ہے۔شاید مجھے اس بات میں زیادہ دلچسپی اس لئے بھی تھی کہ میں نے میٹرک تک پڑھائی کیتھولک سکول میں کی تھی جس میں ہمیں توریت وانجیل کے دروس بھی دیئے جاتے تھے لیکن باوجود اس یقین کے کہ اسلام ان ادیان پر غالب ہے میں دفاع سے عاجز تھا، تاہم دل میں یہ خواہش تھی کہ انکی صلیب کو اسلام کے قاطع دلائل سے توڑوں یا ٹوٹتا ہوا دیکھوں، اور اس کتاب کے مطالعہ سے میری یہ خواہش پوری ہوگئی۔

اس کتاب میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے گو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں زیادہ نہیں لکھا تاہم میں یہ پڑھ کر حیران ضرور ہوا کہ آپ اپنے آپ کو ابن مسیح موعود لکھتے

ہیں اورآپ کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ آپ کو وحی ہوتی ہے۔بہر حال اس کے باوجود بات آگے نہ بڑھی۔

فرشتہ صورت شخص

کچھ عرصہ مزید گزر گیا حتی کہ 1994ء کا سال آ گیا جب ہم نے ڈش لگوائی تو اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ پھر جماعت احمدیہ کی طرف میری راہنمائی فرمادی۔ہمیں ایم ٹی اے مل گیا جہاں حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ کی شخصیت کو دیکھتے ہی میں تو ان کا گرویدہ ہوگیا۔ جب میری والدہ نے حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ کو دیکھا تو ان کی حالت بھی عجیب ہوگئی کیونکہ انہیں سات سال قبل دیکھا ہوا اپنا ایک رؤیا یاد آ گیا۔ 1987ء میں ایک دن میری والدہ صاحبہ والد صاحب کے ساتھ بعض اختلافات کی وجہ سے بہت حزین وغمگین لیٹی ہوئی تھیں شاید ایسے میں ان کی آنکھ لگ گئی اور انہوں نے دیکھا کہ جیسے کمرے میں کوئی آ کر انہیں کہتا ہے کہ صبر کرو انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔وہ ایسا فرشتہ صورت شخص تھا کہ اس کی حسین صورت میری والدہ صاحبہ کے ذہن میں نقش ہو کے رہ گئی۔ پھر جب ایم ٹی اے پر حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ کو دیکھا تو وہ پکار اٹھیں کہ یہ تو وہی شخص ہے جس نے سات سال قبل مجھے رؤیا میں آ کر تسلّی دی تھی اور کہا تھا کہ صبر کرو انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

بنگالی ’’کافر‘‘

انہی ایام میں میری ملاقات اپنے گاؤں ’’درونین‘‘ کے رہائشی کچھ صومالیوں سے ہوئی جنہوں نے مجھے بتایا کہ آج وہ ایک بنگالی کافر سے ملے ہیں جس کا کلمہ لا إله الا الله محمد رسول الله کی بجائے احمد رسول اللہ ہے اور اس نے انہیں اپنے عقائد کی تبلیغ کی ہے۔ یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئے نبی پر ایمان لاتا ہے اور اس کا تعلق جماعت احمدیہ سے ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے جماعت احمدیہ کی بعض کتب پڑھی ہیں مجھے تو ان کی تفاسیر اور خیالات سے اتفاق ہے۔ ہاں البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں کسی نبی کو تسلیم نہیں کرسکتا جب تک کہ اس کا ثبوت قرآن کریم سے نہ دیا جائے۔ یہی سوچ کر میں اس بنگالی شخص

کے گھر جا پہنچا اور مجھے پکا یقین تھا کہ وہ قرآن کریم سے یہ بات ثابت نہیں کر سکے گا۔ بہر حال جب میں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور جونہی یہ شخص باہر نکلا مجھے اس کے چہرہ میں ایک غیر معمولی نور نظر آیا جسے دیکھتے ہی میرا دل بیٹھ گیا اور اپنے سارے مطالبے بھول کر میں نے اس سے بڑے احترام کے ساتھ عرض کیا کہ مجھے اپنے مسلک کی کچھ کتب پڑھنے کیلئے دیں۔ نہ جانے انہوں نے اس وقت مجھ میں کیا دیکھ کر کہا کہ میں یہاں اس بستی میں اکیلا احمدی ہوں اور میں ہمیشہ یہی دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ مجھے کچھ پھل عطا فرما۔ اس وقت مجھے ان کی بات سمجھ نہ آئی۔ لیکن جب میں احمدی ہو گیا تو سمجھا کہ پھلوں کی دعا سے مراد بیعتیں اور نئے لوگوں کا جماعت میں شامل ہونا ہے۔ بہر حال انہوں نے مجھے گھر میں بٹھایا۔ میری ان کے ساتھ مختصر سی گفتگو میں انہوں نے بتایا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری شرعی نبی ہی سمجھتے ہیں۔ اور میرے اصرار پر انہوں نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک کتاب ''ایک غلطی کا ازالہ'' کا ترجمہ دیا جس کو پڑھ کر میں سوچ میں پڑ گیا کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری شرعی نبی مانتے ہیں۔ اور کتاب کا مؤلف جس بات کا دعویدار ہے وہ اسلام کے مخالف نہیں بلکہ وہ خود کہتا ہے کہ میں اسلام کی ترقی اور اسی کو پھیلانے کیلئے آیا ہوں۔ لہٰذا مجھے اس معاملہ کے بارہ میں سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے کیونکہ اگر اس کتاب کا مؤلف اسلام کا بول بالا کرنے کے لئے آیا ہے اور وہ نبی ہے تو پھر مجھے ساری زندگی اس کے قدموں میں رکھ دینی چاہئے۔

دعا اور خدا کی راہنمائی اور بیعت

ان تمام مذکورہ سوچوں کے باوجود میں خود کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا میں نے اپنا سائیکل لیا اور اپنی بستی کے نواحی جنگل میں جا کر خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ یہ تحقیق شاید کئی سالوں پر محیط ہو، لیکن میں کئی سال کا انتظار نہیں کر سکتا۔ تو جانتا ہے کہ حق کیا ہے لہٰذا تین دن میں میرے لئے حقیقت کو آشکار کر دے۔ اس دعا کے بعد جب میں گھر واپس آ رہا تھا تو میں مسیح موعود علیہ السلام کے اس کلام پر غور کر رہا تھا کہ کس طرح چاند سورج کے مشابہ ہے اور اس کا ظل ہوتا ہے اور وہ سورج سے ہی نور اخذ کرتا ہے، اس لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بدر کامل ہونا سمجھ میں آنے لگا۔ میرے دل کی تڑپ کو اطمینان اور تسکین کا مرہم ملنے لگا پھر بھی میں

اپنی طرف سے کوئی قدم اٹھانے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرتا رہا کہ وہ خود میری راہنمائی فرمائے۔

دعا کے ان تین دنوں میں ظاہر ہونے والے دو امور ایسے تھے جن کا بیان یہاں پر ضروری ہے۔ایک یہ کہ میں نے مختلف ادیان کا مطالعہ کیا تھا اور ہر دین اور ہر فرقہ کی کوئی نہ کوئی بات اچھی بھی لگی تھی پھر بھی ان کے مطالعہ اوران کے بارہ میں غور وفکر نے میرے اندر کسی قسم کی کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی ،لیکن احمدیت کے متعلق تحقیق اور دعا کی وجہ سے میں واضح طور پر محسوس کر رہا تھا کہ جیسے میرا خدا تعالیٰ سے میرا تعلق پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گیا ہے اور مجھے اس کا زیادہ قرب میسر ہے۔

دوسرے یہ کہ ان تین دنوں میں میں نے بار بار رؤیا میں یہی دیکھا کہ میں لقاء مع العرب میں حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ اور مکرم حلمی الشافعی صاحب کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں۔ان امور کی بناء پر میں اگلے دن ہی اس بنگالی احمدی کے گھر گیا اور بیعت کر لی۔اس وقت میری عمر 22 سال تھی اور خدا کے فضل سے ہالینڈ میں بیعت کرنے والا میں پہلا عربی تھا۔

یہ بنگالی دوست بہت سادہ ،منکسر المزاج، نیک و دیندار ہیں، انکا نام کوثر احمد ہے اور یہ امیر جماعت بنگلہ دیش مکرم مبشر الرحمٰن صاحب کے بھائی ہیں۔

جوشِ تبلیغ

بیعت کے بعد مجھ میں تبلیغ کی ایک غیر معمولی طاقت آ گئی اور میں نے اپنے گھر والوں سے ہی ابتداء کی، ان میں سے بھی اپنے بڑے بھائی کو پہلے تبلیغ شروع کی اور بفضل خدا تعالیٰ دو ہفتوں کی تبلیغ کے بعد اس نے بیعت کر لی۔پھر چھوٹی بہن کو تبلیغ شروع کی اور ایسے محسوس ہوا کہ وہ پہلے ہی قبول کرنے کیلئے تیار بیٹھی ہوئی ہے۔پھر اس کے بعد میری والدہ نے بھی بیعت کر لی۔

اس کے بعد میرے چھوٹے بھائی عزیزم یوسف اِخلف نے بھی بیعت کر لی اور اسے تفسیر کبیر اس قدر پسند آئی کہ دن رات اسی کو پڑھتا رہتا تھا۔اس کے بعد میری بڑی بہن مکرمہ یمینہ نے بھی بیعت کر لی۔ الغرض ہمارا سارا خاندان احمدی ہو گیا،سوائے ایک شخص کے اور وہ ہیں

میرے والد صاحب۔ دعا ہے کہ اللہ ان کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ ایام ہمارے لئے ایک طرف تو بہت خوشیوں اور خوش بختیوں کا پیام لے کر آئے کیونکہ ہمیں صراط مستقیم مل گیا اور معارف وعلوم کے خزانے ہمارے ہاتھ لگ گئے، جبکہ دوسری طرف حزن وملال کا بھی پیش خیمہ ثابت ہوئے کیونکہ احمدیت کی وجہ سے بہت سے رشتہ داروں اور دوستوں نے ہم سے قطع تعلق کرلیا اور سب سے زیادہ اس بات کا دکھ ہوا کہ والدہ صاحبہ کی والد صاحب سے علیحدگی ہوگئی۔ کیونکہ انہوں نے میری والدہ پر پابندی لگا دی تھی کہ وہ نہ خلیفہ وقت سے مل سکتی ہے نہ ہی کسی جماعتی فنکشن میں شرکت کرسکتی ہیں۔ ان امور کی بناء پر میری والدہ نے علیحدگی کا فیصلہ کرلیا۔

دنیاوی موت اور روحانی زندگی

بیعت کے وقت میری والدہ کی عمر 40 سال سے کچھ اوپر تھی۔ بیعت کرنے کے بعد ان کو اپنے ایک رؤیا کی حقیقی تعبیر سمجھ آئی جو انہوں نے سولہ سال کی عمر میں دیکھا تھا۔ انہیں خواب میں ایک آواز سنائی دی کہ چالیس سال کی عمر میں تمہاری دنیوی طور پر وفات ہو جائے گی لیکن اسی عمر میں تم روحانی زندگی پاؤ گی۔ دراصل اس روحانی زندگی سے مراد احمدیت قبول کرنا تھا۔ اور شاید دنیاوی طور پر وفات کا مطلب والد صاحب سے علیحدگی تھی۔

اس قربانی کی وجہ سے حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ میری والدہ اور ہم سب پر خاص شفقت فرمایا کرتے تھے۔

جماعت احمدیہ ''درونین''

قبول احمدیت کے بعد ہم جماعت احمدیہ کے افکار وعقائد پھیلانے لگے اور دعوت الی اللہ کے کام میں خوب سرگرمی پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت سے پھل بھی عطا فرمائے اور ہمارے گاؤں درونین میں اتنی تعداد ہوگئی کہ وہاں باقاعدہ جماعت قائم ہوگئی۔ ان نومبایعین میں سے ایک کا ذکر میں بطور خاص کرنا چاہوں گا اور وہ ہیں مکرم ''ٹام فنڈرسٹین'' صاحب جو کہ اصل ڈچ ہیں اور بفضلہ تعالیٰ امیر گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ دوست بہت آزادانہ خیالات

کے مالک تھے۔ پیسے کی فراوانی کی وجہ سے ہر خواہش پوری ہو جاتی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں غیر ملکیوں سے اور خصوصًا مراکش باشندوں سے بڑی ہمدردی تھی۔ میں احمدی ہونے سے قبل ہی اس دوست سے دین کے بارہ میں گفتگو کیا کرتا تھا اور وہ بڑے شوق سے سنتے تھے۔ پھر جب میں احمدی ہو گیا تو انہیں احمدیت کی تبلیغ کرنے لگا۔ بہر حال میرے تصور میں بھی نہ تھا کہ ایک دن یہ احمدیت قبول کر لیں گے۔ان کے علاوہ میں ان دنوں ایک اور ڈچ دوست کو بھی تبلیغ کر رہا تھا اور جب بھی اس بارہ میں دعا کرتا تھا تو حضرت ابراہیم کی دعا رَبِّ أَرِنِی کَیْفَ تُحْیِ الْمَوتیٰ ہی میرے منہ سے نکلتی تھی۔ کچھ دن کی تبلیغ اور دعا کے بعد میں نے رؤیا میں دیکھا کہ دونوں احباب نے بیعت کر لی ہے لیکن ٹام نے روحانیت میں بہت ترقی کی ہے جبکہ دوسرا شخص محض نام کا احمدی ہوا ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا یہ دونوں ہی احمدی ہو گئے۔ 'ٹام فنڈ رسٹین' بہت مخلص احمدی مسلمان ثابت ہوئے جبکہ دوسرا شخص بیعت کے بعد جماعت سے دور ہو گیا۔ دوسری طرف 'ٹام فنڈ رسٹین' نے وصیت بھی کر لی اور ہر نماز اور جمعہ پر آتے ہیں۔اور ان کی شادی ہالینڈ کے ایک احمدی ڈاکٹر کی بیٹی سے ہوئی ہے۔

صدر جماعت ''درونین''

درونین کے علاقے میں ہماری تبلیغی مساعی کو اللہ تعالیٰ نے بہت پھل لگائے۔ ہمارے ہاں جماعت تو قائم ہوگئی لیکن ابھی تک اس کا صدر نامزد نہیں کیا گیا تھا، شاید انتخاب اس لئے نہیں ہوا تھا کہ اکثریت نو مبایعین کی تھی۔اسی عرصہ میں میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہوں اور میں کہتا ہوں کہ میں چودہ سو سال پیچھے کیسے چلا گیا؟ اچانک اونٹنی مجھے ایک بہت سادہ سی مسجد تک لے جاتی ہے اور ایسے لگتا ہے کہ یہ مدینہ منورہ والی مسجد نبوی ہے۔ وہاں میں ایک قطار میں کھڑا ہو جاتا ہوں جہاں لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے منتظر ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں اب میں منافقوں اور مخلصوں میں تفریق کر دوں گا۔ چنانچہ آپ قطار میں کھڑے لوگوں میں سے مخلصوں اور منافقوں کو علیحدہ علیحدہ کرتے جاتے ہیں اور الحمد للہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے

مخلصوں میں شامل فرماتے ہیں۔

میں نے یہ خواب اس وقت کے ہالینڈ کے مربی سلسلہ مکرم صداقت احمد صاحب کو سنائی تو وہ مسکراتے ہوئے فرمانے لگے کہ ہم دعا کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ درونین کی جماعت کا صدر نامزد کرنے کے لئے خود ہماری راہنمائی فرمائے۔ اور اس رؤیا کے بعد ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ وہ شخص کون ہے۔ لہٰذا انہوں نے مجھے اس نوزائیدہ جماعت کا صدر مقرر کر دیا۔

إِنِّیْ مُهِیْنٌ مَّنْ أَرَادَ إِهَانَتَکَ

1۔ میں ہالینڈ کی لیڈن یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا جب ہالینڈ کے قومی ٹیلیویژن نے ایک لائیو پروگرام میں اسلام کا نقطہءنظر بیان کرنے کے لئے بعض مسلمان طلباء کا انتخاب کیا جن میں ایک میں اور ایک امیر صاحب ہالینڈ مکرم ہبۃ النور صاحب کا بیٹا لطیف بھی شامل تھا۔ اس پروگرام میں خدا کے فضل سے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمودات کی روشنی میں حقیقی اسلامی نقطہ نظر پیش کرنے کی توفیق ملی جبکہ دیگر مسلمان طلباء نے ایسی صورت پیش کی کہ پروگرام کی میزبان کو کہنا پڑا کہ اس صورتحال کے پیش نظر میں کہہ سکتی ہوں کہ اگلے بیس سال میں اسلام ختم ہو جائے گا۔ تاہم دیکھنے والوں نے میرے موقف کو بہت سراہا اور کہا کہ آپ نے اسلام کا درست طور پر دفاع کیا ہے۔

اس واقعہ کے بعد ایک دن میں نے ارادہ کیا کہ میں اس علاقے کی مسجد کے امام شیخ خلیل سے ملوں تا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دو کتب خطبہ الہامیہ اور الاستفتاء کے بارہ میں ان کی رائے پوچھوں جو میں نے انہیں کچھ دنوں سے پڑھنے کیلئے دی ہوئی تھیں۔ گو کہ میں نے بعض احمدیوں سے مولویوں کے بارہ میں بہت کچھ سنا تھا لیکن میں سمجھتا تھا کہ اتنا برا تو شاید کوئی بھی نہیں ہوتا شاید بعض احباب اس میں کسی قدر مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوں گے، لیکن اس واقعہ کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اس سے بہت زیادہ برے ہیں جتنا کہ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ رمضان کے مہینے کا ظہر اور عصر کے درمیان کا وقت تھا۔ رمضان کی وجہ سے مسجد میں کافی لوگ موجود تھے۔ مجھے دیکھ کر بہت سے لوگ میری طرف آئے اور کہنے لگے کہ ٹی وی پروگرام میں آپ نے اسلام کا بہت اچھے طریق پر دفاع کیا تھا چنانچہ بعض میرے ساتھ مصافحہ کر رہے تھے

اور بعض دعائیں دے رہے تھے۔ بہر حال جب میں شیخ خلیل سے ملنے کے لئے انکے کمرہ میں داخل ہوا تو ہمارے درمیان کچھ اس طرح سے بات ہوئی:

شیخ خلیل: او گمراہ!

ابراہیم اِخلف: آپ مجھے ایسا کیوں کہتے ہیں؟

شیخ خلیل: اس لئے کہ تم قادیانی ہو۔ پھر مجھے گالی گلوچ اور لعن طعن سے بھر پور کلام سنایا۔

ابراہیم اِخلف: کیا آپ نے وہ دو کتب پڑھی تھیں جو چند دن قبل میں نے آپ کو دی تھیں؟

شیخ خلیل: مجھے ان کو پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے پہلے ہی تم لوگوں کی اصلیت کا علم ہے۔ تم پکے گمراہ ہو بلکہ تم تو عیسائیوں سے بھی بڑھ کر گمراہ ہو۔

ابراہیم اِخلف: ہم تو یہ مانتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ آپ بتائیں آپ کے عقیدہ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں؟

شیخ خلیل نے بولے بغیر اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔

ابراہیم اخلف: عیسائیوں کے عقائد کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں؟

شیخ خلیل نے دوبارہ بولے بغیر اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔

ابراہیم اخلف: ابھی ابھی آپ نے مجھے کہا تھا کہ میں عیسائیوں سے بھی زیادہ گمراہ ہوں لیکن اپنے جواب پر غور کر کے ذرا بتائیں کہ عیسائیوں جیسے عقائد کس کے ہیں؟

شیخ خلیل غصہ میں آ کر اپنی کرسی سے اٹھا اور مجھے گردن سے پکڑ لیا اور زور زور سے چلاّنے لگا۔ اتنے میں کسی نے دروازہ کھول کر پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ تو اس نے کہا یہ کافر ہے اور خطبہ الہامیہ پکڑ کر کہنے لگا کہ یہ قادیانیوں کا قرآن ہے۔ اور یہ لوگ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَحْمَد رَسُوْلُ اللّٰه پڑھتے ہیں اور اس طرح کے جھوٹ بولنے لگا جس کا میں تصور نہ کر سکتا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہو رہی تھی اور میں نے خود دیکھ لیا کہ یہ انہی علماء میں سے ایک ہے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کے نیچے بدترین مخلوق قرار دیا ہے۔ بہر حال اس مولوی نے وہاں موجود لوگوں کو میرے خلاف اس قدر بھڑکا دیا کہ کچھ لمحات کے لئے مجھے اپنی خبر نہ رہی اور جب ذرا سنبھلا تو دیکھا کہ میں فرش پر گرا ہوا تھا اور میرے ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ اور لوگ شاید میرے آخری لمحات سمجھ کر ایک دوسرے سے پہلے ثواب کمانے کے

جوش میں مجھے مارتے چلے جارہے تھے، بیچ بیچ میں یہ بھی آوازیں آرہی تھیں کہ اس مرتد کو قتل کردو۔ میں نے سوچا یہاں پر رکنے کا انجام موت ہے۔لیکن اگر میں یہاں سے بھاگ نکلا تو کل یہی لوگ احمدیوں پر ہنسیں گے کہ یہ بزدل لوگ ہیں۔لہٰذا یہ سوچ کر میں نے فیصلہ کرلیا کہ جو بھی ہو جائے میں خود یہاں سے نہیں جاؤں گا۔اسی ماردھاڑ میں چند لوگوں نے نہ جانے کیسے مجھے ان کے چنگل سے نکال کر مسجد کے باہر لا کھڑا کیا۔اس وقت میری یہ حالت تھی کہ نہ جسم پر کوٹ باقی رہا تھا اور نہ پاؤں میں جوتا جبکہ باہر سخت سردی تھی۔ اتنے میں مسجد سے ایک شخص نکلا جس کے پاس میرا جوتا تھا۔ میں نے کہا میرا جوتا دے دو۔ اس نے کہا: تم جوتے کے بھی قابل نہیں ہو۔ بہر حال میرے دو تین بار کہنے پر آخر اس نے جوتا دے دیا اور میں اسی حالت میں گھر تو واپس آ گیا لیکن اس واقعہ کو بھلانے کے لئے مجھے کافی وقت لگا۔

کچھ عرصہ بعد اسی امام مسجد نے ہالینڈ کی گورنمنٹ کے خلاف نازیبا کلمات کہے جن کی بنا پر انہیں عدالت میں طلب کیا گیا۔ چونکہ ہالینڈ میں غیر ملکیوں کے خلاف بعض لوگوں میں بہت نفرت پائی جاتی ہے اس لئے شاید کچھ سرپھرے بھی اس وقت عدالت میں پہنچ گئے اور جب یہ مولوی عدالت میں داخل ہونے لگا تو ان میں سے ایک نے مولوی کے منہ پر تھوک دیا جبکہ عدالت نے بھی اس کے لئے سخت قسم کی وارننگ جاری کی۔ یوں اللہ تعالیٰ کا اپنے مسیح سے کیا ہوا وعدہ یہاں بھی پورا ہوا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنے والے کو رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

2۔میں اپنے بھائیوں کے ساتھ اپنے گاؤں میں بہت زیادہ تبلیغ کیا کرتا تھا یہاں تک کہ احمدیت کا نام وہاں پر بہت مشہور ہو گیا۔ ہمارے گھر کے قریب ایک صومالی نوجوان رہتا تھا جو ہماری مخالفت کرنے لگا اور اس میں اتنا بڑھا کہ جماعت کے خلاف غلط پروپیگنڈہ کرنے لگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے بہت سے دشمن اسی بستی میں ہی پیدا ہو گئے۔ میں نے اپنی طرف سے اسے اور اس کے تمام خاندان کو جماعت احمدیہ کے عقائد کے بارہ میں مکمل وضاحت کر دی لیکن انہوں نے تکبر اور غرور کی وجہ سے کچھ بھی ماننے سے انکار کر دیا۔ میں جہاں بھی تبلیغ کیلئے جاتا یہ شخص وہیں پہنچ جاتا اور میری بات کاٹنے لگتا اور غلط سلط امور اور وساوس پھیلا کر لوگوں کو بددل کرنے کی کوشش کرتا۔ بلکہ ایک دن مجھے مارنے کے بھی درپے ہو گیا۔ بہر حال ایک دن کسی

ایسی ہی صورتحال میں میرے دل سے دعا نکلی کہ اے خدا میں اسے سمجھا تا ہوں تو سمجھتا نہیں بلکہ اس کے بالمقابل شیطان بن کر ہر ہدایت کی راہ پر بیٹھتا ہے اور مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں بدزبانی اور گستاخی کرتا ہے۔اے خدا تو ہی اسے سبق سکھا اور اس پر احمدیت کی سچائی ظاہر فرمادے۔ یہ شخص اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا بلکہ ان میں بڑھتا چلا گیا۔ایک دن یہ سائیکل پر کہیں جارہا تھا کہ کار سے ٹکرا کے اس کے نیچے آ گیا۔اس کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور ناک و منہ سے خون نکلنے لگا۔ہسپتال میں جا کر جب اسے ہوش آیا تو شدید درد کے باعث اس نے اپنی زبان نکالی اور اس پر اتنے زور سے کاٹا کہ زبان کا ایک حصہ بھی کٹ گیا۔اور پھر چند روز میں اس دنیا سے گزر گیا۔ یہ وہی زبان تھی جو مسیح موعود علیہ السلام کو گالیاں دیتی اور آپ کی شان میں گستاخیوں کی مرتکب ہوتی تھی۔اللہ تعالیٰ نے اسے عبرت کا نشان بنا دیا۔

3۔میرے بہنوئی کا ایک عزیز میرا بہت اچھا دوست تھا۔لیکن جب مجھے مسجد میں مارا گیا تو اس شخص کا رویہ بھی بدل گیا۔ایک دن یہ شخص اپنے دو دوستوں کے ساتھ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہمیں احمدیت کے بارہ میں بتائیں۔ میں جب بتانے لگا تو یہ تمسخر کرتے ہوئے ہنسنے لگ گئے۔اسی اثناء میں میرے بہنوئی کے اس عزیز نے کہا کہ میں نے آپ کا خلیفہ دیکھا ہے۔میں نے سمجھا شاید یہ سچ بول رہا ہے اور اس نے واقعۃً حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کو دیکھا ہے۔ میں نے پوچھا کہاں دیکھا ہے؟ تو کہنے لگا کہ میں نے اسے ’روٹرڈیم‘‘ میں ’’کراؤس کادیہ‘‘ روڈ پر سگریٹ پیتے ہوئے دیکھا ہے۔یہ روڈ منشیات بیچنے والوں کے حوالے سے مشہور ہے۔یہ سن کر میری برداشت ختم ہوگئی اور میں نے کہا کہ تو خدا کے پیاروں کے بارہ میں اس طرح کے نازیبا کلمات کہتا ہے اس لئے اب تُو خدا کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔اب تو خود ہی دیکھے گا کہ خدا تیرے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔اس وقت یہ دعا میرے دل سے بڑے درد کے ساتھ نکلی تھی۔ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ اس شخص کا ایکسیڈنٹ ہوا اور ٹانگ ٹوٹ گئی۔ان ملکوں میں حادثات کے موقعہ پر حادثہ کے شکار شخص کے بارہ میں بھی پولیس کچھ تفتیش کرتی ہے۔ لہٰذا تھوڑے عرصہ کے بعد پولیس نے اسے پکڑا اور اس کی کار کی ڈِگی سے منشیات برآمد ہوئیں۔جب مزید تفتیش کی گئی تو پتہ چلا کہ وہ غیر قانونی طور پر ہالینڈ میں رہ رہا ہے لہٰذا اسے جیل میں ڈال دیا گیا۔کیس کا فیصلہ اس کو مراکش واپس بھیجنے کی صورت میں ہوا اور ساتھ اس کے

ہالینڈ میں داخلہ پر بھی پابندی لگا دی گئی۔

پھر وہی ساقی ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی وفات سے ایسے لگا جیسے ہمارے سر سے تو سایہ اٹھ گیا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے خلافت کی رداء ایک اور پیارے کو اوڑھا کر دوبارہ ہمارے سروں پر وہ سایہ فرما دیا اور پھر یہ ساقی بھی اسی طرح روحانی ساغر و پیمانے بھر بھر کے لٹانے لگا۔ میں نے خلافت سے قبل حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو کبھی نہ دیکھا تھا۔لیکن اب جب بھی دیکھتا ہوں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ اگر میں نے آپ کو خلافت سے قبل دیکھا ہوتا تو ضرور پہچان جاتا کہ آپ ہی خلیفہ ہیں کیونکہ آپ کا چہرہ مبارک دیکھ کر بے اختیار دل سے گواہی نکلتی ہے کہ آپ خدا تعالیٰ اور خدا کے مسیح کے برحق خلیفہ ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی محبتوں اور شفقتوں کا مورد بنائے رکھے اور درِ خلافت کی چاکری کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

شادی

قریباً دو اڑھائی سال قبل جب مکرم محمد شریف عودہ صاحب امیر جماعت کبابیر ہالینڈ تشریف لائے تو میرے ساتھ شادی کے بارہ میں بات کی۔میں نے کہا کہ میں دعا کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بہتر رشتہ عطا فرمائے۔شریف صاحب نے کہا کہ شام کی ایک بچی کا رشتہ ہے۔ اس سے قبل میں نے رؤیا میں حضور انور کو دیکھا آپ نے مجھے معانقہ کا شرف عطا فرماتے ہوئے فرمایا کہ مبارک ہو۔میں نے جب حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ رؤیا بیان کیا تو حضور نے فرمایا کہ تمہیں عنقریب دو خوشیاں ملنے والی ہیں، کیونکہ ایک تو میرا نام مسرور ہے دوسرا میں نے خواب میں مبارکباد دی ہے۔ اور ایسا ہی ہوا چنانچہ شریف صاحب کا مذکورہ رشتہ طے ہو گیا اور حضور انور نے ہمارے نکاح کا اعلان خلافت جوبلی کے سال جلسہ برطانیہ کے آخری دن فرمایا جس میں بذات خود دو خوشیاں شامل تھیں۔ ایک تو حضور انور کی اس شفقت اور عنایت کی خوشی دوسرے ایک ایسے موقعہ پر یہ اعلان ہونا جو جماعت کی تاریخ میں نہایت غیر معمولی ہے۔ پھر اس

پر مستزاد یہ کہ حضوانور نے ہماری دعوت ولیمہ میں شمولیت فرما کر ہمیں اپنی شفقتوں اور محبتوں اور دعاؤں سے مالا مال فرما دیا۔

پھر حضور انور کی دعا کی برکت سے ہی ہم لندن شفٹ ہو گئے اور ہمیں مسجد فضل لندن کے قرب میں ہی گھر بھی مل گیا۔ جہاں سے ہر وقت حضور انور کا دیدار، آپ کے پیچھے نمازیں ادا کرنے اور مختلف پروگراموں میں شرکت کرنے کے مواقع میسر ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

مکرمہ ریم شریقی صاحبہ

مکرم ابراہیم اخلف صاحب کی اہلیہ مکرمہ ریم شریقی صاحبہ ہیں۔ ہماری درخواست پر انہوں نے اپنے احمدیت کی طرف سفر کے بارہ میں جولکھ بھیجا ہے اس کا خلاصہ انہی کی زبان میں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

میرا تعلق ملکِ شام سے ہے۔ میری پیدائش 1979ء کی ہے، میں نے 2002ء میں انگلش لٹریچر میں بی اے کیا اور ایک سال بعد 2003ء میں سعودیہ چلی گئی جہاں ایک میڈیکل کمپلیکس کے مینجمنٹ ڈیپارٹمنٹ میں مجھے نوکری مل گئی۔

2005ء کے آخر پر نہ جانے کیوں مجھے شدت کے ساتھ یہ احساس دامنگیر ہو گیا کہ میرے اہل خانہ کے ساتھ کچھ واقعہ ہوا ہے۔ شاید انہیں کوئی نقصان پہنچا ہے۔ میں بار بار انہیں فون کر کے پوچھتی لیکن وہ مجھے تسلی دیتے کہ سب ٹھیک ہے، لیکن میرا یہ احساس اس قدر شدید تھا کہ میں نے چھٹی لے کر ایک دفعہ خود سب سے مل کر تسلی کر لینے کا پروگرام بنا لیا اور اہل خانہ کو بھی بتا دیا کہ میں فلاں تاریخ کو آ رہی ہوں، جس پر میرے والد صاحب نے بتایا کہ اب اگر تم آ ہی رہی ہو تو میں بتا دیتا ہوں کہ تمہارا احساس درست ہے۔ تمہارے بڑے بھائی مہند شریقی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا جس میں اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اب آپریشن ہو چکا ہے اور وہ ٹھیک ہو رہا ہے۔

بھائی کی بیعت

اس حادثے نے میرے بھائی کو بستر پر رہنے پر مجبور کر دیا۔ اس حالت میں انہیں اپنا احمدی

دوست یاد آ گیا جو انہیں گزشتہ آٹھ سال سے تبلیغ کر رہا تھا۔ بہرحال میرے بھائی نے اس احمدی (جن کا نام ناصر الحمید ہے) سے جماعت کی عربی ویب سائیٹ اور ایم ٹی اے کے بارہ میں معلومات لیں اور پھر عربی ویب سائیٹ سے جماعت کی کتب کا مطالعہ کرنے لگے۔ چند ماہ کے مطالعہ اور تحقیق کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام ہی امام مہدی اور مسیح موعود ہیں جن کے آنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے اور جن کی بیعت کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے 2007ء میں ماہ رمضان میں بیعت کر لی جبکہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا عطا فرما دی تھی۔

اتفاق یا تقدیر

میں جب بھی سعودیہ سے گھر والوں کے ساتھ اور خصوصاً اپنی امی جان کے ساتھ بات کرتی تو جدائی اور اداسی اور اپنی تنہائی کی وجہ سے جذبات پر قابو نہ رکھ سکتی تھی اور آنسو نکل آتے تھے۔اسی رمضان کے آخر پر جس میں میرے بھائی مہند شریقی نے بیعت کی تھی میں اپنے دفتر میں ہی بیٹھی اپنی والدہ سے فون پر بات کر رہی تھی اور ساتھ روئے بھی جا رہی تھی کہ میرے آفس کا مینجر آیا اور مجھے روتے دیکھ کر واپس چلا گیا۔ کچھ دیر بعد جب میری بات ختم ہوگئی تو مینجر نے مجھ سے آ کے پوچھا کہ سب خیریت تو ہے۔میں نے عرض کیا کہ سب ٹھیک ہے بس رمضان کا مہینہ ہے اور والدہ سے جدائی کی وجہ سے آبدیدہ ہوگئی تھی۔مینجر نے کہا کہ یہاں دفاتر میں رمضان کے آخری عشرہ کی چھٹیاں ہوتی ہیں اور پھر عید کے بعد بھی کچھ چھٹیاں ہیں لہٰذا بہتر ہوگا کہ تم اپنے اہل خانہ سے مل آؤ۔ میں نے کہا کہ جس قدر چھٹی کی مجھے اجازت تھی وہ میں پہلے ہی گزار آئی ہوں۔اس لئے اب اگر میں جاؤں گی تو اپنے خرچ پر جانا ہوگا اور میں اس کی متحمل نہیں ہوں۔مینجر نے کہا کہ ایک اچھی کمپنی کا فرض بنتا ہے کہ اپنے باصلاحیت اور مخلص کارکنان کا خیال رکھے۔اگر وہ ذہنی طور پر پُرسکون اور مطمئن ہوں گے تو زیادہ بہتر کام کر سکیں گے۔اس لئے آپ کی چھٹی اور جانے کا خرچ میڈیکل کمپلیکس کی طرف سے ہوگا۔یوں میں شام میں اپنے گھر پہنچی تو مجھے پتہ چلا کہ میرا بھائی احمدی ہو چکا ہے اور گھر میں سوائے ایم ٹی اے کے اور کچھ نہیں چلنے دیتا۔ میں نے آتے جاتے جو کچھ دیکھا اور سنا وہ نہایت اعلیٰ اور مسحور کن تھا۔لہٰذا

میں نے چینل کی فریکوینسی لے لی اور جب سعودی عرب واپس گئی تو ایم ٹی اے لگا کر دیکھنا شروع کر دیا۔ مجھے اسلام کے اس حقیقی چہرہ کا علم ہوا جسے مَیں برسوں سے دیکھنا چاہتی تھی۔ مَیں اس چینل کی دیوانی ہو کر رہ گئی۔ کام پہ جانے سے قبل ایم ٹی اے العربیہ دیکھتی رہتی، کام سے آتی تو ایم ٹی اے دیکھتی اور رات اس وقت تک دیکھتی رہتی جب تک کہ نیند کے غلبہ سے خود بخود ہی میری آنکھیں بند ہو جاتیں۔

جماعت سے رابطہ اور بیعت

چونکہ میں نے ظہور امام مہدی اور نزول مسیح کے بارہ میں بہت سی حدیثیں پڑھ رکھی تھیں اس لئے باوجود ایم ٹی اے کے پروگرامز کی شیدائی ہو جانے کے میرے بہت سے سوالات تھے۔ میں نے جماعت کی عربی ویب سے کچھ معلومات لینے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ سعودی عرب میں اسے سینسر کر دیا گیا ہے اور اس تک رسائی سعودی عرب میں ممکن نہیں ہے۔ اس سے میں بہت دل شکستہ ہوئی۔ پھر ایک دن مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کا پروگرام ''أجوبة عن الإیمان'' لگا ہوا تھا جس کے آخر پر اس پروگرام کی ویب سائٹ کا ایڈریس تھا جو میں نے نوٹ کر لیا۔ ڈرتے ڈرتے کہ کہیں یہ ویب سائٹ بھی سنسر نہ ہو چیک کیا تو توقع کے برعکس یہ کھل گئی، گو کہ یہ ویب سائیٹ عیسائیت کے بارہ میں تھی پھر بھی میں نے اس پر اپنے تمام سوالات بھیج دیئے اور ساتھ لکھ بھی دیا کہ جماعت کی عربی ویب سائٹ تک رسائی ناممکن ہے اس لئے مجھے بذریعہ ای میل جوابات دے دیئے جائیں تو ممنون ہونگی۔ کچھ دنوں بعد مجھے مکرم محمد شریف عودہ صاحب کی طرف سے ای میل ملا اور پھر میں نے ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ انہوں نے بڑے حوصلہ اور صبر سے میرے تمام سوالوں کے جوابات دیئے۔ ایک ماہ جاری رہنے والے اس سلسلہ سوال وجواب کے بعد میرے پاس اس کے علاوہ پوچھنے کے لئے اور کچھ نہ رہا تھا کہ بیعت کیسے کرتے ہیں۔ اور پھر میں نے بیعت کا خط لکھ دیا۔

میری زندگی بدل گئی

بیعت کے بعد میری زندگی مادی اور روحانی دونوں طور پر یکسر بدل گئی۔ بیعت کرنے کے

فوراً بعد میں نے عمرہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس سے قبل میں نے دس دفعہ عمرہ کی سعادت پائی تھی لیکن اس دفعہ کے عمرہ کا رنگ ہی کچھ اور تھا۔ اس روحانی لذت کا عشر عشیر بھی مجھے اس سے قبل میسر نہ آیا تھا۔ عمرہ سے قبل ہی میں نے رؤیا میں دیکھا کہ انتظامیہ نے طواف کا نظام بدل دیا ہے جس کی وجہ سے مجھے خانہ کعبہ کے بالکل قریب جانے کی توفیق ملتی ہے اور میں نے اس کی دیوار پر سر رکھ کر رونے لگ جاتی ہوں اسی طرح حجر اسود کو بوسہ دینے کی سعادت بھی ملتی ہے۔

جب میں عمرہ کے لئے حاضر ہوئی تو ایسے ہی ہوا، نہ جانے کیسے میں بڑی آسانی کے ساتھ خانہ کعبہ کے دروازے تک پہنچ گئی جہاں میں نے خوب رورو کر دعائیں کیں، پھر حجر اسود کو بوسہ دینے کی سعادت بھی نصیب ہوئی جب کہ اس سے قبل دس دفعہ عمرہ کے دوران یہ سعادت نہیں ملی تھی۔ پھر روضہء رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہی کیفیات طاری رہیں جبکہ پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔

مادی طور پر میری زندگی اس طرح بدلی کہ میری تنخواہ میں 100 فیصد اضافہ ہوگیا۔ اسی طرح میرا بڑا بھائی جس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا بھی کام کرنے لگ گیا۔

شادی اور خلیفۂ وقت کی دعا کا اعجاز

اپریل 2008ء میں مکرم محمد شریف عودہ صاحب کے ذریعہ ایک رشتہ بھجوایا گیا اور نہ جانے کس طرح اس قدر آسانی کے ساتھ میرے والدین بھی راضی ہو گئے اور حضور انور نے شفقت فرمائی اور خلافت جوبلی کے سال جلسہ سالانہ برطانیہ کے موقعہ پر ہمارے نکاح کا اعلان فرمایا۔

اس وقت میرے خاوند اور ان کے گھر والے ہالینڈ سے بیلجیئم میں شفٹ ہو چکے تھے۔ میں نے حضور انور کی خدمت میں دعا کے لئے لکھا کہ میرا بیلجیئم میں آنا آسان ہو جائے۔ حضور انور کی طرف سے جو جواب مجھے موصول ہوا اس میں لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ خارق عادت طور پر آپ کے سفر میں سہولت پیدا فرمادے اور ویزا کے حصول کو آسان بنادے۔ میں نے اپنے نکاح کی بناء پر بیلجیئم کے سفارتخانے میں اپنے خاوند کے پاس مستقل طور پر جا کر رہنے کے لئے اپلائی کیا تو انہوں نے نہ مجھ سے انٹرویو کیا، نہ ہی ڈچ زبان کا امتحان لیا بلکہ مجھے یہ کہا کہ تین دن بعد ہمیں ملیں۔ جب میں تین دن بعد گئی تو انہوں نے بغیر کسی سوال کے ویزا میرے سپرد کر دیا۔

اور یوں حضور انور کی دعا کے عین مطابق خارق عادت طور پر آسانیاں پیدا ہوگئیں۔اور میں اپریل 2009 میں بیلجیئم آ گئی۔

بہن اور والدہ کی بیعت

میری شادی کے بعد میری چھوٹی بہن نے بھی بیعت کر لی۔اس کے بعد میری والدہ نے بھی بیعت کر لی۔میری والدہ گو کہ اَن پڑھ تھیں لیکن نیکی، تقوی اور اعلیٰ اخلاق والی تھیں۔گو کہ اندرونی طور پر وہ احمدیت کی صداقت سے مطمئن تھیں لیکن خود بیعت کرنے کا مرحلہ شاید ان کے لئے بہت مشکل تھا۔ ہمیشہ کہا کرتی تھیں کہ میرے لئے جماعت کی صداقت کے لئے یہی نشان کافی ہے کہ تم اور تمہارا بھائی اور چھوٹی بہن احمدیت قبول کرنے کے بعد نیکی، تقویٰ اور روحانیت میں ترقی کر گئے ہو۔ایک دن ایسا فرمایا تو ان کے اور میرے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی:

ریم: کیا ہمارے اندر یہ تبدیلی اپنی کسی ذاتی خوبی کی وجہ سے آئی ہے یا یہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی پیروی کا نتیجہ ہے؟

والدہ صاحبہ: ظاہر ہے یہ امام مہدی کی تعلیم اور اس کی اتباع کا ہی نتیجہ ہے۔

ریم: پھر آپ بھی اسی شخص کی اتباع میں کیوں نہیں آ جاتیں جس کے بارہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر دکھا دیا ہے کہ وہ سیدھے راستے کی طرف ہی راہنمائی کرتا ہے۔

والدہ صاحبہ: میں ابھی دعا کر رہی ہوں کہ اللہ تعالیٰ احمدیوں کی تعداد بڑھائے اور میرے دوسرے بچوں کو بھی احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ریم: آپ خود احمدیت میں شامل ہو کر تعداد بڑھانے میں اپنا حصہ ڈالیں تو باقی لوگوں کیلئے بھی آپ کی دعا قبول ہوگی۔

والدہ صاحبہ: میں دل سے مطمئن ہوں، پھر اس کے علاوہ اور کیا چاہئے؟

ریم: آپ کو حضرت امام مہدی کے خلیفہ خامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی بیعت کرنی چاہئے۔

والدہ صاحبہ: اس کا کیا طریق ہے؟

میں نے شرائط بیعت پڑھ کر سنائیں تو کہنے لگیں یہ تو عین اسلام ہے اور یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی تعلیم ہے۔ مجھے یہ سب شرائط قبول ہیں۔اس طرح انہوں نے 67 سال کی عمر میں بیعت کر لی۔

بیعت سے چند ماہ کے بعد ہی میری والدہ کی برین ٹیومر کی وجہ سے وفات ہوگئی۔ میری والدہ نے والد صاحب کو اپنی بیعت کے بارہ میں نہیں بتایا تھا۔ اور ہمیں خطرہ تھا کہ ان کے جنازہ کے لئے والد صاحب کسی مولوی کو بلانے پر اصرار کریں گے۔ بہرحال دعائیں کرتے رہے۔ جنازہ کے وقت والد صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب کو بلائیں۔ میرے بھائی نے کہا کہ میں جنازہ پڑھاؤں گا۔ والد صاحب نے کہا کہ تم احمدی ہو۔ بھائی نے کہا میں جو کوئی بھی ہوں مرحومہ کا بیٹا بھی ہوں اس لئے مجھے ان کا جنازہ پڑھانے کا حق ہے۔ہمیں ابھی تک سمجھ نہیں آئی کہ میرے والد صاحب اتنی آسانی سے بھائی کی امامت پر رضامند کیسے ہوگئے جب کہ اس وقت جنازہ پڑھنے والوں میں چھ سات مولوی بھی موجود تھے۔

پیارے آقا نے بہت شفقت فرمائی اور میری والدہ صاحبہ کی نماز جنازہ غائب پڑھائی۔

احمدی ہونے کے بعد مجھے حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی انگریزی زبان میں تالیف My Mother کا عربی میں ترجمہ کرنے کی بھی سعادت ملی جو بفضلہٖ تعالیٰ اب چھپ چکی ہے۔

ستمبر 2009ء میں ہم حضور انور کی دعا اور مشورہ سے لندن شفٹ ہوگئے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں مسجد فضل لندن کے قریب گھر مل گیا ہے۔ جہاں سے حضور انور کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور خدا کے افضال وانوار ہر آن نازل ہورہے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

مکرم خالد اللیل صاحب

مکرم خالد اللیل صاحب کی پیدائش 1971ء میں دمشق میں ہوئی۔ انہیں 1986ء میں احمدیت قبول کرنے کی توفیق ملی۔ اس لحاظ سے ان کا ذکر 80ء کی دہائی میں بیعت کرنے والے احمدیوں میں ہونا چاہئے تھا لیکن اُس وقت ان کے بارہ میں معلومات میسر نہ تھیں اس لئے اب ان کا ذکر انہی کی زبانی کیا جاتا ہے۔

مکرم خالد اللیل صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

کم عمری میں ہی مجھے علماء کے آپس میں اختلاف پر سخت کوفت ہوتی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ اسلام میں مختلف فرقے اور جماعتیں نہ ہوں۔ اس عجیب خواہش کی تکمیل کے لئے میں اپنی بساط کے مطابق دل سے دعا بھی کرتا تھا۔ میں شیعہ فرقہ کے زیر انتظام چلنے والے ایک سکول میں پڑھتا تھا۔ شاید شیعہ عقائد اور شیعہ احباب کے زیر اثر تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے مجھے ایسے لگا کہ شیعہ عقائد ہی درست ہیں۔ لہٰذا میں نے اپنے دینیات کے استاد سے کہا کہ میں شیعہ فرقہ میں شامل ہونا چاہتا ہوں، اس کا کیا طریق ہے؟ اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا، لیکن مجھے نصیحت کی کہ ابھی تمہاری عمر چھوٹی ہے اس لئے ابھی کچھ سال انتظار کر لو اس کے بعد جو دل چاہے کر لینا۔

جماعت احمدیہ سے تعارف اور بیعت

1986ء کی بات ہے کہ میرے ایک دوست کے ذریعہ میرا تعارف مکرم ناصر عودہ صاحب مرحوم سے ہوا جو کہ ایک مخلص اور فدائی احمدی تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی زبوں حالی اور علماء

کی حالت و کردار پر بات کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ یہ ایسا وقت ہے جو ایک مصلح سماوی کے ظہور کا متقاضی ہے۔اس کے بعد انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر کیا اور پھر اس مصلح سماوی کے ظہور کے بارہ میں بتایا اور قرآن وسنت سے ان کی صداقت کے دلائل پیش کئے۔ یہ تمام مراحل طے کرنے میں چند دن صرف ہوئے۔ میں یہ تمام دلائل و براہین بڑے انہماک سے سنتا اور اپنے جسم میں عجیب روحانی لہریں سرایت کرتے ہوئے محسوس کرتا تھا۔ان دلائل کے بعد مجھے سچے خدا کی صفات کا علم ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی مقام ومرتبہ کا پتہ چلا اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگاہی اور اس کی حقانیت کا ادراک ہوا۔لہٰذا میں نے محض پندرہ سولہ سال کی عمر میں مکرم منیر الحصنی صاحب مرحوم کے ذریعہ بیعت کر لی۔

بیعت کے بعد مجھے پتہ چلا کہ قدیم احمدی بزرگان سوموار کے دن مرکز جماعت میں اکٹھے ہوتے ہیں جہاں نمازوں کے علاوہ سارا دن دینی امور کے بارہ میں تذکرہ جاری رہتا ہے، لہٰذا میں بھی ان کے ساتھ شامل ہونے لگ گیا۔

مخالفت اور رؤیا

بیعت کے بعد میں نے اپنی احمدیت کے بارہ میں کسی کو کچھ نہ بتایا تھا تاہم مجھ میں ایک غیر معمولی تبدیلی کو سب نے محسوس کیا۔اسی اثناء میں بعض مولویوں کے ایک فتنہ پرداز مرید کے ذریعہ میرے احمدی ہونے کی خبر میرے گھر والوں کو بھی ہوگئی۔میری والدہ صاحبہ نے میرے ساتھ بات کی اور اپنے خوف و پریشانی کا اظہار کیا، نیز یہ بھی کہا کہ شاید میری کم عمری کا فائدہ اٹھا کر غلط رستہ پر ڈال دیا گیا ہے۔میں نے ان کے تمام خدشات کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کے دلائل دیئے اور یہی کہا کہ میں نے اپنی مرضی سے احمدیت قبول کی ہے اور اس سے ہرگز علیحدہ نہیں ہوسکتا۔اس پر انہوں نے غصہ میں آکر مجھے ایک تھپڑ رسید کر دیا اور میرے گھر سے نکلنے اور افراد جماعت کے ساتھ ملنے پر پابندی لگا دی۔ یہ رات حُزن وملال سے معمور خیالات اور آنسوؤں کی برسات میں کٹی۔رات کے کسی حصہ میں جب نیند آئی تو میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب کھڑا ہوں جب کہ کچھ فاصلے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہیں اور ان کا قد بہت لمبا ہے۔آنحضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک جھاڑو نما چیز ہے جس سے آپ ان لوگوں کو دور کر رہے ہیں جو مجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔

اگلے دن میں کسی طرح گھر سے نکلا اور مکرم ناصر عودہ صاحب سے ملا اور جب ان کے سامنے اپنا یہ رؤیا بیان کیا تو انہوں نے مجھے بہت تسلی دی اور کہا کہ مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی بعثت ثانیہ ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں بشارت دی ہے کہ تم سے ہر قسم کا شر دور کر دے گا اور تمہارے اہل خانہ کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ رابطے اور دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے خاص فضل فرمایا اور میرے تین بھائیوں نے احمدیت قبول کر لی جن میں سے ایک مکرم احمد اللیل کو سعودی عرب میں اسیر راہ مولیٰ ہونے کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔اس کے بعد میری بہن نے بھی بیعت کر لی۔ اسی طرح میرے بعض دوست بھی امام الزمان کی جماعت میں شامل ہوگئے۔میری شادی مکرم ناصر عودہ صاحب کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے نیک اولاد سے نوازا ہے۔الحمد للہ۔

دعاؤں کا فیض

میری بڑی خواہش تھی کہ زیارت بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوجائے اور اس کے بعد قادیان اور ربوہ کے سفر کی بھی توفیق ملے نیز یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ دمشق میں اپنا گھر عطا فرمادے۔اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ میرے والدین کو اللہ تعالیٰ قبول احمدیت کی توفیق عطا فرمائے۔میں ان تمام امور کے بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ اور بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں مسلسل لکھتا رہا اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے خلافت کی دعاؤں کی برکت سے میری ساری خواہشیں پوری فرمادیں۔ مجھے 2005ء میں عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی اور اسی سال کے آخر پر قادیان جانے کی توفیق بھی ملی۔اس بستی میں اعلیٰ درجہ کی دنیاوی سہولتیں اور آسائشیں تو نہ تھیں تاہم روحانیت اور ایمان سے معمور فضاؤں سے مالا مال ہے۔اس میں مختلف قوموں اور مختلف ملکوں اور رنگوں کے لوگوں کا ہجوم تھا لیکن خلافت کے سائے میں یہ سب ایک وجود بنے ہوئے تھے۔ان کو دیکھ کر اس بستی کے گلی کوچوں

میں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام دہراتا رہا: يَأْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍ عَمِيْقٍ۔ بار بار میرے دل سے یہی صدا نکلتی رہی کہ اے مسیح موعود تو نے اپنے رب سے خبر پا کر کیا ہی سچی بات ارشاد فرمائی تھی اور کس شان سے یہ آج پوری ہو رہی ہے۔ یہاں بہشتی مقبرہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلیفہ اول حضرت مولوی نور الدین رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری کی توفیق بھی ملی۔ اس کے بعد مجھے ربوہ جانے کا موقعہ بھی میسر آیا۔ نیز لاہور میں مسجد دار الذکر میں نماز ادا کرنے کا اتفاق ہوا۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعاؤں سے میرے والدین نے بھی بیعت کر لی اور بفضلہٖ تعالیٰ مجھے نظام وصیت میں بھی شامل ہونے کی بھی توفیق ملی۔ الحمدللہ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلافت کے در کا چاکر بنا کر ان روحانی نعمتوں سے نوازتا چلا جائے، آمین۔

مکرم خالد الليل صاحب

مکرم سعید درویش صاحب

مکرم سعید صاحب بیان کرتے ہیں کہ: میرا تعلق مراکش سے ہے اور میرا جماعت احمدیہ کے ساتھ تعارف 1990ء کے آخر میں ہوا۔ میں مراکش سے ہجرت کر کے جرمنی آ گیا تھا اور ایک عرصہ سے یہاں کے شہر ''کاسل'' میں رہائش پذیر تھا۔ میں یہاں کی ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جایا کرتا تھا۔ایک دن وہاں میری ملاقات الجزائر کے ایک عرب دوست مکرم سمیر بوخطہ صاحب سے ہوئی، رفتہ رفتہ ہماری دوستی ہوگئی۔ ہم مختلف امور کے بارہ میں باتیں کرتے رہے۔

مسئلہ حیات ووفات مسیح

ایک دن مسلمانوں کی بدحالی اور تفرقہ کا ذکر چل پڑا اور ہم اس موضوع پر بات کرنے لگے کہ آخر مسلمان ایک دوسرے کی گردنیں کیوں کاٹ رہے ہیں اور ہر طرف سے ان کو ہی کیوں مار پڑ رہی ہے۔بات چلتے چلتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بارہ میں ہونے لگی۔اسی دوران سمیر بوخطّہ صاحب نے مجھے بتایا کہ ان کا ایک پاکستانی دوست عبدالسمیع ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہیں اور انہوں نے اب واپس نہیں آنا بلکہ جس کے آنے کا وعدہ ہے وہ ان کا مثیل ہے جو اسی امت محمدیہ سے ہوگا۔ میں نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ عیسیٰ علیہ السلام نے خود آسمان سے نازل ہوکر کسر صلیب اور قتل خنزیر کرنا ہے اور خزانے تقسیم کرنے ہیں۔سمیر بوخطہ صاحب نے مجھے کہا کہ اس پاکستانی دوست عبدالسمیع کا تعلق جماعت احمدیہ سے ہے اور اس نے اس مسئلہ پر مجھے ایک کتاب دی تھی جس کا نام ہے: ''القول الصريح في ظهور المهدي

والمسیح‘‘۔مَیں یہ کتاب تمہیں بھی دوں گا تا کہ تم بھی پڑھ لو پھر ہم عبد السمیع صاحب سے جا کر بات کریں گے۔

میرا حیات مسیح کا عقیدہ اس قدر راسخ تھا کہ اس کے بالمقابل وفات مسیح کی بات مجھے محض ایک کمزور اجتہاد دکھائی دیتی تھی۔ بہر صورت میں نے کتاب پڑھنا شروع کی تو مجھے شدید دھچکا لگا۔ میں خود سے پوچھنے لگا: کیا یہ درست ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی آیات بھی وفات مسیح کی خبر دے رہی ہوں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ احادیث اور اقوال سلف وخلف سے بھی وفات مسیح ثابت ہوتی ہو؟ اگر یہ درست ہے تو آج تک مجھے اس کا پتہ کیوں نہیں چلا، یا ان آیات واحادیث اور اقوال کا ذکر ہم نے کیوں نہ سنا۔ بہر حال میرے سوالوں کے جواب میں مکرم سمیر بوخطہ صاحب نے کہا کہ ہمیں عبد السمیع صاحب سے جا کر ملنا چاہئے۔ چنانچہ ہم ان سے وقت لے کر پہنچ گئے۔ ہماری بحث شروع ہوئی جو بہت گرما گرم رہی اور کئی دفعہ ہمارا غصہ جب حد سے تجاوز کرنے لگتا تو عبد السمیع صاحب ہمیں صبر کرنے اور تحمل سے کام لینے کی تلقین کرتے، اور کہتے کہ آہستہ آہستہ آپ کو سب کچھ سمجھ آجائے گا۔ مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آتی تھی کہ ایک طرف عیسیٰ علیہ السلام کے ظاہری نزول اور کسر صلیب وقتل خنزیر کی خبریں ہیں دوسری طرف عبد السمیع صاحب کہتے ہیں کہ وہ نزول ہو چکا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام آکر گزر بھی گئے تو پھر یہ مذکورہ امور کس طرح پورے ہوئے۔ چنانچہ میں بکثرت سوال کرتا تھا۔ بالآخر میں نے اس سے پوچھا کہ اچھا بتاؤ تمہارے مسیح موعود اور امام مہدی نے آکر آخر کیا ایسی تبدیلی کی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے شریعت کا احیاء کیا ہے اور اسلامی تعلیمات کو اسرائیلیات اور غلط اور بگڑے ہوئے اعتقادات سے صاف کر کے پیش کیا ہے۔ انہی امور پر میرے سوال جاری رہے اور عبد السمیع صاحب ایک کے بعد دوسری ملاقات میں ہمارے سوالوں کے جواب دیتے رہے۔ ہم ان سے ملنے کے بعد آپس میں بیٹھ کر دوبارہ ان امور پر بحث کیا کرتے تھے اور انبیاء کے قصص اور روایات اور مختلف تفاسیر کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کی تفسیروں سے موازنہ کرتے جس کی بنا پر ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ دیگر تفاسیر انبیائے کرام کی طرف توہین آمیز قصے منسوب کرتی ہیں جبکہ احمدی تفسیر ان کو معصوم اور ایسے عیوب سے پاک قرار دیتی ہے۔ اسی طرح ابتدائے خلق، پیدائشِ آدمؑ، سحر اور جنّ کی حقیقت، ناسخ ومنسوخ، اسراء ومعراج جیسے مسائل میں ایسے ٹھوس دلائل سے آراستہ

مفاہیم پیش کرتی ہے جن سے عقل ودماغ اور قلب کو اطمینان وتسکین نصیب ہوتی ہے۔

ضمیر کے رُوبرو

ان تمام امور کے پیش نظر مجھے ایک نہایت مشکل صورتحال کا سامنا تھا۔ میں اپنے نفس کی عدالت میں اپنے ضمیر کے سامنے کھڑا سوچ رہا تھا کہ آیا میں ان واضح دلائل اور روشن نشانات کا انکار کردوں یا ان کی تصدیق کر کے احمدیت میں داخل ہو جاؤں؟ میرے پاس انکار کے لئے سوائے اس کے اور کوئی دلیل نہ تھی کہ یہ اعتقاد میرے اہل خانہ اور آباء واجداد کے اعتقاد کے مخالف تھا۔ یہ دلیل ذہن میں آتے ہی میرا ضمیر مجھے آیات قرآنیہ کے ذریعہ یاددہانی کروانے لگا کہ: یعنی کیا تو لوگوں سے ڈرتا ہے جبکہ اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ میرے ضمیر نے ایک اور ضرب لگائی کہ تم پہلے شخص نہیں ہو جس کے دل میں ایسا خیال آرہا ہے بلکہ تم سے پہلے بھی ایسے لوگ گزرے ہیں جن کا حال یہ تھا کہ: (وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا) یعنی جب انہیں کہا گیا کہ اس پر ایمان لے آؤ جو خدا تعالیٰ نے اتارا ہے تو انہوں نے کہا نہیں، بلکہ ہم تو اسی طریق کی پیروی کریں گے جس پر ہمارے آباء واجداد تھے۔

استخارہ اور رؤیا

دلیل وحجت سے میرا دامن تہی ہو چکا تھا۔ ایسے میں خیال آیا کہ کیوں نہ استخارہ کر کے دیکھوں شاید اس طرح دل کی کیفیت کا کوئی علاج مل جائے۔

استخارہ کیا تو خواب میں دیکھا کہ میں ایک دروازے سے داخل ہوتا ہوں جہاں لوگوں کا ایک جمّ غفیر نماز باجماعت ادا کر رہا تھا۔ دروازے پر کھڑے دربان سے پوچھتا ہوں کہ یہ کون ہیں تو وہ ایک جھونپڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان لوگوں کے بارہ میں جاننا چاہتے تو اس جھونپڑی میں داخل ہو جاؤ جہاں ان کے بارہ میں ایک کتاب پڑی ہوئی ہے جسے پڑھوگے تو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ چنانچہ میں جا کر وہاں سے کتاب اٹھاتا ہوں تو میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ اس رؤیا سے میں نے یہی سمجھا کہ مجھے جماعت کی کتب پڑھنی چاہئیں۔

رؤیا کی تعبیر کے مطابق میں عبد السمیع صاحب کے پاس گیا اوران سے عربی زبان میں کتب کا مطالبہ کیا۔انہوں نے مجھے روحانی خزائن میں مطبوعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی کتب دیں۔میں نے یہ کتب پڑھنی شروع کیں تو حیرت واستعجاب کی تصویر بن کے رہ گیا ایسی اعلیٰ پائے کی فصیح وبلیغ زبان اورایسا دل موہ لینے والا انداز بیان پھراس اسلوب پر ذکرمعارف قرآن اورحقائقِ فرقان بلاشبہ عنایت خدائے رحمان اور عطائے ربّ دیّان ہے اورمؤلف کی صداقت پربیّن برہان ہے۔

خلیفۂ وقت سے خط وکتابت اور بیعت

چند کتب کے مطالعہ کے بعد میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ خط وکتابت شروع کر دی اوراپنے سوالات حضور انور کی خدمت میں بھجوانے شروع کر دیئے۔حضور انور کے جوابات، آیات کی تفسیر اوراسرائیلیات اورخرافات سے مبرّا صحیح اسلامی تعلیم کے بارہ میں جان کرقلب ووجدان میں اطمینان وسکینت جاگزیں ہوگئی۔انہی ایام میں مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک بڑی تلوارتھماتے ہوئے فرمایا کہ آؤ اب ہم کافروں کے ساتھ جنگ کریں۔

پھر کچھ دنوں کے بعد میں نے رؤیا میں حضرت امام مہدی ومسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا۔ آپ نے مجھے شرفِ معانقہ عطا فرمایا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔

اس کے بعد جرمنی میں مئی 1991ء میں خدام الاحمدیہ کا اجتماع تھا جس میں مجھے بھی حاضر ہونے کی توفیق ملی اورحضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے ملاقات اورآپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

بیعت کے بعد میں یکسر بدل گیا۔دین اسلام کی حقانیت، روحانی لذت، اورقرب الٰہی کے احساس جیسے قیمتی خزانے ملنے کے بعد کسی کی کیا کیفیت ہوسکتی ہے اس کا بیان لفظوں میں ممکن نہیں۔

مکرم ہشام الکردی صاحب

ان کا تعلق شام سے ہے۔انہوں نے ہماری درخواست پر دو اہم واقعات لکھ کرارسال کئے جوانہی کی زبانی کچھ اس طرح سے ہیں:

بیعت کا واقعہ

مکرم ہشام الکردی صاحب بیان کرتے ہیں کہ: احمدیت کی نعمت سے قبل میں مسئلہ فلسطین کے بارہ میں بہت سوچا کرتا تھا بلکہ میں نے اپنی زندگی فلسطین کے لئے وقف کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔لیکن احمدیت سے تعارف سے قبل اللہ تعالیٰ نے مجھے حقیقت سے آگاہ کر دیا کہ اس معاملہ میں بعض لوگ شہیدوں کے خون کی تجارت کرتے ہیں۔بہر حال اس کے بعد 1990ء میں دمشق میں مکرم ناصر عودہ صاحب مرحوم کے ذریعہ میرا جماعت کے ساتھ تعارف ہوا۔اور پھر ایک رؤیا کی بناء پر میں نے بیعت کر لی۔میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک دروازے پر گلابی یا گہرے فیروزی رنگ سے یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں: اَلْمُقَامُ الْاِبْرَاهِيْمِي الْخَلِيْلِيْ۔اسی طرح اس کے نیچے دو لائنوں میں بھی کچھ لکھا ہوا ہے۔میرے قریب جانے سے دروازے کے دونوں پاٹ باہر کی جانب کھلتے ہیں اور مجھے ایسے لگتا ہے جیسے یہ دو پاٹ دو ہاتھوں کی طرح کسی کے استقبال کے لئے یا اس کو آغوش میں لینے کے لئے کھلے ہیں۔اس رؤیا کے بعد میں نے بیعت کر لی۔

طلوع آفتاب

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی وفات سے قبل مَیں نے رؤیا میں ایک عجائب گھر

دیکھا جس کے دروازے پر دو گارڈ کھڑے تھے۔ پھر میری نظر سورج کی طرف اٹھی تو وہ مجھے دور مغرب کی جانب گرتا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ سورج کے گرنے سے کس قدر نقصان ہوگا اور تباہی برپا ہوگی۔ اسی لمحے میں نے آسمان کی طرف دوبارہ دیکھا تو اسی جگہ سے ایک نیا سورج طلوع ہوتا دکھائی دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نئے سورج نے تھوڑی سی حرکت کی تو اس کی حرکت سے بجلی کی کڑک کی سی آوازیں آنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی رؤیا ختم ہوگیا۔ بعد میں مجھے سمجھ آیا کہ سورج کے گرنے سے مراد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی وفات اور نئے سورج کے طلوع سے مراد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کا انتخاب تھا۔

مکرم عبد الکریم الفحصی صاحب

مکرم عبد الکریم صاحب بیان کرتے ہیں کہ: میرا تعلق الجزائر کے مغربی علاقے ''تیرت'' سے ہے۔ اس علاقے کی وجہ شہرت یہ ہے کہ یہاں ابن خلدون نے اپنا مشہور ''مقدمہ'' لکھا تھا۔ میرے والد صاحب کی اس علاقے میں ایک معمولی سی دکان تھی جبکہ ہمارا شمار ایک متوسط گھرانے سے ہوتا تھا۔ گھر میں دینی ماحول اور صوم وصلاۃ کی پابندی بڑی باقاعدگی سے کی جاتی تھی۔

سفر اور جماعت سے تعارف

1988ء میں الجزائر خانہ جنگی سے دوچار تھا۔ اس صورتحال میں ایک دن بعض مظاہروں میں اندھادھند فائرنگ سے مجھے بھی ایک گولی لگ گئی۔ ہمیں بڑی کوفت ہوتی تھی کہ اسلام کے نام پر بعض انتہا پسند ملک کا امن برباد کر رہے ہیں اور معصوم لوگوں کی جانوں سے کھیل رہے ہیں۔ لہٰذا میں نے ملک چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور 1989ء میں فرانس آ گیا۔ لیکن مجھے غریب الوطنی کے دکھوں کا اندازہ ہی نہ تھا۔ وطن سے دوری برداشت نہ ہوسکی لہٰذا محض تین ماہ کے بعد ہی واپس الجزائر چلا گیا۔ وہاں بھی صورتحال اطمینان بخش نہ تھی اس لئے دوبارہ 1991ء میں وطن چھوڑا اور سپین چلا گیا جہاں سے چھ ماہ کے بعد جرمنی شفٹ ہو گیا۔ 1992ء میں جرمنی میں جماعت احمدیہ کی طرف سے ایک شہر کے مرکز میں تبلیغی سٹال لگایا گیا تھا جس پر لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰه لکھا ہوا تھا۔ میں یونہی بغیر کسی مقصد کے اس سٹال پر چلا گیا۔ مجھے جرمن زبان نہیں آتی تھی اور سٹال پر موجود احباب کو عربی سے واقفیت نہ تھی تاہم وہاں پر عربی زبان

میں لٹریچر موجود تھا جو انہوں نے مجھے دے دیا۔اس ملک میں میری رہائش کی صورتحال بہت ہی غیر یقینی تھی لہٰذا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا تھا۔ بہر حال اس کیفیت میں بھی جماعت کے سٹال سے ملنے والا عربی لٹریچر اپنے ساتھ رکھا۔حتی کہ بالآخر جرمنی کے شہر کاسل میں جا کر رہائش اختیار کر لی۔اتفاق سے میرے ہمسائے میں ایک احمدی پاکستانی فیملی تھی۔یوں ان کے ذریعہ سے میرا تعارف اپنے ہم وطن مکرم سعید درویش صاحب سے ہوگیا اور پھر مکرم سمیر بو خطہ صاحب سے ملاقات ہوئی جن کو میں الجزائر میں بھی جانتا تھا کیونکہ وہ میرے ماموں کے دوست تھے۔انہوں نے مجھے ''القول الصریح فی ظهور المهدی والمسیح'' دی جس میں مذکورہ احمدی تفاسیر اور دلائل عقل و منطق کے عین مطابق پائے۔میں ان دوستوں کی معیت میں احمدیوں کے ساتھ نمازیں وغیرہ ادا کرنے لگا اور مختلف امور کے بارہ میں ہماری گفتگو بھی جاری رہی۔اسی اثناء میں مَیں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک بڑے معروف عیسائی سے مباحثہ کر رہا ہوں اور بالآخر میں نے اسے شکست دے دی ہے۔

درود شریف کی برکت سے نئی زندگی

چند روز بعد میں نے دوبارہ خواب میں دیکھا کہ میں ایک قبرستان میں ہوں اور لوگ مجھے دفن کرنے کا انتظام کر رہے ہیں۔میں نے دیکھا کہ میرے سر کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں اور آپ کے دائیں جانب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور بائیں جانب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں۔جب مجھے قبر کے اندر رکھ دیا گیا تو سب مٹی اور پتھر ڈال کر قبر کا منہ بند کرنے لگے۔اسی اثناء میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىَ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ کا بکثرت ورد کرتے رہو۔میں نے ایسا کیا تو پلک جھپکتے ہی قبر سے باہر نکل آیا۔

اس خواب کے بعد مجھے احمدیت کی سچائی کا یقین ہوگیا۔میں نے شرائط بیعت لے کر پڑھیں اور بیعت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔لیکن حقیقی طور پر بیعت مئی 1993ء میں گروس گیراؤ میں ہونے والے خدام الأحمدیہ جرمنی کے اجتماع میں کی جہاں بہت سارے جرمن اور بوسنین اور عرب احباب نے اجتماعی طور پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

خلیفۂ وقت کی شفقتیں

بیعت کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ میرا بہت ہی گہرا اور محبت کا تعلق قائم ہوگیا۔لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ حضور انور کو اپنے خدام سے اس سے بھی زیادہ محبت ہے۔اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب ایک مجلس سوال وجواب میں مَیں نے سوال کرنے سے قبل اپنا تعارف کروانا چاہا تو حضور نے فرمایا: تعارف کی ضرورت نہیں،عبدالکریم صاحب میں آپ کو جانتا ہوں۔حضور انور کے یہ کلمات سن کر میں ایک لمحے کے لئے اپنا سوال تک بھول گیا۔

اسی طرح منہائم میں جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ایک دفعہ میں اور سعید درویش صاحب دیگر جلسہ کے کارکنان کے ساتھ حضور انور کے انتظار میں کھڑے تھے۔حضور انور نے سب کو شرف مصافحہ بخشا جب ہماری باری آئی تو دریافت فرمایا کہ آپ کا تعلق کس ملک سے ہے۔ہم نے جواب دیا کہ الجزائر اور المغرب (مراکش) سے۔فرمایا: آپ لوگوں کی بیعت سے ایک رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی بھی پوری ہوگئی ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ آخری زمانہ میں اسلام کی ترقی کا سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی وفات کے بعد یہی تعلقِ عشق ووفا بفضلہٖ تعالیٰ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ بھی قائم ہے۔خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے احمدیت کی نعمت عطا فرمادی اور اس آبِ روحانی سے سیراب فرمایا۔

مکرم عبدالکریم القحصی صاحب

مکرم مُعْتَزْ القزق صاحب

مکرم معتز القزق صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

میری پیدائش 28 جنوری 1975ء کی ہے اور میرا تعلق دمشق سے ہے۔دمشق یونیورسٹی سے گریجوایشن کرنے کے بعداب مَیں Mathematics کے استاد کی حیثیت سے ملازمت کر رہا ہوں۔میری بیعت 1992ء کی ہے۔

ابتدائی حالات اور دینی رجحانات

میرے والد صاحب کا نام عبد اللہ اور میرے دادا کا نام خضر القزق ہے جو کہ فلسطین کے قدیم احمدیوں میں سے تھے۔میرے والد بہت سادہ اور نہایت مخلص احمدی تھے لیکن میری والدہ غیر احمدی تھیں اور ان دونوں کی علیحدگی ہو چکی تھی۔میرے والد صاحب دمشق میں جبکہ والدہ دوسرے شہر ''حلب'' میں مقیم تھیں۔ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ دمشق میں رہتا تھا لیکن افسوس کہ میں نے بچپن میں احمدیت کے بارہ میں کچھ نہ سنا۔بچپن ہی سے مساجد میں جاتا، دینی اجتماعات میں شرکت کرتا اور قرآن کریم سے بہت محبت رکھتا تھا حتی کہ روزانہ ایک دو گھنٹے تک تلاوت کرتا رہتا تھا۔تلاوتِ قرآن کا مجھ پر اس قدر اثر ہوتا کہ میں اکثر رو پڑتا۔لیکن دینی اجتماعات کے باقی پروگرام اس روحانی لذت کو ختم کر دیتے تھے۔اس لئے مجھے اجتماعات کے ایسے پروگراموں سے بہت نفرت تھی بلکہ سخت کوفت ہوتی تھی۔میٹرک تک دمشق میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں اپنی والدہ سے شدید محبت کی وجہ سے ''حلب'' چلا گیا اور ان کے ساتھ رہنے لگا۔والدہ کے غیر احمدی ہونے کی وجہ سے میری احمدیت کی طرف کبھی توجہ نہ ہوئی اور نہ اس کے

بارہ میں کبھی سوچا۔ ''حلب'' میں میرا دینی رجحان برقرار رہا۔ میرے اکثر دوست مولوی حضرات اور دینی میلان رکھنے والے لوگ تھے۔ میں ان کے سامنے کئی دفعہ اس خواہش کا اظہار کرتا تھا کہ کاش ہمارے زمانہ میں مسیح علیہ السلام نازل ہو جائیں تو ہم ان کی جماعت میں شامل ہو کر دین کی خدمت کی توفیق پائیں۔ پھر کئی دفعہ دل میں یہ تمنا بھی جوش مارتی کہ کاش میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتا۔

جماعت سے حقیقی تعارف

جماعت احمدیہ کے بارہ میں میری معلومات بہت ہی کم تھیں بلکہ جو کچھ علم تھا اس کا دارومدار مولویوں سے سنی سنائی باتوں پر تھا۔

میرا ایک بھائی ''لؤی القزق'' بھی میرے ساتھ رہتا تھا جسے میں مسجد جانے اور دینی امور میں دلچسپی لینے کی نصیحت کرتا۔ لیکن وہ مولویوں سے بہت متنفر تھا۔ میرے دادا کی وفات ہوئی تو میرے والد صاحب نے میرے اس بھائی سے کہا کہ وہ چند دن کے لئے دمشق آجائے۔ میرا بھائی والد صاحب کے پاس گیا اور کچھ عرصہ رہ کر جب واپس آیا تو میں نے اس میں ایک عجیب تبدیلی محسوس کی۔ وہ نمازوں کا پابند ہو گیا تھا بلکہ میں نے اسے نماز میں رو رو کر دعائیں کرتے ہوئے دیکھا تو مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ جب اس نے نماز ختم کی تو میں نے اس سے کہا کہ میں کافی عرصہ پہلے سے نمازوں کا پابند ہوں لیکن آج تک میں نے ایسی نماز نہیں پڑھی جیسی تم پڑھ رہے ہو۔ آخر اس تبدیلی کا سبب کیا ہے؟ اس نے کہا تم جاننا چاہتے ہو تو یہ چند اوراق پڑھ کر دیکھ لو۔ ان اوراق کو پڑھ کر جیسے مجھ پر بجلی گر گئی کیونکہ ان میں وفات مسیح علیہ السلام پر قرآن کریم کی آیات سے دلائل دیئے گئے تھے۔ مجھے ان مفاہیم اور واضح معانی پر حیرت ہو رہی تھی نیز اپنی جہالت پر رہ رہ کر رونا آرہا تھا کہ روزانہ ان آیات کی تلاوت کرتا تھا ان میں سے بعض مجھے زبانی یاد تھیں لیکن میرا ان آیات کو پڑھنا کبھی تجوید کی حد سے آگے نہیں گیا تھا یا یوں کہہ لیں کہ حلق سے آگے دل و دماغ میں ان کے معانی منتقل نہ ہوئے تھے۔ میرے خیال میں ان آیات کو سلیقہ سے پڑھ لینا ہی سب کچھ تھا۔ اس وقت میرا ایک دوست بھی ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اسے بھی ان دلائل نے کافی متاثر کیا۔ میں اس

وقت ایف اے کا طالبعلم تھا اور اپنے دوستوں سے پڑھائی میں سبقت لے جانے کے لئے کوشاں تھا۔لیکن ان اوراق کے مطالعہ کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے اس معاملہ میں تحقیق مکمل کروں گا اس کے بعد پڑھائی ہوتی رہے گی۔ لہٰذا میں نے فوراً دمشق جانے کا فیصلہ کیا۔دمشق میں میں کئی احمدی دوستوں کے ساتھ ملا جنہوں نے مجھے ہر سوال کا جواب دیا۔ان میں سے بعض احباب بیمار تھے اس کے باوجود وہ میرے سوالوں کا جواب دیتے رہے۔ میں نے ان کے ہاں دو ہفتے کے قریب قیام کیا جس میں سوالوں کے جواب اور مختلف اختلافی موضوعات پر سیر حاصل بات ہوئی۔میں ان دنوں بہت کم سوتا اور سب باتیں لکھتا جاتا تھا۔دو ہفتوں کے بعد جب میں واپس آیا تو اپنے ساتھیوں اور دوستوں کے سامنے یہ امور رکھے اور انہیں کہا کہ تم اپنے سے بڑے مولویوں سے اس بارہ میں بات کر کے جواب لینے کی کوشش کرو۔ چند دن کے بعد جب انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور میں نے یاددہانی کروائی تو وہ کہنے لگے کہ احمدی انگریز کا خود کاشتہ پودا ہیں، یہ یہودیوں کے ایجنٹ ہیں اور استعماری طاقتوں کے پروردہ ہیں۔اوران کی جماعت مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی ایک کوشش ہے۔میں نے انہیں کہا کہ مجھے قرآنی آیات اور احادیث کے دلائل کے بالمقابل دلائل چاہئیں نہ کہ ایسی باتیں جو محض الزامات ہیں۔میرے والد اور دادا احمدی تھے، میں نے ان میں انگریز کی غلامی کا شائبہ تک نہ دیکھا، پھر میں کس طرح مان سکتا ہوں کہ یہ الزامات درست ہیں بلکہ یہ تو دوسرے احمدیوں سے پہلے میرے خاندان پر اعتراض اور اتہام ہے۔بہر حال مخالفین کی سیرت کے مطابق انہوں نے بھی اپنی طرف سے معقول جواب یہ دیا کہ مجھ سے مقاطعہ کر لیا جب کہ اس سے قبل میں ان کا پسندیدہ اور چہیتا دوست تھا۔ان لوگوں کے اس رویّے کی وجہ سے میری پڑھائی میں دلچسپی بالکل ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ میں نے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں خوب رو رو کر دعائیں کیں کہ جب تک میں اپنے دین اور اعتقاد کے بارہ میں مکمل طور پر مطمئن نہ ہوں گا پڑھائی شروع نہیں کروں گا لہٰذا اب تو ہی مجھے اطمینان عطا فرما۔چنانچہ انہی دنوں میں مجھے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے میرے قبولِ احمدیت پر اطمینان کا اظہار فرمایا۔

رؤیا نے زندگی بدل دی

پھر اس کے کچھ عرصہ بعد میں نے ایک اور رؤیا دیکھا جس کا میری طبیعت پر بہت گہرا اثر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ بہت اندھیرا چھایا ہوا ہے اور میں ایک بہت گہری کھائی کے سامنے کھڑا ہوں۔ ایسے میں سورج نکلتا ہے اور اس کی شعاعیں زمین کو منور کرنا شروع کر دیتی ہیں یہاں تک کہ اس کھائی میں بھی روشنی کی کرنیں داخل ہوجاتی ہیں اور اسے بھی روشن کر دیتی ہیں۔ روشنی کے آتے ہی اس گڑھے سے بہت سے چوہے نکل بھاگتے ہیں۔ اس کے بعد میں اس کھائی میں اترتا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں ایک میز پر قرآن کریم پڑا ہوا ہے۔ میرے جاتے ہی وہ قرآن کھلتا ہے اور اس میں سے ایک فرشتہ نکلتا ہے۔ قرآن کریم کے اس نسخے اور اس فرشتہ سے بہت زیادہ نور نکل رہا ہوتا ہے۔ میں اس فرشتہ سے کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ وہ مجھے اٹھا لیتا ہے جبکہ میں قرآن کریم کا وہ نسخہ اپنے ساتھ لے لیتا ہوں اور ہم ہوا میں اڑنے لگتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے سعودی عرب کی بجائے کسی اور طرف لے جا رہا ہے، بلکہ میں حیران ہوتا ہوں جب وہ مجھے دمشق میں لے آتا ہے اور مکرم عبد القادر عودہ صاحب کے گھر میں آکر اترتا ہے جہاں ان کے والد مرحوم ناصر عودہ صاحب میرا انتظار کر رہے ہوتے ہیں اور وہ مجھے کہتے ہیں کہ چلو آؤ میں تمہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملواتا ہوں۔ ابھی وہ یہ بات کر رہے ہوتے ہیں کہ ایک کمرے سے بہت زیادہ نور کے جلو میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نمودار ہوتے ہیں۔ مَیں دوڑ کر آپ سے لپٹ جاتا ہوں اور آپ کو چومنے لگتا ہوں۔ آپ مجھے فرماتے ہیں کہ آؤ اب میں تمہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملواتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی کمرے سے پہلے سے بھی بہت زیادہ نور نکلتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ آپ نے چمکتے موتیوں اور لعل وجواہر سے مرصّع ایک عباء اوڑھی ہوئی ہے۔ آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ سرخ ہے۔ میں آپ کی طرف دوڑتا ہوں اور آپ کے دست مبارک کو چومنے لگتا ہوں۔ پھر آپ مجھے خلفائے راشدین اور خلفائے احمدیت کے ساتھ ملواتے ہیں۔

اس رؤیا نے میری زندگی بدل کے رکھ دی۔ اس رؤیا سے میں نے یہی سمجھا کہ مجھے دمشق جا کر رہائش اختیار کر لینی چاہئے۔ جب میں جانے لگا تو میری والدہ نے کہا: بیٹا تم اپنی ماں کو

چھوڑ جانا چاہتے ہو۔ میں نے کہا: امی جان آپ مجھے بہت عزیز ہیں لیکن خدا کی رضا مجھے آپ سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

بہر حال پڑھائی سے کنارہ کش رہنے کی وجہ سے میں اس سال فیل ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اتنے فضل نازل ہوئے کہ گننا مشکل ہو گیا۔ میں اگلے سال اچھے نمبروں سے کامیاب ہو گیا۔ مجھے کام بھی مل گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت اور پیار کے بیشمار نظاروں سے بھی نوازا۔

شادی کے بارہ میں احتیاط

میرے والد صاحب احمدی تھے جبکہ والدہ غیر احمدی تھیں جس کی وجہ سے اولاد میں احمدیت منتقل نہ ہو سکی۔ میں اس خطرناک تجربہ سے گزر چکا تھا اور سوچتا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ خود ہدایت نہ دیتا تو نہ جانے آج کہاں بھٹک رہا ہوتا۔ اس لئے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں شادی کروں گا تو صرف احمدی لڑکی سے۔ کیونکہ میں اپنی اولاد کو ابتلاء میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری یہ خواہش بھی پوری فرما دی اور بفضلہٖ تعالیٰ یونیورسٹی کی پڑھائی کے دوران ہی اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک نیک اور صالح احمدی بیوی عطا فرما دی۔

خلیفۂ وقت سے رابطہ

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ساتھ خط وکتابت شروع کی تو مجھے یاد ہے کہ اپنے پہلے خط میں یہ جملہ لکھا تھا کہ حقیقی محبت الٰہی کا مفہوم مجھے احمدیت میں آنے کے بعد معلوم ہوا ہے۔ احمدیت نے میری اخلاقی حالت میں اس قدر تبدیلی پیدا کر دی ہے کہ اگر میں مسجدوں کے چکر لگاتے لگاتے تھک جاتا اور مولویوں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے میری جوتیاں گھس جاتیں تب بھی یہ تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا تھا۔

جب ایم ٹی اے شروع ہوا تو سگنل بہت کمزور ہونے کی وجہ سے تصویر و آواز کے ساتھ بہت شور ہوتا تھا اور بہت مشکل سے آواز کی سمجھ آتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ میں ٹی وی کی آواز فُل کر کے کان ٹی وی کے ساتھ لگا کر بیٹھ جاتا تھا اور لقاء مع العرب سنتا اور نوٹس لیتا جاتا تھا۔ اس وقت

صاف اور واضح طور پر خلیفۂ وقت کی تصویر دیکھنا اور ان کی آواز سننا ایک خواب تھا جو ڈیجیٹل چینلز کے آجانے سے پورا ہو گیا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ خلیفۂ وقت کے کلام کو ریکارڈ کر کے اپنے پاس رکھوں اور بار بار سنوں۔ لہٰذا میں نے وی سی آر خرید کر لقاء مع العرب ریکارڈ کرنا شروع کر دیا۔ یوں مجھے علمی لحاظ سے بھی بہت زیادہ فائدہ ہوتا اور بے شمار غلطیوں کی اصلاح ہوتی گئی۔

اس کے بعد حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ نے ہم پر ایک بڑی کرم نوازی فرمائی کہ یہاں شام میں مبلغین کرام کو عربی زبان کی اعلیٰ تعلیم کے لئے بھجوایا جن کے ساتھ ملنے سے ہمیں خلافت کی خوشبو آنے لگی۔ انہوں نے ہمیں اطاعت اور خلافت سے محبت کے انداز سکھائے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

نظام وصیت میں شمولیت کی برکات

مبلغین کرام کے ساتھ مسلسل رابطے اور ان کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے میرے دل میں نظام وصیت میں شمولیت کی خواہش بڑی شدت کے ساتھ پیدا ہوئی اور میں نے یہاں پر مبلغین کرام کے سامنے اسکا اظہار بھی کر دیا۔ ابھی اس موضوع پر بات آگے نہیں چلی تھی کہ حضرت خلیفہ خامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے وصیت میں شمولیت کے بارہ میں ارشاد فرما دیا۔ اور احمدی بفضلہٖ تعالیٰ بڑی کثرت سے اس نظام کا حصہ بننے لگے۔ شاید خلافت حقہ کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ افراد جماعت کے ذہنوں میں جو سوالات پیدا ہو رہے ہوں اللہ تعالیٰ خلیفہ وقت کو ان کا الہام کر دیتا ہے اور اس کے دل میں ڈال دیتا ہے اور افراد جماعت کے سوالوں کے شافی جواب انہیں خلیفہ وقت کی زبان سے مل جاتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اور میری بیوی نے حضور انور کی خدمت میں نظام وصیت میں شامل ہونے کے لئے خط لکھ دیا۔

نظام وصیت میں شمولیت کا میری زندگی پر بہت گہرا اثر پڑا۔ روحانی ترقیات کے علاوہ مادی طور پر بھی مجھ پر افضال کی بارش ہونے لگی۔ وصیت میں شمولیت کے بعد مجھے کام بھی زیادہ ملنا شروع ہو گیا نیز میری ترقی ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے چند ماہ میں ہی اتنا کام کرنے کی توفیق دی کہ میری کارکردگی کی بنا پر سیرین تعلیمی ٹی وی چینل پر Mathematics کے اسباق

کی تیاری اور ان کی presentation کے لئے میرے نام کی سفارش کی گئی۔ دو سال تک یہ کام کرنے کے بعد وزارت تعلیم کی طرف سے مجھے تعلیمی کورسز مقرر کرنے والی کمیٹی کا رکن بنا دیا گیا۔ الحمدللہ اب مجھے تدریسی میدان میں ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ میرے افسران مخلصانہ کام کی وجہ سے مجھ سے بہت خوش ہیں۔ اور یہ سب احمدیت کی تعلیم وتربیت، خلافت کی دعاؤں کا ثمرہ اور نظام وصیت میں شمولیت کی برکات ہیں۔ اگر کسی بات کا افسوس ہے تو اس گزرے ہوئے وقت کا جو احمدیت کی نعمت سے محرومی میں گزر گیا۔

مکرمہ بشریٰ اعمارتی صاحبہ

میری پیدائش 1973 میں مراکش کے شہر طنجہ میں ہوئی۔ہم چھ بہن بھائی ہیں ۔میری والدہ صاحبہ بتایا کرتی تھیں کہ میری پیدائش اپنے اصل وقت سے کافی لیٹ ہوئی تھی ۔ پیدائش کے بعد والدہ صاحبہ نے نیم غنودگی کی حالت میں ایک بزرگ شخص کو دیکھا جنہوں نے سفید لباس پہنا ہوا تھا اوران کی داڑھی بھی سفید تھی جبکہ سر پر ایک ایسا عمامہ ہے جو مراکشی ٹوپی اور عمامہ سے مختلف تھا۔اس شخص نے میری والدہ صاحبہ سے کہا کہ اس بچی کے دو نام ہیں: ایک بشریٰ اور دوسرا حنان۔بے شک اس کے ان ناموں کے بارہ میں اسکی بہن ربیعہ سے پوچھ لیں جو ابھی سکول سے واپس آئی ہے۔اس کے بعد والدہ صاحبہ کی آنکھ کھل گئی تو اسی اثناء میں میری بڑی بہن سکول سے واپس آئی اور کمرہ میں داخل ہوئی، والدہ صاحبہ نے اس پوچھا کہ تمہاری نومولودہ بہن کا کیا نام رکھا جائے؟ اس نے بلاتوقف کہا: بشریٰ۔

بچپن سے نوجوانی تک کے دینی رجحانات

گو ہمیں بچپن میں اچھے اخلاق کی تعلیم تو دی گئی لیکن دینی تعلیمات کی پابندی کے لحاظ سے میرا خاندان کافی سست تھا۔میں نے بچپن میں شاید ہی کسی فردِ خاندان کو نماز ادا کرتے دیکھا ہوگا۔گو میں طبعًا دینی غیرت سے سرشار تھی لیکن دینی امور کے بارہ میں علم بالکل واجبی سا تھا۔ چودہ سال کی عمر میں پہلی مرتبہ اپنی ہمسائی کی زبانی سنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ اس دنیا میں آنا ہے اور اسلام کو دوبارہ زندہ اور غالب کرنا ہے لیکن وہ یہ سارا کام تلوار کے ذریعہ کریں گے۔میں اسوقت اس بات کو سمجھنے سے قاصر رہی ۔ میں مراکشی معاشرے پر

نظر کر کے اکثر سوچتی تھی کہ یا رب کیا یہی وہ معاشرہ ہے جسے اسلامی معاشرہ کا نام دیا جاتا ہے؟ کیا مسلمانوں کو درحقیقت ایسا ہی ہونا چاہئے؟ ہر جگہ فتنہ اور فساد کا دور دورہ ہی کیوں ہے؟ اس صورتحال کو دیکھ کر میں کبھی کبھی اس حد تک مایوس ہو جاتی کہ روتے ہوئے خدا کے حضور عرض کرتی کہ کاش میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیدا ہوئی ہوتی تو آپ کی قربت میں رہتے ہوئے نہایت پاک صاف اور صالح اسلامی معاشرے میں زندگی کا لطف اٹھاتی۔ میں اکثر شام کے وقت کمرے کی کھڑکی کے پاس بیٹھ کر ان امور کے بارہ میں سوچتی رہتی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان سوچوں کے نتیجہ میں ہی میں نے نماز کی پابندی کرنی شروع کر دی۔ لیکن چونکہ گھر میں میں اکیلی ہی نماز پڑھتی تھی اس لئے کبھی کبھی سستی بھی ہو جاتی تھی۔ بہر حال جب میری عمر 18 سال ہوئی تو میں نے خود ہی حجاب اوڑھنا شروع کر دیا لیکن بجائے اس کے کہ گھر والوں کی طرف سے اس نیک قدم پر میری حوصلہ افزائی ہوتی میرے والد صاحب نے کہا: حجاب کی کیا ضرورت ہے؟ دل میں اگر ایمان ہے تو بس یہی کافی ہے۔ اس وقت مجھے یہی جواب سجھائی دیا کہ جب تک ہم قرآن کریم کے جملہ احکام پر عمل نہیں کریں گے اور جب تک ہم میں سے ہر ایک اپنے فرائض ادا نہیں کرے گا نیک اور صالح معاشرے کا قیام ناممکن ہوگا۔ بہر حال انہوں نے میری بات سے اتفاق نہ کیا۔ رہی میری والدہ تو وہ اگر چہ اچھے اخلاق پر زور دیتی تھیں لیکن دینی امور اور احکام شریعت کی پابندی کی طرف کبھی توجہ نہ دلائی۔ شاید اسکی وجہ یہ بھی ہو کہ ان کی تعلیم بہت کم تھی اور وہ ہمیں مسجد میں قرآن سیکھنے کے لئے اور سکول میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے بھیج کر سمجھتی تھیں کہ ان کا فرض ادا ہو گیا ہے۔

مجھے تجوید کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ جب کبھی تلاوت کے دوران میں وہ آیات پڑھتی جن میں حضرت عیسیٰ کے متعلق رفع وغیرہ کا ذکر آیا ہے تو میں کچھ توقف کر کے ان الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کرتی۔ گو مجھے اس کی سمجھ نہ آتی لیکن عام مروجہ معانی بھی قبول کرنے کو طبیعت مائل نہ ہوتی تھی۔ میں اندر ہی اندر سوچتی کہ شاید ان آیات کی کوئی اور تفسیر کرنا حرام ہے اور علماء سے اس معاملہ میں اختلاف جائز نہیں ہے۔

سپین میں تعلیم اور بیعت

میں نے مراکش میں سپینش سیکنڈری سکول کا امتحان اچھے نمبروں میں پاس کیا تو مجھے غرناطہ میں ایک یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا اور یوں 1994 میں میں اس یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے لئے میں سپین پہنچ گئی۔

گرمیوں کی چھٹیوں میں میں نے اپنی یونیورسٹی کی فیسز وغیرہ کی ادائیگی کے لئے کام تلاش کیا تو ایک پاکستانی شخص کے پاس کام مل گیا۔ ایک دن اس شخص نے مجھے کہا کہ کیا تمہیں علم ہے کہ امام مہدی علیہ السلام آ چکے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ مجھے اس بارہ میں ذرہ برابر بھی کوئی تعجب نہ ہوا بلکہ میں نے بے ساختہ کہا کہ اگر یہ درست ہے تو ہمیں ان کی بیعت کر لینی چاہئے۔ اس پاکستانی شخص نے مجھے ایک مختصر سا پمفلٹ دیا جسے پڑھنے کے بعد میں نے اسے کہا کہ میں بیعت کرنا چاہتی ہوں۔ اس نے کہا کہ ابھی نہیں، ابھی آپ کو جماعت کی دیگر کتب بھی پڑھنی چاہئیں لہذا انہوں نے مجھے کتاب: ''القول الصریح فی ظھور المھدی والمسیح'' دی۔ میں جوں جوں یہ کتاب پڑھتی گئی میری زبان سے بے اختیاری کے عالم میں یہ لفظ بار بار نکلتا رہا کہ ہاں یہی درست نہج اور رصائب رائے ہے۔ مجھے ایسے محسوس ہوا کہ میرے اندر کئی سالوں سے جو خلاء تھا وہ پر ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اس کتاب میں میں نے معقول سوالات کا معقول رنگ میں ایسا جواب پایا جو قرآن وسنت اور انسانی فطرت کے عین مطابق تھا۔

میں نے پوری کتاب نہ پڑھی تھی کہ بیعت کے لئے اصرار کیا اور یوں 1994 کے آخر پر بفضلہٖ تعالیٰ حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ کو بیعت کا خط لکھ دیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصویر کو دیکھا تو آپ کی صداقت کا یقین دل میں راسخ ہو گیا۔ پھر جب بھی حضور علیہ السلام کے نورانی چہرہ مبارک کو دیکھتی ہوں تو کہتی ہوں کہ ناممکن ہے کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا ہو سکتا ہے۔ مجھے اس بات کی بھی بہت خوشی تھی کہ میں نے جس کی بیعت کی ہے اس سے تعلق باللہ کے ذرائع سیکھوں گی اور نماز کی پابندی کرنے کی کوشش کروں گی نیز آپ نے حجاب کی پابندی کی بھی تلقین فرمائی ہے۔ مختصر یہ کہ وہ سب کچھ مجھے مل گیا جس کی مجھے تمنا تھی۔

اہل خانہ کا رویہ

بیعت کے بعد میں نے اپنے اہل خانہ کو تبلیغ کی کوشش کی ۔لیکن انہوں نے میری شدید مخالفت کی ۔میرے تمام بہن بھائی پڑھے لکھے ہیں اس لئے معاملہ یہاں تک تو نہ پہنچا کہ وہ مجھ سے مقاطعہ کرلیں تاہم انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ خیالات غلط اور ان تمام مسلمہ عقائد کے خلاف ہیں جو انہوں نے مولویوں سے سیکھے ہیں۔ میں نے جب اپنی ایک بہن سے اس معاملہ میں بات کی تو اس نے فوراً جماعت کے خلاف مولویوں کی ویب سائٹس سے الٹی سیدھی باتیں پڑھ کر مجھے کہا کہ تمام علماء اس جماعت کو گمراہ سمجھتے ہیں لہذا بہتر ہے کہ تم بھی اس سے علیحدگی اختیار کرلو۔

تبلیغ اور ایک سعید فطرت کی ہدایت

بیعت کے بعد میں تبلیغ کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھی۔میری توجہ اکثر اپنے دلائل پر ہی رہتی تھی جو کہ درست طریق نہ تھا۔میرے ہمسائے میں سہیلہ نامی ایک لڑکی رہتی تھی جس کا تعلق مراکش کے شہر ''الناظور'' سے تھا۔ میں نے اسے ایم ٹی اے کے بارہ میں بتایا نیز احمدیت کی تبلیغ کی لیکن اس دفعہ میری ساری توجہ دعا پر تھی۔مکرمہ سہیلہ صاحبہ بھی زمانے کی موجودہ حالت پر غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی تھی کہ اس فساد کی اصلاح کے لئے تو کسی نبی کو ہی آنا چاہئے۔چنانچہ جب میں نے اسے بتایا کہ وہ موعود نبی آچکا ہے تو بہت جلد وہ تمام امور سمجھ گئی اور بیعت کر لی۔پھر اسکی ایک پاکستانی احمدی سے شادی ہوگئی جس نے سپین میں احمدیت قبول کی تھی۔اور اب بفضلہ تعالیٰ انکا ایک بیٹا بھی ہے۔

شروع میں میں اکیلی عربی احمدی تھی پھر سہیلہ صاحبہ نے بیعت کی اور اب خدا تعالیٰ کے فضل سے آٹھ عربی عورتیں احمدی ہیں، جبکہ مردوں اور بچوں کی تعداد اسکے علاوہ ہے۔

اَلیس اللہ بکاف عبدہ

جس شخص کے ذریعہ میں نے بیعت کی تھی اس کا نام ریاض احمد ناصر تھا۔ کچھ عرصہ کے

بعد انہی کے ساتھ میری شادی ہوگئی۔ شادی کے دو سال بعد مجھے ایک آپریشن کے سلسلہ میں ہسپتال داخل ہونا پڑا۔ میں سخت پریشان تھی اور اسی پریشانی کے عالم میں میں نے ایک رؤیا دیکھا جو کہ بعینہ وہی رؤیا تھا جو میں نے اٹھارہ انیس سال کی عمر میں اپنی والدہ کی وفات کے بعد دیکھا تھا اور مجھے اسکی کچھ سمجھ نہ آئی تھی۔

میری والدہ صاحبہ کی وفات میرے لئے شدید صدمہ کا باعث تھی کیونکہ علاوہ اور کئی امور کے، مادی لحاظ سے بھی وہی ہماری متکفل تھیں۔ طرح طرح کے خیالات دل میں آتے رہے اور والدہ کی وفات کے دوسرے یا تیسرے دن میں نے خواب میں دیکھا کہ اس قدر شدید اندھیرا ہے کہ کچھ نظر نہیں آتا۔ ایسے میں خطِ نسخ میں لکھی ہوئی نہایت روشن اور نورانی عبارتیں اس تاریکی سے نکلتی ہوئی دکھائی دیں۔ ان میں سے ایک عبارت مجھے یاد رہی اور آنکھ کھلنے پر میرے دل میں آیا کہ یہ کلمات لکھ لوں لیکن نیند غالب آ گئی اور جب صبح جاگی تو اس میں سے صرف ''بکافٍ عبدہٗ'' کے الفاظ ہی یاد رہے جنہیں میں نے اپنی ڈائری میں لکھ لیا۔ مجھے اس وقت یہ بھی معلوم نہ تھا کہ یہ قرآنی آیت کا حصہ ہیں اور ان کا صحیح مفہوم کیا ہے جبکہ کسی بڑے سے اس کا مطلب پوچھنے میں میں نے حجاب محسوس کیا، تاہم اپنی ایک باپردہ سہیلی سے اس امر کا ذکر کیا تو اس نے طنزیہ لہجے میں کہا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ اب تمہیں آسمان سے الہام ہونا شروع ہوگیا ہے۔ یہ سننے کے بعد میں نے اس امر کا ذکر کسی اور کے سامنے نہ کیا۔

اب کئی سالوں کے بعد جب بعینہ وہی خواب دیکھا تو اس دفعہ مجھے آیت کے کلمات پوری طرح یاد رہے جو کہ ''اَلیس اللہ بکافٍ عبدہٗ'' تھے۔ چنانچہ جب میں نے یہ رؤیا اپنے خاوند کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے یہ سنتے ہی اپنی انگوٹھی مجھے دکھائی جس پر یہی کلمات کندہ تھے۔ پھر انہوں نے بتایا کہ یہ قرآنی آیت کا حصہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کے والد محترم کی وفات کے بعد الہام ہوا تھا۔

گو کہ میں نے اپنے خاوند کی یہ انگوٹھی دیکھی ہوئی تھی لیکن کبھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ اس کے اوپر لکھی عبارت کو پڑھا جائے، نہ ہی میرے خاوند نے کبھی اسکے بارہ میں مجھ سے ذکر کیا تھا۔

پاکستانی برقعوں والی خواتین

جب میں نے بیعت کی تو اس وقت غرناطہ میں کچھ پاکستانی احمدی مرد تو تھے لیکن پاکستانی احمدی عورت کوئی نہ تھی۔ غالباً 1996 کی بات ہے کہ مولانا کرم الٰہی ظفر صاحب نے پرتگال سے واپسی کے بعد کچھ عرصہ کے لئے غرناطہ میں قیام فرمایا تھا۔ اس وقت مجھے بھی ان سے ملاقات کا موقعہ ملا۔ ان کے ساتھ مل کر مجھے بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ جب میں نے انکی اہلیہ کو دیکھا تو انہوں نے پاکستانی برقعہ پہنا ہوا تھا، یہ دیکھتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے میں نے انہیں پہلے بھی دیکھا ہے۔ پھر کچھ دیر کے بعد مجھے اپنا ایک رؤیا یاد آ گیا جس نے ساری بات واضح کر دی۔

اوائل نوجوانی کے ایام میں جب میں مختلف دینی امور کے بارہ میں سوچتی تو کسی ایسے نتیجہ پر نہ پہنچ پاتی تھی جو دل کو مطمئن کرنے والا ہو۔ ایک دفعہ قیامت کے بارہ میں غور کرتی ہوئی سوئی تو خواب میں دیکھا کہ سخت گھبراہٹ کا عالم ہے اور ہمارے گھر کے سامنے والی بڑی سڑک پر لوگ افراتفری میں بھاگے چلے جارہے ہیں۔ میں نے بھی ان کے ساتھ کسی نامعلوم مقام کی طرف بھاگنے کی کوشش کی لیکن ''عبدالسلام'' نامی ایک دیوہیکل شخص نے مجھے روک لیا اور کہا: تم یہاں ان لوگوں کے ساتھ ٹھہر جاؤ۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ عورتیں تھیں جنہوں نے ایسے برقعے پہنے ہوئے تھے جو ہماری مراکشی ''جلّابہ'' سے مختلف تھے۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔

جب میں نے مولانا کرم الٰہی ظفر صاحب کی اہلیہ کو دیکھا تو انہوں نے بالکل ویسا ہی برقعہ پہنا تھا جیسا میں نے خواب میں ان خواتین کو پہنے ہوئے دیکھا تھا۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایسی احمدی خواتین کے ساتھ ملا دیا جن کو میں نے کئی سال قبل رؤیا میں دیکھا تھا۔ فالحمد للہ۔

خلیفہء وقت سے پہلی ملاقات

2000 کے جلسہ سالانہ جرمنی کے موقعہ پر ہماری حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ پہلی ملاقات ہوئی۔ گو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ میری یہ اکلوتی ہی ملاقات ہوئی لیکن اس کی یادیں دماغ میں ابھی تک نقش ہیں۔ اس دن کی ملاقاتوں میں ہمارا نام

آخر پر تھا۔ ہماری باری آنے پر جب ہم حضور انور کے دفتر میں داخل ہوئے تو مجھے ایک بہت ہی روشن نور دکھائی دیا۔ میں نے سمجھا شاید کمرے میں لگی ہوئی بجلی کی روشنی تیز ہے یا شاید کوئی کھڑکی کھلی ہے جہاں سے اتنی تیز لائٹ کمرے میں داخل ہو رہی ہے، جب میرے خاوند نے بڑھ کر حضور انور سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کیا تو اسی اثناء میں میں نے دیکھا کہ نہ تو یہ روشنی ٹیوب لائیٹ یا بلب کی ہے نہ ہی کھڑکی کھلی تھی کہ باہر سے کسی چیز کی روشنی آتی بلکہ یہ روشنی کچھ اور ہی رنگ رکھتی تھی۔ پھر جب میں نے ایک نظر حضور انور کے چہرہ مبارک کو دیکھا تو میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں کیونکہ اس وقت میں نے دیکھا کہ وہ نور حضور انور کے چہرہ مبارک سے نکل رہا تھا۔ یہ ایک عجیب نظارہ تھا جس نے حضور انور کی محبت میرے دل میں راسخ کر دی۔ اور یہ ایسا نظارہ تھا کہ جسے اس ملاقات میں صرف میں نے ہی دیکھا تھا۔

جب حضور انور کی وفات ہوئی تو میرے لئے یہ صدمہ نہایت جانکاہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جب حضرت مرزا مسرور احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو خلعت خلافت پہنائی تو انکے لئے وہی محبت دل میں ڈال دی جو مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے تھی۔

اردو زبان کی اہمیت

میں جب خطبہ جمعہ سنتی تو مجھے اردو کی کچھ سمجھ نہ آتی۔ لیکن اگر ترجمہ سنتی تو خلیفہ وقت کی آواز کی حلاوت سے محرومی کا احساس دامنگیر رہتا۔ اس بات کا میرے دل پر بہت اثر ہوا اور میں نے فیصلہ کیا کہ جب خطبہ جمعہ لائیو آرہا ہوگا تو میں خلیفہ وقت کی آواز میں ہی خطبہ جمعہ سنوں گی خواہ مجھے سمجھ آئے یا نہ آئے۔ اور بعد میں دوسری دفعہ جب خطبہ نشر ہوگا تو ترجمہ سن لیا کروں گی۔ اسی طرح میں نے اردو کلاس بھی باقاعدگی سے سننی اور دیکھنی شروع کر دی۔

اسی دوران حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سپین کے پہلے دورہ پر تشریف لائے۔ اس موقعہ پر لجنہ کی عہدیدار ممبرات کی حضور انور نے میٹنگ بلائی اور اپنی قیمتی نصائح سے نوازا۔ لیکن مجھے اس مجلس میں کسی ترجمان کی مدد لینی پڑی۔ میں نے یہاں پر ہی عہد کیا کہ اگلی دفعہ جب حضور انور تشریف لائیں گے تو میں حضور انور سے اردو میں ہی بات کروں گی۔

دوسری دفعہ حضور انور اپریل 2010 میں سپین کے دورہ کے لئے تشریف لائے تو اس سے چند ماہ قبل ہی میرے خاوند کی وفات ہو چکی تھی۔ لہذا میں نے حضور انور سے اپنی دو چھوٹی بچیوں کے ساتھ ہی ملاقات کی اور الحمدللہ اردو میں ہی بات کی۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ مجھے اردو کی اچھی طرح سمجھ بھی آ جاتی ہے اور بول بھی سکتی ہوں۔

میں اردو زبان سیکھنے پر مندرجہ ذیل امور کی بناء پر زور دیتی ہوں:

1۔ یہ اس زمانے کے امام کی زبان ہے۔

2۔ ابھی تک جماعتی لٹریچر کی مرکزی زبان یہی اردو ہے۔

3۔ یہ خلیفہ وقت کی زبان ہے۔

4۔ اس میں احترام و وقار کے ایسے الفاظ ہیں جو دیگر زبانوں میں بہت کم ہیں مثلاً بچوں کو مخاطب کرتے وقت ''آپ'' کہہ کر بلانا جیسے پیارے بھرے کلمات دیگر زبانوں میں مفقود ہیں۔

سب سے اہم درس

یوں تو احمدیت میں داخل ہونے کے بعد میری دنیا ہی بدل گئی۔ اسلامی علوم، اخلاق، اور ہر سوال کا قرآن وسنت کی روشنی میں مطمئن کرنے والا جواب صرف احمدیت کے پاس ہے۔ لیکن میرے نزدیک سب سے اہم چیز جو میں نے سیکھی وہ دعا ہے۔ میں بھی اوروں کی طرح سمجھتی تھی کہ اب خدا دعائیں نہیں سنتا یا بہت دور ہو گیا ہے جہاں تک پہنچنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ لیکن احمدیت میں آ کر میں نے ذاتی تجربہ سے محسوس کر لیا کہ وہ اب بھی جواب دیتا ہے اور اب بھی اپنے بندے کی پکار سنتا ہے اور سمیع و مجیب ہے۔ آتے جاتے، عام ملاقاتوں میں احباب جماعت کا ایک دوسرے کو دعا کے لئے کہنا ایک ایسا امر ہے جو احمدیوں کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا ہے۔ اور یہ اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ ان کا تعلق ایک زندہ سمیع و مجیب خدا کے ساتھ تعلق قائم ہے۔

❁❁❁❁❁

مکرم طاہر شتیح صاحب

جلسہ سالانہ یوکے 2009 میں مکرم طاہر شتیح صاحب نے فرنچ میں ایم ٹی اے کے لئے ایک مختصر سے انٹرویو میں اپنی کہانی سنائی تھی۔ اسی بنا پر ہم نے ان سے رابطہ کیا اوران کی طرف سے مرسلہ معلومات قارئین کرام کے لئے پیش ہیں۔مکرم طاہر شتیح صاحب بیان کرتے ہیں کہ:۔

میرا تعلق الجزائر سے ہے اور میں ایک لمبے عرصہ سے فرانس میں رہ رہا ہوں یہیں پر میں نے تعلیم حاصل کی۔ الحمدللہ میں شادی شدہ ہوں اور میرے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں اور ہم سب خدا کے فضل سے احمدی ہیں۔

1995-96ء کی بات ہے کہ ہم نے ڈش انٹینا لگوایا تو بہت شوق سے مختلف چینلز کے ذریعہ ایک نئی دنیا کو دیکھنے لگے۔ ایک دن اتفاقاً ایم ٹی اے لگ گیا۔اس وقت مکرم حلمی الشافعی صاحب (مرحوم) ترجمہ کر رہے تھے۔ ان کی عربی زبان میں ایک عجیب جذب تھا کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی ٹھہر گیا۔اور جب سفید عمامہ پہنے ہوئے ایک باوقار شخصیت کے چہرے پر میری نظر پڑی تو اس پہلی نظر میں ہی ان کی محبت میرے دل میں بیٹھ گئی۔رفتہ رفتہ میرا دل اس پروگرام کے ساتھ کچھ اس طرح اٹک گیا کہ میں کام سے واپسی پر پہلا کام یہ کرتا کہ ٹی وی آن کرکے ایم ٹی اے دیکھنا شروع کر دیتا۔شروع شروع میں مجھے نہ انگلش کی سمجھ آتی تھی نہ ہی عربی اتنی اچھی تھی کہ مضمون سمجھ سکتا۔ پھر بھی میں لقاء مع العرب کے وقت ٹی وی کے سامنے بیٹھ جاتا اورسارا پروگرام دیکھتا کیونکہ میرا اس کے ساتھ ایک قلبی تعلق پیدا ہو گیا تھا۔

آسمانی راہنمائی

کچھ عرصہ کے بعد ایم ٹی اے کسی اور سیٹلائٹ پر چلا گیا اور مجھے نہ مرکز کا ایڈریس معلوم تھا نہ فون نمبر، نہ ہی کسی سے کوئی رابطہ تھا۔ پروگرام لقاء مع العرب دیکھنے کا مجھے اس قدر شوق تھا کہ اس کے غائب ہونے سے جیسے میرے اندر بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا تھا۔ مجھے بہت دکھ اور صدمہ ہوا کہ اب اس پروگرام کو دیکھنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ بہر حال ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے کوئی بڑی پرشوکت آواز میں کہتا ہے کہ اس ستارے کی طرف منہ کرلو۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک بہت روشن ستارہ تھا۔ جب میں جاگا تو اپنے کمرے کی کھڑکی سے آسمان پر اس ستارہ کو بہت تلاش کیا لیکن بے سود۔ بہر حال اس رؤیا کی وجہ سے میں بہت خوش تھا لیکن رؤیا کی تعبیر مجھے سمجھ نہ آسکی۔

ایک دن مجھے خیال آیا کہ میرا ایک دوست ڈش وغیرہ لگانے کا ماہر ہے مجھے اس سے ایم ٹی اے کے بارہ میں بات کرنی چاہئے، شاید اس کے ذریعہ میری گم گشتہ متاع واپس مل جائے۔ چنانچہ اس سے بات کی تو وہ ایک دن اپنا ساز وسامان لے کر آ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اچانک ایم ٹی اے کا ایک بہت ہی کمزور سگنل مل گیا۔ اس وقت میری خوشی دیدنی تھی۔ میرا پورے کا پورا جسم جیسے آنکھوں میں تبدیل ہو گیا تھا جو ٹی وی کی سکرین پر مرکوز تھیں۔ اس دوست کی تھوڑی سی مزید کوشش کے بعد ایم ٹی اے کا مکمل سگنل آ گیا اور تصویر وآواز بالکل واضح ہو گئی۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ اور جب میں نے ڈش کا رخ دیکھا تو مجھے میرا رؤیا یاد آ گیا کیونکہ ڈش کا رخ بالکل اسی طرف تھا جس طرف رؤیا میں مجھے وہ روشن ستارہ نظر آیا تھا۔ اس وقت مجھے سمجھ آیا کہ مجھے رؤیا میں اس روشن ستارے کی سمت منہ کر لینے کے ارشاد سے کیا مراد تھی۔

استخارہ اور بیعت

ان دنوں انٹرنیٹ اتنا عام نہ تھا اور جماعت کا لٹریچر بھی میسر نہ تھا۔ لہٰذا میں نے اپنی کیفیت پر مبنی خط لندن مرکز میں لکھا جس کا جواب مکرم حلمی الشافعی صاحب کی طرف سے آیا کہ

میری آپ کو نصیحت یہی ہے کہ استخارہ کریں۔ چنانچہ میں نے استخارہ کیا اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اگر حضرت مرزا غلام احمد صاحب سچے مہدی ہیں تو مجھے ان کی حقیقت سے آگاہ کر دے تا کہ میں ان کی بیعت سے محروم نہ رہ جاؤں۔ میرے استخارہ کا مثبت نتیجہ نکلا کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں قرآن کریم میں سورہ بقرہ کی تلاوت کر رہا ہوں۔ میرے لئے یہ بات بہت غیر معمولی تھی کیونکہ میں اتنا دیندار نہ تھا اور دینی امور کا اس قدر پابند بھی نہ تھا۔ اس میں میرے لئے یہی پیغام تھا کہ امام مہدی کی بیعت کے ساتھ میں قرآنی تعلیمات کا پابند ہو جاؤں گا۔ لہٰذا میں نے اپنی کیفیت مکرم حلمی الشافعی صاحب کو لکھ دی۔ انہوں نے مجھے بیعت فارم ارسال کر دیا اور میں نے بیعت کر لی۔

اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرانس تشریف لائے تو میں یہی سمجھ رہا تھا کہ فرانس میں میرے سوا اور کوئی احمدی نہیں ہے کیونکہ میرا ڈائریکٹ مرکز کے ساتھ رابطہ تھا اور ابھی تک فرانس کی جماعت سے رابطہ نہ ہوا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ خدا کے فضل سے یہاں جماعت قائم ہے۔ بہر حال حضور انور کے تشریف لانے پر میں نے فیملی ملاقات کے لئے درخواست کی۔ اس وقت میری بیوی احمدی نہ تھی بلکہ متردد تھی اسی لئے شاید اللہ تعالیٰ نے اسے حضور انور کی ملاقات سے بھی محروم کر دیا۔ ہوا یوں کہ جب ہم ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو ابھی انتظار گاہ میں ہی بیٹھے تھے کہ اچانک میری بیوی نے کہا کہ میں ابھی آتی ہوں اور اٹھ کر چل دی۔ اتنے میں مجھے ملاقات کے لئے بلا لیا گیا اور یوں حضور انور کی خدمت میں مجھے اکیلے ہی جانا پڑا۔

بیعت اور اس ملاقات کے بعد میرے اخلاق اور اعمال میں یکسر تبدیلی آ گئی۔ اب میں دین اسلام کے احکام وشعائر کی پابندی کرنے والا بن گیا۔ گو پہلے تو کبھی پرواہ ہی نہ کی تھی لیکن اب احمدیت قبول کرنے کے بعد میں بہت چھوٹے چھوٹے امور کا بھی خیال رکھنے لگا تھا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی وفات کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے بھی ملاقات ہوئی۔ آپ ایک زاہد اور مقدس انسان ہیں۔ مجھے آپ سے بہت زیادہ محبت ہے اور دعا کرتا ہوں کہ دن بدن اس میں اضافہ ہوتا جائے، آمین۔

میری عرب بھائیوں سے درخواست ہے کہ ادھر ادھر بھٹکنے کی بجائے آئیں اور احمدیت کی آغوش میں اپنی تسکین تلاش کریں اور حقیقی اخوت ومحبت اور مودت کی لذت سے آشنائی اور نظامِ خلافت کی برکات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کیلئے آج خلافت کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔

مکرم راکان نجیب المصری

مکرم راکان المصری صاحب کی پیدائش 1971ء میں شام کے ایک شہر حمص میں ہوئی۔ آپ نے 1995ء میں بیعت کی اور کچھ سالوں سے صدر جماعت احمدیہ حمص کی حیثیت سے خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔ خدا کے فضل سے بہت مخلص اور فدائی احمدی ہیں۔ ہماری درخواست پر انہوں نے اپنے جو حالات لکھ کر بھجوائے ہیں اس کا خلاصہ انہی کی زبانی نظرِ قارئین کیا جاتا ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ مَیں چار بہنوں کا اکلوتا بھائی ہوں۔ میری پیدائش ایک متوسط گھرانے میں ہوئی۔ مَیں بچپن سے ہی مساجد اور وعظ کی مجالس میں جاتا تھا۔ مجھے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے قصے بہت بھلے لگتے تھے لیکن نوجوانی کے اوائل ایام میں ہی مجھے بڑی شدت کے ساتھ احساس ہو گیا کہ ضرور مسلمانوں میں کوئی بگاڑ راہ پا گیا ہے جس کی بنا پر اب وہ امجادِ اسلاف اور ترقیات کا زمانہ جاتا رہا ہے۔

1994ء میں جامعہ دمشق میں مکرم عبد القادر عودہ صاحب کے ذریعہ مجھے جماعت سے تعارف ہوا۔ جماعت کے بارہ میں سننے اور اس کے عقائد اور افکار وخیالات پر اطلاع پانے کے بعد میرے دل نے کہا کہ یہی وہ خزانہ ہے جس کی تلاش میں تم سرگرداں اور مارے مارے پھرتے تھے کیونکہ مجھے اپنے ذہن میں گردش کرنے والے تمام سوالوں کا جواب مل گیا تھا۔ تاہم بیعت کا مرحلہ کسی قدر کٹھن تھا۔

بیعت اور شادی

1995ء میں مَیں نے گریجوایشن کر لی جس کے بعد شادی کا مرحلہ آیا۔ مَیں نے کہا کہ

مَیں اس بارہ میں خدا تعالیٰ سے ایک سودا کرتا ہوں۔اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے واضح طور پر شادی کے بارہ میں خبر دے دی تو مَیں اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی دلیل بھی شمار کروں گا اور آپ کی بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو جاؤں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رؤیا میں دکھایا کہ میری اسی لڑکی سے جو اَب میری بیوی ہے شادی ہو رہی ہے اور مَیں اسے شادی کی انگوٹھی پہنا رہا ہوں۔ اس رؤیا سے مجھے انشراحِ صدر ہو گیا۔ مَیں نے اپنی منگیتر کو بھی اس کے بارہ میں بتا دیا اور خدا تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدہ کے مطابق شادی سے ایک روز قبل 13 دسمبر 1995ء کو بیعت کر لی جبکہ اگلے دن 14 دسمبر کو میری شادی ہو گئی۔

والدین کی طرف سے شدید مخالفت

شادی کی ابتدا میں ہی میرے قبول احمدیت کی وجہ سے والدین کی طرف سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ میرے والد صاحب نے مولویوں سے جا کر جماعت کے بارہ میں فتویٰ مانگا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کفار ہیں اور تمہارا بیٹا اس میں شامل ہو کر دین اسلام سے نکل گیا ہے۔ مَیں نے بارہا وضاحت کرنے کی کوشش کی لیکن ان کا اصرار اپنی جگہ قائم رہا کہ نہیں تم ہر حال میں اس جماعت سے کنارہ کش ہو جاؤ اور واپس پہلے والی حالت کی طرف لوٹ آؤ۔ جب ان کا اصرار بڑھنے لگا تو مَیں نے کہا کہ آپ میرے والد ہیں ،میں دیگر امور میں آپ کی اطاعت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں لیکن یہ معاملہ میرے اور میرے خدا کے درمیان ہے اس لئے اس بارہ میں آپ مجھ پر کوئی دباؤ نہ ڈالیں ، بلکہ مَیں وضاحت کر دیتا ہوں کہ چاہے جو کچھ ہو جائے میں جماعت سے دستبردار ہرگز نہیں ہوں گا۔ میرے اس فیصلہ کے بعد توقع تھی کہ معاملہ ختم ہو جائے گا لیکن اس کے برعکس اس نے جھگڑے کی صورت اختیار کر لی اور مجھے گھر چھوڑنا پڑا۔ چند دن کے بعد میرے والد صاحب کی طرف سے مجھے واپس آنے کا پیغام موصول ہوا لہٰذا مَیں ان کے ارشاد کے مطابق دوبارہ گھر واپس آ گیا۔ آہستہ آہستہ تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا اور سال بھر کے دوران ہمارے شہر میں دس کے قریب افراد جماعت میں شامل ہو گئے۔

مزید ابتلاء

1996ء میں مَیں نے حکومتی نوکری کر لی۔سیریا میں ایک ہی سیاسی پارٹی ہے جو حکومتی پارٹی ہے اور تقریباً تمام اہل وطن اس کے ممبر ہیں۔اس لئے اس پارٹی کا مقامی صدر بھی حکومتی اداروں کا ایک فرد ہوتا ہے۔1998 میں مجھے پارٹی کے مقامی صدر نے بلایا اور کہا کہ تمہارے سامنے دو راستے ہیں۔یا تو تم احمدیت ترک کر دو یا اس سیاسی پارٹی کی رکنیت سے دست برداری کا اعلان کر دو۔مَیں نے وضاحت کی کہ ہماری جماعت کوئی سیاسی جماعت نہیں ہے۔اس لئے حکومتی سیاسی پارٹی کے ساتھ ٹکراؤ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ مَیں نے کہا کہ مجھے قومی پارٹی اور ملک کے دستور کا بخوبی علم ہے دونوں میں دینی آزادی اور اختلافِ عقائد کا حق دیا گیا ہے،اگر آپ کو اس کا علم نہیں تو مَیں آپ سے بڑے افسران کے ساتھ بات کرنے کو تیار ہوں۔خلاصہ کلام یہ کہ دو گھنٹے کی بحث کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ مَیں اپنے موقف سے ذرہ برابر بھی ہٹنے والا نہیں تو اس نے یہ جملہ کہا جو مجھے آج تک یاد ہے کہ: اگر تم جیسے دس آدمی میرے پاس ہوں تو مَیں ان کو ساتھ لے کر فلسطین کی آزادی کیلئے جنگ پر نکلنے کے لئے تیار ہوں۔

اسی سال میرے ادارے نے جاپان میں تعلیمی کورس کے سلسلہ میں میرا نام پیش کیا۔اسی اثناء میں میرے ادارے کے سربراہ کو میرے احمدی ہونے کا علم ہو گیا۔انہوں نے مجھ سے پوچھا تو مَیں نے جماعت کے عقائد وغیرہ کے بارہ میں وضاحت کر دی جسے انہوں نے بنظرِ استخفاف دیکھتے ہوئے مجھے کہا کہ مَیں اس بنا پر تمہیں جاپان کے سفر سے روک بھی سکتا ہوں۔مَیں نے کہا کہ یہ میرا عقیدہ ہے جسے بدلنے کا کسی کو اختیار نہیں ،نہ ہی ایسا کوئی کر سکتا ہے۔ جہاں تک جاپان نہ جانے کا تعلق ہے تو اس کا میرے عقیدے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔مَیں اپنے عقائد کی حفاظت کیلئے کچھ بھی برداشت کرنے کیلئے تیار ہوں خواہ اس کے لئے مجھے اس کام سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں۔

مجھے تو پورا یقین تھا کہ میرا یہ افسر ضرور مجھے روکنے کی کوشش کرے گا لیکن نہ جانے بعد میں کیا ہوا کہ میرے نام کی منظوری آ گئی اور اس دفعہ عام معروف کورسز سے زیادہ مدت کے اس

کورس میں شمولیت کے لئے مَیں جاپان چلا گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کے بارہ میں رؤیا

جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی وفات ہوئی تو مجھے بہت دکھ ہوا کیونکہ مَیں نے آپ کے عہد مبارک میں بیعت کی تھی لیکن آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ انتخاب کی رات بہت حزین وغمگین گزری۔ ایسے میں آنکھ لگی تو مَیں نے خواب میں ایک طویل قامت، گندم گوں شخص دیکھا جس کی سیاہ داڑھی تھی اور اس نے سفید چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ ایسے میں کوئی کہتا ہے کہ یہ خلیفہ ہیں۔ اگلے دن ٹی وی پر حضور انور کو دیکھا تو بعینہ وہی شکل وصورت تھی جو خواب میں دیکھی، صرف خواب میں آپ تھوڑے سے دبلے پتلے جسم والے دکھائی دیتے تھے۔

وصیّت کے نظام میں شمولیت اور خلیفۂ وقت کی دعا کا اعجاز

2006ء کے شروع میں مجھے بہت بڑے مالی خسارہ کا سامنا کرنا پڑا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض اوقات کھانے پینے کے لئے بھی گھر میں کچھ نہ ہوتا تھا۔ اس کے باوجود مَیں نے چندوں کی ادائیگی کا خیال رکھا اور اپنے کھانے پینے کے لئے کچھ میسر ہو یا نہ ہو چندہ کی ادائیگی میں کبھی تاخیر نہ کی۔ انہی حالات میں اللہ تعالیٰ نے مجھے وصیت کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائی۔

مالی حالات بد سے بدتر ہوتے گئے، حتی کہ ملک میں بھی بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے فصلوں کی صورتحال بہت دگرگوں تھی۔ ایسے میں مَیں نے حضور انور کی خدمت میں دعا کی درخواست کی جس کا جواب حضور انور کی طرف سے مجھے 16/جنوری 2007ء کو موصول ہوا جس میں حضور انور نے مجھے مندرجہ ذیل دعا دی تھی کہ: اللہ تعالیٰ دعاؤں کو سنتے ہوئے بارش نازل فرمائے اور حرث ونسل میں برکت دے۔

ابھی ایک ماہ ہی گزرا تھا کہ میری بیوی نے بتایا کہ وہ حمل سے ہیں۔ اور جب چیک اپ کروایا تو حمل کی تاریخ 16/جنوری 2007ء ہی نکلی کیونکہ ہمارے ہاں بچے کی پیدائش 27/ستمبر 2007ء کو ہوئی۔

مَیں نے کہا کہ حضور انور کی دعا کا ایک حصہ پورا ہو گیا ہے اس کا مطلب ہے کہ دوسرا

حصہ بھی پورا ہوگا اور حرث میں برکت سے مالی مشکلات بھی جلد دور ہونے والی ہیں۔ اس وقت مجھ پر پانچ لاکھ سیرین پونڈز کا قرض تھا۔مَیں نے اسی مضمون کا ایک خط 4؍نومبر 2007ء کو حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں لکھا جس کا جواب مجھے یکم جنوری 2008ء کو موصول ہوا جس میں حضور انور نے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ قرض اتارنے میں آسانیاں پیدا فرمادے۔ اس کے بعد مَیں نے خواب میں ایک سفید بالوں والے شخص کو دیکھا جو مجھے کہتا ہے کہ مَیں تیرا پانچ لاکھ کا قرض ادا کر دیتا ہوں۔مَیں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ پھر مَیں نے خود ہی کہا کہ آپ مجھے ابو قاسم لگتے ہیں، اس نے جواب دیا ہاں مَیں ابو قاسم ہی ہوں۔

ان خراب مالی حالات کے باوجود مَیں نے اپنی زمین کا ایک حصہ جماعت کو دینے کا فیصلہ کیا تاکہ جب حالات اجازت دیں تو جماعت اس جگہ مسجد تعمیر کر لے۔ جب صدر جماعت شام مکرم مسلم الدروبی صاحب کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ مَیں آپ سے اتنی مزید زمین خرید کر جماعت کو دینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس کی پہلی قسط جو انہوں نے ادا کی وہ پانچ لاکھ سیرین پونڈز تھے جس سے حضور انور کی دعا کا اعجاز ظاہر ہوگیا اور نہایت آسانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے میرا قرض اتارنے کے سامان پیدا فرما دیئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

بچے کی علالت اور معجزانہ شفا

یہ بچہ جس کا ذکر ابھی گزرا ہے بوقت پیدائش Meningitis کی تکلیف سے دوچار تھا۔اور بیس دن تک اسے ہسپتال میں رہنا پڑا۔میں نے کہا یقیناً یہ کوئی ابتلا ہے اس لئے فوراً حضور انور کی خدمت میں دعا کا خط لکھا۔ابھی یہ ہسپتال میں ہی تھا کہ مجھے شام کے ایک شہر ’’اِدلب‘‘ میں تبلیغ کے لئے جانے کا حکم ہوا۔ مجھے ذرہ برابر بھی تردد نہ ہوا بلکہ بچہ کو ہسپتال میں ہی چھوڑ کر ایک احمدی دوست کے ساتھ ادلب چلا گیا جہاں ہماری تبلیغ سے بفضلہٖ تعالیٰ بعض لوگوں نے بیعت کر لی۔ جب واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے خاص فضل فرمایا اور میرا بیٹا بالکل صحت یاب ہوگیا۔

قارئین کرام! مکرم راکان المصری صاحب کے ان واقعات میں دو امور بطور خاص قابل توجہ ہیں۔ ایک یہ کہ ہر مشکل مرحلہ پر، اور ہر اہم موقعہ پر خلیفۂ وقت کی خدمت میں دعا کا خط لکھتے ہیں۔

دوسری بات بہت عجیب ہے کہ باوجود تنگ اور مشکل حالات کے بھی چندہ دینا نہیں چھوڑا، بلکہ جوں جوں حالات تنگ ہوتے گئے ان کی طرف سے چندے کی مقدار میں اضافہ ہوتا گیا۔ ایسے لگتا ہے کہ جیسے وہ اس تنگی کا علاج بھی خدا کی راہ میں اپنے اوپر مزید تنگی وارد کر کے کر رہے تھے۔ اور خدا تعالیٰ کی خاطر تنگی برداشت کرنے والے پر خدا کے پیار کی نظر ضرور پڑتی ہے۔ یہی لوگ ہیں جن کے حق میں خلیفۂ وقت کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ پورا ہوتا ہے۔ اور ہم نے ان واقعات کے مطالعہ کے دوران دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں خلیفۂ وقت کی دعاؤں کو قبول فرمایا۔

مکرم مازن خبّاز صاحب

مکرم مازن خباز صاحب کا تعلق سیریا کے شہر حمص سے ہے۔20/مارچ 1969ء کو پیدا ہوئے اور مؤرخہ 19/مئی 1996ء کو بیعت کر کے جماعت میں شمولیت اختیار کی۔آیئے ان سے ان کے سفر کی داستان سنتے ہیں۔

بیعت کا واقعہ

مکرم مازن خباز صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے بچپن ہی سے قرآن کریم سے بہت محبت تھی اور مَیں اپنی ذاتی کوشش سے اس کو حفظ بھی کیا کرتا تھا۔نوجوانی کی عمر میں تلاوت اور حفظ قرآن کے دوران مختلف آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں میرے ذہن میں سوالات پیدا ہوتے تو مَیں مولوی حضرات سے اس کے جواب پوچھتا تھا۔ان کے آپس میں متناقض جوابات اور تفاسیر سے مَیں سخت پریشان ہو جاتا اور ان کے جوابات سے مجھے کبھی اطمینان نہ ہوتا۔ایک دفعہ مَیں اپنے بچپن کے دوست مکرم احمد باکیر صاحب اور خالد فرج صاحب وغیرہ کے ساتھ ملا اور ان سے دینی موضوعات اور متناقض تفاسیر کے بارہ میں بات ہوئی۔مَیں حیران رہ گیا کہ ان نوجوانوں کے پاس سے مجھے سب سوالوں کا جواب مل گیا۔ان کے ذریعہ مجھے پتہ چلا کہ وہ احمدی ہیں اور ان کے پاس دلیل وبرہان کا یہ خزانہ احمدی لٹریچر سے ہی آیا ہے۔مَیں نے دو دن ان کے ساتھ مختلف امور کے بارہ میں تفصیلی بات کی اور محض دو دنوں کے بعد اپنی بیوی سمیت بیعت کر لی۔اور اس کے ساتھ ہی میرا ایک پرانا رؤیا پورا ہو گیا جو میں نے پندرہ سال کی عمر میں دیکھا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ امام مہدی آ گئے ہیں اور میں آپ کی جماعت میں شامل ہوں۔

تبلیغ کے ثمرات اور آزمائشیں

مَیں چاہتا تھا یہ خزانے سب کو ملیں اور سب اس چشمہ سے فیض پائیں۔ لہٰذا مَیں نے اپنے اہل خاندان کو تبلیغ شروع کی۔ میری تبلیغ سے میرا بھائی مکرم زیاد خباز اور بھابھی احمدی ہوگئے۔ پھر میرے بھائی سامر خباز نے بھی بیعت کر لی۔ اس کے بعد میری والدہ محترمہ نجاح خباز اور چھوٹا بھائی ملاذ خباز بھی احمدی ہوگئے۔ یوں اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرا پورا خاندان احمدیت کی آغوش میں آ گیا۔ میرے بھائی سامر خباز کی بیوی احمدی نہ تھی اس کے سسرال والوں نے مولویوں سے جا کر احمدیت کے بارہ میں فتویٰ طلب کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کافر ہیں اور ان کے ساتھ بچی کی شادی سراسر ناجائز ہے لہٰذا اس فتویٰ کی بناء پر اسے زبردستی طلاق دلوادی گئی۔ اس واقعہ کے بعد میرے چچا وغیرہ کا خاندان بھی شدید مخالفت کرنے لگا۔ ایسے میں مَیں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو رؤیا میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے مجھے تسلی دیتے ہوئے مسیح موعود علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہی سچا مسیح موعود ہے اور آپ جنہوں نے اس کی بیعت کی ہے خدا کے خاص بندے ہیں۔

بہر حال ہمیں تو اللہ تعالیٰ خود تسلیاں دیتا رہا جبکہ دوسری جانب ہمارے ان رشتہ داروں نے آپس میں مل کر ایک معاہدہ کیا جس پر سب نے دستخط کئے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ آئندہ نہ ہم سے بات کریں گے، نہ ہمیں سلام کریں گے، اور نہ ہمارے ساتھ کسی قسم کا کوئی رابطہ رکھیں گے۔

قارئین کرام! سچ کو پرکھنے کے لئے کوئی حسابی کتابی اور فلسفیانہ دلائل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب بھی خدا تعالیٰ کوئی نبی بھیجتا ہے تو اس کے مخاطب ان پڑھ بھی ہوتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ اور فلسفی مزاج بھی۔ جہاں وہ مرسل سماوی ہر طبقۂ فکر کے لئے اپنی صداقت کے نشان لے کر آتا ہے وہاں اکثر نشانات ایسے عام فہم ہوتے ہیں جو ہر انسان کی سمجھ میں آسکتے ہیں اور ہر ایک پر حجت پوری کرنے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ ایسے عام فہم دلائل میں سے ایک الٰہی جماعت کا کردار اور نمونہ ہے۔ جماعت احمدیہ

کا کردار اور اس کے اخلاق اس کی صداقت پر بین دلیل ہیں۔ یہ بات اس وقت اور نمایاں ہو جاتی ہے جب آپ جماعت کے اور اس کے مخالفین کے اخلاق و کردار کا تقابلی جائزہ لیں۔ ذرا غور کریں کہ مقاطعہ کرنا، اور ہر قسم کے روابط ختم کر لینے کا معاہدہ کرنا کن لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے۔

کم از غیر احمدی مسلمانوں کو تو یہ اچھی طرح یاد ہوگا کہ ایسا مقاطعہ کرنے والے کون تھے اور جن کے خلاف ایسا معاہدہ کیا گیا وہ کون تھے۔

آج اللہ تعالیٰ نے یہ نشان احمدیوں کو عطا فرمایا ہے جس کو سمجھنے کیلئے کسی ڈگری کی ضرورت نہیں بلکہ ہر طبقۂ فکر کے لئے یہ سچائی عیاں ہے۔

دستِ دعائے خلافت کا اعجاز

مکرم مازن خباز صاحب مزید بیان کرتے ہیں کہ میری شادی کو پانچ سال گزر چکے تھے لیکن اولاد کی نعمت سے محروم تھا۔ میڈیکل رپورٹس کے مطابق استقرار حمل میں کوئی مشکل تھی۔ جب میں نے جملہ تفاصیل پر مبنی خط حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں ارسال کیا اور دعا کی درخواست کی تو حضور انور نے دعا کے ساتھ ساتھ ہومیو پیتھی دوا بھی ارسال فرمائی۔ کہاں ہم نے پانچ سال اس نعمت سے محرومی میں گزار دیئے تھے اور کہاں خلیفہ وقت کی دعاؤں سے یہ ہوا کہ اسی سال اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیٹی عطا فرمائی۔ فالحمد للہ علے ذلک۔

پہلی بیٹی کے بعد دوسری بیٹی کی پیدائش ہوئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے تیسری بیٹی عطا فرمائی۔ میری بیوی کی شدید خواہش تھی کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اولاد نرینہ کی نعمت سے بھی نوازے۔ چنانچہ اس نے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں دعا کا خط لکھ دیا۔ حضور انور کی طرف سے دعائیہ جواب موصول ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اولاد نرینہ عطا فرمائے چنانچہ اس دعا کی قبولیت کا معجزہ بھی ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیٹے کی نعمت سے بھی نواز دیا۔ فالحمد للہ ربّ العالمین۔

نظام وصیت میں شمولیت اور افضال خداوندی کا نزول

مجھے اللہ تعالیٰ نے 2006ء میں نظام وصیت میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ وصیت کرتے ہوئے میری کیفیت عجیب تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے میں دوبارہ بیعت کر رہا ہوں۔ بالکل وہی پہلی بیعت والا احساس غالب تھا۔ پھر وصیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے مال ورزق میں غیر معمولی برکت عطا فرمائی، بلکہ جب بھی کسی مشکل وقت میں خدا تعالیٰ سے کچھ مانگا ہے اس نے جھولیاں بھر کے مجھے عطا فرمایا ہے۔رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (البقرة:128)۔

2010 کے جلسہ سالانہ برطانیہ میں بھی مجھے شمولیت کی توفیق ملی اور زندگی میں پہلی دفعہ خلیفۂ وقت سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ فالحمدللہ۔

مکرم مازن عُقْلَہ صاحب

میرا تعلق دمشق سے ہے اور میں ایک متوسط دینی گھرانے میں 9 ستمبر 1975 کو پیدا ہوا۔میں نے شام میں پڑھائی کے ساتھ ساتھ بہت سے کام بھی کئے جن میں سبزیاں اور پھل بیچنے کا کام، کارپنٹری اور ڈیکوریشن اور رنگ روغن کرنے کے کام شامل ہیں۔

جماعت سے تعارف

جماعت سے میرا تعارف میرے ایک کلاس فیلو مکرم محمد یوسف صاحب کے ذریعہ ہوا۔ان کے والد نے چندسال قبل بیعت کی تھی جس کے بعد انکے بڑے بھائی کے سوا باقی تمام گھر والوں نے بھی بیعت کرلی۔مجھے جماعت اور اسکے عقائد کے بارہ میں کچھ علم نہ تھا۔محمد یوسف صاحب نے اس طرح بات شروع کی کہ آج کل کا زمانہ ایک مصلح کا متقاضی ہے اور کسی کی بعثت کی ضرورت ہے۔اور عجیب بات یہ ہے کہ ایسے حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مہدی اور مسیح موعود کے آنے کی خبر دی ہے۔متعدد ملاقاتوں میں اسی موضوع پر ہی انہوں نے بات کی۔ پھر ایک دن اچانک انہوں نے بتایا کہ امام مہدی ظاہر ہو چکا ہے اور میں نے اسکی بیعت کرلی ہے۔میں نے کہا مجھے اس بارہ میں کوئی اعتراض نہیں ہے ہاں اس بات کی فکر ضرور ہے کہ اس امام مہدی کو قبول کرنے کے لئے میری اپنی روحانی حالت کیا ہے۔بہر حال اس ملاقات کے بعد ہماری باتوں میں اسلامی فرقوں کا باہمی اختلاف موضوعِ بحث نہ ہوتا بلکہ عام تربیتی اور اخوت ومحبت کی باتوں کا بیان زیادہ ہوتا۔ہماری آپس کی ملاقاتیں بڑھنے لگیں۔مَیں ان کے پاس جانے لگا جہاں یہ چندنوجوان مل کر دینی مجالس قائم کیا کرتے تھے۔مَیں نے

دیکھا کہ یہ تو اور ہی قسم کے لوگ ہیں۔ان کی سوچ الگ ہے، ان کے اہداف مختلف ہیں، شاید یہ تمام بنی آدم سے نرالے لوگ ہیں۔کبھی دینی امور کے بارہ میں بات کرتے ہیں تو اس کا اپنا ہی ڈھنگ ہوتا ہے، اور کبھی خلیفہ وقت کی بات کرتے ہیں تو ان کے ساتھ تعلق اور محبت کا یہ رنگ بھی عجیب ہے۔جب بھی مَیں ان سے ملتا تو مجھے ایسے احساس ہوتا جیسے یہ لوگ کسی اور سیارے سے آئے ہیں۔جب مَیں ان سے مل کر واپس آتا تو اپنے اردگرد کے ماحول میں گھلنے ملنے کے لئے مجھے کافی وقت درکار ہوتا تھا کیونکہ دونوں قسم کے ماحولوں میں مجھے زمین آسمان کا فرق معلوم ہوتا تھا۔

میرا احمدیوں کے ساتھ بہت اچھا اخوت کا رشتہ بن گیا تھا۔میرے کئی ساتھی ایک ایک کر کے احمدی ہوتے جارہے تھے جبکہ میں باوجود اچھے تعلقات کے ابھی تک دور کھڑا ان کو دیکھ کر سراپا حیرت ہوا جارہا تھا۔نئے احمدی ہونے والوں کی نیکی اور تقوی میں ترقی میرے سامنے تھی۔ان کو نماز پڑھتے دیکھتا تو ایسا خشوع وخضوع اور خدا کے حضور تضرع وابتہال کے مناظر مجھے پہلے کہیں نظر نہ آئے تھے۔دو سال کے اس تعلق کے بعد بھی میرا ان کے ساتھ مختلف امور پر بات کرنے سے مقصد اپنے علم میں اضافہ کرنا ہوتا تھا۔ مجھے احمدیت کی سچائی کے بارہ میں تحقیق کر کے ایمان لانے اور بیعت کرنے کا خیال ہی کبھی نہ آیا تھا۔حتی کہ ہر لحاظ سے مطمئن ہو جانے کے بعد بھی میں نے سوچا کہ اتنا ہی کافی ہے کہ میں جماعت کی صداقت کا قائل ہوں اور حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو امام مہدی مانتا ہوں، مزید بیعت وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک دن محمد یوسف کا بڑا بھائی رأفت یونس مجھے ملنے آیا اور اس نے ایک سوال پوچھا کہ کیا حال ہے؟ مَیں نے کہا کہ الحمدللہ میں ٹھیک ہوں؟ انہوں نے کہا مَیں روحانی اعتبار سے تمہارا حال پوچھ رہا ہوں۔اس کے جواب میں مَیں سوچ میں پڑ گیا۔رأفت یونس کو میں اچھی طرح جانتا تھا۔ان کے اخلاق اور حسن ادب اور بات کرنے کے انداز کو مَیں بہت پسند کرتا تھا۔اس سوال نے مجھے دُور بیٹھ کر دیکھنے والے کی بجائے احمدی نوجوانوں کی اس مجلس کا حصہ بننے پر مجبور کر دیا۔اسی دوران 1998 میں میرا رأفت یونس کے ساتھ سیریا چھوڑ کر آسٹریا جانے کا پروگرام بن گیا اور پھر وہاں سے رأفت یونس جب جرمنی جانے لگا تو مَیں نے اسے کہا کہ اس تاریخ کو میری بیعت کی تاریخ کے طور پر یاد رکھ لو لہٰذا مَیں نے اس دن یا اس سے اگلے دن حضرت خلیفة

المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں بیعت کا خط لکھ دیا۔

خلیفہ وقت سے ملاقات

ایک ماہ بعد میں بھی جرمنی پہنچ گیا جہاں کچھ دنوں کے بعد جماعت احمدیہ جرمنی نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی نئے احمدی ہونے والے عربوں کے ساتھ ایک ملاقات کا بندوبست کیا تھا۔ یوں اپنی بیعت سے کچھ ہی عرصہ کے بعد مجھے خلیفۂ وقت سے پہلی ملاقات کا شرف حاصل ہو گیا۔ یہ ملاقات عربوں کے لئے ایک ہفتہ تک جاری رہنے والے تربیتی پروگرام کا حصہ تھی جو جرمنی کے شہر کاسل میں منعقد کیا گیا تھا۔اس کے ایک ہفتہ بعد جرمنی کا جلسہ سالانہ تھا جس میں مختلف عرب احمدیوں سے ملنے کا موقعہ ملا۔اتنی بڑی تعداد میں یورپ میں اس طرح کے دینی اجتماع کو دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ایک جگہ پر یہ سب لوگ ایک بڑے خیمہ میں بیٹھے اپنی اپنی زبان میں خطابات سن رہے تھے۔ان میں صرف پاکستانی ہی نہ تھے بلکہ افریقی، بوسنین، جرمن، ترکی اور عرب وغیرہ سب شامل تھے۔ایسے میں تلاوت قرآن، اوراذان کی آواز نیز قصائد اور خطابات ایک عجیب روحانی منظر پیش کررہے تھے۔

جماعتی علوم سے استفادہ

میرا دل چاہتا تھا کہ مَیں اپنی پڑھائی کو دوبارہ شروع کروں لیکن کسی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ ویزے کی نوعیت ایسی ہے کہ کہیں داخلہ ملنا مشکل ہے۔ بہرحال یہی سوچتے سوچتے ایک سال گزر گیا۔ اگلے سال جلسہ سالانہ جرمنی کے موقعہ پر ایام جلسہ میں مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے جرمنی میں غیرملکیوں کی راہنمائی کرنے والے ادارے کی طرف سے یہ پیغام ملتا ہے کہ ہم آپ کا لمبے عرصہ سے انتظار کررہے ہیں آپ کو یونیورسٹی میں داخلہ کی درخواست دینی چاہئے۔مَیں نے رؤیا کی بناء پر یونیورسٹی میں داخلہ کی درخواست دی تو وہ بہت جلد قبول ہوگئی اور مجھے داخلہ مل گیا۔یونیورسٹی میں میرا بہت سے عرب دوستوں کے ساتھ تعارف ہوا۔ان کے ساتھ احمدیت کے بارہ میں بات کے دوران مَیں نے محسوس کیا کہ مجھے جماعت کے علوم سے پوری طرح واقفیت نہیں ہے اس لئے مَیں صحیح طور پر تبلیغ نہیں کرسکتا۔لہٰذا مَیں نے فیصلہ کیا کہ

ایک سال میں دینی تعلیم اور کتب کے مطالعہ کے لئے وقف کر دیتا ہوں۔ لہٰذا مَیں نے جماعت کی مرکزی لائبریری میں جانا شروع کیا۔ ان کتب کو پڑھ کر مجھے جو احساس ہوا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے حقیقی خدا کا پتہ چلا اور اس کی صفات اور قدرتوں کا اندازہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح مقام سے آشنائی ہوئی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ایک خاص محبت والا تعلق قائم ہو گیا۔ آپ کی عربی کتب پڑھتے پڑھتے میں اکثر جذباتی ہو جاتا تھا۔ میرے نزدیک ان کتب کے مطالعہ کا یہی خلاصہ تھا کہ مسیح موعود علیہ السلام ایک عظیم روحانی انقلاب پیدا کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔

میرا کردار ہی کافی ہے گواہی کے لئے

اسی عرصہ میں شام میں رہنے والا ہمارا ایک ہمسایہ مکرم محمد حسن صاحب جرمنی آ کر رہائش پذیر ہوئے۔ کچھ عرصہ ان کے ساتھ احمدیت کے موضوع پر بات ہوتی رہی۔ وہ اکثر اختلافی امور کے بارہ میں جماعت کا نقطۂ نظر جاننے کا اصرار کرتے اور پھر اس شہر میں اپنے مولویوں کے پاس جا کر رائے لیتے۔ بالآخر اس نے ایک مولوی سے جماعت کے بارہ میں پوچھ لیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کافر ہیں اور ان سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ اس پر مکرم محمد حسن صاحب ان کی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس مولوی سے کہا کہ مَیں ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں اور ان کے ساتھ رہتا ہوں۔ یہ لوگ تہجد پڑھتے ہیں، خشوع وخضوع کے ساتھ نمازوں کے پابند ہیں، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ پھر تم ان کے کفر کا فیصلہ سنانے والے کون ہوتے ہو۔ اسی بات نے محمد حسن صاحب کو زیادہ سنجیدگی کے ساتھ جماعت کے بارہ میں تحقیق کرنے کی توفیق دی اور بالآخر انہوں نے بیعت کر لی اور الحمد للہ آج جماعت کے بڑے سرگرم رکن ہیں۔

اسی سال جس میں مَیں نے جماعت کے لٹریچر کا مطالعہ اور خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا تھا مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ گو کہ یہ ملاقات ایک دو منٹ سے زیادہ نہ تھی اور پلک جھپکتے ہی گزر گئی لیکن مجھے ایسے لگا جیسے مَیں زمین پر نہیں بلکہ کہیں آسمانوں پر اڑ رہا ہوں۔ شاید ایسا اس لئے ہوا تھا کہ مجھے پہلی دفعہ ملاقات کے بعد خلیفۂ وقت اور خلافت کی عظمت کا احساس ہوا تھا۔

اسی سال حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ ہمارے علاقہ میں پہلی مسجد کا افتتاح فرمانے تشریف لائے۔ ہمارے علاقے ''Nordrhein-Westfalen'' کی اس مسجد میں مجھے اور میرے دوست محمد حسن صاحب کو مسلسل چھ ماہ تک تقریباً روزانہ وقارِ عمل کرنے کی توفیق ملی۔ فالحمد للہ علی ذٰلک۔

الحمد للہ مجھے اپنی مجلس میں بطور قائد مجلس، اور پھر سیکرٹری نومبایعین جرمنی کے علاوہ عربوں کے لئے مختلف پروگرامز تیار کرنے میں معاونت کی بھی توفیق ملی اور مل رہی ہے۔

یہ بھی میری سعادت ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بطور خلیفہ جرمنی کا پہلا دورہ فرمایا تو مجلس عاملہ کو ہدایات اور نصائح فرمائیں۔ اس وقت حضور انور نے مجھے بھی نومبایعین کے بارہ میں نصائح فرمائیں اور نہایت قیمتی ارشادات سے نوازا۔ فالحمد للہ۔

مَیں نے پڑھائی کے دوران بہت مشکل حالات میں گزارا کیا۔ مَیں دو جگہ کام کرتا تھا، ساتھ پڑھائی کے لئے بھی باقاعدہ جاتا تھا۔ اس کیلئے مجھے کئی گھنٹے روزانہ سفر کرنا پڑتا تھا۔ لہٰذا میری اکثر پڑھائی اور تیاری ٹرین میں سفر کے دوران ہی ہوتی تھی۔

اللہ کا فضل اور کرم ہے کہ 2009ء میں پڑھائی ختم ہوئی اور مَیں نے ترجمہ کے شعبہ میں گریجوایشن کی ہے، اور اب خدا کے فضل سے مجھے دمشق یونیورسٹی میں جرمن زبان پڑھانے کے لئے نوکری مل گئی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

مکرم ہانی طاہر صاحب

میرا تعلق فلسطین کی ایک بستی ''کفر صور'' نامی سے ہے جو 1967ء میں مقبوضہ ہونے والے مغربی کنارے کے ایک شہر ''طولکرم'' سے دس کلومیٹر جنوب کی طرف ہے۔ میری پیدائش میری بستی پر اسرائیلی قبضہ کے دو سال بعد، (جبکہ فلسطین پر اسرائیلی قبضہ کے اکیس سال بعد) یعنی 1969ء میں ہوئی۔ 1948ء سے قبل میرے آباء واجداد کی وہاں پر اپنی زمین تھی جس کے اسرائیلی قبضہ میں چلے جانے کے بعد وہ اسے بہت یاد کیا کرتے تھے۔ پھر جب 1967ء میں اس قبضہ کی توسیع ہماری بستی تک ہوگئی تو میرے والدین کے پرانے زخم بھی تازہ ہوگئے اور حسرتوں اور غموں میں اضافہ ہوگیا۔ انہی حسرتوں اور دکھوں کے درمیان میری پرورش ہوئی۔ ہمارے گھر میں کسی کو کوئی حادثہ پیش آتا، یا کوئی چیز گم ہوجاتی، یا کوئی چھوٹی سے چھوٹی مشکل درپیش ہوتی تو میری والدہ صاحبہ کی زبان سے ایک ہی دعا نکلتی کہ اے اللہ یہودیوں کا بیڑا غرق کر۔ ان امور کی وجہ سے میرے دل ودماغ میں یہ بات راسخ ہوگئی تھی کہ ہمارے ملک پر مجرموں نے قبضہ کر رکھا ہے اور ملک کو اس سے آزاد ہونا چاہئے۔ ایسے ماحول میں پلتے بڑھتے میرے اندر صرف ایک ہی جذبہ پنپ رہا تھا کہ کسی طریقہ سے یہودیوں کے قبضہ سے خلاصی ممکن ہو جائے۔ اور اسی معاملے کو بعض دینی جماعتوں نے اپنے مخصوص خیالات کو پھیلانے کا ایک ذریعہ بنالیا۔ بہرحال اسی جذبہ کے تحت مَیں محض سولہ سال کی عمر میں ہی اخوان المسلمین کی جماعت میں شامل ہوگیا۔

میٹرک میں 96 فیصد نمبر حاصل کر کے پورے ضلع میں میری پہلی پوزیشن آئی اور مجھے الیکٹرانک انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ بغداد میں وظیفہ مل گیا چنانچہ مَیں نے 1991ء

میں انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کر لی۔اس کے ایک سال بعد مَیں نے فلسطین کے علاقے نابلس کی النجاح یونیورسٹی میں تاریخ کے شعبہ میں داخلہ لے لیا،لیکن مالی مشکلات کی وجہ سے محض ایک سال کے بعد پڑھائی جاری نہ رکھ سکا۔اس کے بعد 1996ء میں مَیں نے شریعت کالج میں داخلہ لے لیا اور 2000ء میں بی اے کرنے کے بعد ایم اے میں داخلہ لیا لیکن مجھے اس کی ڈگری صرف اس وجہ سے نہ دی گئی کیونکہ مجھے کہا گیا تھا کہ مَیں قتل مرتد کے موضوع پر اپنا لکھا ہوا مقالہ چھوڑ کر کسی اور موضوع پر نئے سرے سے مقالہ لکھوں۔مَیں اپنے موقف پر اڑا رہا اور مقالے کا نگران مجھے فیل کرنے پر مصر رہا۔اس کے بعد مَیں نے ادب عربی میں داخلہ لیا ور 2004ء میں ایم اے عربی کر لیا۔

پڑھائی کے دوران ہی مَیں نے 1993ء سے ''خضوری'' کالج میں بطور لیکچرار نوکری شروع کر دی جو بعد میں یونیورسٹی بن گیا اور اس نوکری سے 2009ء میں استعفیٰ دے کر مَیں نے اپنی زندگی وقف کر دی۔

بچپن اور اس کی بعض یادیں

یہ خدا کا خاص فضل ہے کہ اس نے بچپن سے ہی میرے دل میں دوسروں کی خدمت اور مدد اور ان کی تکلیف کا احساس ودیعت کیا تھا۔اس احساس سے جڑی بعض یادیں آج بھی بہت بھلی لگتی ہیں۔

1۔ ہماری بستی ''کفر صور'' کے آخری محلّہ میں ''ام یوسف'' نامی ایک بڑھیا رہتی تھی جس کا گھر محض ایک کمرہ پر مشتمل تھا اور وہ بھی اتنا تنگ کہ اسے دیکھ کر ایک غار کا گمان ہوتا تھا۔مَیں کبھی کبھار اس کی مدد کے لئے چلا جاتا اور اسے ضرورت کی چیزیں خرید کر لا دیتا، اور اس وقت میری خوشی کی کوئی انتہا نہ ہوتی جب وہ ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے میری سلامتی اور حفاظت اور طول عمر کی دعا کرتی۔

2۔اسی طرح بستی کی ایک اور بڑھیا ''ام روحی'' مجھے ''اجرب'' کہہ کر پکارتی تھی۔ یہ نام اچھا نہ تھا جس کا مطلب ہے خارش زدہ۔ جب اس سے ایسا نام رکھنے کی وجہ پوچھی جاتی تو کہتی کہ مَیں اس لئے اسے ایسے نام سے پکارتی ہوں تا اسے کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

3۔شاید لوگوں کی مدد اور خدمت کی وجہ سے اوران کی اطاعت کے سبب بستی کی ایک اور بڑھیا ''ام بسام'' میرے بارہ میں کہا کرتی تھی کہ اگر ہم اسے یہ بھی کہیں کہ جا سمندر کے کنارے ہمارا فلاں کام کرآؤ تو کبھی انکار نہ کرے گا۔سمندر کے کنارے جانے کا محاورہ ہمارے علاقے میں دنیا کے دوسرے کونے پر جانے کے مترادف ہے۔

دینی رجحانات

مجھے آج تک بستی کی وہ پرانی مسجد یاد ہے جو قبرستان کے پاس ہوا کرتی تھی۔لڑکپن میں ہی مَیں نماز فجر پر سب سے پہلے پہنچتا۔اور''سب'' سے مراد تین یا چار بڑی عمر کے بزرگ ہوا کرتے تھے۔

مجھے قرآن کریم سے بہت محبت تھی۔لڑکپن کے زمانہ میں مَیں اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا۔میرے ساتھی تو سارا دن بکریاں چراتے اور کھیل کود میں وقت گزار دیتے جب کہ مَیں بکریاں چرانے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم حفظ کرتا رہتا تھا۔

اسی عرصہ میں میرا تعارف چند نوجوانوں سے ہوا جو ہماری بستی کے نہیں تھے بلکہ کسی اور جگہ سے گرمیوں کے موسم میں یہاں پڑھنے کے لئے یا کام کرنے کے لئے آیا کرتے تھے۔میرا ان کے ساتھ ایسا تعلق بن گیا کہ مجھے ان کے آنے کا بڑی شدت کے ساتھ انتظار ہوتا اور جب یہ جانے لگتے تو ان کے فراق کے دکھ سے رو پڑتا تھا۔یہ نوجوان نمازوں کے پابند تھے۔ان سے ہی مجھے پتہ چلا کہ''اخوان المسلمین''ہی حقیقی طور پر اسلام کا دفاع کرنے والے ہیں، کیونکہ دین اسلام اور نبیؐ اسلام کی محبت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اس لئے وہ اس راہ میں اپنی جانوں کی قربانیاں دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔چونکہ مَیں بھی اسلام سے محبت اوراس کے دفاع کے جذبہ سے سرشار تھا اس لئے ان کی جماعت میں شامل ہوگیا۔پھر جب 1987ء میں انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم کیلئے بغداد گیا تو وہاں بھی ہم فلسطینی اور اردنی طلباء نے مل کر ایک سٹوڈنٹ یونین بنائی جو رفتہ رفتہ اخوان المسلمین کا ہی رنگ اختیار کرگئی۔اخوان المسلمین تنظیم سید قطب کے افکار سے متاثر تھی اور سید قطب مولانا مودودی سے متأثر تھا، اسے تکفیری طرز فکر کا نام دیا جاتا ہے۔جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے سوا باقی سب کو کافر سمجھتے ہیں۔

1992 میں مَیں اخوان المسلمین کو چھوڑ کر تکفیری جماعت میں شامل ہو گیا اور اس کی تائید میں ”نقلة بعيدة من الإخوان إلى الإسلام“ کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی جسے غزہ کے علاقے میں تکفیری طرزِ فکر کی حامل جماعتوں میں کافی پذیرائی حاصل ہوئی۔ لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد اس طرزِ فکر سے بھی دل اٹھ گیا اور مَیں نے اس سے بھی علیحدگی اختیار کر لی لیکن اس کی باقیات موجود رہیں تا آنکہ میرا جماعت احمدیہ سے تعارف ہو گیا۔

احمدیت سے تعارف

7/ اگست 1995ء کو ہماری تکفیری جماعت کے ایک بزرگ ممبر مکرم ابو مامون صاحب نے ہمیں آکر یہ خبر سنائی کہ وہ احمدی ہو گئے ہیں۔ ہمارا فوری مختصر جواب یہ تھا کہ جو مسلمان اپنی اسلامی غیرت کی بنا پر احمدیوں کے کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہیں ہم تو انہیں پہلے ہی کافر سمجھتے ہیں لہٰذا احمدیوں کے بارہ میں سوچنے سمجھنے، ان کی دلیلیں سننے، یا ان سے بحث کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ تو ان مذکورہ کافروں کے نزدیک بھی کافر ہیں۔ لہٰذا ہمارا متفقہ فیصلہ یہ ہوا کہ آج کے بعد ابو مامون صاحب کا ہمارے ساتھ ملنا جلنا ختم ہو گیا۔

باوجود اس فیصلہ کے مَیں اس کی تنفیذ سے اس لئے قاصر تھا کیونکہ ابو مامون میرے خسر تھے اور مَیں ان کو راہ راست پر لانا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ بہرحال ہماری بات چلتی رہی تا آنکہ مَیں نے 1996ء میں عمان سے مودودی صاحب کی کتاب ”ما هي القاديانية؟“ خریدی جس کی بعض عبارات سے بہت متأثر ہوا اور پہلی دفعہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ احمدیت کے بارہ میں کسی قدر تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔ جبکہ اس سے قبل مَیں جماعت کو اس قابل بھی نہ سمجھتا تھا کہ اس کی سچائی کو پرکھنے کے لئے تحقیق کی جائے۔

ہانی صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

مودودی صاحب کی کتاب میں یہ عنوان بطور خاص میری توجہ کا مرکز بنا: ”قادیانیت کے ساتھ نزاع کے تین بنیادی اسباب“۔ اس عنوان کے تحت مودودی صاحب نے جماعت احمدیہ کی مخالفت کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس فرقہ کے پیروکار اپنے طرزِ فکر کی تبلیغ کا بہت جوش رکھتے ہیں اور مباحثوں و مناظروں کے ماہر ہیں جس کی وجہ سے ان کا ہر آدمی جہاں کہیں رہتا ہے

اپنے ماحول میں تہلکہ مچا دیتا ہے۔

(ماھی القادیانیۃ صفحہ 107)

مودودی صاحب کے ان الفاظ نے کم از کم میرے لئے یہ ثابت کر دیا کہ یہ کوئی عام اور معمولی جماعت نہیں ہے جس کا ہر فرد اپنے ماحول میں تہلکہ مچا سکتا ہے۔ لہٰذا اس کی حقیقت کے بارہ میں جاننا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ مَیں اس نیت سے 7/دسمبر 1996ء کو ابو مامون صاحب کے گھر جا پہنچا۔ انہوں نے مجھے مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب مرحوم کی ''دعائم الإیمان'' کے نام سے ریکارڈ کی ہوئی آڈیو کیسٹس سنائیں۔ مجھے اس بارہ میں جاننے کی جستجو اس قدر زیادہ تھی کہ مَیں نے ان تمام کیسٹس کو سن کر 19 صفحات میں ان کا خلاصہ تیار کر لیا جو آج 14 سال گزرنے کے بعد بھی میرے پاس محفوظ ہے۔

جماعت احمدیہ کے عقائد کا ردّ لکھنے کا خیال

ان کیسٹس کے خلاصہ کی بنا پر مَیں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مجھے ان تمام نقاط کا جواب دینا چاہئے۔ لیکن میرے جیسے انسان کو جس نے اپنی تمام تر کوششیں پہلے سیاسی اسلام کی ترویج میں اور پھر لوگوں کی تکفیر اور اسکے دلائل بیان کرنے میں صرف کر دی ہوں اسے کیا پتہ کہ وفات مسیح کے مسئلہ کا کیا جواب ہو سکتا ہے؟ یا علاماتِ ساعت سے کیا مراد ہے؟ یا ناسخ ومنسوخ کا مسئلہ کیا ہے؟ اور استمرار نبوت ووحی کے مسئلے کا کیا ردّ ہو گا؟ اس لئے میرے لئے یہ کام بہت مشکل ثابت ہوا کیونکہ میں نے ان امور کے بارہ میں پہلے کبھی سوچا تک نہ تھا اور اب یہ صورتحال تھی کہ یہ تمام مسائل یکبار میرے سامنے کھڑے تھے اور میرے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا۔ بالآخر کافی سوچ بچار کے بعد مَیں نے اس بارہ میں کسی عالم سے اس بارہ میں مدد لینے کا فیصلہ کیا جو احمدیت کے تمام اختلافی امور کا تفصیلی جواب دے سکے۔ یہ سوچتے ہی میرے ذہن میں میرے پسندیدہ مولوی کا نام آیا جس کے تبحر علمی کا مَیں پہلے سے ہی معترف تھا۔ چنانچہ مَیں اس مولوی ابو جمیل کے پاس جا پہنچا۔ مَیں نے اس سے کہا کہ مَیں نے احمدی فرقہ کی چند تبلیغی کیسٹس سنی ہیں اور میرے خیال سے اس کا ردّ لکھنا بہت ضروری ہے۔ ابو جمیل نے کہا ٹھیک ہے لیکن پہلے ان کی کتب لاؤ تا کہ ان کے عقائد کو ان کی زبانی نقل کر کے ان کا ردّ لکھا جائے۔

پہلی دفعہ کبابیر میں

ابوجمیل کے لئے کتابیں حاصل کرنے کی غرض سے 7رجنوری 1997ء کو مَیں مکرم ابو مامون صاحب کے ساتھ پہلی دفعہ کبابیر آیا جہاں محمد شریف عودہ صاحب اور مبلغ سلسلہ مکرم محمد حمید کوثر صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ مَیں جوش وجذبہ سے لبریز تھا لہٰذا ہر سوال کا دو اور دو چار کی طرح واضح اور مختصر جواب لینا چاہتا تھا۔ میرا سوال کرنے کا انداز نہایت جوشیلا بلکہ غصیلہ تھا جسے دیکھ کر ابو مامون صاحب بار بار مجھے ٹوکتے اور میرے سوال کرنے کے طریق پر اعتراض کرتے رہے، جس نے مجھے غصہ سے مزید آگ بگولا کر دیا۔ محمد شریف عودہ صاحب نے جب یہ صورتحال دیکھی تو مجھے اپنے گھر لے گئے جبکہ ابو مامون صاحب مبلغ سلسلہ کے ساتھ بیٹھے رہے۔

میری کیفیت دیکھ کر بعض احمدیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ بہت ہی متعصب اور تنگ ذہن کا مالک نوجوان ہے اور ایسے لوگ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ یہ بات درست نہ تھی اور میرا مقصد صرف اور صرف حقیقت کو جاننا تھا۔ بہرحال مَیں نے وہاں سے کچھ کتب لیں جنہیں خود بھی پڑھ لیا اور شیخ ابوجمیل کو بھی دے دیں۔

ابوجمیل کا کلامِ بے دلیل

اس کے بعد مَیں وقتاً فوقتاً ابوجمیل کے پاس جاتا رہا اور انہیں ان کتب کا جواب لکھنے کا وعدہ یاد دلاتا رہا۔ وہ ہر دفعہ کوئی کتاب کھول کر ایک جملہ پڑھتے اور پھر کہتے: دیکھو یہ کس قدر پھسپھسی دلیل ہے؟ دیکھو یہاں کس قدر احمقانہ بات لکھی گئی ہے؟ الغرض مَیں جتنی دفعہ بھی ابوجمیل صاحب کے پاس گیا ان کا یہی وطیرہ رہا کہ جماعت کی کسی کتاب کی ورق گردانی کرتے اور بعض اقتباسات پڑھ کر مذکورہ بالا جملے بولتے جاتے۔ تاہم انہوں نے احمدی عقائد کے بارہ میں کوئی تفصیلی ردّ لکھا اور نہ ہی مجھے کوئی معقول جواب سمجھا سکے۔

اگلے چند ماہ تک مَیں کبابیر جانے اور کتابیں لانے سے قاصر رہا لہٰذا احمدیت کے بارہ میں مزید تحقیق نہ ہوسکی۔ مجھے سمجھ نہیں آتی تھی کہ کس طرح تحقیق شروع کروں کیونکہ کوئی ایک مسئلہ نہ

تھا جس کی حقیقت جاننا مقصود تھا بلکہ متعدد امور کے بارہ میں مجھے تحقیق کرنی تھی۔ بہر حال مَیں نے اس عرصہ میں امام مہدی کی بعثت کے بارہ میں احادیث کا مطالعہ شروع کر دیا۔لیکن اس بات نے مجھے سخت پریشانی میں ڈال دیا کہ امام مہدی سے متعلقہ تمام روایات کا شمار علماء حدیث کے نزدیک ضعیف روایات میں ہوتا تھا۔مَیں 1998ء تک انہی خیالات اور حالات کی زد میں رہا۔ مجھے نہ تو تحقیق کا کوئی طریق سجھائی دیتا تھا، نہ ہی جماعت کے عقائد وافکار کے ردّ میں کوئی قطعی دلیل میرے ہاتھ لگتی تھی۔ چارو ناچار ایک دفعہ پھر مجھے ابو جمیل کا سہارا لینا پڑا،اور مَیں اس کے اور مصطفیٰ ثابت صاحب مرحوم کے مابین مناظرہ کروانے میں کامیاب ہو گیا۔اس سال مصطفیٰ ثابت صاحب مرحوم کبابیر کے جلسہ سالانہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے اور میری ان سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ مناظرہ مغرب وعشاء کی نماز کے بعد شروع ہوا اور فجر تک جاری رہا،لیکن ابو جمیل کی کج بحثی کی بنا پر اس کا ذرہ برابر بھی فائدہ نہ ہو سکا۔ کیونکہ ابو جمیل ایک ہی قسم کا سوال دہراتے رہے، مثلاً یہ کہ آپ شرعی احکام کو کس طرح سمجھتے ہیں؟ اگر مصطفیٰ ثابت صاحب یہ جواب دیتے کہ قرآن کریم سے، تو ابو جمیل پوچھتے کہ آپ قرآن کیسے سمجھتے ہیں؟ اگر مصطفیٰ ثابت صاحب جواب دیتے کہ عربی زبان کے ذریعہ قرآن سمجھتے ہیں،تو ابو جمیل پوچھتے کہ اچھا یہ بتائیں کہ آپ عربی زبان کیسے سمجھتے ہیں۔الغرض ساری رات اسی طرح کے بے فائدہ سوالات وجوابات میں گزر گئی اور ابو جمیل نے عقائد کے بارہ میں کوئی بحث ہی نہ ہونے دی۔مَیں اس وقت حاضرین میں بیٹھا جز بز ہو رہا تھا کہ مصطفیٰ ثابت صاحب جواب دینے کی بجائے یہی سوال اس سے کیوں نہیں کرتے کہ اچھا تم بتاؤ کہ تم ان باتوں کو کس طرح سمجھتے ہو۔تاہم اس مناظرہ سے اتنا تأثر مجھے ضرور ملا کہ مصطفیٰ ثابت صاحب بہت صابر انسان ہیں جو اس قدر فضول سوالوں کے باوجود بھی بغیر تنگ آئے جواب دیئے چلے جا رہے تھے۔

خود تحقیق کرنے کا فیصلہ

اس مناظرہ کے بعد مَیں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ابو جمیل اس قابل نہیں ہے کہ مَیں اس پر بھروسہ کرکے احمدیت کے معاملہ میں کسی نتیجہ پر پہنچ سکوں۔لہذا مَیں نے خود تحقیق کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس وقت تک مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی کتاب نہ پڑھی تھی۔ اس فیصلہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے میری ہدایت کے لئے کئی ایک امور کی طرف میری راہنمائی فرمائی جس کی تفصیل اس طرح سے ہے:

☆ ان دنوں مَیں اوپن یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا اور مَیں نے موازنہ مذاہب اور انٹرنیشنل ریلیشنز کی شاخ کا انتخاب کیا۔

انٹرنیشنل ریلیشنز کی شاخ میں مسئلۂ جہاد، آزادیٔ مذہب اور غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے بارہ میں مختلف اسلامی آراء کا مطالعہ کیا۔ اس بارہ میں احمدیت کا نقطہ نظر معلوم ہوا تو مَیں اس کا قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکا کیونکہ دراصل یہی درست رائے تھی جبکہ تکفیری جماعت کے بنائے ہوئے اصول وقواعد ایسے مضبوط نہ تھے جن پر اس معاملات کی بنا رکھی جا سکتی۔

اسی طرح موازنہ مذاہب کی شاخ کے مطالعہ کے بعد مَیں اس نتیجہ پر پہنچا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے اور جو لوگ حیات مسیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ یا تو جاہل محض ہیں یا پھر کج بحثی سے کام لیتے ہیں۔

☆ جولائی 1998ء میں مَیں نے ایک بڑے شامی مولوی محمد سعید رمضان البوطی کی کتاب 'الجہاد' خریدی۔ اس کتاب نے میرے ذہن میں راسخ عدوانی جہاد کے خیالات کو باطل ثابت کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ لیکن اس کتاب میں ایک واضح تضاد یہ تھا کہ کتاب کے دوسرے حصے میں قتل مرتد کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے جو دلیلیں دی تھیں وہ کتاب کے پہلے حصہ کے مضمون سے ٹکراتی تھیں۔ اس معاملہ میں بھی جب مجھے جماعت کی رائے کا علم ہوا تو مَیں نے دیکھا کہ حق جماعت کے ساتھ ہے۔ اور جماعت کے پیش کردہ دلائل نہایت مضبوط اور ناقابل تردید ہیں۔ اسی طرح بعض اور مسائل کے بارہ میں تحقیق سے مَیں اس نتیجہ پر پہنچا کہ البوطی صاحب کی طرح بعض دیگر بڑے بڑے علماء جن مسائل میں احمدیت سے اختلاف رکھتے ہیں ان میں خود متضاد آراء کا شکار ہیں۔

☆ 18/جون 1998ء کو مَیں اردن گیا جہاں 14/جولائی تک قیام کیا۔ میرا یہ سفر میرے ذہن سے تکفیری طرزِ فکر کو جڑ سے اکھیڑنے کا باعث ہوا اور جہاں تکفیری طرز فکر کا بطلان ثابت ہوا وہیں سے احمدیت کے عقائد کی صحت اور حقانیت پر یقین راسخ ہونا شروع ہو گیا۔

مخالف نے مسیح موعود کی سچائی ثابت کردی

اس کے بعد مَیں نے اسلامی کتب کا مطالعہ شروع کیا اور ابتدا کتبِ تفسیر سے کی۔ان تفاسیر میں سے شیخ رشید رضا کی تفسیر المنار پڑھ رہا تھا کہ میرے لئے 22/ستمبر 1998ء کی وہ ساعتِ سعد آ گئی جب مَیں نے اس تفسیر میں عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر اوران کے رفع إلی السماء کے عقیدہ کی تردید میں دلائل پڑھے۔لیکن یہ ذکر کرنے کے بعد شیخ رشید رضا کو اس مشکل سوال کا سامنا کرنا پڑا کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت سے دشمنوں کے چنگل سے نجات بخشی تھی تو پھر آپ گئے کہاں؟ ان کو کسی نے دیکھا کیوں نہیں؟ ان کا کسی نے اتا پتہ کیوں نہیں بیان کیا؟ اس سوال کے جواب میں ابتدا میں تو شیخ رشید رضا نے مختلف لوگوں کے اقوال کے ذریعہ عیسٰی علیہ السلام کے صلیب پر بے ہوشی کی حالت میں زندہ رہنے پر دلائل نقل کئے۔لیکن اس کے باوجود اصل سوال اپنی جگہ قائم رہا کہ اگر وہ صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ صلیبی موت سے بچ گئے، تو پھر کہاں گئے؟ بالآخر انہوں نے اس سوال کے جواب کیلئے ایک علیحدہ عنوان باندھا جو یہ تھا: ''القول بهجرة المسيح إلى الهند وموته فی بلدة سری نکر فی کشمیر'' یعنی عیسٰی علیہ السلام کی ہندوستان کی طرف ہجرت اور سرینگر کشمیر میں ان کی وفات۔ اس عنوان کے تحت شیخ رشید رضا نے ہجرت مسیح اور کشمیر میں محلّہ خانیار میں آپ کی قبر ہونے کے بارہ میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے۔پھر آیت کریمہ: وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَّ آوَيْنٰهُمَآ إِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (مومنون: 51) کی آپ کی بیان فرمودہ تفسیر بھی درج کی ہے۔شیخ رشید رضا کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ جو تفسیر انہوں نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے حوالے سے نقل کی ہے وہ خود بھی اس کے قائل ہیں۔ بلکہ اس کے بعد قرآن کریم سے اس تفسیر کی صداقت پر انہوں نے مزید دلائل درج کئے اور نہ صرف اس رائے کی مخالفت میں کوئی اور رائے نقل نہیں کی بلکہ آخر پر یہ مشہور جملہ لکھا: ففراره إلى الهند وموته فی ذلك البلد ليس ببعيد عقلاً ولا نقلاً۔یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی ہندوستان کی طرف ہجرت اور پھر اس ملک میں آپ کی وفات عقل ونقل کی رو سے بعید از قیاس نہیں ہے۔ یہ سب اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھا کہ شیخ رشید رضا اس نہایت حساس

اور اہم مسئلہ میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی رائے سے مکمل اتفاق کرتے ہیں۔
اور یہ بات ظاہر وباہر تھی کہ شیخ رشید رضا کو عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں عیسائیوں کے مزعومہ عقائد کا ردّ کرنے کے لئے صرف اور صرف حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کا اسلوب ہی کارگر اور کامیاب دکھائی دیا تھا۔

تحقیق کا نتیجہ

ان صفحات کو پڑھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں، اور اگر ان کی قبر کشمیر میں ہے، اور اگر مرزا غلام احمد قادیانی ہی وہ شخصیت ہے جس نے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے، اور اگر بیسویں صدی کے عرب دنیا کے بہت بڑے مفسر کو اس حساس مسئلے کے ردّ کے لئے مرزا صاحب کا ہی اسلوب اپنانا پڑتا ہے، اور اگر عیسیٰ علیہ السلام کی وفات اور نزول مسیح کے تضاد کا حل پیش کرنے میں صرف مرزا غلام احمد قادیانی ہی کامیاب ہوئے ہیں تو ان سب امور کا مطلب یہ ہے کہ پھر جو کچھ مرزا صاحب کہتے ہیں وہ درست ہے اور جو دعویٰ کر رہے ہیں وہ حقیقت ہے۔ان افکار وخیالات کے جلو میں مَیں مسیح موعود علیہ السلام پر دل سے ایمان لے آیا تھا۔

تبلیغ کا پروگرام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد مَیں نے تکفیری جماعت میں موجود اپنے تمام قریبی ساتھیوں کو تبلیغ کرنے کا منصوبہ بنایا۔خدا کے فضل وکرم سے میرا منصوبہ کامیاب رہا اور محض 12 دن کی گفتگو کے بعد مؤرخہ 18 رنومبر 1998ء کو میرے ساتھی مکرم عبد القادر مدلل صاحب نے مجھے بتایا کہ وہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی صداقت کے قائل ہو گئے ہیں۔اس وقت تک ہمیں علم ہی نہ تھا کہ بیعت کرنا ضروری ہے۔ ہم اپنے آپ کو احمدی سمجھتے تھے اور احمدیت کی تبلیغ کرتے رہے۔بعد میں جب پتہ چلا تو ہم نے جنوری 1999ء میں بیعت فارم پُر کرکے باقاعدہ طور پر جماعت میں شمولیت اختیار کی۔
اسی طرح 26 رفروری 1999ء کو میرا شیخ ابو جمیل کے ساتھ احمدیت کے عقائد اور مسیح

موعود علیہ السلام کی صداقت کے بارہ میں مناظرہ ہوا۔ یہی وہ شخص تھا جسے کبھی میں احمدیوں کے ساتھ مناظرہ کے لئے کبابیر لے کر گیا تھا۔ اس مناظرہ کی کامیابی یا ناکامی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے بعد میرے ایک دوست مکرم راضی طلال صاحب اور مکرم عبد القادر مدلل صاحب کے بھائی مکرم شادی مدلل صاحب نے بیعت کرلی۔ مکرم راضی طلال صاحب آج کل سویڈن میں ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ اپنے اہل وعیال کے ساتھ احمدیت اور خلافت کے ساتھ نہایت مخلصانہ تعلق رکھتے ہیں۔ جبکہ مکرم شادی مدلل صاحب فلسطین میں ہیں اور تبلیغ کے کاموں میں بہت فعال ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ پہلی ملاقات

جولائی 1999ء میں مجھے اور مکرم عبد القادر مدلل کو برطانیہ کے جلسہ سالانہ میں شمولیت کی توفیق ملی جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی جو گو کہ مختصر تھی لیکن نہایت ہی مسرور کن رہی۔ مجھے یاد ہے حضور انور نے ہماری بیعت کے بعد مولویوں کے ردعمل کے بارہ میں دریافت فرمایا تھا۔

بعض مناظرات کی داستان

جیسا کہ مَیں نے ذکر کیا ہے کہ میرا پہلا مناظرہ شیخ ابو جمیل کے ساتھ ہوا تھا۔ اس کے بعد دوسرا مناظرہ میرے گاؤں کے مولوی کے ساتھ جولائی 2001ء میں ہوا۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ مولوی صاحب نے خطبہ جمعہ میں جماعت کے عقائد اور افکار پر حملہ کیا اور متعدد اعتراضات کے حوالے سے عوام الناس میں ہمارے خلاف نفرت کی مہم کا آغاز کیا۔ مَیں یہ خطبہ سن رہا تھا۔ مَیں نے اسی وقت مختصر لیکن مدلل طور پر ان اعتراضات کا جواب لکھ کر تیار کرلیا اور لوگوں کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک اس جواب کی 70 کاپیاں کر کے مکرم شادی مدلل صاحب کو دے دیں جو مسجد کے دروازے پر جا کھڑے ہوئے اور نماز سے فارغ ہو کر نکلنے والے نمازیوں میں یہ کاپیاں تقسیم کرنے لگے۔ لوگ اس بات پر حیران تھے کہ ابھی تو انہوں نے خطبہ جمعہ میں مذکورہ اعتراضات سنے تھے اور ہم احمدیوں نے اتنے کم وقت میں ان کا جواب کیسے تیار لیا۔ جب مولوی

صاحب کو اس بات کا علم ہوا تو وہ چیں بجبیں ہوا، لہٰذا ہم نے اس کے ساتھ مناظرہ کا پروگرام بنایا۔ یہ مناظرہ ہوا جس میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی، لیکن یہ مناظرہ انتظامی لحاظ سے بہت خراب رہا کیوں کہ جب میری بولنے کی باری آتی تو حاضرین میں سے لوگ اٹھ کر بولنا شروع کر دیتے اور میری بات کو مکمل نہ ہونے دیتے تھے اس لئے یہ مناظرہ بغیر کسی نتیجہ کے ختم ہو گیا۔

اسی طرح ایک اور مناظرہ بعض مولویوں کے ساتھ بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ کے قریب واقع ایک مسجد میں ہوا جس میں سینکڑوں افراد نے شرکت کی۔ یہ مناظرہ کئی گھنٹے تک جاری رہا جس میں کئی لوگوں نے ہمارے خلاف بھرپور انداز میں اپنا غصہ نکالا۔ لیکن اس مناظرہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیت اللحم کے دو سعید فطرت نوجوان مکرم اسامہ الشیخ اور مثقال بدوی بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گئے اور بفضلہٖ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ جماعت کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔

اسی طرح ایک مناظرہ بیت اللحم میں سلفی مکتبہ فکر کے حامل بعض علماء کے ساتھ ہوا۔

تبلیغی نشستیں

فلسطین میں قیام کے دوران جس شخص کے بارہ میں بھی میرا یہ تاثر ہوتا کہ وہ بات سنے گا مَیں اس کے پاس چلا جاتا اور احمدیت کے موضوع پر گفتگو کرنے کی کوشش کرتا۔ اس طرح کی تبلیغی نشستوں میں بھی متعدد لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی راہ دکھا دی۔ ان میں سے ایک دوست مکرم محمد علاونہ صاحب کا ذکر میں بطور خاص کرنا چاہوں گا جو کہ اسی طرح کی تبلیغی نشستوں کے چھ ماہ بعد 15 ستمبر 2003ء کو احمدی ہو گئے تھے۔ آج کل ان کے احمدی ہونے کی وجہ سے فلسطینی عدالت میں ان کے خلاف مقدمہ چل رہا ہے جس میں یہ موقف اپنایا جا رہا ہے کہ یہ شخص مرتد ہے اس لئے اس کا اس کی بیوی سے نکاح فسخ قرار دیا جائے اور اس کو اس کے اموال و جائیداد میں تصرف کے حق سے محروم کر دیا جائے۔ مکرم محمد علاونہ صاحب کی تبلیغ سے مکرم محمد صلاحات صاحب نے بیعت کی جو آج کل MTA میں خدمت کی سعادت پا رہے ہیں۔

تالیفِ کتب

مارچ 1999ء میں جماعت کے خلاف ایک کتاب بعنوان ''الأحمدية في ميزان الإسلام'' میری نظر سے گزری۔ جس کا ابتدائی ردّ مَیں نے چند گھنٹوں میں تیار کرلیا اور بعد میں مختلف اضافوں کے ساتھ یہ کتاب ''ماذا تنقمون منا؟'' کے نام سے شائع ہوگئی۔

1999ء کے اواخر میں مَیں نے ناسخ ومنسوخ کے بارہ میں ایک کتاب بعنوان: ''تنزيه القرآن عن النسخ والنقصان'' لکھی، اور 2000ء میں ''الجن في القرآن''، جبکہ 2001ء میں جہاد اور دینی آزادی کے موضوع پر کتاب: ''الحرية الدينية والجهاد'' تالیف کی۔ اسی طرح 2002ء میں حدیث اور سنت کو قرآن کریم پر حکم بنانے کے باطل خیال کے ردّ میں ایک کتاب بعنوان: '' الفرقان في إبطال مقولة السنة قاضية على القرآن'' لکھی۔ 2003ء میں اسلامی حکومت کے خدوخال کے بارہ میں ایک کتاب: ''الدولة الإسلامية بين النص والتاريخ'' تحریر کی۔ علاوہ ازیں متعدد موضوعات پر مختصر پملفٹس وغیرہ بھی تیار کئے۔

2004ء میں مَیں نے محسوس کیا کہ کتابوں تک ایک بڑے طبقہ کی رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ اور انٹرنیٹ کے دور میں لوگ زیادہ تر الیکٹرانک میڈیا پر ہی بھروسہ کرنے لگے ہیں لہٰذا مَیں نے کتابوں کی تالیف کو چھوڑ کر مختلف موضوعات پر چھوٹے چھوٹے آرٹیکل لکھنا شروع کر دیئے۔ ان آرٹیکلز کو اپنی ویب سائیٹ پر ڈالنے کے علاوہ مختلف احباب کو بذریعہ ای میل بھی ارسال کیا جاتا ہے جب کہ تبلیغ کے سلسلہ میں یہ تیار مواد بآسانی مختصر وقت میں ارسال کیا جاسکتا ہے۔ ان مختلف دینی، اخلاقی اور سیاسی موضوعات پر لکھے جانے والے آرٹیکلز کی تعداد اب سینکڑوں تک پہنچ چکی ہے۔ فالحمدللہ علی ذلک۔

میرے لئے بہت بڑا نشان

میرے احمدیت قبول کرنے کے صرف ایک ماہ بعد ایک ایسا واقعہ ہوا جو میرے لئے کسی بڑے معجزے سے کم نہیں۔ اس وقت میرے بیٹے احسان کی عمر ایک سال دو ماہ تھی۔ مَیں اسے لے کر گھر سے باہر نکلا اور باہر کھلے میدان میں ایک چٹان کے قریب

بٹھا کر ٹہلتے ہوئے ایک کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔ مَیں ٹہلتے ٹہلتے کبھی سو میٹر تک احسان سے دور چلا جاتا تھا اور پھر واپس آ جاتا۔ ایک دفعہ جب مَیں نے دور سے اس کی طرف دیکھا تو اسے بے شمار بھڑوں کے درمیان گھرا ہوا پایا۔ ہمارے علاقے کی ان خاص بھڑوں کے بارہ میں مشہور ہے کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی کو ڈنگ لے تو اس کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر کسی کو دو تین یا پانچ دس بھڑیں ڈنگ دیں تو اس کی موت یقینی ہوتی ہے۔ یہ بھڑیں زمین کے اندر اپنا گھر بناتی ہیں اور ان کے انڈر گراونڈ چھتے کے قریب سے بھی کوئی گزرے تو اس پر حملہ کر دیتی ہیں۔ احسان نے تو ان بھڑوں کے چھتے کے پاس جا کر اسے کھودنا شروع کر دیا تھا، اس لئے وہ بیسیوں کی تعداد میں اس کے گرد منڈلا رہے تھے۔ مَیں نے جب یہ خوفناک منظر دیکھا تو میرے اوسان خطا ہو گئے۔ مَیں حواس باختہ ہو کر بچے کی طرف دوڑا اور اسے بھڑوں کے جھرمٹ سے اچک کر دیوانہ وار ایک سمت میں دوڑنا شروع کر دیا۔ جب کافی فاصلہ طے کر لیا اور مجھے خیال گزرا کہ اب شاید بھڑیں میرا پیچھا چھوڑ چکی ہیں تو رک کر اپنے بیٹے کو چیک کیا۔ اس وقت میری کیفیت کا اندازہ شاید کوئی بھی نہ لگا سکے کہ کیا ہو گی جب مجھے یہ پتہ چلا کہ احسان کو ایک بھی بھڑ نے ڈنک نہیں مارا۔ اس کے بعد مَیں نے اپنے آپ کو چیک کیا تو مَیں بھی محفوظ تھا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیسے ہو گیا۔ ایسا ہونا ناممکن ہے کہ ہم دونوں بھڑوں کے جھرمٹ میں سے ہو کر آ جائیں اور ہمیں کچھ نہ ہو۔ جب مَیں نے لوگوں کو بتایا تو ان کی بھی یہی کیفیت تھی۔ اگر انہیں اس بات کا یقین نہ ہوتا کہ مَیں کبھی جھوٹ نہیں بولتا تو شاید وہ میری بات کی تصدیق نہ کرتے۔ بلکہ شاید کوئی اور شخص بھی میرے سامنے ایسا واقعہ بیان کرتا تو مَیں خود بھی اس کی تصدیق کرنے سے قاصر رہتا کیونکہ ایسا ہونا محال ہے۔ بلکہ اس کے برعکس واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں مثلاً میرا ایک دوست اپنے گدھے کے ساتھ کہیں جا رہا تھا کہ گدھے کا پاؤں بھڑوں کے چھتے کے اوپر آ گیا۔ جس پر بھڑوں نے اس پر حملہ کر دیا اور اتنے ڈنگ مارے کہ گدھا مر گیا، جبکہ میرے دوست نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔

اس لحاظ سے میرے لئے یہ ایک بڑے معجزہ سے کم نہیں ہے۔ اور خاص طور پر مسیح

موعود علیہ السلام پر ایمان لانے کے محض ایک ماہ بعد یہ واقعہ ہونا میرے لئے خدا کی خاص تائید اور قدرت کے نشان کے طور پر تھا، جس پر مَیں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر کروں کم ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک

نارِ بولہبی

بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ کے قریب ایک مسجد میں ہمارا مناظرہ ہوا تھا اس میں سینکڑوں افراد نے شرکت کی اور یہ مناظرہ کئی گھنٹے تک جاری رہا۔ اس مناظرہ میں میرے مدمقابل دو مولویوں نے شرکت کی۔ ان میں سے ایک نے مناظرہ ختم ہونے کے بعد تمام لوگوں کے سامنے مجھے مخاطب کر کے کہا: تبًّا لك سائر اليوم، ألهذا جمعتَنا؟ شاید اسے معلوم نہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں کو صفا کے مقام پر بلا کر اسلام کی طرف دعوت دی تھی تو ابولہب نے یہی الفاظ کہے تھے کہ تیری ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اس فضول مقصد کے لئے یہاں جمع کیا تھا؟

ٹی وی پروگرامز

1999ء کے موسم گرما میں مَیں نے 14 پروگرام ریکارڈ کئے لیکن ریکارڈنگ میں کسی خرابی کی وجہ سے کوالٹی اس قابل نہ تھی کہ ٹی وی پر نشر کئے جا سکتے۔ اس کے بعد 2001ء سے لے کر 2005ء تک مَیں نے ''نظرات فی الفکر الإسلامی'' کے عنوان کے تحت درجنوں پروگرام ریکارڈ کروائے جس میں سے پچاس سے زائد پروگرام MTA پر نشر ہو گئے۔ اسی اثناء میں مَیں نے جماعتی تفاسیر کے دیگر تفاسیر کے ساتھ موازنہ پر مبنی پروگرام بعنوان ''التفسیر المقارن''، اسی طرح مختلف اہم اسلامی کتب کے تعارف اور ان کے نفس مضمون کے بارہ میں پروگرام ''قراءة فی کتاب'' ریکارڈ کروائے۔ اس کے بعد مَیں نے محمد شریف عودہ صاحب سے کہا کہ اب مزید پروگرام ریکارڈ کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اب لائیو پروگرامز ہونے چاہئیں، کیونکہ موجودہ دور اور حالات میں لائیو پروگرامز کا فائدہ ریکارڈ شدہ پروگرامز سے بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ مختلف تجاویز اور مراحل سے ہو کر حضور انور کی اجازت سے ایک لائیو پروگرام شروع

ہو گیا جس کی ابتداء 4راگست 2005 کو ہوئی اور بعد میں اسے ’’الحوار المباشر‘‘ کا نام دیا گیا۔
اسی طرح 15رستمبر 2009ء سے سوال وجواب پر مبنی ایک اور پروگرام ’’سبیل الھدیٰ‘‘ شروع کیا گیا ہے۔

تحریری مناظرات

اعداء جماعت اور مخالفین کے ساتھ انٹرنیٹ پر میری تبلیغی سرگرمیاں بفضلہٖ تعالیٰ جاری رہتی ہیں، اگرچہ یہ مباحثات محض سوال وجواب سے عبارت ہیں لیکن ان میں سے بعض طوالت کے باعث تحریری مناظرات کا رنگ اختیار کر گئے ہیں۔ بہت سے مخالفین چاہتے ہیں کہ وہ سوال کرتے جائیں اور میں انکے ہر سوال کا جواب دیتا جاؤں، لیکن میں انہیں مجبور کر دیتا ہوں کہ وہ جماعت کا لٹریچر پڑھیں اور اگر انہوں نے بحث کرنی ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے دلائل کے بارہ میں بحث کریں اس کے بعد دیگر سوالوں کے جواب دیئے جائیں گے۔ کیونکہ اگر حضرت مسیح موعود سچے ہیں تو باقی سوالوں کے جواب خود بخود مل جائیں گے لیکن اگر کسی کے نزدیک آپ کی سچائی ہی ثابت نہیں ہوتی تو ایسے شخص کو دیگر سوالوں کے جواب دینا وقت کا ضیاع ہے۔ اس لئے میں نے اکثر مخالفین کو یہی کہا ہے کہ شبہات اور اعتراضات کے جوابات سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے دلائل پر بات کریں۔

شاید معاند احمدیت فؤاد عطار کے ساتھ میری تحریری گفتگو بعض اہم مباحثات میں سے ایک ہے۔ فؤاد عطار عرب دنیا میں شاید جماعت کے چند بڑے مخالفین میں سے ایک ہے اور اکثر عرب مخالفین اسی کی فراہم کردہ معلومات کو استعمال کر کے اپنا غبار نکالتے ہیں۔

فؤاد عطار سے میرا تعارف جامعہ بغداد میں ہوا اور وہاں پڑھائی کے دوران ہم ایک ہی گھر میں اکٹھے رہتے رہے ہیں۔ یوں ہمارے درمیان دوستی کا ایک رشتہ قائم ہو گیا جو وقت گزرنے کے ساتھ گہرا ہوتا گیا۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد اس کے ساتھ میری بحث کا آغاز 2000ء میں ہوا اور ہماری بحث 2005ء میں اپنے اوج پر تھی۔

فؤاد کے ساتھ میری مختلف موضوعات پر بڑی تفصیلی بات ہوئی جس کا مکمل بیان تو یہاں ناممکن ہے۔ تاہم خلاصۃً ان کے بارہ میں ایک دوست کی رائے نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس

نے کہا کہ کیا فؤاد کی دل شکنی کیلئے یہی بات کافی نہیں ہے کہ اس کے مضامین اور دن رات کی کوشش سے ایک شخص بھی احمدیت سے مرتد نہیں ہوا لیکن تمہارے (ہانی طاہر) ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ مَیں نے اس دوست سے کہا کہ اس کے برعکس اگر یہ پوچھا جائے کہ فؤاد یا ہانی میں سے کس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ لوگوں کو احمدیت میں داخل فرمایا؟ تو میرا جواب یہ ہوگا کہ فؤاد کے ذریعہ۔ کیونکہ ایک کثیر تعداد کو جماعت سے متعارف کروانے میں فؤاد کے مضامین کا بہت عمل دخل ہے۔ اور ان میں سے ایک بڑی تعداد ایسی ہے جنہوں نے بعد میں احمدیت کے بارہ میں تحقیق کی اور ہدایت پا بی کا راستہ پا گئے۔ ہم اس قدر لوگوں تک شاید پیغام نہ پہنچا سکتے، لیکن فؤاد کے مضامین نے انہیں جماعت کے بارہ میں کافی معلومات فراہم کر دیں۔

خاکسار (محمد طاہر ندیم) عرض کرتا ہے کہ فؤاد عطار کا ایک مضمون بطور خاص جماعت کے لئے بہت مفید ثابت ہوا اور کئی لوگوں کی ہدایت کا باعث بنا ہے جو آج تک اس ایڈریس پر موجود ہے:

(http://alhafeez.org/rashid/arabic/islamicmedia.doc)

اس مضمون میں انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ احمدیت نے ہماری غلط معلومات کی وجہ سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ کیونکہ وہ ہماری پیش کردہ بعض غلط معلومات کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ ہے اس لئے باقی اعتراضات بھی محض پروپیگنڈہ ہیں۔ ان غلط معلومات میں سے ایک یہ ہے کہ قادیانیوں کی قرآن کے علاوہ ایک کتاب ہے جس کا نام ''کتاب مبین'' ہے۔ جبکہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ قادیانی قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔

دوسری یہ کہ قادیانی قادیان میں حج کرتے ہیں۔ یہ بات بھی غلط ہے۔ قادیانی مکہ مکرمہ میں ہی حج کرتے ہیں لیکن وہ قادیان کو بھی مقدس مانتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہاں مجھے مسیح پاک علیہ السلام کے کلمات طیبات یاد آ رہے ہیں۔ آپ نے کیا ہی خوب فرمایا کہ: ''یہ مخالفتیں ہماری مزرعہ کامیابی کے لئے کھاد کا کام دے رہی ہیں۔''

(ملفوظات جلد سوم جدید ایڈیشن جلد سوم صفحہ 467)

سبحان اللہ! یہ مبارک الفاظ کس شان سے پورے ہو رہے ہیں کہ مخالفین خود اقراری ہو

گئے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ جن معاندین نے یہ مذکورہ اعتراضات کئے ہیں وہ سب فؤاد عطار کے بقول جھوٹے ہیں اور جماعت احمدیہ کی طرف غلط بات منسوب کرتے ہیں۔
اس جملہ معترضہ کے بعد ہم واپس ہانی طاہر صاحب کی طرف آتے ہیں۔

وقف زندگی

2004ء میں مَیں نے خدمت دین کے لئے زندگی وقف کر دی، اور عملی طور پر یہ وقف 2007ء میں شروع ہوا جب مَیں اسلام آباد ٹلفورد میں منتقل ہو گیا اور آج تک بفضلہٖ تعالیٰ عربک ڈیسک میں خدمت کی توفیق مل رہی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

مرکزی عربک ڈیسک لندن میں کام کے دوران اور مختلف پروگرامز کے موقعہ پر خاکسار نے ہانی صاحب کی بعض آراء اور نقطہ ہائے نظر سنے ہیں جو تبلیغ کے سلسلہ میں شاید بہت مفید ہو سکتے ہیں، اس لئے قارئین کرام کے فائدہ کے لئے ایسے بعض امور ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج

خاکسار نے ایک دفعہ ہانی صاحب سے ذکر کیا کہ یہاں برطانیہ کے ایک نجی چینل پر ایک مولوی جو کہ بہت ہی بدزبان ہے کہتا ہے میرے ساتھ آکر مناظرہ کر لیں لیکن جب کوئی احمدی کبھی کال کر کے اس کے اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اسکی کال کاٹ دیتے ہیں۔ ہانی صاحب کہنے لگے کہ اس کو فون کر کے فوراً کہنا چاہئے کہ ہم آپ کے ساتھ ہر وقت بات کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن اس کے لئے شرائط یہ ہیں کہ:

☆ آپ اسلامی اخلاق کی پابندی کریں گے۔
☆ ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے گالی گلوچ اور بدزبانی سے پرہیز کریں گے۔
☆ بحث میں ابتدا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے دلائل سے ہوگی نہ کہ اعتراضات کے جواب سے۔

یوں ہم بال ان کی کورٹ میں ڈال دیں گے اور اکثر ایسے بدزبان لوگوں کو سنجیدگی کے ساتھ بحث کرنے کی کبھی جرأت نہیں ہوتی۔

ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

ایک مشہور عرب مولوی شیخ الزغبی نے کئی ٹی وی چینلز پر جماعت کے خلاف پروگرام کیئے اور دیگر مخالف مولویوں کی طرح ہر پروگرام میں جھوٹ کی پٹاری کھول کر بیٹھ گئے اور لگے بے سروپا اعتراضات کو دہرانے اور کتر وبیونت کر کے عبارات پیش کرنے۔ان کے جھوٹ پر جب بدزبانی کا رنگ بھی چڑھا تو آخری زمانے کے عُلَمَآؤھم کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی احادیث کی صداقت اظہر من الشّمس ہوگئی۔

اس مولوی کو شاید یقین تھا کہ اس طرح کے انداز بیان میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے(اور شاید ان کی یہ بات درست تھی) اس لئے انہوں نے بار بار احمدیوں کو مناظرہ کیلئے بلانا شروع کیا۔ ہمارے عرب احمدی احباب نے ان کی بدزبانی کی عادت کی وجہ سے کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔لیکن ہماری ایک مصری نو احمدی رائٹر مکرمہ ہالہ شحادہ صاحبہ کے انٹرنیٹ پر مدوّنہ یا بلاگ پر کسی نے یہ تبصرہ لکھ دیا کہ اے احمدیو! تم شیخ الزغبی سے ڈر کر بھاگ گئے ہو جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔مکرمہ ہالہ شحادہ صاحبہ نے یہ تبصرہ ہانی صاحب کو بھجوایا تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ ہم بدزبانوں کے ساتھ الجھنا نہیں چاہتے۔ ہالہ صاحبہ نے کہا کہ اس طرح ہمیں میدان سے بھاگنے کا الزام دیا جا رہا ہے۔ ہانی صاحب نے کہا اگر یہ بات ہے تو اپنے بلاگ میں لکھ دیں کہ ہانی طاہر مندرجہ ذیل شروط پر شیخ الزغبی کے ساتھ مناظرہ کرنے کو تیار ہے:

1۔وہ گالی گلوچ اور برا بھلا کہنے اور بدزبانی سے بکلی پرہیز کریں گے۔

2۔وہ مناظرہ سے پہلے ہانی صاحب کے پیش کردہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے دلائل کا بغور مطالعہ کرلیں گے جو ان کے مطالبہ پر انہیں روانہ کر دیئے جائیں گے۔

یہ مختصر سا پیغام نہ صرف مکرمہ ہالہ شحادہ صاحبہ کے بلاگ پر بلکہ کئی اور مقامات پر بھی لوگوں نے نشر کر دیا۔لیکن نہ تو اس معترض کی طرف سے اب تک کوئی جواب موصول ہوا ہے نہ ہی شیخ الزغبی کی طرف سے آمادگی کا اظہار ہوا ہے۔

علاوہ ازیں ہانی صاحب کو جب بھی کسی بڑے سے بڑے مولوی کا ایڈریس ملتا ہے یہ اس کو

احمدیت کے بارہ میں بات کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ کبھی کبھار شاذ کے طور پر ان میں سے کسی کی طرف سے جواب آتا ہے۔ اور پھر جب ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے دلائل پر بات کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو ادھر سے جواب کی جگہ مکمل خاموشی چھا جاتی ہے۔

بال ہمیشہ مدمقابل کے کورٹ میں رکھیں

اکثر مولویوں اور نام نہاد علماء کا مقصد اپنی علمیت ظاہر کرنا اور دیکھنے والوں پر اپنا رعب جمانا ہوتا ہے۔ مثلاً الحوار المباشر کے پہلے پروگرام میں القدس سے ایک صاحب ''موسیٰ الزغاری'' نے فون کر کے پوچھا: آپ عربی زبان کس طرح سمجھتے ہیں؟ دراصل اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح ایک سلسلۂ سوالات شروع کر کے اپنی علمیت کا اظہار کرے۔ لیکن ہانی صاحب نے ان کے سارے ارادوں پر یہ کہتے ہوئے پانی پھیر دیا کہ آپ ہمیں بتادیں کہ آپ عربی زبان کیسے سمجھتے ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ آپ کے اور ہمارے طریق فہم میں کوئی اختلاف نہ ہو۔ اس جواب کے بعد ''موسیٰ الزغاری'' نے فون بند کر دیا۔ کیونکہ جس جواب کا مطالبہ وہ ہم سے کر رہا تھا اسے خود وہی جواب دینے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

جہاد کس نے کیا؟!!

ہانی صاحب نے بتایا کہ ایک دفعہ ایک شخص نے انہیں یہ سوال بھیجا کہ اگر آپ جہاد کے منکر نہیں ہیں تو بتائیں کہ گزشتہ سو سال میں آپ نے کونسا جہاد بالنفس کیا ہے؟ ہانی صاحب نے اس سے پوچھا کہ مَیں آپ کے سوال کا جواب ضرور دوں گا، لیکن پہلے آپ مجھے کسی ایک اسلامی جماعت کا نام بتادیں جس نے پچھلے پچاس سال میں اسلامی اخلاق کی پابندی کرتے ہوئے یہ جہاد کیا ہے جس کے بارہ میں آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟ اس کا تو یہ خیال تھا کہ یہ حیلے بہانے سے کام لیں گے لیکن ہانی صاحب کے اس سوال کے بعد وہ حیلے بہانے کرنے لگا کہ اگر اس نے کسی جماعت کا نام بتادیا تو اس کے بارہ میں متعلقہ گورنمنٹ حرکت میں آسکتی ہے اور اسے شامل تفتیش کیا جاسکتا ہے۔ ہانی صاحب نے کہا کہ آپ کسی دور دراز کے ملک کی کسی جماعت کا نام بتادیں تا کہ آپ کو کوئی پرابلم نہ ہو۔ نیز مجھے تو ابھی تک آپ کے بارہ میں یہ بھی علم نہیں ہے

کہ آپ کا تعلق کس ملک سے ہے، پھر آپ کو کس بات کا خوف دامنگیر ہے؟ نیز آپ کا اس طرح رائے دینا کوئی بم دھماکے کے مترادف تو نہیں ہے کہ پولیس آپ کا تعاقب کرنے لگ جائے گی، بلکہ اس طرح کی رائے کسی کی بھی ہوسکتی ہے۔

الغرض اس طرح ہانی صاحب نے اسے اندرونی طور پر اس اقرار پر مجبور کر دیا کہ دنیا میں کوئی ایک بھی ایسی جماعت نہیں ہے جس نے اسلامی اخلاق کی پاسداری کرتے ہوئے ایسا جہاد کیا ہے۔ بلکہ جس کو جہاد کا نام دیا جاتا ہے وہ سب یا تو جھوٹ اور دھوکہ دہی ہے یا معصوم جانوں کا قتل اور اغوا برائے تاوان جیسی کارروائیاں ہیں۔اس ساری بحث کے بعد ہانی صاحب نے انہیں فرقان فورس کے بارہ میں ایک وضاحتی مضمون ارسال کر دیا کہ جب ضرورت پڑی تو اس معاملہ میں بھی جماعت سب سے آگے تھی۔

مخاطب کے مناسبِ حال دلیل کا انتخاب

شیخ عبد الحمید کشک عرب دنیا میں اپنی قوت بیان اور فصاحتِ لسان اور منفرد اسلوب کے لحاظ سے بہت مشہور نام ہے بلکہ اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔

الحوار المباشر میں ایک دفعہ اس شخص کے بیٹے نے فون کر کے اپنے باپ کے حوالے سے اپنا تعارف کروایا۔اس کے بعد تمسخرانہ انداز میں بعض شعر پڑھ کر شرکائے پروگرام سے ایک قرآنی آیت کے اعراب دریافت کئے۔جس سے دراصل ان کی توقع یہ تھی کہ یہ اعراب ان کو نہیں آتے ہوں گے اس طرح تمام دنیا کے سامنے ان کی سبکی ہوگی کہ جن کو بڑے علماء سمجھا جارہا ہے وہ دراصل کچھ بھی نہیں جانتے۔اس سوال کے بعد انہوں نے ایک جملہ یوں بولا: لِتَعْرِفُوا مَدْرَسَةَ مُحَمَّدٌ۔ یہ ایک سادہ اور چھوٹا سا جملہ تھا جس میں انہوں نے نہایت سنگین اور بڑی غلطی کی۔درست جملہ میں مُحَمَّدٍ ہونا چاہئے تھا۔پھر اس کے بعد انہوں نے ایک اور جملہ بولا جس میں ایک اور سنگین غلطی کی۔

جواب میں آیت کے اعراب بھی بیان کئے جاسکتے تھے تا اس کے سوال کا جواب آجاتا اور یہ بھی اس کے لئے کافی کاری ضرب ثابت ہوسکتا تھا۔شاید ہانی صاحب اس کا یہ جواب بھی دے سکتے تھے کہ اس آیت کے اعراب مجھے اس وقت سے آتے ہیں جب مَیں ابھی میٹرک کا

طالبعلم تھا اوراس کے بعد مَیں نے عربی زبان میں ایم اے کیا تھا۔ہانی صاحب نے ان تمام جوابات کو چھوڑ کر اسے کہا کہ آپ کو شاید معلوم نہیں ہے کہ آپ کے اس فرسودہ طرزِ کلام کا زمانہ اب گزر چکا ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ سے خود وہ غلطی کروادی جس کے ارتکاب کی آپ ہم سے توقع لئے بیٹھے تھے۔اور آپ نے دو ایسی غلطیاں کی ہیں جو شاید پرائمری کلاس کا بچہ بھی نہ کرتا ہوگا۔

یہ ایسا زبردست اور مسکت جواب تھا کہ مخالف کا منہ بند ہو گیا۔احمدیوں کے علاوہ غیر احمدی حضرات نے بھی اسے بہت پسند کیا حتی کہ ایک غیر احمدی نے یہ حصہ یوٹیوب پر ڈال کر اس پر یہ عنوان لگایا کہ: هانی قاهر أحمد کشك۔یعنی ہانی صاحب نے احمد کشک کو چت کر دیا۔

اس واقعہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام: إِنِّیْ مُهِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِهَانَتَكَ کا جلوہ بھی غیر معمولی طور پر ظاہر ہوا۔

ایک نمونہ کا خط

جماعت کے خلاف انٹرنیٹ پر مختلف ویب سائٹس پر جھوٹا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔یہ بیماری عربوں کی طرف بھی منتقل ہوگئی ہے۔ایسی ویب سائیٹس والے بعض عرب احمدیوں کے ای میلز پر اعتراضات بھیجتے رہتے ہیں۔کچھ عرصہ قبل مصر کے بعض اخبارات نے یہ بے پر کی اڑائی کہ مصر میں احمدی عورت مردوں کو بھی نماز باجماعت پڑھاتی ہے اور مردوں کی امامت کرواتی ہے۔اس خبر کو بعض ویب سائٹس نے بڑا اچھالا۔ان میں سے ایک ویب سائٹ کے نگران کو مکرم محمد شریف صاحب نے لکھا کہ آپ مختلف اخبارات کے حوالے سے جماعت کے خلاف چھپنے والا غلط سلط مواد اپنی ویب سائٹ پر دے رہے ہیں جس کے بارہ میں آپ کو پہلے تحقیق کر لینی چاہئے تھی۔اس شخص نے جواب دیا کہ ہمارا مقصد صرف اس سارے مواد کو جمع کرنا ہے جو احمدیت کے بارہ میں اخبارات ورسائل میں لکھا گیا ہے۔نیز اگر عورت کی امامت کی خبر آپ کے نزدیک غلط ہے تو آپ اس کے بارہ میں ایک صحافتی بیان شائع کروا دیں۔محمد شریف عودہ صاحب نے ہانی طاہر صاحب سے اس شخص کو جواب دینے کے لئے کہا۔ہانی

صاحب کے جواب کا خلاصہ قارئین کرام کے استفادہ کے لئے درج کیا جاتا ہے۔ انہوں نے لکھا:

آپ نے محمد شریف صاحب کے ساتھ خط وکتابت میں لکھا ہے کہ جماعت کے خلاف مختلف اخبارات وجرائد میں چھپنے والا غلط سلط مواد اپنی ویب سائٹ پر ڈالنے سے آپ کا مقصد جماعت کے خلاف شائع شدہ مواد کو اکٹھا کرنا ہے اور کچھ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر سنی سنائی بات کو بیان کرنے کا کام کر رہے ہیں جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ثابت آتی ہے جس میں آپؐ فرماتے ہیں کہ انسان کے جھوٹا ہونے کیلئے کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کرتا پھرے۔

ہم لوگوں کی غلطیوں کی ٹوہ میں نہیں رہتے تاہم اگر مندرجہ بالا حدیث کے مطابق آپ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں تو یہ ایک بہت بڑا وصف ہے اور اس غلطی پر ندامت کا اظہار کر کے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عزم کر کے آپ اپنے اس وصف کی عظمت میں مزید اضافہ کر سکتے ہیں۔ اور اگر اس کے بعد احمدیوں کے خلاف جن تہمتوں کا بطلان آپ کے نزدیک ثابت ہو گیا ہے انکے بارہ میں یہ اعتراف بھی دے دیں کہ یہ بے جا طور پر احمدیوں پر لگائی جاتی ہیں تو آپ اس آیت کریمہ پر عمل کرنے والے بن جائیں گے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ۔ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا۔ اِعْدِلُوْا۔ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (سورة المائدة آيت 9)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر مضبوطی سے نگرانی کرتے ہوئے انصاف کی تائید میں گواہ بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقویٰ کے سب سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ یقیناً اللہ اس سے ہمیشہ باخبر رہتا ہے جو تم کرتے ہو۔

شاید اس طرح کی نصیحت آپ نے پہلے کبھی نہ سنی ہوگی جو اس قدر آپ کی شان میں اضافہ کا موجب ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ یعنی نیکی کی طرف بلانے والا ایسے ہی ہے جیسے کہ اس نے خود وہ نیکی کی ہو، اس لئے مَیں امید کرتا

ہوں کہ آپ کے اس نصیحت پر عمل کرنے سے مجھے بھی خدا تعالیٰ اجر سے نوازے گا۔

جو شخص ہماری طرف یہ بات منسوب کرتا ہے کہ ہمارا مکہ میں حج اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ قادیان کا سفر نہ اختیار کیا جائے وہ سخت جھوٹا ہے اور جھوٹی بات ہماری طرف منسوب کر رہا ہے۔ اور آپ کو چاہئے کہ بغیر ثبوت کے ایسی بے سروپا باتیں اپنی ویب سائیٹ پر نہ آنے دیں وگرنہ ہم سے زیادہ آپ خود اپنا نقصان کریں گے۔ کیونکہ یہ باتیں ہمیں کچھ نقصان نہیں پہنچاتیں بلکہ اس کے برعکس یہ ہمارے لئے فائدہ کا موجب بنتی ہیں، اس کے باوجود ہم یہ نہیں چاہتے کہ آپ ایسا کر کے گناہ عظیم کے مرتکب ہو جائیں۔

عورت کی امامت کی مناہی کے بارہ میں اگر آپ کو ہماری رائے لینی تھی تو ہماری ویب سائیٹ پر سوال بھیج کر جواب لے سکتے تھے۔ لیکن اس بارہ میں بیان نشر کروانے کے آپ کے مطالبہ سے مجھے سخت حیرت ہوئی۔ آپ ہی مجھے بتائیں کہ اگر کوئی آپ پر ٹانگانیکا کا ایجنٹ ہونے کا الزام عائد کرے تو کیا آپ اس تہمت کی نفی میں بیان جاری کریں گے؟ اور کیا اخوان المسلمین کی جماعت اپنے اوپر لگنے والے ہر الزام کے بارہ میں بیان جاری کیا کرتی ہے؟

اگر آپ نے ہم سے بات کرنی ہے تو ان جھوٹی اور من گھڑت باتوں کو چھوڑ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے دلائل کے بارہ میں بات کریں۔ اور میں اس خط کے ساتھ آپ علیہ السلام کی صداقت کے بیس دلائل بھیج رہا ہوں، اس امید پر کہ آپ اسلامی اخلاق کی پابندی کرتے ہوئے ان پر غور کریں گے۔

اس خط کے جواب میں اس شخص نے نصیحت پر شکریہ ادا کرتے ہوئے عام مروجہ اعتراضات کی خود ہی نفی کی کہ یہ درست نہیں ہیں اور اگر کوئی مسئلہ قابل بحث وتمحیص ہے تو حضرت مرزا صاحب کی نبوت کا ہے اسلئے وہ مرسلہ دلائل پڑھ کر دوبارہ رابطہ کریں گے۔ مگر اس کے بعد انہوں نے تا حال رابطہ نہیں کیا۔

تبلیغ کے لئے بعض مفید مشورے

آخر پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مکتبۂ فکر کے لوگوں کے ساتھ بحث اور انکو تبلیغ کے لئے میں نے جو طریقے کامیاب اور زیادہ کارگر پائے ہیں وہ بھی قارئین کرام کے فائدہ کے

لئے عرض کر دوں۔

1۔ اگر بات عیسائیوں کے ساتھ ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے دلائل کے بارہ میں بات شروع کی جائے اور اس سے قبل شبہات ووساوس اور اعتراضات کا جواب نہ شروع کیا جائے۔ اسی طرح اگر غیر احمدی مسلمانوں کے ساتھ بات ہو رہی ہو تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے دلائل سے قبل جماعت پر ہونے والے دیگر اعتراضات کا جواب دینا مناسب نہیں۔

2۔ اگر کوئی مخالف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی تحریر سیاق سے علیحدہ کر کے اعتراض کے رنگ میں پیش کرے تو خواہ آپ کو اس کا جواب معلوم بھی ہو تب بھی اس سے مطالبہ کریں کہ وہ یہ تحریر پورے سیاق کے ساتھ پیش کرے۔ یوں وہ مجبورًا سیاق پڑھے گا اور اگر سیاق پڑھے گا تو غالب امکان ہے کہ اعتراض کا جواب پالے گا اور دوبارہ اس عبارت پر اعتراض نہیں کرے گا۔ نیز دیگر عبارات کے بارہ میں بھی اس کا نقطہ نظر تبدیل ہوگا۔

3۔ اگر کوئی گالی گلوچ پر اتر آئے تو ایسے شخص کو سمجھائیں اور اگر باز نہ آئے تو قرآنی آیت :اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکْفَرُبِھَا وَیُسْتَھْزَءُ بِھَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ حَتّٰی یَخُوضُوا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ (النساء : 141) کے تحت دینی غیرت دکھاتے ہوئے ایسے شخص سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہئے یہاں تک کہ وہ اپنا گرا ہوا طریقِ کلام بدل لے۔

4۔ مخالفین کے ساتھ تمسخرانہ اور تحقیر آمیز رویہ نہ اختیار کیا جائے نہ ہی انکی گالی گلوچ کا جواب گالی گلوچ سے دینا چاہئے، نہ ہی انکے عقائد کے بارہ میں علمی اور مدلل طریق کے علاوہ کسی اخلاق سے گرے ہوئے طریق پر جواب دیا جائے۔ کیونکہ یہ بھی قرآنی حکم ہے کہ: وَلَاتَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (الانعام:109)۔

5۔ کوشش کی جائے کہ بحث ایک نقطہ پر مرکوز ہو اور کسی خاص موضوع کو ہی زیر بحث لایا جائے جس پر بات ختم ہونے کے بعد اگلے نقطہ کے بارہ میں بات کی جائے۔ ایک ہی وقت میں مختلف اعتراضات کے جواب دینے اور بار بار ایک موضوع سے دوسرے کی طرف منتقل ہونے سے کوئی بات بھی صحیح طور پر ثابت نہیں ہوتی اور وقت کا ضیاع ہوتا ہے۔

6۔ ہمیشہ پہلے ان امور سے بات شروع کریں جن کے دلائل پختہ اور قاطع ہوں، مثلاً

وفات مسیح کے مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے احادیث کے دلائل سے ابتدا کرنا حکمت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس معاملہ میں قرآنی دلائل نہایت قاطع ہیں لہٰذا ان سے ابتدا کرنی چاہئے۔اسی طرح واضح اور آسان فہم امور سے ابتدا کرنی چاہئے۔

7۔جس کے ساتھ بحث ہورہی ہو اسے کسی طور سے بھی tease کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے، نہ ہی یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ اسے کچھ علم نہیں، نہ ہی اسے اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور کرنا چاہئے کہ اسکا موقف غلط ہے۔کیونکہ ایسا اسلوب دلوں کی سختی کا موجب ہوتا ہے اور بجائے قریب لانے کے دوری کا باعث بنتا ہے۔آپ کا ہدف اپنا غلبہ منوانا نہیں ہونا چاہئے بلکہ آپ اور جس کے ساتھ آپ کی بات ہورہی ہے دونوں کا غلبہ ہدف ہونا چاہئے۔اور آپ کے مخاطب کا غلبہ اس کے ایمان لانے کی صورت میں ہوگا۔

8۔ ہمیشہ تبلیغ کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کریں جس کے اخلاق نسبتاً اچھے ہوں اور بات سننے پر آمادہ ہو۔

9۔اگر دیکھیں کہ مخاطب آپ کے ہر استدلال کو ماننے سے انکاری ہے اور ہر بات پر اعتراض کرتا ہے تو اسے کہیں اچھا آپ بتائیں اس معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے۔ پھر اس کی رائے یا تفسیر کے سقم بتائیں اور جب اس کا استدلال درست نہ رہے گا تو آپ کی تفسیر اور آپ کا استدلال خود بخود درست تسلیم کیا جائے گا۔

10۔ بحث مباحثہ میں یا تقریری وتحریری تبلیغ میں انتہا درجہ کی سچائی اور وضاحت اور شفافیت ضروری ہے۔ایسی بات کی بھی وضاحت کر دیں جس سے آپ سمجھیں کہ مخاطب کو غلط فہمی ہوسکتی ہے۔مثلاً اپنا نام بدل کر تبلیغ کرنا نامناسب ہے۔اسی طرح اگر آپ کسی کو کسی اہم مسئلے پر کوئی آرٹیکل بھیجتے ہیں تو اس شخص کا نام لکھیں جس نے یہ آرٹیکل تحریر کیا ہے۔ یا اگر نام نہ بھی لکھیں تو وضاحت ضرور کر دیں کہ آپ کا نہیں ہے۔

مکرم ہانی صاحب بفضلہ تعالیٰ بہت محنتی اور وقت کی قدر کرنے والے ہیں۔ان کو اللہ تعالیٰ نے مختصر وقت میں نہایت اعلیٰ درجہ کا کام کرنے کا ملکہ عطا فرمایا ہے۔انکے مضامین کا ذکر ہوا ہے ،اس سلسلہ میں عرض ہے کہ انہوں نے تقریباً ہر اہم موضوع پر ایک مضمون لکھا ہوا ہے اور بوقت ضرورت سہولت کے ساتھ اسے ڈھونڈ بھی لیتے ہیں۔اس لئے کوئی بھی سوال ہو اسکا جواب کسی

نہ کسی مضمون میں ان کے پاس تیار ہوتا ہے۔لہذا فوراً وہ مضمون نکال کر سائل کو روانہ کر دیتے ہیں۔ایک دفعہ ہم ''الحوار المباشر'' کی تیاری کر رہے تھے کہ اسی دوران ہمیں پتہ چلا کہ ایک ویب سائیٹ نے جماعت کے خلاف کچھ الزام تراشی پر مبنی آرٹیکل شائع کیا ہے۔ہم اس وقت کسی اہم مسئلہ کے بارہ میں گفتگو کر رہے تھے۔ابھی ہماری گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ اچانک مکرم محمد شریف عودہ صاحب قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔سبب پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ہماری گفتگو کے دوران ہانی صاحب نے اپنے ایک مضمون سے اخبار کی الزام تراشیوں کے جواب پر مشتمل حصہ اس ویب سائٹ کو ارسال کر دیا اور عجیب بات ہے کہ ویب سائٹ والوں نے فوراً اسے تبصروں کے خانہ میں نشر بھی کر دیا۔گویا ہماری گفتگو کے دوران ہی انہوں نے ویب سائٹ کی الزام تراشیوں کا جواب دے دیا۔

مکرم ہانی صاحب کا جذبہ وشوقِ دعوت الی اللہ بہت سے احباب کے لئے قابل تقلید ہے۔فی زمانہ قلم کا یہ جہاد بہت ہی عظمت اور شان رکھتا ہے۔حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کی طرف سے بار بار احباب کو اس طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ہمارے احباب بالخصوص نوجوانوں کو احمدیہ علم کلام سے آراستہ ہو کر خدمت و نصرت دین کے اس میدان میں کثرت سے آگے آنا چاہئے اور حضرت مسیح موعودؑ کی اس دعا کا حقدار بننے کی کوشش کرنی چاہئے جس میں آپ فرماتے ہیں:

کریما صد کرم کن برکسے کُو ناصر دین است
بلائے اُو بگرداں گر گہے آفت شود پیدا

اے خداوند کریم سینکڑوں کرم اس شخص پر فرما جو دین کا مددگار ہے۔اگر کبھی آفت آئے تو اس کی مصیبت ٹال دے۔

مکرم ہانی طاہر صاحب اور مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب پروگرام الحوار المباشر میں

جلسہ سالانہ برطانیہ کے موقعہ پر بعض عرب احباب

الحوار المباشر کے ابتدائی عرب شرکاء

مکرم محمد شریف عودہ صاحب، مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب، مکرم ہانی طاہر صاحب، مکرم تمیم ابو دقہ صاحب

مکرم ہانی طاہر صاحب، مکرم محمد شریف عودہ صاحب اور مکرم تمیم ابو دقہ صاحب

اردن کے بعض نو احمدی احباب کے ساتھ

مکرم عبد القادر مدلل صاحب

مکرم عبدالقادر مدلل صاحب لکھتے ہیں:

میرا تعلق فلسطین سے ہے۔ میری پیدائش نابلس میں 11/مارچ 1970ء کو ایک متدین گھرانے میں ہوئی۔ میرے دادا اپنے علاقے میں خوش اخلاقی، ہمدردی اور تعاون کی مثال سمجھے جاتے تھے۔ ان کی دکان تھی اور لوگ ان سے سودا سلف خریدنا پسند کرتے تھے کیونکہ مناسب دام اور پورا تولنے کی وجہ سے وہ ہر دلعزیز تھے۔

1988ء میں مَیں ایف اے کر رہا تھا جب مَیں نے اخوان المسلمین کی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ میرے والد صاحب کو میرا اس تنظیم میں شامل ہونا پسند نہ تھا اس لئے وہ مجھے ان سے دور رہنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ لیکن جوش وجذبہ کے ساتھ اس تنظیم سے وابستگی نے مجھے اس میں نہایت اہم مقام دلا دیا تھا۔ جب مَیں نے ایف اے کیا تو خرابیٔ حالات کی وجہ سے فلسطین میں یونیورسٹیاں بند تھیں لہذا مَیں نے فزکس کی اعلیٰ تعلیم کے لئے انڈیا کی ایک یونیورسٹی میں درخواست دی اور مجھے داخلہ مل گیا۔ یوں 1989ء سے 1995ء تک مجھے انڈیا میں رہنے کا موقع ملا جہاں میری توجہ فزکس کی پڑھائی سے زیادہ اخوان المسلمین اور فلسطین کے قضیہ کے متعلق لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے پر ہی مرکوز رہی۔ میری ان سرگرمیوں کی بنا پر انڈین سی آئی ڈی نے میرا نام اپنے ملک میں واپس بھیجے جانے والے طلباء کی لسٹ میں شامل کرلیا۔

بہر حال انڈیا سے واپسی کے بعد بھی مَیں نے کچھ عرصہ تک اخوان المسلمین میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں لیکن مختلف حالات وواقعات کی بنا پر گیارہ سال کے بعد مَیں نے اخوان المسلمین سے علیحدگی اختیار کر کے تکفیری جماعت میں شمولیت اختیار کر لی۔ لیکن مجھے محسوس ہوا

کہ تکفیری جماعت دینی لبادے میں سیاسی اہداف کو پروان چڑھانے والی جماعت ہے جس میں اقتدار کی ہوس اور نفاق اہم عناصر تھے۔ اور جس بات پر ان کا سب سے زیادہ دارومدار تھا وہ ان کا یہ طرز فکر تھا کہ حکام اسلامی نظام کی تطبیق نہ کر کے کافر ہو گئے ہیں اور چونکہ اکثر لوگ ان کو کافر نہیں سمجھتے اس لئے وہ بھی کافر ہیں۔

بہر حال اس عجیب طرز فکر سے بھی دل اچاٹ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے احمدیت سے تعارف کروا دیا۔

جماعت سے تعارف

ہمارے گاؤں کفر صور سے متعدد لوگ تکفیری جماعت میں شامل تھے جن میں ہم تین دوست (ہانی طاہر صاحب، راضی طلال صاحب اور مَیں) نمایاں تھے۔ 1998ء کی بات ہے کہ تکفیری جماعت کے ایک بزرگ رکن ابو مامون صاحب نے لندن میں ہونے والے جماعت کے جلسہ سالانہ میں شرکت کے بعد جماعت احمدیہ میں شرکت کا اعلان کر دیا جس کی وجہ سے تکفیری جماعت میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ خصوصًا ہانی صاحب نے تو بہت ہی متشددانہ رویہ اپنایا کیونکہ ابو مامون صاحب ان کے خسر تھے۔ چنانچہ اپنے خسر کو واپس لانے کے لئے انہوں نے جماعت احمدیہ کے عقائد کے بارہ میں تحقیق کرنی شروع کر دی۔ اس سلسلہ میں مختلف مولویوں کے ساتھ ملاقاتوں کے علاوہ انہوں نے حیفا میں جماعت کے سنٹر سے بھی رابطہ کیا اور بحث ومباحثہ کے بعد بجائے ابو مامون صاحب کو احمدیت سے تائب کرنے کے ہانی صاحب نے خود بھی احمدیت قبول کر لی۔ اس کے بعد ہانی صاحب نے ہمیں جماعت کے عقائد کے بارہ میں وقتًا فوقتًا بتانا شروع کیا۔ مَیں جب بھی جماعت کی کوئی کتاب پڑھتا یا کسی مسئلہ کے بارہ میں جماعت کی رائے سنتا تو وہ مجھے اچھی لگتی اور انشراح صدر کا باعث ٹھہرتی۔

اعلان بیعت اور مخالفین سے واسطہ

اسی دوران مَیں نے مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب مرحوم کی کتاب ''دلائل صدق الأنبیاء'' پڑھی جس نے مجھ پر کچھ ایسا اثر کیا کہ میرا دل صاف ہو گیا اور بس اعلان کرنا باقی رہ گیا۔ اس کی بھی

تقریب یوں پیدا ہوئی کہ ایک دن جب ہم اپنے ایک تکفیری جماعت کے متشدد دوست کے گھر میں بیٹھے تھے کہ جماعت کے بعض عقائد کے بارہ میں بات کرتے ہوئے مَیں نے جوش میں آ کر اپنے قبولِ احمدیت کا اعلان کر دیا۔ یہ سنتے ہی میرا یہ دوست بہت سیخ پا ہوا اور ہمیں اپنے گھر سے نکال دیا۔ جب علاقے کے بڑے مولوی کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کی مہم شروع کر دی اور لوگوں کے ذہنوں میں زہر بھرنا شروع کر دیا۔ اس پر ہم نے بار ہا اس مولوی کے ساتھ گفتگو بھی کی اور بڑی لمبی بحثیں ہوتی رہیں یہاں تک کہ اس بارہ میں ایک مناظرہ بھی منعقد ہوا جس میں تمام اہل علاقہ ایک طرف اور ہم تین نوجوان ایک طرف تھے۔ اس مناظرہ میں ہمیں گالی گلوچ، ہنسی ٹھٹھا کا نشانہ بنایا گیا۔ لیکن بفضلہٖ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ہمارا ایمان دن بدن پختہ ہوتا چلا گیا۔ یہ واقعات ہماری بیعت کے چند ماہ بعد 1999ء میں پیش آئے۔

رؤیا کے ذریعہ تسلی

مَیں نے پورے یقین کے ساتھ سچائی کو پہچاننے کے بعد ہی بیعت کی تھی لیکن میری شدید خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنی جناب سے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے بارہ میں کوئی رؤیا بھی دکھا دے جس سے اطمینان قلب مزید راسخ ہو جائے۔ لہٰذا مَیں نے اس بارہ میں دعا کی تو رؤیا میں دیکھا کہ مَیں سکول کی لیبارٹری میں اپنے سٹوڈنٹس کو لیکچر دے رہا ہوں کہ اچانک میرے سامنے والی دیوار پر ایک پلیٹ نمودار ہوتی ہے جس پر یہ عبارت لکھی تھی: ''إِنَّهٗ أَصْدقُ الصَّادِقِیْن'' رؤیا میں ہی میرے دل میں آیا کہ اس سے مراد حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

تبلیغ اور لوگوں کا ردّعمل

جب میرے خسر کو میری بیعت کا علم ہوا تو وہ خاصے جز بز ہوئے، لیکن جب ان کے ساتھ اس موضوع پر تفصیلی بات ہوئی تو حق واضح ہو گیا اور انہوں نے سعادتمندی کا ثبوت دیتے ہوئے اسے قبول کر لیا بلکہ ان کی اہلیہ اور ایک کے سوا باقی تمام بچوں نے بھی قبول احمدیت کا اعلان کر

دیا۔اسی طرح میری بیوی نے بھی بیعت کرلی اورایک کے سوا میرے بھی تمام بھائیوں اوران کی بیویوں نے بھی بیعت کرلی۔ میرے والد صاحب اخوان المسلمین میں ہماری شمولیت کے سخت خلاف تھے اورکئی دفعہ ان کے ساتھ ہماری لمبی بحث بھی ہوئی تھی لیکن بفضلہ تعالیٰ احمدیت میں ہماری شمولیت کی انہوں نے مخالفت نہیں کی بلکہ جماعت سے محبت کرنے والے ثابت ہوئے ہیں۔

میرے اردگرد رہنے والے اور میرے ساتھ تعلق رکھنے والے دوست احباب میری خوش خلقی اورحسن معاملگی کی گواہی دیتے ہیں لیکن جب میرے احمدی ہونے کا پتہ چلتا ہے تو منہ بسورتے اور حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔

مَیں ایک ہائی سکول میں فزکس کا مضمون پڑھاتا ہوں۔میرے ساتھی جماعت کے افکار وعقائد سے متاثر ہیں لیکن بیعت کے بعد مخالفت کا سامنا کرنے کی ان میں ہمت نہیں ہے اس لئے ان کا قدم آگے نہیں بڑھتا۔

میرے ایک ساتھی نے جو اس سکول میں عربی زبان کا استاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عربی اشعار پڑھنے کے بعد کہا کہ مَیں تمہارے ساتھ اس لئے بحث نہیں کرتا کہ کہیں مجھے جماعت کی صداقت کا اعتراف نہ کرنا پڑ جائے کیونکہ تمہارے دلائل وبراہین بہت مضبوط اور قاطع ہیں، اور میرے خیال کے مطابق آپ کے دلائل کا مقابلہ کرنے کی کسی میں سکت نہیں ہے۔نیز اس نے کہا کہ میں نے یہ بات صرف تمہارے منہ پر ہی نہیں کی بلکہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے سامنے بھی بیان کی ہے اوران کے سامنے تمہارے مضبوط طرز فکر کا دفاع کیا ہے۔

میرے سکول کا ہیڈ ماسٹر بھی جماعتی عقائد وافکار سے بہت زیادہ متاثر ہے اور ہمیشہ کہتا ہے کہ جماعتی فکر نہایت عظیم اورانقلاب انگیز ہے۔ایک دفعہ سی آئی ڈی کا اعلیٰ افسر ہمارے سکول کا وزٹ کرنے آیا تو ہیڈ ماسٹر نے اسے کہا کہ تمہیں چاہئے کہ جماعت احمدیہ کو یہاں رجسٹر کروانے میں مدد کرو۔پھر انہوں نے سی آئی ڈی کے افسر کو میرے بارہ میں یہ بھی کہہ دیا کہ اسے ملوتو جماعت احمدیہ کے بارہ میں تمہارے رائے یکسر بدل جائے گی۔

چنانچہ ایک دفعہ مجھے فلسطینی اتھارٹی کی سی آئی ڈی برانچ نے جماعت کے بارہ میں معلومات حاصل کرنے کے لئے بلایا۔ جب مَیں نے انہیں جماعت کا تعارف کروایا اوراس کے

عقائد وافکار کے بارہ میں بتایا تو وہ میرے ساتھ نہایت ادب و احترام سے پیش آئے اور کہنے لگے کہ ہمیں جماعت کے بارہ میں تو آج پتہ چلا ہے۔ شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک دفعہ میں نابلس کے علاقہ میں جماعت کی ویب سائٹ اور ایم ٹی اے کی فریکوینسی پر مشتمل بعض کارڈ لوگوں میں تقسیم کر رہا تھا کہ سی آئی ڈی کے ایک نمائندہ نے مجھے روک لیا اور سب کچھ چیک کرنے کے بعد اپنے ہیڈ کوارٹر میں فون کرنے کے بعد معذرت کرتے ہوئے مجھے احترام کے ساتھ جانے کی اجازت دی۔

میرے سٹوڈنٹس بھی بفضلہٖ تعالیٰ جماعتی افکار و عقائد سے متاثر ہیں کیونکہ وہ مختلف دینی امور میں دینیات کے استاد سے کوئی سوال پوچھتے ہیں پھر اسی سوال کا جواب جب میں احمدیت کے نقطہ نگاہ سے دیتا ہوں تو خود کہتے ہیں کہ آپ کی رائے عقل و منطق کے زیادہ قریب اور مطمئن کرنے والی ہے۔

اپنے علاقہ میں تبلیغ کے سلسلہ میں پہلے پہل تو یوں ہوتا تھا کہ جب بھی ہم لوگوں کو احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی طرف بلاتے تھے تو مولویوں کی طرف سے ہمارے خلاف جھوٹے الزامات اور پروپیگنڈہ کی مہم شروع ہو جاتی تھی۔ لیکن نہ ہم نے اپنی دعوت الی اللہ کی روش بدلی نہ مولویوں نے گالیوں اور افتراؤں کی سیرت چھوڑی، گو پہلے لوگ ہماری بات سننا پسند نہ کرتے تھے لیکن اب محض خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسی تبدیلی آئی ہے کہ فلسطین سے بیعتوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔

خلیفۂ وقت سے ملاقات

میری بیعت کے سال یعنی 1999ء میں ہی مجھے مکرم ہانی طاہر صاحب کے ساتھ جلسہ سالانہ برطانیہ میں شرکت کا موقعہ ملا جہاں ہماری ملاقات حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے ہوئی۔ حضور انور نے ہمیں ایک ایک قلم عطا فرمایا اور ملاقات میں بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ حضور انور کی بارعب اور باوقار شخصیت سے میں بہت متاثر ہوا۔

آخر میں مَیں ایک اہم بات کہنا چاہتا ہوں کہ جب مَیں نے احمدیت قبول کی تو میرے ارد گرد کے لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ جس طرح اس نے اخوان المسلمین اور تکفیری جماعت

میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد انہیں خیر باد کہہ دیا تھا اسی طرح جماعت احمدیہ میں بھی اس کی شمولیت وقتی ٹھہرے گی اور آج نہیں تو کل یہ اس جماعت کو بھی چھوڑ جائے گا۔مَیں آج تک ان کو یہی جواب دیتا ہوں کہ ہر گزرنے والا دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی اس جماعت پر میرے ایمان کی جڑوں کو مضبوط سے مضبوط تر کرتا جا رہا ہے۔اب میری بیعت پر اس قدر عرصہ گزرنے کے بعد یہ لوگ مایوس ہو چکے ہیں، اب ان میں میرے ساتھ جماعت کے خلاف بات کرنے کی بھی ہمت نہیں رہی، اور میری جب بھی ان سے ملاقات ہوتی ہے تو اب مَیں انہیں کہتا ہوں کہ بالآخر تمہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی پر ایمان لانا ہی پڑے گا لیکن اگر اب قبول کر لو گے تو کافی سارا وقت ضائع ہونے سے بچا لو گے۔

{ مکرم عبد القادر مدلل صاحب کو بفضلہٖ تعالیٰ جماعت کی عربی ویب سائٹ پر بھی بہت کام کرنے کی توفیق ملی ہے اسی طرح الحوار المباشر کے جملہ پروگرامز کو تحریر میں لانے میں بھی کلیدی کردار ادا کیا ہے نیز کبابیر سے لائیو نشر ہونے والے پروگرام بعنوان ''مکارم الأخلاق'' اور ''مجالس الذکر'' کا بھی مستقل حصہ ہیں۔}

مکرم شادی مدلل صاحب

مکرم شادی مدلل صاحب مکرم عبد القادر مدلل صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ذیل میں انکے احمدیت کی طرف سفر کے بعض اہم واقعات کا بھی ذکر کیا جا رہا ہے۔

سابقہ دینی حالت

مکرم شادی مدلل صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

گومَیں ایک متدین گھرانے میں پیدا ہوا تھا لیکن میرے نزدیک دین کا مطلب اسی حد تک ہی تھا کہ نمازیں پڑھنے کیلئے مسجد چلے جائیں خواہ ان نمازوں میں کوئی روح اور مٹھاس ہو یا نہ ہو۔ جماعت کے بارہ میں تو مجھے کچھ علم نہ تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ مَیں نے جماعت کے بارہ میں ایک کتاب دیکھی جو کچھ عرصہ میرے پاس بھی رہی لیکن مجھے اس کی کچھ سمجھ نہ آئی۔

عام تعلیم کے لحاظ سے مَیں ایک ناکام طالبعلم ثابت ہوا تھا جس نے سکول کے بعد پڑھائی کو خیر باد کہہ کر ساتھ کے گاؤں میں بڑھئی کا کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

جماعت سے تعارف اور استخارہ

1999ء میں مَیں نے اپنے بھائیوں اور مکرم ہانی طاہر صاحب کی زبانی احمدیت اور اس کے عقائد یعنی وفات مسیح اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کی آمد کے بارہ میں سنا۔ بلکہ ان کی بیعت سے پوری بستی میں شور مچ گیا تھا۔ گومَیں ان کی باتیں سنتا تھا لیکن شاید ان امور میں تعمق اور تحقیق میرے بس کا کام نہ تھا۔ لہذا مَیں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے ان امور کی سمجھ نہیں

آتی تُو ہی مجھے کوئی ایسا واضح رؤیا دکھا جس سے احمدیت کی صداقت یا بطلان ثابت ہو جائے اور مَیں کسی فیصلہ پر پہنچ سکوں۔ چنانچہ مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ مَیں اپنے گاؤں کی ایک ایسی خالی سڑک پر چل رہا ہوں جس کے ارد گرد بعض قدیم طرز کے مکان ہیں اور جن میں سے بعض مدتوں سے خالی پڑے ہوئے ہیں۔ اس سڑک پر مَیں نے دو دیو قامت شخص دیکھے جن کے ہاتھوں میں بڑے بڑے ڈنڈے تھے۔ ان کے عقب میں ایک بڑی سی کار کھڑی تھی جس میں کوئی سوار نہ تھا۔ ان دونوں قوی ہیکل اشخاص نے ڈنڈے لہراتے ہوئے میری طرف بڑھنا شروع کیا اور نسبتاً قریب آنے پر ایک نے کہا کہ اگر یہ امام مہدی سچا ہے تو پھر آج تمہیں ہمارے ہاتھ سے بچا کر دکھائے۔ مَیں ابھی کچھ سوچنے بھی نہ پایا تھا کہ اچانک وہ کار جس میں کوئی سوار موجود نہ تھا حرکت میں آئی اور اتنی تیزی سے ان کی سمت بڑھی کہ سنبھلنے سے قبل ہی انہیں کچل ڈالا۔ خوف کے مارے میری آنکھ کھل گئی۔

اس رؤیا سے مجھے میری مراد مل گئی اور نہایت وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے میری مرضی کے مطابق ہی مجھے سمجھا دیا کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام سچے ہیں۔ لہٰذا مَیں نے کسی اور دلیل کے بغیر ہی بیعت کر لی۔

حقیقی بیعت کے ثمرات

جماعتی علوم پر اطلاع پانے اور خدا تعالیٰ سے تعلق کی راہیں اپنانے کے بعد تو میری زندگی یکسر بدل گئی۔ اب جب مَیں نماز پڑھتا تو مجھے لگتا جیسے اس جیسی نماز مَیں نے پہلے کبھی نہیں پڑھی۔ روزے رکھے تو بھی یہی احساس ہوا۔ نماز روزہ اور دیگر عبادات کا یہ مزہ مجھے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ الغرض بیعت نے میری زندگی بدل کے رکھ دی۔ بلکہ بیعت کے بعد پہلے رمضان میں میں نے کام سے چھٹی لے کر پورا مہینہ عبادت کے لئے وقف کر دینے کا فیصلہ کیا۔ احمدیت نے میری سوچ اور فکر کو اس حد تک بدلا کہ ایک وقت ایسا تھا کہ میں نے پڑھائی چھوڑ کر بڑھئی کا کام کرنا گوارا کر لیا کیونکہ ایسے لگتا تھا کہ جیسے زندگی کا کوئی مقصد نہ تھا لیکن اب مجھے روحانی و مادی میدان میں آگے بڑھنے کی لو سی لگ گئی تھی لہٰذا میں نے کام چھوڑ کر دوبارہ پڑھائی کی طرف عود کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کالج میں داخلہ لیا اور بی اے کرنے کے بعد تاریخ

میں ماسٹرز کیا اور خدا کے فضل کے ساتھ پوزیشن حاصل کی۔

آپ ایک ایسے شخص کی خوشی اور احساسات کا کسی قدر اندازہ کر سکتے ہیں جو سکول کی پڑھائی سے بھی بیزار ہو اور پھر اسے اس قدر شغف پیدا ہو جائے کہ ماسٹرز کی ڈگری حاصل کر لے۔ یہ سب حضرت امام مہدی علیہ السلام کی بیعت کی برکت تھی اور یہی حقیقی دین اسلام کا خاصہ ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

تبلیغ اور مشکلات

یونیورسٹی میں میرے بارہ میں اکثر طلباء اور اساتذہ کو معلوم تھا کہ مَیں احمدی ہوں۔ ان سب کا ردّعمل زیادہ مختلف نہ تھا احمدیت کے بارہ میں بات ہوتی تو کوئی آمادہ بہ جنگ ہو جاتا تو کوئی تمسخر واستہزاء کا نشانہ بناتے ہوئے گزر جاتا اور کوئی میرے خلاف غلط قسم کی خبریں پھیلا کر اپنے اسلام کے درست ہونے کا ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کرتا۔ ان میں سے ایک استاذ تھا جس نے میرے بارہ میں طلباء میں مشہور کر دیا تھا کہ گویا اس نے کئی بار میرے ساتھ میرے عقائد کے بارہ میں بات کرنے کی کوشش کی ہے لیکن مَیں ہر بار میدان سے فرار اختیار کر جاتا ہوں۔ جب مجھے اس کا علم ہوا تو مَیں نے اپنے ایک دوست کو ساتھ لیا اور اس استاذ کے دفتر میں پہنچ گیا اور اس سے پوچھا کہ آپ لڑکوں میں میرے بارہ میں ایسی خبریں کیوں پھیلاتے ہیں؟ شاید اسے اندازہ نہ تھا کہ احمدی بفضلہٖ تعالیٰ اپنے عقائد کے بارہ میں ایک بیّنہ پر قائم ہے اور اسے کوئی خوف نہیں۔ لہٰذا میرا سوال سنتے ہی وہ ہکّا بکّا رہ گیا اور ایک لفظ بھی نہ بول پایا۔

مَیں شعبہ تاریخ میں تھا اور شریعت کالج کے طلباء تاریخ کے طلباء کو میرے بارہ میں بتاتے ہوئے تنبیہ کیا کرتے تھے کہ اس سے بچ کر رہیں بلکہ مقاطعہ کرلیں ورنہ اس کے زہریلے خیالات کا اثر دوسروں میں بھی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ تاریخ کے شعبہ میں ایک ملحد استاد تھا جس کی تدریس اور ملحدانہ خیالات پر کسی کو اعتراض نہ تھا اور اگر اعتراض تھا تو ایک احمدی طالبعلم پر جس کا کام لیکچر دینا نہیں بلکہ علم حاصل کرنا تھا۔ بہرحال اس ملحد استاد کے ساتھ بھی مجھے متعدد بار بحث کرنے کا موقع ملا اور اس کے خیالات کا رد کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

یونیورسٹی میں ایک کمرہ مسجد کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔میری یونیورسٹی میں پڑھائی کے ابتدائی ایام کی بات ہے کہ مَیں اپنے ایک دوست کے ساتھ وہاں باجماعت نماز پڑھ رہا تھا، بعض طلباء نے ہمیں دیکھا تو باجماعت نماز میں شرکت کے لئے ساتھ ہو لئے۔ کچھ دیر کے بعد وہاں نماز کے لئے ایک مولوی آیا اور مجھے نماز پڑھاتا دیکھ کر پیچھے سے بلند آواز میں کہنا شروع کر دیا کہ اے نمازیو! تمہاری نماز ہرگز قبول نہ ہوگی کیونکہ تم ایک قادیانی کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہو جو کافر ہے۔ جب مَیں نے نماز ختم کی تو دیکھا کہ وہاں صرف چند مولوی کھڑے مجھے عجیب وغریب نظروں سے گھور رہے ہیں۔ کچھ لمحات اسی طرح ایک دوسرے کو گھورتے گزرے اس کے بعد مَیں خاموشی سے اس کمرے سے نکل آیا اور کسی کو میرا راستہ روکنے کی اللہ تعالیٰ نے جرأت نہ عطا کی۔

مخالفین کو اس لذت سے آشنائی ہی نہیں ہے جو ایک احمدی اس قسم کی تکالیف کے دوران بھی محسوس کر رہا ہوتا ہے۔

جلسہ برطانیہ میں شرکت

2002ء میں مَیں نے جلسہ سالانہ برطانیہ میں شرکت کی۔ ویزہ کا حصول اس قدر مشکل تھا کہ برطانوی سفارتخانہ کے آفیسر نے مجھے کہا کہ تمہارے پاس بینک کی سٹیٹمنٹ نہیں ہے لہٰذا مَیں ویزہ دینے سے قاصر ہوں۔ پھر کچھ باتوں کے بعد کہنے لگا کہ مجھے تم سچے آدمی لگتے ہو لہٰذا مَیں اپنی ذمہ داری پر تمہیں ویزہ دیتا ہوں۔ یوں بفضلہٖ تعالیٰ مجھے اس جلسہ میں شرکت کا موقعہ ملا۔ ان دنوں حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ علیل تھے اور ہماری حضور انور سے ملاقات نہ ہوسکی۔ لیکن جلسہ کے دوران وہ روحانی لذت پائی جس کا لفظوں میں بیان ممکن نہیں، میرا دل چاہتا تھا کہ اسی ماحول میں تمام عمر بتا دوں۔

مکرم محمد شریف عودہ صاحب

مکرم محمد شریف عودہ صاحب ایک لمبے عرصہ سے امیر جماعت کبابیر کے علاوہ تبلیغی سرگرمیوں اور ایم ٹی اے کے بے شمار پروگراموں کے حوالے سے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ان کے بارہ میں بات کرنے سے قبل مناسب ہوگا کہ ان کے خاندان کے قبول احمدیت کے بارہ میں کچھ عرض کر دیا جائے جو رسالہ التقویٰ کے خلافت جوبلی نمبر سے ماخوذ ہے۔

خاندانی پس منظر

مکرم محمد شریف عودہ صاحب کے خاندان میں احمدیت ان کے دادا مکرم محمد صالح صاحب کے ذریعہ آئی جنہوں نے 18 سال کی عمر میں اپنے خاندان کے ساتھ بیعت کی تھی۔آپ کو بچپن میں تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ نہ ملا تاہم صحت کے ساتھ قرآن کریم کی قراءت آپ نے سیکھ لی تھی۔آپ حیفا میں کام کرتے تھے ان دنوں مولانا جلال الدین صاحب شمس حیفا میں مقیم تھے لہٰذا آپ اپنے کام سے واپسی کے بعد مبلغ سلسلہ کی خدمت میں حاضر رہتے اور ان کی مدد اور اعانت کرتے۔شمس صاحب کے بعد جب مولانا ابو العطاء صاحب بطور مبلغ تشریف لائے تو آپ نے ان سے عربی زبان کے بنیادی قواعد بھی سیکھے اسی طرح شوق حصولِ تعلیم اور مطالعہ نے آپ کو کامیاب مبلغ بنا دیا۔آپ حیفا کی مساجد میں جا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی بشارت دیا کرتے تھے اور بعض بڑے بڑے مولویوں اور مفتیوں کے ساتھ بھی مناظرے کرنے سے نہ گھبراتے۔

علاوہ ازیں فلسطین کی دیگر بستیوں اور آبادیوں میں بھی آپ تبلیغ کے لئے جاتے رہتے تھے

اور کبھی دشمنوں کی زیادتیوں، ایذ ادہی اور گالی گلوچ کی پرواہ نہ کرتے۔

آپ نے جماعت احمدیہ کبابیر میں بطور سیکرٹری مال، سیکرٹری تعلیم و تربیت، سیکرٹری تبلیغ، جنرل سیکرٹری کے علاوہ بحیثیت صدر جماعت بھی خدمت کی توفیق پائی۔ آپ کی وفات 1980ء میں ہوئی۔

ایک دفعہ جبکہ آپ سیکرٹری مال تھے چوروں نے آپ کو پکڑ لیا اور رقم کا مطالبہ کیا۔ آپ کے انکار کی وجہ سے وہ آپ کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اغوا کر کے لے گئے لیکن آپ نے ان کو جماعت کی رقم کا ایک آنہ بھی نہ دیا۔ ازاں بعد کسی طرح ساتھ والی بستی کے نمبر دار سے ان چوروں کا سامنا ہو گیا جس نے محمد صالح صاحب کو ان سے چھڑایا۔

آپ تمام جماعت کو عموماً اور اپنی اولاد کو خصوصاً خلیفۂ وقت کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھنے کی تلقین کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ خلیفۂ وقت کو خط لکھو تو خط مختصر ہونا چاہئے اور تحریر واضح اور صاف ستھری ہونی چاہئے۔

1970ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ لندن تشریف لائے تو آپ کو حضور سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔ نہ صرف آپ تحریک جدید میں شامل ہونے والے اوائل عرب احمدیوں میں سے تھے بلکہ 1945ء میں آپ نظام وصیت میں شامل ہو کر اوائل عرب احمدی موصیان میں بھی شامل ہو گئے۔

جب محمد صالح عودہ صاحب کی شادی ہوئی تو مولانا ابوالعطاء صاحب نے آپ کے لئے خاص دعا کی اور اپنے رؤیا کی بناء پر آپ کو بتایا کہ آپ کے ہاں پہلے مریم پیدا ہو گی پھر جمیلہ اور پھر صلاح الدین۔ چنانچہ بعینہٖ اسی ترتیب کے ساتھ آپ کے ہاں اولاد ہوئی اور یہی نام رکھے گئے۔ ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹوں اور بیٹیوں سے نوازا۔

محمد صالح عودہ صاحب کے بیٹوں میں سے بڑے مکرم صلاح الدین عودہ صاحب ہیں جو محمد شریف عودہ صاحب اور منیر عودہ صاحب کے والد صاحب ہیں۔ مکرم محمد شریف عودہ صاحب کے ساتھ ہم نے ایک انٹرویو ریکارڈ کیا تھا جس میں اب انہوں نے بعض اضافے بھی کئے ہیں۔ اس انٹرویو کے حوالے سے ان کے بیان کردہ بعض تاریخی اور ایمان افروز واقعات انہی کی زبانی سنتے ہیں۔

خلیفہ وقت کی دعا کا اعجاز

مکرم محمد شریف صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

میری ولادت 1966 میں ہوئی۔مَیں نے اپنا بچپن اپنے دادا مکرم محمد صالح عودہ صاحب کے ساتھ گزارا جو مبلغین کرام کے ساتھ رہتے اوران کی خدمت کیا کرتے تھے۔

میرے والد صاحب بچپن میں ہی کسی موذی مرض میں مبتلا ہوگئے اوراس وقت کے اطباء اور حکماء نے کہا تھا کہ اوّل توانکا زندہ رہنا مشکل ہے، لیکن اگر یہ موت سے بچ بھی گئے تو اس مرض کے اثرات کی وجہ سے ان کے ہاں اولادنہیں ہوسکے گی۔چنانچہ میرے دادا جان نے مولانا ابو العطاء جالندھری صاحب کے ذریعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دعا کے لئے لکھا۔اللہ تعالیٰ نے خلیفہ وقت کی دعا کوقبول فرمایا اور میرے والد صاحب کواعجازی طور پر نہ صرف شفاء عطا فرمائی بلکہ بیماری کا اثر بھی زائل ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے میرے والد صاحب کو شادی کے بعد میرے علاوہ میرے دو بھائی عزیزان منیر عودہ اور امیر عودہ اور ایک بہن منال عودہ عطا فرمائے۔فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

میرے دادا میرے مربی

چونکہ مَیں اپنے دادا کا پہلا پوتا اوران کے پہلوٹھے بیٹے کا پہلا بیٹا تھا اس لئے میرے دادا کو مجھ سے خاص انس تھا۔میرے دادا اور دادی کی اسی محبت کی وجہ سے مَیں نے اپنا بچپن انہی کے ہاں گزارا۔ مجھے یاد ہے مَیں نماز فجر پر اپنے دادا کی تلاوت کی آواز پر جاگا کرتا تھا، جبکہ وہ اس سے قبل تہجد پڑھنے کے بعد فجر سے قبل کچھ وقت کے لئے تلاوت کیا کرتے تھے۔

بچپن

جب مکرم مولانا فضل الٰہی بشیر صاحب دوسری دفعہ کبابیر تشریف لائے تو مَیں ان کے ساتھ مرکزِ جماعت میں رہا کرتا تھا اوران کی خدمت کیا کرتا تھا۔علاوہ ازیں تمام مبلغین کرام جو اس عرصہ میں کبابیر میں تشریف لائے ان کے ساتھ میرا بہت گہرا تعلق رہا بلکہ میری خواہش

اور کوشش یہی ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ ان کے ساتھ وقت گزارا جائے۔ یوں بچپن سے ہی میرا تعلق بڑی عمر کے بزرگوں کے ساتھ رہا جو مجھے مختلف اجلاسات اور میٹنگ میں ساتھ لے جاتے اور بعض بڑی شخصیات کے ساتھ ملاقات میں بھی متعدد مرتبہ ان کے ساتھ مجھے جانے کا اتفاق ہوا، حالانکہ میری عمر اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ اس لحاظ سے مَیں کہہ سکتا ہوں کہ میری زندگی میں بچپن نہیں آیا کیونکہ مَیں نے سارا بچپن اپنی عمر سے کافی بڑے بزرگوں کے ساتھ گزار دیا۔

بعض کاموں کی یادیں

مکرم مولانا فضل الٰہی بشیر صاحب کے زمانے کی بات ہے کہ وہ مجھے خاص طور پر فلسطین کے مختلف علاقوں میں اپنے تبلیغی سفروں میں ساتھ لے جاتے تھے۔اسی طرح اس وقت کے مجلّہ البشریٰ میں بھی کام کرنے کا موقعہ ملا۔ایک شمارہ سیٹ کرنے اور پرنٹ کروانے کے لئے ہمیں کئی کئی راتیں دیر تک کام کرنا پڑتا تھا۔عبارتیں سیٹ کرنے اور پیسٹنگ وغیرہ کے مراحل کے بعد خود ہی اسے پرنٹنگ کے لئے لے کر جاتے تھے اور پرنٹ ہونے والے اوراق کی ترتیب وغیرہ کا کام بھی مرکز جماعت یا کسی احمدی گھر میں کیا جاتا تھا۔

اسی عرصہ میں یعنی 1979ء میں ہم نے مسجد کی عمارت دوبارہ تعمیر کرنے کا کام شروع کیا۔مکرم فضل الٰہی بشیر صاحب نے احمدیوں کو مختلف گروپس میں تقسیم کردیا تھا اور ہر ایک گروپ کا ہفتہ میں ایک دن وقارعمل ہوتا تھا۔بعض اوقات ہمیں سکول سے سیدھا وقارعمل کے لئے بلا لیا جاتا تھا۔گوکہ یہ کام بہت سخت اور تھکا دینے والا ہوتا تھا لیکن اس کام کی لذت آج تک مجھے یاد ہے۔ مجھے یاد ہے کہ انہی ایام میں مَیں نے قصیدہ یَا عَیْنَ فَیْضِ اللّٰہِ وَالْعِرْفَانِ حفظ کیا تھا۔

دیگر مبلغین کے ساتھ کام

مکرم فضل الٰہی بشیر صاحب کے بعد مکرم شریف امینی صاحب تشریف لائے۔ان کے ساتھ مختلف تبلیغی دورہ جات میں مَیں نے تبلیغ کرنے کا طریق اور کسی کے ساتھ بحث کا اسلوب سیکھا۔ پھر مکرم حمید کوثر صاحب تشریف لائے جنہوں نے جماعت کی ذیلی تنظیموں کو قائم کیا اور

یوں ہم مجلس خدام الاحمدیہ کے تحت کام کرنے لگے۔

مبلغ بننے کی خواہش

مبلغین کرام کے ساتھ مسلسل رہنے اور دعوت الی اللہ کے کاموں میں شامل ہونے کی وجہ سے میرے دل میں مبلغ بننے کی شدید خواہش تھی۔اور میرے دادا جان کی بھی مبلغین کرام کے ساتھ محبت کی وجہ سے یہی خواہش تھی کہ مَیں بھی مبلغ بنوں ،لہذا مَیں نے میٹرک کے امتحان کے بعد قادیان جا کر جامعہ احمدیہ میں پڑھنے کی کوشش بھی کی لیکن اس وقت ویزہ وغیرہ کی مشکلات کی وجہ سے ایسا نہ ہوسکا۔تاہم مَیں نے اپنی اس خواہش کی تکمیل اس طرح کی کہ مبلغین کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہتا تھا۔مجھے یاد ہے جب کبابیر اوراس کے مضافات میں ہماری تبلیغ کا دائرہ وسیع ہوا تو اس وقت باہر کے علاقوں میں جانے کے لئے مربیان کرام کے پاس گاڑی وغیرہ نہیں ہوتی تھی اس لئے مَیں نے اس غرض کے لئے کار خریدی جسے مبلغین کے ساتھ دُور کے علاقوں میں تبلیغ کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

روحانی اولاد کی خواہش

مبلغ سلسلہ مکرم حمید کوثر صاحب کے کبابیر میں قیام کے دوران میں لمبے عرصہ تک سیکرٹری دعوت وتبلیغ اور صدر خدام الاحمدیہ رہا۔ان ایام میں جماعت کا انتشار کبابیر کے بیرونی علاقوں میں بہت کم تھا چنانچہ مَیں نے فلسطینی اخبارات میں جماعت کے بارہ میں مختلف اشتہارات دینے شروع کئے نیز مختلف لوگوں سے ٹیلی فون کے ذریعہ رابطے کئے جن کی بناء پر کافی لوگوں نے مرکز جماعت میں رابطہ کرنا شروع کیا۔

اسی عرصہ میں جب میری شادی ہوئی تو ظاہری اولاد سے زیادہ میری خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے روحانی اولاد سے نوازے۔چنانچہ مَیں نے دعا کی کہ یا باری تعالیٰ تیری بارگاہ میں کوئی کمی نہیں ہے،مَیں تجھ سے ذریت صالحہ مانگتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ اس کے ساتھ مجھے روحانی اولاد سے بھی نواز دے اور کوئی ایسا شخص بھی عطا کر جو اس استجابت دعا کے پھل کے طور پر تیرے مسیح ومہدی پر اس عاجز کی تبلیغ سے ایمان لے آئے۔خدا شاہد ہے کہ مجھے اپنی

ظاہری اولاد سے زیادہ اس روحانی اولاد کا انتظار تھا۔

پہلا پھل

انہی دنوں مَیں نے ایک پرنٹنگ کمپنی میں کام کرنا شروع کیا تھا۔اس کمپنی میں میری ملاقات صالح ابوعلی نامی ایک شخص سے ہوئی جس کا تعلق تکفیری جماعت سے تھا اور وہ میری کمپنی کے مالک کے ساتھ سیاسی قیدی کے طور پر ایک ہی جیل میں رہ چکا تھا۔ بہر حال ہماری احمدیت کے بارہ میں بات ہوئی تو مَیں نے دیکھا کہ وہ خاصی دلچسپی لے رہا ہے۔ چنانچہ مَیں نے اسے چند اور مولویوں کے ساتھ مرکز جماعت میں آنے کی دعوت دی۔عشاء کے بعد جو ہماری گفتگو کا آغاز ہوا تو مجلس خاصی گرما گرم رہی اور یہ سلسلہ فجر تک چلتا چلا گیا۔ یہ مجلس بہت مفید ثابت ہوئی کیونکہ بالآخر اس شخص نے بیعت کر لی۔ خدا تعالیٰ نے میری دعا کو اس طرح قبول فرمایا کہ جب میرے ہاں پہلی بیٹی امۃ الحی کی ولادت ہوئی تو اس ظاہری اولاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے صالح ابوعلی کی بیعت کی شکل میں مجھے روحانی اولاد سے بھی نواز دیا۔

خلیفہ وقت کی نظر کا جادو

مکرم صالح ابوعلی صاحب کے قبول احمدیت میں شاید میری تبلیغ کا بہت کم اور خلیفۂ وقت کی نظرِ شفقت کا دخل بہت زیادہ تھا۔ ہوا یوں کہ ان کی احمدیت میں دلچسپی اور حقیقت کی پیاس دیکھ کر مَیں نے انہیں جلسہ سالانہ برطانیہ میں شرکت کرنے کیلئے کہا تو وہ مان گئے۔ دوسری طرف مَیں نے مکرم حلمی الشافعی صاحب کو فون کر کے ان کا خاص خیال رکھنے کی درخواست کی اور بتایا کہ یہ احمدیت کے بہت قریب ہیں۔ جب مَیں نے دوبارہ فون کیا تو حلمی صاحب فرمانے لگے کہ ان کی فکر نہ کرو بلکہ اب یہ دوست پکے ہوئے پھل کی صورت میں آپ کے پاس واپس آئے گا۔ مجھے بات کی سمجھ نہ آئی تو انہوں نے بتایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ اسلام آباد میں لوگوں کے ہجوم میں سے گزر رہے تھے کہ اچانک آپ کی نظر اس شخص پر پڑی اور حضور انور اس کے پاس تشریف لے گئے، اس سے کچھ بات کی اور شرف معانقہ بخشا۔ اس لئے اب آپ اس کے بارہ میں فکر مند نہ ہوں۔ چنانچہ پیارے آقا کی نظر شفقت نے اس شخص کو آپ کی محبت کا

اسیر بنالیا۔اورانہوں نے بیعت کر لی۔

مکرم ہانی طاہر صاحب سے ملاقات

مکرم صالح ابوعلی صاحب کا تعلق فلسطین کے مغربی کنارے سے تھااور تکفیری جماعت کے اکثر لوگ اسی علاقے کے رہنے والے تھے۔چنانچہ ان کے ذریعہ جماعت کی تبلیغ اس علاقے میں بھی ہونے لگی۔انہی علاقوں سے مکرم ہانی طاہر صاحب کا بھی جماعت کے ساتھ رابطہ ہوا۔مجھے یاد ہے کہ جب پہلی دفعہ ہانی صاحب تشریف لائے تو بہت متشدد تھے، بات بات پرسوال کرتے تھے۔میرے بھائی منیر عودہ اورایک اوردوست مناع عودہ صاحب نے مجھے کہا کہ اس شخص کا بیعت کرنا تو تقریبا ناممکن ہے۔مَیں نے کہا مجھے لگتا ہے کہ یہ ضرور بیعت کر لیں گے۔چنانچہ ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے سوال وجواب کا سلسلہ جاری رہا۔اس بحث کے دوران انہوں نے ہمارے عقائدکی صداقت کی دلیل اقوالِ علمائے سلف کی رو سے چاہی تو ہم نے ہر اختلافی مسئلہ میں علماء کے اقوال ان کی اصل کتب سے نکالنا شروع کئے اور یوں خدا تعالیٰ نے مجھے یہ مجموعہ اکٹھا کرنے کی توفیق عطا فرمائی جس پراب خدام الاحمدیہ کبابیر کام کررہی ہے تاکہ افادۂ عام کے لئے اسے ایک کتاب کی صورت میں شائع کر دیا جائے۔

خلیفہ رابعؒ کے ساتھ پہلی ملاقات

1986ء میں مجھے پہلی دفعہ جلسہ سالانہ برطانیہ میں شرکت کی توفیق ملی۔اس وقت ہماری ملاقات ’’نصرت ہال‘‘ میں ہوئی۔مَیں نوجوانی کے ابتدائی ایام میں تھا۔قبل ازیں خلیفۂ وقت پاکستان میں رہائش پذیر تھے اور ہمارا پاکستان جانا ناممکن تھا اس لئے خلیفۂ وقت کے ساتھ ملاقات ایک خواب تھا۔بہر حال ملاقات کے دوران جب حضور انورؒ نے اس عاجز کوشرف معانقہ عطا فرمایا تو مجھے ایسے لگا جیسے مَیں اس زمین پراوراس عالم میں نہیں بلکہ ہواؤں میں اڑنے لگا ہوں۔اس ملاقات کی وہ ناقابل بیان لذت تھی کہ جس سے دور رہ کرآشنائی ہونا ناممکن ہے، اورجب یہ آشنائی ہوجائے توپھر دور رہنا محال ہو جاتا ہے۔لہٰذا اس کے بعد جلسہ سالانہ چھوڑنا میرے لئے مشکل ہوگیا اور ہر سال آنے لگا۔

لَا يَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ

جلسہ سالانہ کی یادوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دفعہ جلسہ شروع ہونے سے ایک روز قبل بڑی مارکی میں لوگ جمع تھے کہ اچانک حضور انور اس مارکی میں تشریف لائے اور ہم صف بنا کر کھڑے ہو گئے۔ اتفاقاً پہلی صف میں ہم عرب کھڑے تھے۔ حضور انور نے ہمیں دیکھ کر کمال شفقت فرماتے ہوئے ہم پہلی صف والوں کو شرف مصافحہ سے نوازا۔ حضور مصافحہ کا شرف عطا فرماتے ہوئے جب عربوں کے ساتھ کھڑے ہوئے ایک پاکستانی دوست کے پاس پہنچے تو اس سے پوچھا کہ کیا آپ بھی عرب ہیں؟ اس نے جواب دیا: نہیں۔ آپؒ نے اسے بھی شرفِ مصافحہ بخشتے ہوئے فرمایا: ھٰٓؤُلَآءِ قَوْم لَا یَشْقٰی بِھِمْ جَلِیْسُھُمْ یعنی یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کے ساتھ بیٹھنے والے بھی خیر سے محروم نہیں رہتے۔

میرے لئے ایک نشان

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے فرمایا کہ اگر تمہارا خلافت کے ساتھ مضبوط تعلق ہو گا تو اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں بھی قبول کرے گا بلکہ وہ دعائیں بھی سنے گا جو ابھی تمہارے دل میں ہوں۔ میرے ساتھ ایک ایسا واقعہ ہوا جس کا حضور انور کے اس فرمان سے گہرا تعلق ہے۔ شاید کسی کے نزدیک یہ بہت معمولی واقعہ ہو لیکن میرے لئے کسی معجزہ سے کم نہیں ہے۔ مَیں جب لندن جلسہ پر یا دوسرے مواقع پر آتا تو اکثر اوقات حضور انور شفقت فرماتے ہوئے مجھے اردو کلاس میں بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرماتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مَیں لندن پہنچا اور اسی دن اردو کلاس کی ریکارڈنگ تھی۔ مَیں نے اپنے بھائی منیر عودہ صاحب سے کہا کہ مَیں نے اردو کلاس میں شامل ہونا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ حضور انور کی کلاس میں بیٹھنے کے لئے پہلے اجازت لینی ضروری ہے، اور چونکہ ہم نے پہلے ایسا نہیں کیا اس لئے مناسب نہیں ہے کہ آپ بلا اجازت کلاس میں چلے جائیں۔ مجھے اس محرومی پر شدید صدمہ لاحق ہوا۔ اسی حزن وملال کی کیفیت میں مَیں گریسن ہال روڈ کے کنارے چلنے لگا اچانک میرے دل میں جنم لینے والی ایک معصوم سی خواہش دعا بن کر لبوں پر آ گئی اور اس دل شکستگی کی کیفیت میں جانے کیسے

میرے منہ سے نکل گیا کہ اے اللہ میرے غم کا مداوا یہ ہے کہ جب حضور انور نماز کیلئے مسجد میں تشریف لائیں تو میرے ساتھ کوئی شفقت فرمائیں۔اس وقت اردو کلاس مغرب اورعشاء کے درمیان ہوا کرتی تھی۔مَیں مذکورہ بالا تفکرات وخیالات میں گھرا ہوا نمازِ عشاء کیلئے مسجد میں آبیٹھا۔حضور انورتشریف لائے اورعشاء کے بعد جب تشریف لے جانے لگے تو مجھے دیکھتے ہی فرمایا: شریف! اُردو کلاس میں کیوں نہیں آئے؟مَیں نے عرض کیا کہ حضور منیر نے مجھے جانے سے روک دیا تھا۔آپؒ نے فرمایا اچھا آؤ میرے ساتھ۔حضور سیدھا سٹوڈیو تشریف لے گئے اورفرمایا منیر کو بلاؤ۔اورسلیم صاحب کو آئس کریم لانے کا ارشاد فرمایا۔منیرعودہ صاحب آئے تو حضور نے پوچھا کہ شریف کواردو کلاس میں کیوں نہیں آنے دیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضور ہم نے حضور انور سے اجازت نہیں لی تھی۔فرمایا: اچھااب یہ کل والی کلاس میں آجائیں۔یوں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف میری دعا سن لی بلکہ میرے مانگنے سے بہت زیادہ عطا فرما دیا۔فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

لطفِ بے پایاں

مَیں ہر جلسہ پر اذان دیا کرتا تھا۔ایک دفعہ ایسا ہوا کہ جلسہ کے بعد آنے والے جمعہ کے دن مَیں نے کبابیر واپس جانا تھا لیکن جمعہ کی نماز کے لئے جاتے ہوئے میرے دل میں اذان دینے کی خواہش بڑی شدت کے ساتھ پیدا ہوئی، یہ خواہش اتنی شدید تھی کہ مَیں تقریباً بے اختیار ہوکر محترم عطاء المجیب راشد صاحب کے پاس جا پہنچا جواس وقت حضور انور کی آمد کے منتظر تھے۔ مَیں نے ان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے کہا کہ اب تو ایسا ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ اذان دینے سے قبل اذان دینے والے کا نام حضور انور کے علم میں لانا ضروری ہے۔یہ جواب سن کر مَیں حزین وملول مسجد میں داخل ہوگیا۔حضور انورؒتشریف لائے،سلام کہنے کے بعد منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا: اذان۔ایک شخص اذان دینے کیلئے اٹھا تو حضور انور نے اسے فرمایا کہ آپ بیٹھیں، پھر امام صاحب کو فرمایا کہ شریف صاحب کواذان کے لئے کہہ دینا تھا۔اس کے بعد مجھے اذان دینے کا ارشاد فرمایا۔مَیں تو پہلے ہی تیار بیٹھا تھا لہٰذا مَیں نے اذان دی اور کافی لمبی دی۔جب اذان ختم ہوئی تو حضور انور نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی اقامت تو اذان سے

چھوٹی ہوگی نا؟

اعجازِ دعائے امام

ایک واقعہ ایسا ہے کہ جو میرے ساتھ تو نہیں ہوا لیکن اس کا مجھ پر اور اہل کبابیر پر اس قدر اثر ہے کہ مَیں اس کو بیان کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ ہماری جماعت کے ایک بزرگ دوست مکرم ابراہیم قزق صاحب جو کہ ایک نیک اور پارسا انسان تھے اور ان کی شدید خواہش تھی کہ جماعت کی صد سالہ جوبلی کے موقعہ پر لندن میں حاضر ہوں۔ لیکن اس سے قبل انہیں فالج کا اتنا شدید حملہ ہوا کہ ڈاکٹروں نے بھی جواب دے دیا بلکہ حقیقت میں ان کے اہل وعیال ان کے سفر آخرت کی تیاری کرنے لگ گئے۔ لیکن اسی اثناء میں انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں تار بھجوایا اور اس میں ان کی اس خواہش کا ذکر کرتے ہوئے دعا کی درخواست کی۔ حضور انور کا فوراً ہی جواب موصول ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت وشفاء اور عمر دے گا اور انشاء اللہ انہیں صد سالہ جشن تشکر پر یہاں آنے کی توفیق بخشے گا۔ خلیفۂ وقت کی خدا کے حضور استجابت دعاء کا یہ معجزہ تھا کہ ابراہیم قزق صاحب کو نہ صرف شفاء ہوگئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صد سالہ جشن تشکر کے موقعہ پر خلیفۂ وقت کے قدموں میں حاضری کی توفیق بھی عطا فرمائی، بلکہ اس کے بعد 14 سال تک زندہ رہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

کرشمہ ہائے دعائے خلافت

❁......حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے عہد خلافت کے آغاز کی بات ہے۔ مَیں اس وقت مرکزِ جماعت میں احمدیوں کے آنے والے خطوط ان کے گھروں میں پہنچایا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے ایک دوست مکرم طٰہٰ عبد المالک صاحب نرینہ اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ ان دونوں میاں بیوی نے حضور انور کی خدمت میں خط لکھا کہ ہمارے ہاں بیٹیاں ہی پیدا ہوتی ہیں، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بیٹے کی نعمت سے بھی نوازے۔ حضور انور نے ان کے ہاں نرینہ اولاد عطا ہونے کی دعا کی۔ یہ خط بھی مَیں ہی ان کو دینے کے لئے گیا۔ اس وقت یہ لوگ بہت خوش اور پُر امید تھے کہ اللہ تعالیٰ خلیفۂ وقت کی دعا سنے گا اور انہیں بیٹا عطا فرمائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی

ہوا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹا عطا فرمایا جس کا نام انہوں نے عبد المالک رکھا اور آج یہ لڑکا خدا کے فضل سے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کبابیر میں ہی وکالت کے پیشہ سے منسلک ہے۔

......آج سے 16 سال پہلے کی بات ہے کہ ہمارے ساتھ کبابیر سے چند احمدی عورتیں بھی جلسہ سالانہ UK میں شرکت کے لئے تشریف لائیں جن میں سے ایک مکرمہ عطاف عودہ صاحبہ زوجہ عزات ہاشم صاحب اور ایک اور بہن مکرمہ نوال عمر صاحبہ بھی تھیں۔ جلسہ سالانہ کے ان ایام میں کبابیر سے آئے ہوئے خواتین وحضرات کی اجتماعی ملاقات اسلام آباد کی مسجد میں ہوئی۔ دوران ملاقات حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے مکرمہ نوال عمر صاحبہ سے دریافت فرمایا: آپ کے کتنے بچے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرا ایک بیٹا ہے۔ حضور انور نے کچھ دیر خاموشی کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اکلوتے بیٹے کو بہت ساری ذریت صالحہ سے نوازے گا۔ حضور انور کا اس طرح فرمانا ایک دعائے مستجاب تھی اور ہم نے بھی حضور انور کے کلمات طیبات کے اثر کو اس وقت محسوس کیا۔ لیکن ان کلمات کو سنتے ہی مکرمہ عطاف عودہ صاحبہ کھڑی ہوگئیں اور نہایت جذباتی کیفیت میں حضور انور سے عرض کرنے لگیں کہ اے امیر المؤمنین! میری شادی کو سترہ سال ہو چکے ہیں اور ابھی تک اولاد سے محروم ہوں، مجھے بھی حضور انور کی دعائے خاص کی ضرورت ہے۔ حضور انور نے ان کی دلداری کے لئے انہیں پاس بلایا اور چاکلیٹ دیتے ہوئے فرمایا: انشاء اللہ آپ کو بھی اگلے سال اللہ تعالیٰ اولاد کی نعمت سے نوازے گا۔ حضور انور کے یہ کلمات سن کر تقریباً ساری مجلس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے کیونکہ ہم سب کو ہی معلوم تھا کہ مکرمہ عطاف عودہ صاحبہ کو سترہ سال سے اولاد نہیں ہوئی بلکہ ان کے رشتہ داروں کو یقین تھا کہ وہ بانجھ ہیں۔ پورے ایک سال بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹی عطا فرمائی۔ اور یہ اہل کبابیر کے لئے خلیفہ وقت کی استجابت دعا کا ایک بہت بڑا نشان تھا۔ مکرمہ عطاف عودہ صاحبہ کی یہ بیٹی یہاں جلسہ سالانہ میں شرکت کے لئے آئی تھیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے ملاقات کے دوران خود یہ واقعہ سنایا تھا۔

......ناصرہ کے علاقے میں ''حوریہ'' نامی ایک غیر از جماعت عورت رہتی ہیں جن کی شادی کو تقریباً 15، 16 سال ہو چکے تھے لیکن اولاد کی نعمت سے محروم تھیں۔ بارہا اولاد عطا ہونے

کی امید ہوئی لیکن اسقاط حمل ہو جاتا تھا۔ان کی ایک بھتیجی کی شادی کبابیر میں ہوئی تھی جو آج بھی کبابیر میں ہی رہائش پذیر ہیں۔گو کہ ان کی یہ بھتیجی بھی غیر احمدی ہیں لیکن احمدیوں کے ساتھ رابطہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے اپنی چچی سے کہا کہ احمدیوں کا ایک خلیفہ ہے اوران کا یقین ہے کہ ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں لہٰذا آپ بھی دعا کی درخواست کر کے دیکھ لیں۔ چنانچہ اس عورت نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں دعا کا خط لکھ دیا۔ جب ان کے خط کا جواب آیا اور مَیں نے ان کو ارسال کیا تو مجھے پتہ چلا کہ اس دن بھی ان کا اسقاط حمل ہو اتھا۔لیکن بفضلہٖ تعالیٰ اس کے بعد ہونے والے حمل سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹی عطا فرمائی۔ پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے بیٹے کی نعمت سے بھی نوازا لیکن اس بیٹے کے دل میں سوراخ تھا۔ اس کا پہلا آپریشن ناکام ہوگیا تو اس عورت نے پھر دوبارہ حضور انور رحمہ اللہ کی خدمت میں دعا کیلئے لکھا۔چنانچہ دوسری دفعہ یہ آپریشن اعجازی طور پر کامیاب ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھا۔باوجود اتنے واضح نشانات کے یہ عورت بیعت نہ کرسکی کیونکہ اس کا خاوند بہت متعصب اور جماعت کا مخالف ہے۔

ہانی طاہر صاحب کے ساتھ بعض یادیں

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ مکرم ہانی طاہر صاحب کے سسر بھی قبول احمدیت سے قبل تکفیری جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر ان کے بیعت کر لینے کے بعد ہانی صاحب کے دل میں بھی جماعت کے بارہ میں تحقیق کی خواہش پیدا ہوئی۔ تکفیری جماعت چونکہ اپنے علاوہ باقی سب لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں اس لئے دیگر کئی امور کے علاوہ ان کا ذبیحہ کھانا بھی حرام سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے متشدد تکفیری مولوی اوران کے پیروکار دوسروں کے گھروں سے کھانا تک نہیں کھاتے تا بزعمِ خود ان کے ''حرام'' ذبیحہ سے اجتناب کرسکیں۔ ہانی صاحب بھی شروع میں ایسے ہی کرتے تھے۔محترم محمد شریف عودہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

۞......مکرم ہانی صاحب جب زیر تبلیغ تھے اور ہمارے ہاں بغرض تحقیق آیا کرتے تھے تو نہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے اور نہ ہی کھانا کھاتے تھے۔ تحقیق کے بعد ہانی صاحب دل سے ایمان لے آئے تھے گو اس کا اعلان انہوں نے بعد میں کیا۔ بہر حال ایک دفعہ جب وہ تشریف لائے تو

ہمارے ساتھ کھانا کھا لیا۔مَیں نے فوراً ان کے سسر مکرم ابو مامون صاحب کو فون کر کے جب اس بارہ میں بتایا تو انہوں نے فوراً کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ وہ احمدی ہو گئے ہیں۔ کیونکہ پرانی تکفیری سوچ کے خاتمہ کے بغیر ایسا ہونا ناممکن ہے اور یقیناً وہ سوچ قبول احمدیت کی وجہ سے ہی ختم ہوئی ہے۔ بہر حال اس کے بعد انہوں نے ہمارے ساتھ نمازیں بھی پڑھنی شروع کر دیں۔ یہ اکتوبر 1998ء کا واقعہ ہے۔

......ابھی مکرم ہانی صاحب نے قبول احمدیت کا اعلان نہ کیا تھا کہ مَیں نے فلسطین کے اخبار ''القدس'' میں جماعت کے بارہ میں ایک تعارفی اشتہار شائع کروایا۔ یہ اشتہار پڑھ کر فلسطین کے ایک شہر ''سلفیت'' کی لائبریری کے انچارج نے ہم سے رابطہ کر کے کچھ کتب کا مطالبہ کیا۔مَیں نے ہانی صاحب سے عرض کیا کہ اگر پسند فرمائیں تو میرے ساتھ آ جائیں۔ انہوں نے میری درخواست قبول کر لی۔ جب اس لائبریری کے انچارج سے ملے تو مَیں حیران رہ گیا کہ ہانی صاحب اس سے ایسے بات کر رہے ہیں جیسے کوئی احمدی عالم بات کرتا ہے۔ بلکہ انہوں نے اس انچارج سے یہ بھی پوچھا کہ کیا آپ کو اپنی لائبریری میں جماعت کی کتب رکھنے سے کسی قسم کا خوف محسوس نہیں ہوتا؟ اس نے کہا: نہیں۔

ہانی صاحب کے اس شخص کے ساتھ احمدیت کے بارہ میں بات کرنے کے انداز سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اب یہ دل سے احمدی ہو چکے ہیں۔

مکرم ہانی طاہر صاحب کہتے ہیں کہ میں 22 ؍ستمبر 1998ء کو احمدی ہو چکا تھا لیکن بیعت 21 ؍جنوری 1999ء کو کی۔مَیں اپنی سابقہ تکفیری جماعت کے بعض دوستوں کو احمدیت کے بارہ میں قائل کرنا چاہتا تھا اس لئے اپنے احمدی ہونے کا اعلان نہ کیا کیونکہ اگر مَیں اعلان کر دیتا تو وہ میری بات تک نہ سنتے۔ میری حکمت عملی کامیاب رہی اور ان میں سے کئی دوست احمدی ہو گئے۔مکرم شریف صاحب کی مذکورہ روایت اس عرصہ کی ہے۔

......مکرم محمد شریف عودہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ہمارا ایک مناظرہ مسجد ''شرفات القدس'' میں ہوا۔ اس میں بھی میرے ساتھ ہانی صاحب نے شرکت فرمائی۔ اس مناظرہ میں ہمارے ساتھ لیپ ٹاپ کمپیوٹر بھی تھا۔ جب مناظرہ میں کسی حدیث یا آیت قرآنی یا تفسیر کے حوالے کی ضرورت پڑتی تو ہم فوراً نکال کر پیش کر دیتے۔مناظرہ بہت اچھا رہا جس کے آخر

پر بعض متعصب لوگوں نے عجیب تبصرہ کیا کہ یہ انگریز کے ایجنٹ ہیں اور حکومت برطانیہ ان کو ایسے لیپ ٹاپ فراہم کرتی ہے جن میں ہر ضروری اسلامی کتاب موجود ہوتی ہے تا کہ کسی بھی حدیث یا آیت یا تفسیر کی ضرورت پڑے تو فوراً نکال کر مدّ مقابل کے سامنے پیش کر سکیں۔

۞......ہانی صاحب فلسطین کے اس علاقہ میں رہتے ہیں جہاں سے انہیں کبابیر آنے کیلئے اجازت لینی پڑتی۔ لیکن مختلف پروگراموں کی ریکارڈنگ اور مناظرات وغیرہ کے لئے مَیں اجازت لے کر ان کو بلاتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ حالات کافی خراب تھے اس لئے فلسطینی علاقوں میں اسرائیلی فوجی اپنی کارروائیاں کر رہے تھے۔ ہانی صاحب اپنی فیملی کے ساتھ آ رہے تھے اور فون پر میرے ساتھ رابطے میں تھے کہ فائرنگ شروع ہوگئی۔ مَیں نے خود فون کے ذریعہ یہ فائرنگ سنی اور اس کے بعد ہمارا رابطہ منقطع ہوگیا۔ مجھے سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ ہمارا خیال تھا کہ شاید کوئی بُری خبر آنے والی ہے۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ باوجود اس کے کہ فائرنگ بھی ہوئی اور ان کی گاڑی کے دائیں بائیں سے گولیاں گزرتی رہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب کو محفوظ رکھا۔

۞......ہانی صاحب چونکہ یونیورسٹی میں لیکچرار تھے اس لئے پروگرامز کی ریکارڈنگ کے لئے عموماً شام کو آجاتے اور صبح صبح واپس چلے جاتے تھے۔ چونکہ ان کو جلدی سونے کی عادت تھی اور پروگرامز ریکارڈ کرنے میں کافی وقت لگ جاتا تھا اور سو نہ پاتے تھے، لیکن ان کی ہم نے ایک منفرد خصوصیت دیکھی کہ آتے ہی کہتے کہ آپ تیاری کریں اور مجھے صرف سات منٹ یا پانچ منٹ سونے دیں، اور بڑی حیرانگی کی بات ہے کہ پانچ یا سات منٹ کے لئے وہ گہری نیند سو لیتے اور اپنے بتائے ہوئے وقت پر آنکھیں ملتے ہوئے پہنچ جاتے۔

۞......جن دنوں فلسطین میں اسرائیل کے خلاف مظاہرے ہو رہے ہوتے تھے اور تمام سڑکیں وغیرہ بند ہوتی تھیں ان حالات میں بھی ہانی صاحب پہاڑوں اور وادیوں کو پھلانگتے ہوئے پیدل یونیورسٹی پہنچ جاتے اور اپنے سٹوڈنٹس کی تعلیم کا حرج نہ ہونے دیتے تھے۔ اور اگر کبھی اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے لیٹ ہو جاتے تو بھی ان کو اضافی وقت دیتے یا کسی اور طریق سے رہ جانے والی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کرتے۔

انتخاب خلافت خامسہ

......2002ء کی بات ہے مَیں نے ’’جنین‘‘ کے علاقے کے ایک نو مبائع مکرم امجد کمیل صاحب سے اس سال جلسہ سالانہ برطانیہ میں شمولیت کے لئے کہا۔انہوں نے اپنے حالات کی مجبوری کا عذر کرنے کے بعد کہا کہ مَیں استخارہ کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اس سفر کے میسر آنے کے لئے خیر کی دعا کرتا ہوں۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے بذریعہ فون مجھے بتایا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا ہے کہ وہ جلسہ میں ہیں اور انہیں خلیفۂ وقت کی زیارت بھی نصیب ہوئی ہے لیکن وہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب نہیں ہیں بلکہ کوئی اور شخص خلیفہ ہے۔ اس نے مزید تفاصیل بھی بتانے کی کوشش کی لیکن مَیں نے یہ سوچ کر کہ یہ خواب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی وفات کی طرف اشارہ کر رہی ہے مزید کچھ سننے سے انکار کر دیا۔

ایک سال بعد حضور رحمہ اللہ کی وفات ہوگئی۔ ہماری جماعت کے ایک خادم نے مجھے بتایا کہ ٹی وی پر حضور کی وفات کا اعلان ہو رہا ہے۔ مجھے یقین نہ آیا۔مَیں نے پرائیویٹ سیکرٹری مکرم منیر جاوید صاحب کو فون کیا تو وہ رو رہے تھے اور انہوں نے تصدیق کی کہ ہاں واقعی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی وفات ہوگئی ہے۔ یہ سننا تھا کہ میرا اپنے قدموں پر کھڑے ہونا مشکل ہوگیا۔اور مَیں حضور انور کے ساتھ اپنا خاص تعلق اور حضور انور کی شفقتیں یاد کر کے بچوں کی طرح رونے لگا۔ابھی مَیں اسی کیفیت میں تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی، دوسری طرف سے مکرم عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لندن بول رہے تھے انہوں نے کہا کہ حضور انور رحمہ اللہ نے اپنی وفات سے قبل مجلس انتخاب خلافت میں کچھ تبدیلیاں فرمائی تھیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کا نام بھی مجلس انتخاب خلافت میں شامل ہے لہٰذا آپ جلد از جلد لندن پہنچنے کی کوشش کریں۔ مجھے اس فون کال کے بعد ایسے محسوس ہوا جیسے کسی نے کوئی پہاڑ اٹھا کے میرے سر پر رکھ دیا ہو۔مَیں اپنے آپ کو جانتا تھا کہ کتنے پانی میں ہوں۔مَیں تو خود کو اس مجلس کے قابل نہیں سمجھتا تھا اس لئے یہی گمان ہو رہا تھا کہ شاید اتنی بڑی ذمہ داری کے بوجھ کے نیچے آ کر مَیں مر ہی جاؤں گا۔

اس احساس کے علاوہ میرے سفر میں بھی بعض رکاوٹیں تھی جن کے لئے مجھے بعض حکومتی

اداروں سے منظوریاں لینی تھیں۔ یہ ہفتہ کا روز تھا اور مجھے ہر حال میں یہ کام اتوار تک مکمل کرنا تھا۔ بہر حال یہ بھی الگ داستان ہے کہ کس طرح یہ سارے کام بالکل آخری لمحات میں مکمل ہوتے رہے اورمَیں اس سارے عرصہ میں مجسم دعا بنا رہا۔ ہر مرحلہ ناممکن کے لفظ سے شروع ہوتا اور آخری سٹیج تک امید ویاس کی کیفیت برقرار رہتی پھر دعاؤں کے ساتھ جب روح تک پگھلنے لگتی تو آخراچانک اعجازی طور پرمشکل آسان ہوجاتی حتی کہ جہاز پرسوار ہونے سے بھی مجھے یہ کہہ کرروک دیا گیا کہ جہاز کے دروازے بند ہوچکے ہیں اوراب آپ اس فلائٹ سے سفرنہیں کرسکتے۔اسی اثناء میں ایک اہلکار سے مَیں نے بات کی توانہوں نے فوراً میری مشکل حل کردی اور مجھے فلائٹ میں سوار ہونے کیلئے بھیج دیا۔

مَیں 1986-87 ء سے لندن آرہا ہوں لیکن مجھے کبھی کوئی مشکل نہ پیش آئی تھی لیکن اس دفعہ مجھے ہیتھروائر پورٹ پربھی روک لیا گیااورتفتیش کے دوران سوال وجواب کا طویل سلسلہ چلا جیسے یہ کہ اردن کیا کرنے گئے تھے؟ اورمصر کیوں گئے تھے؟ اورنہ جانے کیا کیا۔میری کیفیت شاید وہی سمجھ سکتا ہے جوکبھی اس طرح کی صورتحال سے گزرا ہو۔ایک طرف اتنا بڑا دکھ،اوراس پرقدم قدم پہ ابتلا کی وجہ سے میری یہ حالت تھی کہ ہر دفعہ مرمر کرزندہ ہورہا تھا۔بہر حال اس نہایت ہی مشکل،صبرآزما اورمجسم ابتلا سفر کے بعد میں بالآخرلندن پہنچ گیا جہاں حضورانوررحمہ اللہ کے چہرہ مبارک کودیکھ کرمیرے اندر کے زخم رِسنے لگے،اورمیرے دل میں دردوالم کا لاوا اشکوں کی صورت سسکیوں اورآہوں کے جلو میں بہنے لگا۔مَیں اس قدرقلق اورخوف کی کیفیت میں تھا کہ میرے دل ودماغ میں ایک خیال نہایت قوت کے ساتھ راسخ ہوچکا تھا کہ انتخاب سے قبل میں مسجد میں بے ہوش ہوجاؤں گا اور مجھے ایمبولنس یہاں سے ہسپتال لے جائے گی اور شاید یہ خوف بالآخرمیری جان لے لے گا۔

انہی کیفیات میں مَیں مسجدفضل کے احاطہ میں نماز کیلئے کھڑا تھا کہ دواشخاص میرے قریب سے گزرے ان میں سے ایک کوتومَیں جانتا تھا جوکہ محترم چوہدری حمید اللہ صاحب وکیل اعلیٰ تحریک جدید ربوہ تھے جبکہ دوسرے شخص کومَیں نہیں جانتا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس دوسرے شخص کودیکھتے ہی میرے دل میں یکدم ایک بجلی سی کوندگئی۔

جب انتخاب ہونے لگا تو بعض ممبران نے درخواست کی کہ جن بزرگان کے نام پیش

ہوئے ہیں ان کو اگر ہم دیکھ لیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ چنانچہ اس وقت میری حیرانگی کی انتہا نہ تھی کہ وہی شخص جس کو دیکھ کر میرے دل میں ایک برقی لہر سرایت کر گئی تھی وہ میرے قریب ہی پچھلی صف میں ہے اور ان کا نام حضرت مرزا مسرور احمد صاحب ہے۔ چنانچہ یہ نام اور تصویر میرے دل میں اتر گئی۔ اور الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اللہ نے اسی وجود کو خلعت خلافت عطا فرمائی۔ انتخاب ہوتے ہی میرے جسم وجان پر جیسے کوئی جادوئی اثر ہو گیا، ایسے لگا کہ میرے سر سے پہاڑ کا سا بوجھ اتر گیا۔ ہر قسم کا ڈر اور خوف دور ہو کر امن و تسکین دل میں گھر کر گئی۔ مَیں نے اپنی آنکھوں سے اور اپنے دل سے بلکہ اپنی ہستی کے ذرے ذرے سے "وَلَيُبَدِّ لَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْ فِهِمْ اَمْنًا (سورة النور:56) " کی تصویر دیکھی اور محسوس کی۔

......مَیں انتخاب سے قبل حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو جانتا تک نہ تھا۔ انتخاب خلافت کے حوالے سے میری پریشانی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ عرب دنیا سے پہلی دفعہ کسی کو یہ سعادت نصیب ہو رہی تھی کہ وہ انتخاب خلافت کمیٹی کا رُکن بن کر خلیفۂ وقت کے انتخاب میں شمولیت کی سعادت پاتا۔ اس لئے مَیں ڈر رہا تھا کہ میری کوئی کوتاہی اور کوئی گناہ آڑے نہ آجائے اور کوئی غلطی نہ ہو جائے، اس لئے میری یہی دعا تھی کہ اے اللہ خلیفہ تو تُو منتخب کرتا ہے اور تُو جانتا ہے کہ تیرا ہونے والا خلیفہ کون ہے، لہٰذا مجھے توفیق دے کہ میرا ہاتھ صرف اس کے حق میں ہی اٹھے جسے تو چُن چکا ہے۔

......حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے انتخاب کے بعد جب مَیں نے اپنے صبر آزما سفر پر نظر دوڑائی تو مجھے سمجھ آئی کہ میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔ دراصل انتخابِ خلافت جیسے عظیم اجتماع میں شامل ہونے کیلئے اور اس کمیٹی کا رکن بننے کیلئے دل کی پاکیزگی شرط ہے اور قدم قدم پر مشکلات نے مجھے ہلا کر رکھ دیا اور مسلسل دعا کی طرف طبیعت مائل رہنے کی وجہ سے تطہیر قلبی کا سامان ہوتا رہا۔

......شاید عربوں کی پہلی دفعہ انتخاب خلافت میں نمائندگی سے اس طرف بھی اشارہ ہو کہ اب اس خلیفہ کے عہد مبارک میں عربوں میں غیر معمولی فتوحات ہوں گی اور اس طرف بھی احمدیت کی تبلیغ کے نئے راستے کھلیں گے اور یہ قوم بھی کثرت سے احمدیت میں داخل ہوگی اور ان میں بھی خلافت کے خادم اور احمدیت کے عاشق ابھر کر سامنے آئیں گے۔ واللہ اعلم۔

خلافت خامسہ کے بارہ میں ایک مخلص دوست کا رؤیا

مَیں نے ذکر کیا ہے کہ 2002ء میں فلسطین کے ایک نواحمدی دوست مکرم امجد کمیل صاحب نے خلیفہ خامس کے بارہ میں خواب دیکھی تھی اور کسی قدر مجھے سنائی بھی تھی لیکن خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی زندگی میں مَیں نے اسے اس خواب کی تفصیل بیان کرنے سے روک دیا تھا۔اب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے انتخاب کے بعد اگلے دن مَیں نے اس دوست کو فون کیا تا اسے یہ خوشخبری سناؤں کیونکہ اس کے پاس ایسے وسائل نہ تھے کہ ایم ٹی اے یا انٹرنیٹ کے ذریعہ انتخاب خلافت کی لائیو کارروائی دیکھ سکتا۔ وہ گھر پر نہ ملے۔ گھر آنے پر انہوں نے کبابیر میں نائب امیر مکرم مناع عودہ صاحب کو فون کیا تو انہوں نے بتایا کہ خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی وفات کے بعد اب جماعت کو خدا تعالیٰ نے خلافت خامسہ کی نعمت سے نوازا ہے۔انہوں نے مناع عودہ صاحب کو کہا کہ مجھے اس بارہ میں کچھ بتانے سے قبل کاغذ قلم لے کر میری خواب لکھ لیں۔انہوں نے بتایا کہ انہوں نے جس خلیفہ کو خواب میں دیکھا ہے ان کی داڑھی چھوٹی ہے اور ان کی آنکھ کے نیچے ایک تل کا نشان بھی ہے اور انہوں نے ہلکے خاکی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں جن کے اوپر اسی رنگ سے ملتا جلتا کوٹ پہنا ہوا ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

تفصیل نوٹ کرنے کے بعد مناع عودہ صاحب نے امجد کمیل صاحب سے کہا کہ اگر آپ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی تصویر دیکھ لیں تو یہی کہیں گے کہ یہ ہو بہو وہی شخصیت ہیں جن کو آپ نے خواب میں دیکھا ہے۔

بہر حال جب مَیں لندن سے واپس کبابیر گیا تو حضور انور کی وہ تصویر بھی ساتھ لے گیا جو حضور انور کے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے فوراً بعد کی ہے جس میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوٹ زیب تن کیا ہوا ہے۔جب یہ تصویر مکرم امجد کمیل صاحب کو دکھائی تو انہوں نے بے ساختہ کہا کہ یہی وہ شخص ہے جسے مَیں نے خواب میں خلیفۂ وقت کے طور پر دیکھا تھا۔فرق صرف یہ ہے کہ خواب میں انہوں نے کیمل کلر کا کوٹ پہنا ہوا تھا جبکہ تصویر میں یہ کوٹ سبزی مائل ہے۔ یہاں مجھے خیال آیا کہ خلیفۂ وقت بننے سے قبل حضور انور نے اسی رنگ کا

کوٹ پہنا ہوا تھا اور انتخاب کے بعد حضور انور نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مبارک کوٹ زیب تن فرمایا تھا۔

اب اس قدر وضاحت اور پوری تفاصیل کے ساتھ خواب دکھانا صرف اللہ میاں کا کام ہے جو جانتا ہے کہ کون خلیفہ ہوگا اور اس نے کس کو یہ خلعت پہنانی ہے۔ اس لئے وہ مختلف لوگوں کو اس پر پہلے سے گواہ بنا دیتا ہے۔

خاص نصرتِ الٰہی

ایک دفعہ القدس کے ایک مقام ''العیز اریۃ'' پر ہمارا مناظرہ تھا جس میں ہمارے مدّ مقابل مولوی الشیخ محمد الشویکی کو ہم پر اتنا غصہ تھا کہ اگر اس کا بس چلتا تو نہ جانے کیا کر گزرتا، کیونکہ اسی مناظرہ میں اس کے بعض رشتہ داروں نے احمدیت قبول کر لی جن میں مکرم ابراہیم الشویکی اور مکرم فوزی الشویکی کے علاوہ مکرم اسامہ الشیخ اور مکرم مثقال بدوی بھی شامل ہیں۔

اس مناظرہ میں ہمارے ساتھ فلسطین کے مغربی کنارہ کے بعض احمدی نوجوان بھی تھے لہٰذا واپسی پر ان خدام کو ان کے گھر پہنچانے کیلئے ہم نے بذریعہ کار مغربی کنارہ کا رستہ اختیار کیا۔ یہ راستہ نہایت پُر خطر تھا۔ رات کے وقت سڑکوں پر کوئی روشنی نہ تھی اور گھپ اندھیرے میں پہاڑوں کے بیچوں بیچ بل کھاتی ہوئی سڑکوں پر جہاں ڈرائیونگ نہایت مشکل تھی وہاں ان علاقوں میں اُن دنوں خصوصا رات کے وقت اسرائیلی جارحیت کا بھی خطرہ تھا۔ اس مشکل اور خوفناک صورتحال میں اس وقت غیر معمولی اضافہ ہوگیا جب ہماری گاڑی ایک خطرناک موڑ پر پہنچ کر رک گئی کیونکہ اس کا ٹائر پنکچر ہو گیا تھا۔ مَیں نے ٹائر تبدیل کرنے کیلئے گاڑی میں ہر جگہ ٹولز تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن کہیں کچھ نہ مل سکا۔ مَیں نے کبابیر فون کیا تو پتہ چلا کہ جس خادم نے آج گاڑی کی صفائی وغیرہ کی تھی اس نے ٹول بکس نکال کر مرکزِ جماعت میں رکھ دیا تھا اور واپس گاڑی میں رکھنا بھول گیا تھا۔ چونکہ گاڑی خطرناک موڑ پر کھڑی تھی اس لئے مَیں تھوڑا آگے جا کر کھڑا ہو گیا تا کہ اگر کوئی گاڑی آئے تو اسے روک کر وہیل پانا (wheel Brace) وغیرہ لیا جا سکے یا کم از کم آنے والوں کو خبر دار ہی کر دیا جائے کہ موڑ پر سڑک کے بیچوں بیچ گاڑی کھڑی ہے تا ممکنہ ایکسیڈنٹ سے بچا جا سکے۔ ان دنوں فلسطین میں اسرائیل مخالف تحریک ایک

دفعہ پھر زوروں پر تھی اور ردّعمل کے طور پر اسرائیلی فوج فلسطین کے علاقوں میں داخل ہوکر کارروائیاں کر رہی تھی۔اس لئے ہمیں یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں ہم اسرائیلی جارحیت کا شکار نہ ہوجائیں دوسری طرف صورتحال یہ تھی کہ اس سنسان سڑک پر اگر کوئی اِکّا دکّا گاڑی آ بھی جاتی تو شاید اس کے سوار ہمیں اسرائیلی فوج کے خلاف گھات لگا کر بیٹھنے والا گروہ شمار کر کے گاڑی ہی واپس لے جاتے یا پھر اتنی تیزی سے گزرنے کی کوشش کرتے کہ ان سے مدد لینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ بالآخر ایک شخص نے ہمارے پاس گاڑی روک لی جسکے پاس ٹولز تو تھے لیکن ہمارا مفیدِ مطلب پانا نہ تھا۔

اس تشویشناک اور پُر خطر صورتحال میں مَیں نے خدام سے کہا کہ آؤ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری خاص مدد فرمائے اور اس مشکل سے نکالے کیونکہ یہاں کھڑے رہنا یا پیدل چلنا کسی طور بھی موت کے خطرہ سے خالی نہیں تھا۔ بہرحال بہت رقت آمیز دعا سے ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ ایک گاڑی ہمارے پاس آ کر رکی، ڈرائیور نے شیشہ نیچے کر کے وہیل پانا ہماری طرف پھینکا اور بغیر کوئی بات کئے تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ ہم بہت حیران تھے کہ اوّل تو کوئی ہمارے پاس آ کر ٹھہرتا نہ تھا جبکہ یہ شخص خود ہی آ کر ٹھہرا۔ پھر ہمارے بات کرنے سے قبل اس نے ہماری ضرورت پوری کر دی، اور یہ غیر معمولی بات ہے کہ کسی کے پاس وہیل پانا اگلی سیٹ پر ہی پڑا ہو جسے وہ فوراً اٹھا کر کسی کو دے دے۔ علاوہ ازیں اس نے وہیل پانا واپس لینے کا انتظار بھی نہیں کیا بلکہ بغیر کوئی بات کئے فوراً آگے بڑھ گیا۔ ان تمام امور کا صرف ایک ہی جواب تھا کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے خاص مدد تھی اور اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ (سورۃ النمل آیت :63) کا عجیب نظارہ تھا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

خدا تعالیٰ کی خاص نصرت کا ایک اور واقعہ یہاں ذکر کرتا چلتا ہوں۔ گھر سے نکلتے وقت اکثر مجھے اس بات کا خیال ہی نہیں رہتا کہ میری جیب میں کچھ رقم بھی ہے یا نہیں، نہ ہی مَیں نے کبھی اس کو اتنی اہمیت دی ہے۔ جون 2009ء کے پروگرام الحوار المباشر کے بعد واپس کبابیر آنے کیلئے مَیں ہیتھرو ائیر پورٹ پر پہنچا، جہاں آ کر مجھے اندازہ ہوا کہ میری جیب خالی ہے

اوراس وقت مجھے شدید پیاس لگ رہی تھی اور شوگر کا مریض ہونے کی وجہ سے یہ پیاس نا قابل برداشت حد تک پہنچ گئی۔اسی حالت میں مَیں ایک بنچ پر بیٹھ گیا جہاں میرے دائیں بائیں اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔میرے دل میں یہی آرہا تھا کہ کچھ ہی دیر میں جہاز میں سوار ہوجائیں گے جہاں پینے کے لئے کچھ مل جائے گا۔ابھی اسی خیال میں ہی تھا کہ ایک عورت اپنی بچی کے ساتھ قریبی وینڈنگ مشین پر گئی اور پیسے ڈال کر کولا ڈائٹ کا ایک ٹن نکالا اور یہ کہتے ہوئے میری طرف بڑھا دیا کہ مَیں کولا ڈائٹ نہیں پیتی۔مَیں نے کہا لیکن میرے پاس اس کی قیمت دینے کیلئے کچھ نہیں ہے۔اس نے کہا مَیں نے کچھ نہیں لینا کیونکہ مَیں نے تو عام ریگولر کولا کا ہی بٹن دبایا تھا، نہ جانے کیسے غلطی سے کولا ڈائٹ کا ٹن نکل آیا ہے۔

خدا تعالیٰ کی نصرت کے بھی عجیب رنگ ہیں کہ اوّل تو یہ عورت کہہ رہی تھی کہ اس نے اپنی طرف سے ریگولر کولا کا بٹن دبایا تھا، دوسرا میرے اردگرد اور بھی لوگ بیٹھے تھے لیکن ان میں سے اس کا صرف مجھے ہی وہ ٹن پیش کیا، پھر عین اس وقت یہ واقعہ پیش آیا جبکہ مجھے اس کی سخت ضرورت تھی۔ان تمام امور کی اگر کوئی توجیہ ہوسکتی ہے تو یہی کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں جو سلسلہ کی خدمت کے لئے اخلاص کے ساتھ نکل پڑتا ہے وہ چاہے جتنا بھی کمزور اور نالائق ہو خدا تعالیٰ اسکی مدد و نصرت فرماتا ہے اور اپنی رحمت کے جلوے دکھاتا ہے۔

حفاظت الٰہی

ایک دفعہ رمضان میں مَیں اعتکاف بیٹھا ہوا تھا اور بڑے الحاح سے یہ دعا کر رہا تھا کہ اے میرے خدا مجھے اپنے قرب اور رحمت کی تجلی اور فضل سے نواز کہ ایک صبح میری اہلیہ نے مجھے رات کو پیش آنے والا واقعہ یوں بتایا:

وہ کہتی ہیں کہ مَیں نے سحری سے قبل تہجد کی نماز مسجد میں ادا کرنے کا ارادہ کیا۔وضو وغیرہ کر کے مَیں نے گھر سے نکلنے کی پوری تیاری کر لی اور گھر کے بیرونی دروازے پر پہنچی تو ایسے محسوس ہوا کہ کوئی قوت مجھے باہر جانے سے روک رہی ہے۔مَیں تو پورا ارادہ اور تیاری کر چکی تھی اس لئے عجیب اندرونی کشمکش میں مبتلا ہوگئی بالآخر میرے اس اندرونی شعور نے مجھے گھر پر ہی تہجد پڑھنے پر آمادہ کر لیا اور مَیں سٹنگ روم میں آ گئی۔ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ کچھ جلنے کی

بو آنے لگی۔مَیں جلدی سے بچوں کے کمرے میں گئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ ان کے الیکٹرک لحاف سے دھوآں نکل رہا ہے۔اس کمرے میں میرا بیٹا صلاح الدین اور بیٹی ''رنا'' سورہے تھے۔میرے دیکھتے دیکھتے اس لحاف میں آگ بھڑک اٹھی۔ چنانچہ مَیں نے جلدی سے بچوں کو باہر نکالا اور بَر وقت آگ بجھانے میں کامیاب ہوگئی۔یوں اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص فضل ورحمت فرماتے ہوئے ہمیں اور ہمارے بچوں کو محفوظ رکھا۔

معجزانہ شفا

ایک دفعہ میری بڑی بیٹی عزیزہ امۃ الحئی سلمہا نے اپنی بعض احمدی سہیلیوں کے ساتھ مسجد کی صفائی کا پروگرام بنایا۔ اس وقارِعمل کے دوران یہ بچیاں اوپر والی منزل کی کھڑکیوں کی بیرونی جانب سے صفائی کرنے لگیں تو اسی دوران میری بیٹی کا پاؤں پھسلا اور وہ سر کے بل بیرونی جانب زمین پر آگری۔ مجھے پتہ چلا تو مَیں فوراً اسے ڈاکٹر کے پاس لے گیا جس نے مجھے ہسپتال بھیج دیا جہاں اس کا سی ٹی سکین ہوا تو ڈاکٹروں نے کہا کہ بچی کی کھوپڑی میں تین جگہ فریکچر کے آثار ہیں اور اندرونی طور پر بلیڈنگ بھی ہوئی ہے جس کی وجہ سے بہت خطرناک صورتحال ہے اور ابھی ان کے بارہ میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔مَیں نے فوراً پرائیویٹ سیکرٹری مکرم منیر جاوید صاحب کو فون کر کے ساری صورتحال بتا کر حضور انور کی خدمت میں عزیزہ کی معجزانہ شفا کے لئے دعا کی درخواست عرض کر دی۔ پیارے آقا نے دعا کی اور میرے لئے یہ نشان ظاہر ہوا کہ کہاں ڈاکٹروں کی مذکورہ تشویش اور کہاں یہ حالت کے ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ میری بیٹی بالکل صحت مند ہو کر ہسپتال سے ڈسچارج ہوگئی۔مَیں اس نعمت ربّانی پر جس قدر شکر کروں کم ہے۔فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

تبلیغی مہمات

چونکہ کبابیر میں ہماری مسجد اور مرکز جماعت کو ایک غیر معمولی حیثیت حاصل ہے اور اس کا محل وقوع بھی بہت خوبصورت ہے۔آئے دن مختلف ممالک سے وفود اور مختلف یونیورسٹیز اور کالجز کے طلباء ہمارے مرکز کو دیکھنے اور جماعت کے عقائد اور تعلیمات کے بارہ میں علم حاصل

کرنے کیلئے آتے رہتے ہیں، اور بفضلہٖ تعالیٰ ہمیں تقریباً روزانہ ہی تبلیغ حق کی توفیق ملتی رہتی ہے۔ نیز مجھے خود بھی بکثرت مختلف ٹی وی چینلز پر اور ریڈیو اور مختلف تقریبات اور اجتماعات میں بلایا جاتا ہے جہاں بفضلہٖ تعالیٰ جماعت کے عقائد اور تعلیمات کے علاوہ مختلف امور کے بارہ میں جماعت کی رائے بھی پیش کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ ان تمام مواقع اور تقریبات اور انٹرویوز اور لیکچرز میں مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام کا غیر معمولی اثر دیکھا ہے اور ہمیشہ مجھے حضور علیہ السلام کا یہ شعر یاد آتا رہا ہے جس میں حضور فرماتے ہیں کہ میرا کلام لوگوں کے دلوں میں تیز دھار تلوار کی کاٹ سے بھی زیادہ اثر رکھتا ہے۔ اس کلام کی یہ غیر معمولی تاثیر مَیں نے اپنے لیکچرز اور تبلیغ میں بکثرت محسوس کی۔ چند نمونے قارئین کرام کے لئے پیش ہیں۔

آپ کہاں رہتے ہیں؟

ایک دفعہ ایک لیکچر میں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام اور آپ کے کاموں اور تجدید مفاہیم کا ذکر کر رہا تھا کہ لیکچر کے دوران ہی ایک عورت کھڑی ہوگئی اور میری بات کاٹ کر باآواز بلند کہنے لگی کہ: آپ لوگ کہاں رہتے ہیں؟ ہمیں آج تک آپ کے بارہ میں پتہ کیوں نہیں چلا؟ اور آپ یہ مفاہیم وافکار وخیالات ساری دنیا میں کیوں نہیں پھیلاتے؟

حقیقی سکون

ایک دفعہ ہمارے مرکز میں امریکن یہودیوں کا ایک وفد آیا جن کو مَیں نے جماعت کے بارہ میں بتایا اور جماعتی عقائد سے آگاہ کیا نیز مرکز میں لگائی گئی نمائش دکھائی۔ ان میں سے ایک متدین یہودی لیکچر سننے اور نمائش دیکھنے کے بعد نہایت وارفتگی کے عالم میں میرے سینے سے لگ گیا اور زاروقطار رونا شروع کر دیا۔ پھر یوں گویا ہوا کہ مجھے یہاں آپ کے مرکز میں آکر اپنے اس کنیسہ سے بھی زیادہ سکون ملا ہے جس میں عبادت کیا کرتا ہوں۔

حقیقت کا اعتراف

اسی وفد میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو ہمارے مرکز کے ماحول اور جماعت کے عقائد

اور کاموں سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے جماعت کے بارہ میں امریکا واپس جا کر اپنی بیوی کو بتایا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ تم مبالغہ آرائی سے کام لے رہے ہو۔ چنانچہ اس شخص نے کہا کہ مَیں اگلے سال تمہیں وہاں لے جاؤں گا تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔ اگلے سال وہ دونوں میاں بیوی ہمارے مرکز میں آئے تو انہوں نے مجھے ساری بات بتائی۔ پھر ہمارے مرکز کو دیکھنے اور جماعت کے عقائد کے بارہ میں سننے کے بعد اس عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ مجھے آپ نے اس جماعت کے بارہ میں بہت کم بتایا تھا اور جو کچھ مَیں نے سنا اور دیکھا ہے اس سے اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ جو آپ نے کہا تھا وہ سب درست ہی تھا۔

فریضۂ تبلیغِ حق

انبیاء کی تاریخ گواہ ہے کہ ان کی بعثت دنیا کی اصلاح اور ہدایت کی طرف راہنمائی اور خدا تعالیٰ سے بندے کا رشتہ قائم کرنے کی غرض سے ہوتی ہے۔ ان کا پیغام ہر خاص وعام کے لئے ہوتا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نبی نے آ کر یہ کہا ہو کہ مَیں صرف غریبوں کا نبی ہوں یا مَیں صرف امراء کے لئے مبعوث ہوا ہوں، یا مَیں اپنی قوم میں سے صرف فلاں طبقے کا نبی ہوں۔ بلکہ اس کا پیغام اپنی قوم کے سب لوگوں کے لئے ہوتا ہے اور ان تک پیغام پہنچانا اس کی ذمہ داری اور فرائض منصبی میں شامل ہوتا ہے۔ یہ سوچ کہ چونکہ فلاں کا تعلق کسی خاص طبقہ فکر یا مذہب سے ہے، یا فلاں ظالم اور جابر اور راہ راست سے اس قدر برگشتہ ہے کہ اس کی ہدایت کی امید نہیں اس لئے اس سے بات تک کرنا جائز نہیں ہے دراصل پرانے مذاہب کی بگڑی ہوئی سوچ ہے۔ پرانے مذاہب میں جب بگاڑ پیدا ہوا تو ان کے ماننے والوں نے سمجھ لیا کہ یہ دین صرف ایک خاص طبقہ کے لئے ہے، جسے یہ حق ہے کہ اس کی تعلیمات سے فائدہ اٹھائیں اور وہی خدا کے چہیتے ہیں۔ اسی میں سے ہی نبی ہوں گے جبکہ باقی قومیں ان کی چاکر اور حقیر ہیں جن کو یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ ان کی کتاب مقدس کا حرف تک بھی سن سکیں۔ چنانچہ کسی مذہب نے ایسا کرنے والے کے کان میں سیسہ ڈالنے کا مشورہ دیا تو کوئی آج تک اپنی مذہبی کتب وتعلیمات صرف اپنے اہل مذہب تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ اور کسی نے اس قدر شدت پسندی سے کام لیا کہ یہاں تک بھی کہہ دیا کہ اپنے موتی (یعنی مذہبی تعلیم) کتوں کے

آگے نہ ڈالو۔لیکن اگر ادیان سابقہ کی ابتدا اور اصلی تعلیم پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہاں ایسی تفریق روا نہیں رکھی گئی۔

مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو آپ کو یہ ارشاد ہوا کہ: اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی (طٰہٰ:25) حالانکہ اس وقت فرعون بہت جابر بادشاہ تھا اور بنی اسرائیل کی حالت قومی لحاظ سے نہایت خستگی کا شکار تھی، خواہ ایسے جابر اور ظالم کی ہدایت کی امید ہو یا نہ ہو اس پر حجت قائم کرنا ضروری تھا۔اس لئے موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ اس کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ: فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰی اَنْ تَزَكّٰی۔ وَاَهْدِيَكَ اِلٰی رَبِّكَ فَتَخْشٰی (النازعات:19-20)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ(الحجر: 95) اور بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (المائدۃ:68) پر عمل فرماتے ہوئے عامۃ الناس، رؤسائے قبائل اور شرفاء کو تبلیغ کے علاوہ اپنے وقت کے جابر حکمرانوں کو بھی فرداً فرداً خطوط ارسال فرمائے اور انہیں اسلام کے روشن اور سیدھے راستہ کی طرف بلایا، نیز اس قسم کی تبلیغ کو آپ نے افضل الجہاد قرار دیا، آپ نے فرمایا: اَفْضَلُ الْجِهَاد كَلِمَةُ الْحَقِّ عِنْدَ سُلْطَان جَائرٍ۔یعنی ظالم اور جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل الجہاد ہے۔

اپنے آقا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور انہی کے نور سے روشنی پاتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے وقت کی عظیم حکومت کی سربراہ ملکہ وکٹوریا کو اسلام کی طرف بلایا۔نیز آپ نے فرمایا ؎

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج
جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجامکار

اور آج تک جماعت احمدیہ اپنا یہ فرض نبھا رہی ہے۔اور خلافت کے سائے اور راہنمائی میں ہر علاقے میں پہنچ کر اور ہر قسم کے لوگوں تک رسائی حاصل کر کے پیغامِ حق پہنچا رہی ہے۔ دعوت الی اللہ کیلئے ہمارا میدانِ عمل پوری دنیا ہے اور ہمارے مخاطب تمام اقوام اور سب اہلِ ادیان ہیں۔ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے بلا تمیز رنگ ونسل وقوم اور بلا تفریق مذہب وملت وعقیدہ ہر ایک تک حق پہنچائیں۔

اس تمہید کے بعداب مکرم محمد شریف عودہ صاحب کی بعض حکمرانوں کوتبلیغ کے کچھ واقعات ان کی زبانی پیش ہیں۔

امریکی صدرکو پیغام حق

......مکرم محمد شریف عودہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ 9رجنوری2008 کوامریکی صدر جورج بش جب پہلی مرتبہ تل ابیب آئے تو مجھے بھی حکومت کی طرف سے دعوت نامہ بھیجا گیا۔ مَیں نے حضورانور سے اجازت لی تو حضور نے فرمایا کہ اگر جانا ہےتو اتمام حجت کے لئے اپنے ساتھ جماعت کا کچھ لٹریچر لے جائیں اور ہو سکے تو انہیں عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی طرف توجہ دلائیں۔مَیں ایئر پورٹ پر کھڑا تھا اور یہ دعا کر رہا تھا کہ اے خدا تو جانتا ہے کہ ہم ایک عظیم پیغام کے حامل ہیں اوراس کی تبلیغ کئے بغیرنہیں رہ سکتے۔اور یہ پیغام پہنچانے کا ارشاد مجھے تیرے خلیفہ نے فرمایا ہے اس لئے مجھے اس شخص کے سامنے جوفرعونِ عصراور جابرِ زمانہ ہے حق بات کہنے کا حوصلہ اور جرأت عطا فرما۔جب پریذیڈنٹ بش میرے قریب آئے اور کچھ رسمی کلمات کہےتومَیں نے انہیں کہا:

"Mr. Presedent dont forget justice and love."

یعنی جناب صدرصاحب! انصاف اورمحبت کوکبھی فراموش نہ کریں۔

ان بظاہر بہت معمولی الفاظ کا اتنا اثر ہوا کہ جب صدربش سب کوسلام کر کےتقریرکرنے کیلئے کھڑے ہوئے تواپنی تقریرانہوں نے انہی کلمات سےشروع کی کہ ابھی مجھے ایک عالم دین نے کہا ہے کہ: "Mr. Presedent dont forget justice and love."

اور پھر میرے ان الفاظ کے پیچھے چھپے متوقع سوالات کا جواب دینا شروع کردیا۔آپ سوچ سکتے ہیں کہ کسی ملک میں امریکا کا صدرپہلی مرتبہ جاتا ہےتو اس کا خطاب پہلے سے تیار ہوتا ہے کہ اس نے کیا کہنا ہے۔لیکن بفضلہٖ تعالیٰ حضورانور کے ارشاد کی تعمیل میں اورآپ کی دعا کی برکت سے میرے ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ نے وہ اثر دکھایا کہ صدربش نے اسے اپنی تقریر کا موضوع بنالیا۔اپنا خطاب ختم کر کےصدربش تو ہیلی کاپٹر میں سوار ہوکر چلے گئےلیکن اسرائیل کا صدر میرے پاس آکر کہنے لگا آپ نے صدربش کوکیا کہا ہے جس کی وجہ سے اس نے اپنے

خطاب کا موضوع ہی بدل دیا۔ مَیں نے کہا یہ فکر اور یہ تعلیم دنیا کو تبدیل کرنے کے لئے آئی ہے۔ یہی تعلیم ہے جو حقیقی امن و آشتی کی ضامن ہے۔ حقیقی امن اسلحہ کے زور سے ہرگز قائم نہیں ہوسکتا۔ یہ بات سن کر صدر صاحب بغیر کچھ بولے چل دیئے۔

ازاں بعد حضور انور کے ارشاد کے مطابق جماعت کا تبلیغی لٹریچر بھی صدر بش تک پہنچایا گیا۔ جس کے جواب میں انہوں نے امریکا جا کر مجھے شکریہ کا خط لکھا جو میرے پاس موجود ہے۔

ظلم کی حکومت زیادہ دیر قائم نہیں رہتی

۞......مَیں لندن میں تھا کہ ہماری حیفا کی بلدیہ کے صدر کے نمائندے نے فون کر کے کہا کہ صدر مملکت حیفا کے دورہ پر آرہے ہیں۔ ان کے دورہ کے موقعہ پر سیاسی اور سماجی شخصیات کے علاوہ مختلف دینی جماعتوں اور مذاہب کے نمائندگان کو بھی دعوت دی گئی ہے۔ اور آپ کو نہ صرف دعوت ہے بلکہ مختصر تقریر کرنے کی بھی درخواست ہے۔

مَیں نے حضور انور کی خدمت میں ساری صورتحال لکھ کر راہنمائی اور دعا کے لئے درخواست کی۔ حضور انور نے فرمایا کہ اپنی تقریر میں انہیں کہیں کہ اگر انہوں نے عدل وانصاف قائم نہ کیا تو پھر ان کو ان کے ہمسایوں سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا ملے گی۔

میری عادت ہے کہ مَیں نے کبھی لکھی ہوئی تقریر نہیں کی۔ بہرحال جب میری باری آئی تو مَیں نے کہا ہم صدر مملکت کو یہاں پر حیفا میں خوش آمدید کہتے ہیں جو مختلف دینی اور مذہبی جماعتوں اور گروہوں کے باہم امن وامان اور ہم آہنگی واحترام سے رہنے کی مثال پیش کرتا ہے۔ لیکن یہ خاص صفت حیفا کے حصے میں ہی کیوں آئی؟ دراصل یہودیوں کی پرانی کتب میں لکھا ہے کہ ان کے 36 پارسا اور مقدس بزرگ ہیں جو کہ آج تک غائب ہیں۔ لیکن مَیں آج آپ کو بتاتا ہوں کہ مَیں نے ان میں سے دو کا پتہ لگا لیا ہے ایک یہاں کے یہودی حاخام ہیں جبکہ دوسرے صدر بلدیہ حیفا ہے۔ کیونکہ یہ تورات کے اس قول کے مطابق عمل کرتے ہیں کہ:

”تو مسافر کو نہ تو ستانا، نہ اس پر ستم کرنا، اس لئے کہ تم بھی ملک مصر میں مسافر تھے“۔

(خروج 21-22)

نیز یہ دونوں توریت کے اس حکم پر بھی عمل کرتے ہیں کہ:
’’تو اپنے کنگال لوگوں کے مقدمہ میں انصاف کا خون نہ کرنا‘‘۔(خروج 6:23)
(عربی میں تو یہ نص بہت واضح ہے، لیکن اردو ترجمہ سے ایسے احساس ہوتا ہے کہ اس سے خاص قوم کے افراد مراد ہیں۔ ایسا نہیں بلکہ کنگال لوگوں سے مراد فقیر اور غریب عوام ہیں جن کے حق مارے جاتے ہیں اور وہ اپنا دفاع کرنے سے قاصر ہیں جیسا کہ بعض تفسیری تراجم میں اس کی صراحت پائی جاتی ہے)
مَیں اس موقعہ پر توریت کا یہ قول پیش کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ:
’’تو اپنے تھیلے میں طرح طرح کے چھوٹے اور بڑے باٹ نہ رکھنا۔ تو اپنے گھر میں طرح طرح کے چھوٹے اور بڑے پیمانے بھی نہ رکھنا۔ تیرا باٹ پورا اور ٹھیک اور تیرا پیمانہ بھی پورا اور ٹھیک ہو، تاکہ اس ملک میں جسے خداوند تیرا خدا تجھ کو دیتا ہے تیری عمر دراز ہو‘‘۔

(استثناء 13:25 تا 15)

میرے ان الفاظ نے پورے ملک میں ایک شور برپا کر دیا۔ ریڈیو اور ٹی وی نے خاص طور پر اس کو نمایاں کر کے پیش کیا۔ اس کے بعد صدر بلدیہ حیفا ہمارے جماعت کے مرکز میں تشریف لائے اور کہنے لگے کہ شریف صاحب کی تقریر سن کر صدر مملکت کو ہارٹ اٹیک ہونے والا تھا۔ کیونکہ آپ کے الفاظ کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم عدل قائم نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر تباہی مسلط کر دے گا اور تمہارے ظلم کی حکومت کی عمر دراز نہیں ہوگی۔ مَیں نے اسے کہا کہ میری تمنا ہے کہ حیفا کی مقامی سیاست کا اثر مرکزی سیاست پر بھی پڑ جائے تو ہم دیکھیں گے کہ یہ پورا علاقہ ہی امن و آشتی کا گہوارہ اور پوری دنیا میں اسکی مثال بن جائے گا۔
اس تقریر کا صدر مملکت پر اس قدر اثر ہوا کہ انہوں نے ہمارے مرکز جماعت میں آنے اور جماعت کے عقائد و افکار کے بارہ میں مزید جاننے کا فیصلہ کیا۔ ہمارا کام تو ہر ایک کے پاس جا کر اسے خدا کے راستہ کی طرف بلانا ہے لہٰذا اگر کوئی خود آ کر ہم سے پوچھتا ہے تو یہ تو ہمارے لئے تبلیغ کا کام مزید آسان کرنے والی بات ہوگی۔
بہر حال صدر صاحب ہمارے مرکز میں مؤرخہ 9 نومبر 2009 کو آئے اور دو گھنٹے تک وہاں رہے۔ انہیں جماعت کے عقائد، تعلیمات، تاریخ اور روایات کے بارہ میں مفصل بتایا گیا۔

اس موقعہ پر انہوں نے اپنے تاثرات میں کہا کہ جماعت کے عقائد گہری تاثیر اور دور رس نتائج کے حامل ہیں۔

علاوہ ازیں جرمنی کے سابقہ صدر کو بھی جرمن ترجمہ قرآن کریم تحفہ دینے کا موقعہ ملا۔ اسی طرح موجودہ فرانسیسی صدر کے ساتھ بھی جماعت کے بارہ میں مختصراً بات ہوئی۔

زیارتِ قادیان

2004ء میں مجھے پہلی دفعہ قادیان جانے کی توفیق ملی۔ قادیان کے حوالے سے جذبات کی عجب کیفیت تھی۔ جوں جوں مَیں قادیان کے قریب جا رہا تھا میرے قلب و ذہن میں تصورات و خیالات کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ بستی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام رہائش پذیر رہے، جس کے گلی کوچوں میں آپ کے قدم مبارک پڑے، اور جس کے در و دیوار پر آپ کی نظر مبارک پڑی، جس میں آپ نے نمازیں پڑھیں اور رقت آمیز دعائیں کیں، وغیرہ وغیرہ۔ ان خیالات کے جھرمٹ میں جب مَیں دہلی ائر پورٹ پر اترا تو ایسے لگا کہ جیسے مَیں کسی اور سیّارہ پر آ گیا ہوں۔ دہلی میں رات رہ کر اگلے روز ہم بذریعہ ٹرین امرتسر پہنچے جہاں سے مکرم حمید کوثر صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ قادیان ہمیں لے کر قادیان پہنچے۔ ابھی ہم قادیان کی حدود میں داخل ہوئے ہی تھے کہ کوثر صاحب نے مجھے کہا دیکھو یہاں سے منارۃ المسیح کا منظر کتنا خوبصورت لگ رہا ہے۔ میری نظر منارۃ المسیح پر پڑی تو جذبات اُمڈ آئے اور ضبط کا پیمانہ ایسا چھلکا کہ اشکوں کی برسات ہونے لگی ساتھ ساتھ میری پیاس بجھنے کی بجائے اور بڑھ گئی اور دل ادھر ہی کھچا جانے لگا کہ جتنی جلدی ہو وہاں پہنچ جاؤں۔ بہر حال مَیں اس عجیب کیفیت کے عالم میں سیدھا مسجد مبارک پہنچا اور مسجد کے قدیم حصہ کے چپے چپے پر نوافل ادا کئے تا یقین ہو جائے کہ مَیں نے بھی اس جگہ پر دعائیں کی ہیں جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نمازیں پڑھیں اور دعائیں کی تھیں۔ وہاں پر بہشتی مقبرہ، لنگر خانہ اور قادیان کے گلی کوچوں میں جانے کا لطف اس لحاظ سے دوبالا ہو جاتا جب یہ بات ذہن میں آتی کہ ان گلیوں اور ان پتھروں پر مسیح موعود علیہ السلام کی نظر پڑی ہوگی، حضورؑ یہاں ٹھہرے ہوں گے، ان راستوں پر چلتے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ ان تصورات سے وہاں گزارے ہوئے دنوں کی یاد آج بھی جذباتی کر دیتی ہے۔

الأزہر پر اتمام حجت

2004ء کی ہی بات ہے کہ جماعت احمدیہ کبابیر کے ایک قدیم مخلص احمدی مکرم ابراہیم اسعد عودہ صاحب کو مصر کے شہر اسکندریہ میں کسی موضوع پر لیکچر کے لئے بلایا گیا۔ انہوں نے وہاں پر شیخ الأزہر محمد سید الطنطاوی سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تو منتظمین نے اس ملاقات کا انتظام کر دیا۔ شیخ الأزہر سے ملاقات کے دوران ابراہیم اسعد عودہ صاحب نے انہیں جماعت کا تعارف کروانے کے بعد کہا کہ اگر آپ پسند فرمائیں تو جماعت کا ایک وفد بھی آپ کے پاس بھیجا جا سکتا ہے جو آپ کے استفسارات کے جواب دینے کے علاوہ وضاحت کے ساتھ جماعت کے عقائد آپ کے سامنے پیش کر دے تا کہ اس سے غلط فہمیاں دور ہو سکیں۔

شیخ الأزہر نے رضامندی کا اظہار کیا۔ چنانچہ حضور انور سے اجازت اور راہنمائی میں ایک وفد تشکیل دیا گیا جو خاکسار رئیس الوفد کے علاوہ ان افراد پر مشتمل تھا: مکرم عبد اللہ اسعد عودہ صاحب، مکرم ابراہیم اسعد عودہ صاحب از کبابیر اور مکرم محمد منیر ادلبی صاحب از شام۔ ہم نے مصر میں شیخ الأزہر سے ملاقات کی۔ انہوں نے بڑی گرمجوشی سے ہمارا استقبال کیا اور بلاوجہ تکفیر کے فتاوی صادر کرنے کی بیماری کی سخت مذمت کی۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیں مجمع البحوث کے سربراہ شیخ فوزی زفزاف کے ساتھ ملنے کو کہا جنہوں نے یہ وعدہ کیا کہ اگر آپ ہمیں جماعت کی کتب فراہم کریں تو ہم نئے سرے سے پڑھ کر کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد ہم نے انہیں کتب بھی مہیا کر دیں۔ اس دفعہ بھی ان کی طرف سے بہت گرمجوشی سے استقبال کیا گیا اور بڑی آؤ بھگت کی گئی۔ ہم شیخ فوزی زفزاف کے گھر کے برآمدے میں بیٹھے تھے جب انہوں نے کہا: آج جماعت احمدیہ کے علاوہ اسلام کی خدمت کرنے والی کوئی جماعت نہیں ہے۔ لیکن شاید یہ حق بات علی الاعلان کہنے کی جرأت ان میں نہ تھی۔

جب اس ملاقات کے بعد مَیں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب کہانی سنائی تو مَیں نے دیکھا کہ حضور انور نے اس میں کوئی خاص دلچسپی کا اظہار نہ فرمایا۔

مجھے یاد ہے انہی دنوں کی بات ہے مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ مَیں اور مکرم عبد المومن طاہر

صاحب الأزہر کی پرانی عمارت میں ہیں اور نماز پڑھنے کے لئے جگہ ڈھونڈ رہے ہیں، لیکن ہر طرف گند اور پرندوں کا فضلہ بکھرا پڑا ہے اور ہمیں کوئی جگہ بھی صاف نہیں مل رہی۔

اس کے بعد الأزہر کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ انہیں کتابی شکل میں جماعت کے عقائد لکھ کر دیئے جائیں۔ چنانچہ یہ کتاب تیار کرنے کی تجویز حضور انور کی خدمت میں منظوری کے لئے پیش ہوئی تو حضور انور نے فرمایا: کرلیں، ان پر اثر تو کوئی نہیں ہونا، ہاں اسی بہانے ایک کتاب بن جائے گی۔

چنانچہ اس کے نتیجہ میں مکرم عبدالمؤمن طاہر صاحب نے مکرم تمیم ابو دقہ صاحب سے مل کر یہ کتاب تیار کی جس کا نام ہے: ''الجماعة الإسلامية الأحمدية، عقائد، مفاهيم و نبذة تعريفية''۔ اس کتاب میں جماعت کے عقائد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کے حوالے سے بیان ہوئے ہیں۔

یہ کتاب الأزہر میں اپریل 2005ء میں پیش کی گئی لیکن بجائے اس کے کہ اس پر کوئی معقول ردّعمل ظاہر کیا جاتا الأزہر والوں نے مزید مطالبے شروع کر دیئے مثلاً یہ کہ ہمیں فلاں فلاں اخبار اور فلاں فلاں مجلّہ اور فلاں فلاں کتاب چاہیئے حالانکہ ہم نے انہیں قبل ازیں ہی جملہ کتب کی سی ڈیز اور بعض مطبوعہ کتب دے دی تھیں۔

خلیفۂ وقت کی زبان مبارک سے نکلنے والے کلمات دراصل خدائی راہنمائی اور القاء کا نتیجہ ہوتے ہیں اس لئے بالآخر ساری کوششوں کا نتیجہ وہی ہوا جو حضور انور نے فرمایا تھا کہ ان پر اثر تو کوئی نہیں ہوا، لیکن اسی بہانے کتاب بن گئی۔

ایم ٹی اے پر لائیو (Live) پروگرامز کی ابتدا

2005ء تک ایم ٹی اے پر سوائے حضور انور کے خطبہ کے اور کوئی لائیو پروگرام نہ تھا۔ ہم نے عربی میں بھی اس وقت تک سینکڑوں پروگرام ریکارڈ کئے تھے لیکن لائیو پروگرام کوئی نہ تھا۔ 2005 کی ابتدا کی بات ہے کہ ایک دن خاکسار اور مکرم ہانی طاہر صاحب اور عبدالمؤمن طاہر صاحب مسجد فضل سے ملحقہ نصرت ہال میں بیٹھے تھے کہ جب اس بارہ میں بات ہوئی۔ چنانچہ اسی وقت حضور انور کی خدمت میں خط لکھا گیا اور حضور انور نے ازراہ شفقت عربی زبان میں لائیو

پروگرام کرنے کی منظوری عطا فرمائی۔

بعض ابتدائی لائیو پروگرامز کا حال

مجھے یاد ہے جب پہلا عربی لائیو پروگرام شروع ہوا تو ہمارے پاس ہر چیز ہی بہت ابتدائی درجہ کی تھی۔ تکنیکی اعتبار سے بھی بہت معمولی ساز وسامان کے ساتھ پروگرام شروع کیا گیا۔ کئی دفعہ تو پروگرام کے دوران ہی بعض کارکنان کو پیچھے سے گزرنا پڑتا تھا۔ اسی طرح ہمیں الجزائر اور تیونس وغیرہ کے عرب احباب کے لوکل لہجہ سے واقفیت نہ تھی بلکہ اسے سمجھنا کافی مشکل تھا۔ ایک دفعہ الجزائر کے کسی دوست کا فون آیا اور مجھے کچھ سمجھ نہ آئی، میں نے یہ سوچا کہ ہانی صاحب کو سمجھ آ گئی ہوگی اس لئے انہیں کہا کہ آپ ان کے سوال کا جواب دیں۔ چند سیکنڈ کے لئے ہانی صاحب میری طرف اور میں انکی طرف دیکھتے رہے پھر مجھے اپنی ہنسی پر اختیار نہ رہا۔ کیونکہ ہم میں سے کسی کو بھی کچھ سمجھ نہ آئی تھی۔

(وضاحت کے لئے عرض ہے کہ عرب دنیا میں اصل فصحیٰ عربی زبان جو کتابوں میں لکھی جاتی ہے اور جو قرآن کریم کی زبان ہے اس وقت کسی بھی عربی ملک میں نہیں بولی جاتی بلکہ اس عربی زبان کی بگڑی ہوئی صورت ہی رائج ہے جو ہر علاقے میں اپنے رنگ بدلتی ہے اور ایک ملک میں ہی کئی لہجے پائے جاتے ہیں۔ اور وہ اتنے معروف ہیں کہ محض بولنے سے ہی ایک ملک کے باشندے متکلم کے علاقے کے بارہ میں جان جاتے ہیں، مصری تو ''ج'' کو ''گ'' بولنے سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ لیکن الجزائر وغیرہ کے ممالک پر فرانسیسی تسلط کی وجہ سے یہاں کی بگڑی ہوئی عربی میں نہ صرف فرانسیسی اور امازیغی قبائلی زبان کثرت سے شامل ہوگئی ہے بلکہ انکے لہجے پر بھی ان زبانوں کا بہت گہرا اثر ہے اس لئے دیگر علاقوں کے عرب ان کے لہجہ کو آسانی سے نہیں سمجھ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں شرکائے 'الحوار المباشر' کے لئے بھی اس مذکورہ علاقہ سے فون کرنے والوں کی زبان سمجھنا مشکل تھا۔)

دریدہ دہن عیسائی پادری کا ردّ

''الحوار المباشر'' اور دریدہ دہن عیسائی پادری کے مزاعم کے ردّ کے بارہ میں الگ مضمون

مصالح العرب جلد دوم میں آچکا ہے لیکن یہاں اس سلسلہ میں مکرم شریف عودہ صاحب کی زبانی ایک واقعہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مکرم عادل ابومزحیہ صاحب جو اردن کے سابقہ شیعہ عالم دین تھے بیان کرتے ہیں کہ جب پادری زکریا بطرس نے اسلام اور نبیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدزبانی اور حملہ شروع کیا تو ہم شیعہ مولویوں نے اس کے ردّ کا سوچا، بلکہ میں نے کہا کہ اس کیلئے ہمیں کتب اور بعض علماء کی مدد اور بہت بڑے بجٹ کی ضرورت ہوگی۔ ہم ابھی اسی سوچ بچار میں تھے کہ جماعت احمدیہ نے اس کے ردّ میں پروگرام شروع کر دیئے۔ میں ان پروگراموں میں بیٹھنے والوں کو دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ تو کل کے بچے ہیں یہ اس پادری کا جواب کیسے دے سکتے ہیں جس کے ساتھ ایک بہت بڑی آرگنائزیشن کام کر رہی ہے۔ عادل ابومزحیہ صاحب اردن میں مکرم تمیم ابودقہ صاحب کے ساتھ اکثر بحث مباحثہ کرتے رہے تھے۔ لیکن الحوار المباشر کے ان پروگرامز کو دیکھنے کے بعد انہیں یقین ہو گیا کہ جس طرح کے جواب یہ دیتے ہیں یہ ان کی اپنی طرف سے نہیں ہو سکتے، ضرور کوئی خدائی ہاتھ اور اس کی تائید ان کے شامل حال ہے۔ اس بات نے انہیں جماعت کی طرف مائل کرنا شروع کر دیا، چنانچہ پروگرامز دیکھتے دیکھتے بالآخر یہ اس یقین پر پہنچ گئے کہ خدائی تائید اور حق یقیناً ان لوگوں کے ساتھ ہے۔ اور پھر 2008ء کے جلسہ سالانہ UK میں بطور مہمان تشریف لائے تو دل میں یہ ارادہ رکھتے تھے کہ اگر مطمئن ہو کر بیعت کرنے کے مرحلہ تک پہنچ بھی گئے تب بھی چھ ماہ سے قبل بیعت نہیں کریں گے تا کہ مزید سوچ سمجھ لیں اور ہر طرح کی تحقیق کر لیں۔ لیکن جلسہ کے دوسرے دن ہی ان کی کایا پلٹ گئی اور انہوں نے بیعت کر لی اور عالمی بیعت میں نومبایع کی حیثیت سے شرکت کی۔

حقیقت یہی ہے کہ یہ سب تاثیر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام کی ہے اور یہ سب حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خاص دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

مکرم محمد شریف صاحب کو پوپ اور چینی سربراہ کے نام حضور انور کے خطوط پہنچانے کا شرف بھی حاصل ہے۔

مکرم ڈاکٹر محمد مسلم الدروبی صاحب اور مکرم محمد شریف عودہ صاحب کی
حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ ایک یادگار تصویر

مکرم محمد شریف عودہ صاحب الحوار المباشر میں

مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب، مکرم منیر عودہ صاحب اور مکرم عبادہ بربوش صاحب
کی کبابیر کے بعض احمدیوں کے ساتھ تصویر

دائیں سے : مکرم عبداللہ اسعد عودہ صاحب، مکرم عبدالمؤمن طاہر صاحب
بائیں سے: منیر عودہ صاحب، مکرم محمد شریف عودہ صاحب اور مکرم فلاح الدین عودہ صاحب

مکرم منیر صلاح الدین عودہ صاحب

مکرم منیر صلاح الدین عودہ صاحب مکرم محمد شریف عودہ صاحب امیر جماعت احمدیہ کبابیر کے بھائی ہیں۔ آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ اُردو کلاس اور لقاء مع العرب کے پروگراموں میں شمولیت کا شرف حاصل ہوا۔ پھر محترم حلمی الشافعی صاحب کی وفات کے بعد آپ کو لقاء مع العرب میں بطور مترجم فرائض ادا کرنے کی بھی توفیق ملی۔ اسی طرح آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ مختلف دورہ جات پر بھی جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ 1994ء سے لے کر آج تک آپ کو ایم ٹی اے کے مختلف شعبہ جات میں کام کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ آیئے ان کی زبانی ان کی بعض یادیں سنتے ہیں۔ مکرم منیر عودہ صاحب بیان کرتے ہیں:

ابتدا میں شاید اس گھر کے ماحول کا ذکر کرنا مناسب ہوگا جس میں ہم رہتے تھے۔ مَیں کبابیر کے جس گھر میں رہتا تھا اس میں میرے دادا جان احمدیت کے عاشق اور مبلغین کی خدمت میں پیش پیش رہنے والے فدائی وجود تھے۔ ان کے جملہ اعمال وافعال میں احمدیت سے محبت وعشق کا پہلو نمایاں رہتا تھا اور اس میں وہ ہمارے لئے ایک مثال تھے۔ باوجود کم سنی کے وہ مجھے بھی تبلیغی دوروں اور مبلغین سے ملاقاتوں میں اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں مبلغین کرام ہمارے گھر بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ شاید کبابیر سے مرکزِ جماعت اور خلیفۂ وقت کے ساتھ براہ راست رابطہ نہ ہو سکنے اور کبھی خلیفۂ وقت سے ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے خلافت کے مقام کا اور خلیفۂ وقت کی شخصیت کے بارہ میں اس کم عمری میں میرے ذہن میں کوئی تصور نہ تھا۔ یہ درست ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی ایک بہت خوبصورت تصویر

ہمارے گھر میں تھی لیکن خلافت کی عظمت اور آج کل کے بچوں کی طرح خلافت سے والہانہ محبت کا رنگ نہ تھا۔

خلافت کی عظمت کا پہلی دفعہ احساس

80ء کی دہائی کے بالکل شروع میں میرے دادا مکرم محمد صالح عودہ صاحب کی وفات ہوگئی۔ نیک، دعا گو اور ہر دل عزیز شخصیت ہونے کی وجہ سے ہر آنکھ نم تھی، خصوصًا اہل خانہ میں سے سب ہی ان کے فراق پر آبدیدہ تھے، لیکن میرے والد مکرم صلاح الدین عودہ صاحب کو مَیں نے دیکھا کہ انہوں نے نہایت صبر سے یہ وقت گزارا، ویسے بھی وہ لوگوں کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتے، اس لئے مَیں نے انہیں اس سانحہ کے موقعہ پر روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ان کی یہ بات نہ جانے کیوں میرے ذہن میں اٹک کر رہ گئی۔

اس کے دو سال بعد ہی مبلغ سلسلہ کے ذریعہ ہمارے گھر میں ایک ایسی خبر پہنچی جس کو سن کر مجھے ایسے لگا جیسے آسمان زمین پر آ گرا ہو۔ سب گھر والے یہ خبر سن کر اتنے دکھ اور دردناک طریق پر رونے لگے کہ مَیں نے ان کی یہ حالت پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ میرے والد صاحب جنہوں نے اپنے والد کی وفات پر بھی ضبط کا دامن تھامے رکھا تھا، اس خبر کے سنتے ہی بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگے۔ ان کے اس طرح رونے سے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ کوئی بہت بڑے صدمہ کی خبر ہے۔ لہذا مَیں نے بھی رونا شروع کر دیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی وفات کی خبر ہے۔ درحقیقت یہ پہلا موقعہ تھا جب مجھے اس کم عمری میں یہ احساس ہوا کہ خلیفہ کا مقام کس قدر بلند ہے۔ وہ ہمارے اہل خانہ کے ہر فرد سے زیادہ محبوب وجود ہے۔ گو کہ اس وقت میری عمر تو اتنی زیادہ نہ تھی لیکن میرے دل میں خلیفہ کی عظیم شخصیت کے بارہ میں مزید جاننے کے لئے ایک شمع روشن ہوگئی اور خلیفۂ وقت کے لئے ایک غیر معمولی محبت اور عقیدت کے جذبات پیدا ہو گئے تھے۔

بہر حال چند دنوں کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے انتخاب کی خبر اور آپ کی تصویر بھی ہمارے ہاں پہنچ گئی اور آپ کے ساتھ اس تصویر کے توسط سے اندر ہی اندر ایک رشتہ بنتا چلا گیا۔ اس وقت کبابیر سے پاکستان جانا تو ناممکن تھا اس لئے خلیفۂ وقت سے ملاقات کی ہم

صرف تمنا ہی کر سکتے تھے۔ ہاں ایک ہلکی سی امید تھی کہ جب حضور یورپ وغیرہ کے دورہ پر تشریف لائیں اور ہم وہاں چلے جائیں تو ملاقات کا موقعہ پیدا ہو سکتا تھا، لیکن ایسے مواقع پر بھی حضور انور سے ملاقات کسی خواب سے کم نہ تھی۔

خلیفۂ وقت سے امیدِ ملاقات

دو سال کے اندر اندر ہی خدا تعالیٰ کی تقدیر یوں ظاہر ہوئی کہ حضور انور پاکستان سے ہجرت فرما کر لندن تشریف لے آئے، اور جلسہ سالانہ برطانیہ کی تاریخوں کا اعلان ہوا تو کبابیر سے پہلی دفعہ ایک وفد نے شرکت کی۔ یوں اہل کبابیر کا خلافت سے براہ راست رابطہ بحال ہو گیا۔ ہمارے ہاں سے لوگ جلسہ پر آتے اور واپس جا کر خلیفۂ وقت کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات کے واقعات سناتے۔ حضور انور کی شفقتوں اور محبتوں کے قصے بیان کرتے اور روحانیت سے معمور ایام کی یادوں کا تذکرہ کرتے۔ یہ باتیں میرے دل میں حضور انور سے محبت اور آپ سے ملاقات کی آگ کو اور بھڑکا دیتی تھیں۔

پہلے جلسہ کے بعد میرے بڑے بھائی محمد شریف عودہ صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی تلاوت کی کیسٹ لے آئے جسے مَیں اکثر سنتا رہتا اور دعا کرتا کہ اللہ تعالیٰ حضور انور سے ملاقات کا شرف بھی عطا فرمائے۔ اسی امید و انتظار میں چھ برس گزر گئے جس دوران حضور انور کے خطبات جمعہ کی کیسٹس ہمیں پہنچتی رہیں۔ 1987ء میں ہمارے ہاں قادیان سے مکرم محمد حمید کوثر صاحب بطور مبلغ تشریف لائے اور انہوں نے حضور انور کے خطبات جمعہ کا عربی زبان میں ترجمہ شروع کیا۔ مَیں ان کے لکھے ہوئے ترجمہ کو دوبارہ خوش خط کر کے لکھتا جس کی کاپیاں کروا کے احمدیوں کے گھروں میں پہنچائی جاتی تھیں۔ یہ سلسلہ کچھ سال تک چلتا رہا۔ پھر ہم نے سنا کہ جماعت کا ٹی وی چینل شروع ہو رہا ہے اور بالآخر وہ وقت بھی آ گیا جب ہم ڈشیں لگوا کر حضور انور کے خطبات جمعہ اور خطابات براہ راست سننے لگے۔

ایک پُر حکمت نصیحت

میرے دادا جان کی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ سے متعدد بار ملاقات ہوئی تھی،

اسی طرح میرے والد اور بڑے بھائی کی حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے کئی جلسوں پر ملاقات ہوئی لیکن مَیں اس سے محروم تھا۔ میں نے اپنی اس قلبی خواہش کا ذکر اپنے مبلغ مکرم محمد حمید کوثر صاحب سے کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ کی یہ تمنا ایک دن ضرور پوری ہوگی بس آپ یہ دعا کرتے رہیں: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسَاَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنِيْ حُبَّكَ ، اَللّٰهُمَّ اجْعَل حُبَّكَ أَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَاَهْلِيْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ۔

یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت کا سوالی ہوں اور اس کی محبت کا بھی جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔ اور اس عمل کی توفیق کا بھی طالب ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ، اپنی محبت کو میرے لئے میرے نفس اور اہل اور ٹھنڈے پانی کی محبت سے بھی زیادہ عزیز بنا دے۔

ایم ٹی اے میں کام کی خواہش

جب ایم ٹی اے کی تین گھنٹے کی نشریات شروع ہوئیں تو مَیں نے اس امید پر اپنی پڑھائی میں الیکٹرانکس کی لائن اختیار کر لی کہ شاید کبھی میری تمنا برآئے اور مجھے بھی ایم ٹی اے میں کام کرنے کی سعادت مل جائے۔

1990ء کے جلسہ سالانہ UK میں بھی جماعت احمدیہ کبابیر سے ایک بڑے وفد نے شرکت کی، جو اس وقت تک کبابیر سے آنے والے وفود میں سے سب سے بڑا تھا۔ چالیس سے زائد افراد کے اس وفد کے نصف ممبران کی تعداد نوجوانوں پر مشتمل تھی اور خوش قسمتی سے مَیں بھی اس وفد کا حصہ تھا۔ یہاں آکر مجھے احساس ہوا کہ جلسہ سالانہ میں شرکت کے بعد احمدی برادران کبابیر میں واپس جا کر جلسہ کی یادوں اور روحانی ماحول کے جو اوصاف بیان کیا کرتے تھے وہ تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھا جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور محسوس کیا۔

ایک معصوم خواہش

جلسہ کے پہلے دن کے اختتام پر ہمیں دوسرے دن عربی قصیدہ پڑھنے کے لئے کہا گیا اور بفضلہ تعالیٰ مَیں بھی ان پڑھنے والوں میں شامل تھا۔ اور یوں میری برسوں کی دعائیں قبول ہو گئیں، اور مجھے یقین ہو گیا کہ نیت نیک ہو اور لگن سچی ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور کبھی نہ کبھی اسے بار آور

کر دیتا ہے۔

قصیدہ نہایت عمدگی سے پڑھا گیا اور حاضرین پر بھی اس کا بہت اچھا اثر ہوا۔ ابھی ہم اپنی قیامگاہ میں پہنچے ہی تھے کہ حضور انور کی طرف سے قصیدہ پڑھنے والوں کے لئے آموں کا تحفہ بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔اس کے بعد حضور انور کے ساتھ ہماری قصیدہ پڑھنے والوں کی علیحدہ ملاقات بھی ہوئی جس میں ایک عجیب واقعہ یہ ہوا کہ حضور انور نے اس ملاقات میں موجود ایک چھوٹے بچے کو اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا اور اسے پیشانی سے بوسہ دیا۔ یہ محبت وشفقت اور یہ پیار کا اظہار دیکھ کر میرے دل میں یہ معصوم سی خواہش پیدا ہوگئی کہ کاش حضور انور سب کو اس پیار ومحبت سے نوازیں۔اور اس خواہش کی تکمیل کے لئے دعا کرنے لگا۔شاید وہ کوئی قبولیت کی گھڑی تھی اور میری دعا یوں قبول ہوئی کہ بعد مَیں حضور انور کی اتنی شفقتیں اور عنایتیں اور الطاف واکرام ملے کہ ساری تمنائیں پوری ہوگئیں۔

پہلی ملاقات

1990ء کے جلسہ کے موقعہ پر ہی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ میری پہلی ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں میرے بھائی محمد شریف عودہ صاحب بھی موجود تھے۔ اس ملاقات کے لطف اور روحانی سرور کا تصور بھی آج تک مجھے مسحور کر دیتا ہیں، حتی کہ اس ملاقات سے پہلے انتظار کے لمحات کی لذّت کا رنگ بھی نرالا تھا۔ اس ملاقات میں باوجود کوشش کے ہماری زبان سے کوئی لفظ ادا نہ ہو سکا۔اس کے باوجود میرا خیال ہے کہ شاید یہ میری زندگی کی واحد ملاقات تھی جس میں مَیں نے اپنے دل کی ہر بات کہہ دی۔محبت وعشق ووفا کی داستانوں میں نگاہوں سے گفتگو کی جاتی ہے، جذبات کی زبان سمجھی جاتی ہے، اور آنسوؤں کی زبانی حالِ دل کہا جاتا ہے۔یہی حال ہمارا ہوا اور ہر طرح کی قوت گویائی اشک بن کر سرِ رخسار حکایت دل رقم کرنے لگی۔اگر چہ یہ ملاقات تقریباً پانچ منٹ تک جاری رہی لیکن ہماری کیفیت نہ بدلی۔ بالآخر حضور انور نے ہمیں آنسو پونچھنے کے لئے دو رومال عطا فرمائے۔اور یوں ہم نے سب کچھ کہہ دیا اور حضور انور نے سب کچھ سمجھ لیا۔

(آنسوؤں کی بھی ہے زبان ندیم لفظ ہی نامہ بر نہیں ہوتا)

خلیفۂ وقت کے دست مبارک سے انعام

1993ء کے آخر پر کبابیر میں میری پڑھائی ختم ہوگئی اور مَیں نے برطانیہ میں مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے کسی مناسب یونیورسٹی کی تلاش شروع کر دی۔ مجھے نیو کاسل یونیورسٹی فیسوں اور تعلیمی معیار کے مطابق ٹھیک لگی۔ میری پڑھائی 1994ء میں شروع ہونی تھی۔ اسی اثنا میں مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی نے خدام کے عالمی اجتماع کا انعقاد کیا جس میں 30 خدام پر مشتمل ایک بڑا وفد کبابیر سے بھی شامل ہوا۔ مَیں نے بعد میں UK میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانا تھا اس لئے اس وفد کے ساتھ ہی آ گیا۔ یہ ہمارا پہلا موقعہ تھا کہ خلیفۂ وقت کی موجودگی میں مختلف کھیلوں میں شریک ہو رہے تھے۔ کبابیر کے خدام نے باسکٹ بال اور فٹبال میں حصہ لیا اور بفضلہٖ تعالیٰ باسکٹ بال میں ہم نے پہلی پوزیشن حاصل کی۔ چونکہ میں اس ٹیم کا کیپٹن تھا اس لئے حضور انور کے دست مبارک سے انعام وصول کیا۔ شاید اور کسی کے لئے یہ بات اتنی زیادہ اہمیت کی حامل نہ ہو لیکن ہم ترسے ہوؤں کو جب یہ روحانی جام پینے کو ملا تو ایک عجیب لطف اور روحانی نشے کا سماں پیدا ہو گیا جس کا الفاظ میں بیان ممکن نہیں۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ حضور انور رحمہ اللہ کبابیر کی ٹیم کی کامیابی پر بہت زیادہ خوش تھے۔

احمدیت کی عالمی یونیورسٹی میں

اس اجتماع کے بعد میں نیو کاسل یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے برطانیہ آ گیا۔ اور چند ہفتے بورنمتھ شہر میں رہا۔ میں ابھی اسی شہر میں رہائش پذیر تھا کہ ایک دن اس وقت کے امیر صاحب یوکے کا مجھے فون آیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ یہاں آ گئے ہیں لہٰذا اگر ہو سکے تو پہلے لندن آ جائیں تا کہ ملاقات بھی ہو جائے۔ بہر حال میں اسی ہفتے لندن پہنچ گیا جہاں مجھے بہت محبت سے خوش آمدید کہا گیا۔ یہاں آ کر مجھے پتہ چلا کہ پروگرام لقاء مع العرب کی ریکارڈنگ شروع ہو چکی ہے اور حضور انور نے ازراہ شفقت مجھے بھی اس میں بیٹھنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ میری کوشش تو ایک دنیوی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دنیاوی تعلیم سے پہلے احمدیت کی اس عالمی یونیورسٹی میں دینی علوم سیکھنے

کا انتظام فرما دیا۔

لقاء مع العرب کی ریکارڈنگ جاری رہی حتی کہ جلسہ سالانہ برطانیہ کا وقت آ گیا اور مَیں نے کچھ دن کی چھٹی لے لی اور جلسہ کے لئے حاضر ہو گیا۔ جلسہ کے دوران مَیں نے اپنے بھائی اور بھابھی کے ساتھ حضور انور سے ملاقات کی جس میں حضور نے انگریزی زبان میں مجھ سے میری پڑھائی کے بارہ میں پوچھا جس کا واضح طور پر میں جواب نہ دے سکا۔ لہٰذا میرے بھائی نے میری مدد کی اور حضور انور کی خدمت میں عرض کیا کہ منیر نیوکاسل یونیورسٹی میں پڑھنے کیلئے جا رہا ہے۔ حضور انور نے فرمایا: یہ ملک کے شمال میں اتنی دور کیوں جا رہا ہے؟ یہاں لندن میں ہی مرکزِ جماعت کے قریب رہنا چاہئے جہاں یہ جماعت کے مختلف پروگراموں میں بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ ہم نے حضور انور کے اس فرمان پر سب خیالات چھوڑ کر لندن میں ہی رہنے کا پروگرام بنالیا۔ پھر چند دن دارالضیافت میں رہنے کے بعد مجھے مسجد کے قریب رہائش کے لئے مناسب جگہ بھی مل گئی جہاں میں تین سال تک رہا۔

خلیفۂ وقت۔ محبت کا ایک چشمہ

مجھے جو گھر ملا وہ مسجد کے بالکل قریب اور حضور انور کے گھر کے بالمقابل تھا۔ جہاں رہ کر مجھے حضور انور کی عظیم شخصیت اور آپ کے اخلاق کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ مجھے جس بات نے سب سے زیادہ حیران کیا وہ یہ تھی کہ کس طرح خلیفہ وقت کوئی ایسا محبت کا چشمہ ہے جو ہر احمدی کو اس طرح محبتوں کے جام پہ جام بھر کر پلاتا جاتا ہے کہ ہر ایک یہی سمجھتا ہے کہ جو محبت اسے ملی ہے شاید کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی۔

اردو کلاس میں شرکت

1994ء کی بات ہے کہ مَیں دارالضیافت میں قیام پذیر تھا، رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونے والا تھا کہ حضور انور رحمہ اللہ نے مجھے ایم ٹی اے کی ٹیم میں شامل ہونے کا ارشاد فرمایا۔ اس طرح میں طوعی طور پر ایم ٹی اے میں کام کرنے والے دیگر نوجوانوں کے ساتھ کام کرنے لگا۔ یہ نوجوان اپنے کام سے فارغ ہو کر سیدھا ایم ٹی اے آ جایا کرتے تھے اور رات گئے

تک مختلف امور کی انجام دہی میں مصروف رہنے کے بعد گھر جاتے جہاں شاید بمشکل دو تین گھنٹے سو کر دوبارہ اپنے کام پر چلے جاتے تھے۔

ایم ٹی اے میں میرے سپرد ایڈیٹنگ وغیرہ کا کام بھی تھا جس کو باحسن سرانجام دینے کے لئے پروگرام کی زبان کا علم ہونا بہت ضروری تھا۔ انہی دنوں میں حضور انور رحمہ اللہ نے اردو کلاس کا اجراء فرمایا۔ مَیں کیمرہ پر پردہ کے پیچھے اس کلاس سے استفادہ کرتا رہتا حتی کہ کئی باتوں اور الفاظ کی مجھے سمجھ آنی شروع ہوگئی۔ دوسری طرف میں نے حضور انور کے خطبات اردو زبان میں ہی سننے شروع کر دیئے۔ الحمد للہ اس کا بہت زیادہ فائدہ ہوا اور مجھے خطبات اور عام بول چال کی کافی حد تک سمجھ آنی شروع ہوگئی۔

کچھ عرصہ کے بعد ایک دن اردو کلاس کی ریکارڈنگ کے لئے مَیں کیمرہ کے پیچھے کھڑا تھا کہ حضور انور نے فرمایا: آپ کو کیمرے کے پیچھے نہیں بلکہ آگے بیٹھنا چاہئے۔ چنانچہ اس طرح مجھے بھی اس کلاس میں شمولیت کی توفیق ملی۔

چند کلاسز میں شمولیت کے بعد ہی مَیں نے حضور انور کے سوالوں کا جواب ٹوٹی پھوٹی اردو میں دینا شروع کر دیا۔ جب حضور انور کو اس بات کا علم ہوا کہ مجھے اُردو سمجھ آجاتی ہے تو پھر اس کے بعد سوائے شاذو نادر کے حضور نے میرے ساتھ اردو زبان میں ہی بات کرنی شروع کر دی۔

ابھی مجھے اردو کلاس میں شامل ہوئے تین ہفتے ہی گزرے تھے کہ جلسہ سالانہ جرمنی آگیا اور حضور انور جرمنی تشریف لے گئے۔ اس وقت میرے ایک دوست کے کہنے پر ہم بھی وہاں پہنچ گئے۔ مَیں نے وہاں سیکیورٹی میں ڈیوٹی لگوالی۔ چنانچہ پہلے دو دن میں نے سٹیج پر ڈیوٹی دی۔ تیسرے دن وہاں پر بعض نوجوانوں نے قصیدہ پڑھنا تھا تو مجھے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کی طرف سے پیغام موصول ہوا کہ حضور انور نے فرمایا ہے کہ مَیں ان نوجوانوں کو قصیدہ کی پریکٹس کرواؤں۔ مَیں نے قصیدہ سنا تو الحمد للہ انہوں نے غیر معمولی تیاری کی ہوئی تھی۔

اس جلسہ میں تیس سے پینتیس ہزار افراد جماعت شامل تھے۔ اور میں نے اتنی زیادہ تعداد میں احمدیوں کو اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ مَیں نے سٹیج سے سیکیورٹی کی ڈیوٹی کے دوران تو خیمہ میں بیٹھے احباب کو دیکھا تھا لیکن نہ جانے کیوں میرا دل چاہا کہ اس بڑے ہال کے آخر پر

جا کر مومنوں کے اس حشدِ کبیر کو دیکھوں اور اس منظر سے لطف اندوز ہوں۔ لہذا تیسرے دن مَیں سٹیج پر ڈیوٹی دینے کے بعد میں ہال کے آخر میں چلا گیا۔ مَیں ابھی ہال کے آخر پر پہنچا ہی تھا کہ حضور انور کا خطاب ختم ہو گیا، جس کے بعد حضور نے اعلان فرمایا کہ اب ہم ایک قصیدہ سنتے ہیں۔ جب قصیدہ پڑھنے کیلئے نوجوان سٹیج پر آ گئے تو حضور انور نے فرمایا منیر کہاں ہے؟ وہ ان کے ساتھ کیوں نہیں آیا؟ خیمہ کے آخر پر آواز صحیح طور پر نہ آ رہی تھی جس کی وجہ سے مجھے کچھ سمجھ نہ آیا۔ پھر حضور انور نے میجر صاحب سے پوچھا کہ منیر کہاں ہے؟ میجر صاحب نے عرض کیا کہ حضور کچھ دیر پہلے تو یہاں پر سٹیج پر ڈیوٹی دے رہا تھا اب نہ جانے کہاں چلا گیا ہے۔ اتفاقاً اس جملہ کی مجھے سمجھ آ گئی اور مَیں نے خیمہ کے آخر سے ہی دوڑ لگا دی۔ مجھے دوڑتا ہوا دیکھ کر بعض لوگوں نے حضور انور کی خدمت میں عرض کیا کہ منیر خیمہ کے آخر سے بھاگتا ہوا آ رہا ہے۔ مَیں سٹیج پر پہنچا تو حضور نے مسکراتے ہوئے بڑے پیار سے فرمایا: تم کہاں چلے گئے تھے؟ پھر فرمایا: چلو ان کے ساتھ قصیدہ پڑھو۔ مَیں نے تو قصیدہ صرف سنا ہی تھا، پڑھنے کی تیاری تو نہ کی تھی۔ پھر ایک ساتھ پڑھنے کے لئے تو مزید پریکٹس کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن مَیں نے کہا کہ جب حضور انور ایسا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ توفیق بھی دے گا۔ چنانچہ خدا کے فضل سے تیاری نہ ہونے کے باوجود بھی قصیدہ اچھا پڑھا گیا۔ ہم قصیدہ پڑھنے کے بعد جا رہے تھے کہ حضور انور نے مجھے بلا کر پاس کھڑا کر لیا اور حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس نوجوان کی طرف دیکھیں اس نے تین ہفتوں میں اُردو بولنا سیکھ لیا ہے، اب آپ اس سے اُردو میں گفتگو کریں تو یہ آپ کو اُردو میں جواب دے گا۔ پھر حضور انور نے حاضرین کے سامنے ہی مجھ سے اُردو میں بعض سوالات کئے اور الحمدللہ کہ مَیں نے ان کے صحیح جوابات دیئے۔ ازاں بعد حضور انور تو تشریف لے گئے لیکن لوگ میرے ساتھ اُردو میں باتیں کرنے کے لئے اکٹھے ہو گئے۔ ان میں سے بعض کی باتیں مجھے سمجھ آئیں اور مَیں نے حسب استطاعت جوابات بھی دیئے جبکہ بعض کی باتوں کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ اس بات نے میرے اندر ندامت کا ایک عجیب احساس پیدا کر دیا۔ مَیں نے کہا کہ خدا کے مقرر کردہ خلیفۃ المسیح نے میرے بارہ میں یہ کہا ہے کہ مجھے اُردو آتی ہے اور جو چاہے میرے ساتھ اُردو میں بات کر سکتا ہے۔ لہٰذا مجھے حضور انور کی یہ بات سو فیصد سچ کر کے دکھانی چاہئے اور ثابت کرنا چاہئے کہ حضور انور نے بالکل درست فرمایا تھا۔ لہذا اس بات نے مجھ میں اُردو

سیکھنے کا ایک جنون پیدا کر دیا۔

شہد کی مکھی کے ڈنک کا علاج

مجھے شہد کی مکھی کے ڈنک سے الرجی ہو جاتی تھی اور کبا بیر میں بھی کئی دفعہ جب ایسا ہوا تو مجھے ہسپتال جانا پڑا اور مکمل شفایابی کیلئے اینٹی بایوٹکس کا کورس کرنا پڑتا تھا۔
لندن میں قیام کے دوران ایک دفعہ سوتے میں شہد کی مکھی نے مجھے گردن پر ڈنگ لیا۔ مَیں سیدھا مسجد میں آ گیا، جہاں پرائیویٹ سیکرٹری کے آفس میں بشیر صاحب سے کہا کہ مجھے فوری دوا کی ضرورت ہے بصورت دیگر حالت خراب ہو جائے گی اور مجھے ہسپتال جانا پڑے گا۔ حضور انور اس وقت اپنے دفتر میں ہی تھے۔ بشیر صاحب نے کہا کہ جب حضور انور مجھے کسی کام سے بلائیں گے تو مَیں آپ کی درخواست عرض کر دوں گا لیکن اگر آپ کہتے ہیں کہ مَیں ابھی حضور انور کی خدمت میں عرض کر دوں تو مَیں اجازت لے کے چلا جاتا ہوں۔ مَیں نے کہا کہ آپ صرف اس کام کے لئے نہ جائیں مَیں انتظار کر لیتا ہوں۔ ابھی پندرہ منٹ ہی گزرے تھے کہ میری پیشانی پر سوجن نمایاں ہونے لگی اور میری آنکھوں کی شکل بدلنے لگی، ساتھ مجھے سانس لینے میں بھی کسی قدر دشواری پیش آنے لگی۔ جب بشیر صاحب نے میری یہ حالت دیکھی تو فوراً حضور انور کی خدمت میں فون پر سب کچھ عرض کر دیا۔ حضور انور نے فرمایا کہ انہیں فلاں دوا دے دیں۔ انہوں نے فوراً وہ دوا بنائی اور مجھے دیدی۔ اس وقت مجھے ہومیوپیتھی کی افادیت پر کوئی خاص یقین نہ تھا بلکہ شاید کبھی ہومیوپیتھی ادویات استعمال ہی نہ کی تھیں لیکن حضور انور کی استجابتِ دعا پر یقین تھا اس لئے حضور سے دوا لینے سے میرا اصل مقصد حضور انور کی دعا لینا تھا۔ بہر حال دوا دیتے ہوئے حضور انور نے یہ بھی فرمایا کہ اگر اس سے فرق نہ پڑے تو فوراً ہسپتال چلے جائیں۔ پانچ منٹ بعد مَیں نے محسوس کیا کہ دوا کا اثر ہونا شروع ہو گیا ہے اور ابھی دس منٹ نہیں گزرے تھے کہ سوجن مکمل طور پر دور ہو گئی۔ مجھے یاد ہے کہ پہلے جب بھی کبھی ایسی صورتحال پیش آتی تو مَیں سارا دن آرام کرتا اور پھر ایک ہفتہ تک مجھے دوائیں استعمال کرنی پڑتی تھیں۔ لیکن اس دفعہ یہ عجیب تاثیر ظاہر ہوئی جو مَیں نے کسی دوا میں نہ دیکھی تھی یہ بلا شبہ ہومیوپیتھی کی دوا کے ساتھ حضور انور کی دعاؤں کا بھی اعجاز تھا۔

شادی اور اولاد

برطانیہ میں آئے ہوئے مجھے دو سال ہی گزرے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے 1996ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر ہماری فیملی ملاقات میں میری والدہ صاحبہ سے میری شادی کے بارہ میں دریافت فرمایا۔ والدہ صاحبہ نے عرض کیا کہ ایک تو اس کی پڑھائی ابھی مکمل نہیں ہوئی دوسرا ابھی تک کوئی مناسب رشتہ بھی نظر میں نہیں ہے۔حضور انور نے فرمایا کہ اگر آپ کے ذہن میں ابھی تک کوئی رشتہ نہیں ہے تو پھر اس کا رشتہ ہم خود طے کریں گے۔حضور انور کی یہ بات ہم سب اہل خانہ کے لئے از حد خوشی کا باعث تھی۔

پانچ چھ ماہ کے بعد حضور انور نے چار پانچ رشتے تجویز فرمائے اور بفضلہٖ تعالیٰ ان میں سے ایک ہمیں پسند آ گیا۔ازاں بعد فروری 1997ء میں رجسٹریشن ہوگئی اور ہم اپریل میں شادی کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔میرے مالی حالات تو اس قابل نہ تھے کہ شادی کے تمام اخراجات پورے ہوسکتے، بہرحال مَیں نے اپنی حیثیت کے مطابق کچھ انتظام کرنا شروع کردیا۔ چونکہ حضور انور کو ذاتی طور پر میرے تمام حالات کی خبر تھی اس لئے حضور انور نے قدم قدم پر میری مدد فرمائی بلکہ یوں سمجھ لیں کہ شادی کا تمام خرچ حضور انور نے اپنی جیب خاص سے ہی ادا فرمایا۔میرے پاس کچھ رقم تھی جو مَیں نے دارالضیافت کے انچارج کو ولیمہ کے کھانے کے لئے دے دی۔لیکن چند دنوں کے بعد وہ مجھے ملے تو کہنے لگے کہ حضور انور نے آپ کا دیا ہوا چیک واپس کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔اور ولیمہ کے کھانے کا تمام خرچ حضور انور نے خود ادا فرما دیا ہے۔اور یوں خدا تعالیٰ کے خاص فضل اور حضور انور کے احسان اور بے پناہ شفقتوں کے سائے میں میری شادی ہوئی، فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

اب بھی جب ان احسانوں اور شفقتوں کو یاد کرتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں اور جذبات اُمڈ آتے ہیں۔

Little Odeh

شادی کے بعد تقریباً چار سال گزر گئے لیکن ہمارے ہاں اولاد کی نعمت عطا ہونے کی کوئی

امید نہ پیدا ہوئی۔ ہم میاں بیوی اکثر حضورِ انور کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوتے رہتے تھے۔ یہ ان ایام کی بات ہے جب حضورِ انور کی صحت کافی خراب رہنے لگی تھی اور کمزوری بہت بڑھ گئی تھی۔ حضورِ انور نے متعدد بار خوشخبری کے بارہ میں دریافت فرمایا بلکہ ایک ملاقات میں فرمایا:

Dont You Want me to hold little odeh in my life?

حضورِ انور کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر ہم دونوں آبدیدہ ہو گئے اور حضورِ انور سے ہی درخواست دعا کی کہ اللہ تعالیٰ پیارے آقا کی اور ہماری دلی خواہش کو جلد پورا فرمائے۔ اس پر پیارے آقا نے ہمیں کسی سپیشلسٹ سے مشورہ کرنے کا ارشاد فرمایا۔ ہم نے ایک سپیشلسٹ سے بات کی اور علاج وغیرہ شروع کرنے سے قبل حضورِ انور سے ملاقات کی۔ اس وقت حضورِ انور کی صحت اچھی نہ تھی اور کمزوری بہت زیادہ تھی اور حضور 41 گیسٹ ہاؤس میں منتقل ہو چکے تھے۔

حضورِ انور باوجود شدید ضعف کے اپنی کرسی سے اٹھے اور ہمیں فرمایا کہ تھوڑا انتظار کریں۔ کچھ دیر کے بعد حضورِ انور اپنے دست مبارک میں شہد کی ایک بوتل لئے ہوئے تشریف لائے جس میں سے کچھ حصہ حضورِ انور نے استعمال فرمایا ہوا تھا۔ آپ نے بوتل میز پر رکھ کر کھولی اور اس میں اپنے دائیں دست مبارک کی شہادت والی انگلی ہلائی، پھر تین مرتبہ اس میں سے خود تناول فرمانے کے بعد اسے میری بیوی کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا اس میں سے خود بھی کھانا اور اپنے ہونے والے بیٹے کو بھی چٹانا۔

ملاقات ختم ہوئی تو مَیں نے اپنی بیوی سے کہا کہ مبارک ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں جلد اولاد کی نعمت سے نوازے گا اور جیسا کہ حضورِ انور کی زبان مبارک سے الٰہی تصرف کے ماتحت ''بیٹے'' کے الفاظ نکلے ہیں اس لئے ہمارے ہاں بیٹا پیدا ہوگا۔

اس ملاقات کے بعد ہم نے کوئی دوا استعمال نہ کی اور ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص فضل فرمادیا اور ہمارے لئے پہلے بچے کی پیدائش کی امید پیدا ہو گئی۔ ہم نے حضورِ انور کو خوشخبری سنائی اور نام رکھنے کی درخواست کی تو حضورِ انور نے ازراہ شفقت ہونے والے بیٹے کا نام ''طاہر احمد'' عطا فرمایا۔

بچے کی پیدائش کے بعد ہم اسے لے کر حضورِ انور کے ساتھ ملاقات کے لئے

حاضر ہوئے۔حضور انور کی صحت کے پیش نظر مَیں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا تھا کہ از خود بچہ کو حضور انور کے آگے نہ کرنا کیونکہ شاید حضور انور کو بچہ اٹھانے سے تکلیف محسوس ہوگی۔اسی طرح تصویر وغیرہ کے لئے بھی نہ کہنا۔چنانچہ جب ہم حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بچہ کو مَیں نے اٹھایا ہوا تھا، اور ہم جا کر حضور انور کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔حضور انور میری طرف دیکھتے ہوئے فرمانے لگے کہ کیا آپ نہیں چاہتے کہ مَیں آپ کا بیٹا اٹھاؤں؟ یہ سننا تھا کہ مَیں فوراً اٹھا اور بچہ کو حضور انور کی طرف بڑھا دیا جسے حضور نے اپنی گود میں بٹھایا اور پیار سے نوازا۔اور حضور انور کی شفقتوں اور عطاؤں اور محبتوں کو دیکھ کر ہماری آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی زندگی میں ہمارا یہی ایک ہی بیٹا پیدا ہوا۔اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کے عہد میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دو اور بیٹوں سے نوازا۔فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

جب میرے دوسرے بیٹے کی پیدائش متوقع تھی تو مَیں نے حضور انور کی خدمت میں بچے کا نام رکھنے کی درخواست کی۔حضور انور ایدہ اللہ کی طرف سے ہمیں نام موصول نہ ہوا، پھر جب بچہ کی ولادت ہوگئی تو حضور انور کسی دورہ پر تھے۔مَیں نے مکرم پرائیویٹ سیکرٹری صاحب سے فون پر بات کی اور حضور انور کی خدمت میں نام عطا فرمانے کی درخواست عرض کی۔حضور انور نے دریافت فرمایا کہ پہلے بیٹے کا کیا نام ہے۔جب حضور انور کی خدمت میں عرض کیا گیا پہلے بیٹے کا نام ''طاہر احمد'' ہے تو پیارے آقا نے ازراہ شفقت فرمایا: پھر اس بچہ کا نام ''مسرور'' رکھ لیں۔ازاں بعد حضور نے تیسرے بچہ کی پیدائش پر اس کا نام ''ناصر احمد'' رکھا۔

نماز باجماعت کی اہمیت

مَیں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ مختلف دَوروں میں دیکھا کہ حضور انور سفر وحضر میں نماز باجماعت کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔آپ کا طریق تھا کہ کسی بھی پٹرول سٹیشن وغیرہ پر رک کر ایک سائیڈ پر باجماعت نماز پڑھاتے اور پھر اپنا سفر جاری رکھتے، حتیٰ کہ اگر ہم برطانیہ کے اندر بھی کسی چھوٹے سے سفر پر بھی ہوتے تب بھی آپ راستے میں ہی کہیں رک کر نماز باجماعت ادا کرنے کا ارشاد فرماتے۔

بحری جہاز کے عرشہ پر نمازِ فجر

ایک دفعہ ڈنمارک کے دورہ کے لئے حضور انور نے بحری راستے کے ذریعہ سفر کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ یہ سفر 23 گھنٹے جاری رہا۔ اس سفر میں بھی ہم حضور انور کے ارشاد کے مطابق ایک سائیڈ پر بروقت نماز باجماعت ادا کرتے رہے۔ اس سفر کے دوران سمندر میں شدید طغیانی کی کیفیت برپا ہوگئی اور بحری جہاز اپنے سر پر ایک جہان اٹھائے ہونے کے باوجود لہروں کے دوش پر جھولنے لگا۔ اس صورتحال میں سونے کے لئے جب اپنے کمروں میں گئے تو بستروں پر بھی دائیں بائیں لوٹتے پوٹتے رہے۔ مسلسل طغیانی کی صورتحال کی وجہ سے ہمارے لئے دیوار کے سہارے کے بغیر سیدھا چلنا مشکل ہو گیا تھا۔ ایسی حالت میں بھی جب نمازِ فجر کا وقت ہوا تو حضور انور تشریف لائے اور سب کو نماز باجماعت پڑھائی۔ ہم نوجوانوں کے لئے ایسی حالت میں کھڑے ہونا بہت کٹھن اور مشکل تھا لیکن حضور انور باوجود اپنی خرابیٔ صحت کے تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔

شدید سردی میں نماز باجماعت

ڈنمارک کے اسی دورہ سے واپسی پر ہم بحری جہاز میں سوار ہونے کے لئے بندرگاہ کی طرف جارہے تھے کہ راستے میں نماز کا وقت ہوگیا، سردیوں کا موسم سکنڈے نیویا میں اور بھی شدید ہوتا ہے۔ اس دن بھی سردی بہت شدید تھی اس لئے باہر کسی میدان میں یا پٹرول پمپ کی ایک سائیڈ پر نماز پڑھنا بہت مشکل تھا۔ اس لئے ایک پٹرول پمپ پر ٹھہر کر وہاں موجود ایک ہوٹل کے مالک سے بات کی گئی کہ ہمیں کچھ وقت کے لئے نماز ادا کرنے کے لئے اپنے ہوٹل کی کچھ جگہ کرائے پر دے دو لیکن وہ راضی نہ ہوا۔ اس پر حضور انور نے فرمایا کہ اگلے پٹرول سٹیشن پر ہم گاڑیوں کی پارکنگ میں نماز ادا کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ہم نے کچھ کپڑے وغیرہ بچھا کے اس شدید سردی میں نماز شروع کی۔ اتفاقاً مَیں صف کے انتہائی دائیں جانب پہلا آدمی تھا۔ نماز میں ہم آخری قعدہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مجھے اپنے قرب میں کچھ حرکت محسوس ہوئی پھر ایک شخص کے قدموں کی چاپ نے مجھے پریشان کر دیا، اسی اثناء میں حضور انور نے سلام پھیرا

اور نماز ختم ہوگئی۔ نماز ختم ہوتے ہی مَیں نے مڑ کر دیکھا تو ایک شخص اپنے ہاتھ میں ایک ڈش لئے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور پیارے آقا کی خدمت میں یوں گویا ہوا: مَیں نے اس شدید سردی کے موسم میں آپ کو کھلے آسمان کے نیچے نماز پڑھتے دیکھا تو خیال آیا کہ آپ کے لئے کچھ مٹھائی لے جاؤں تا کہ آپ اسے کھا کر اپنے جسم کو کچھ گرم کر سکیں۔ حضور انور نے شکریہ کے ساتھ اس کا یہ تحفہ قبول فرمایا اور پھر مستقبل میں رابطہ کے لئے اس کا ایڈریس وغیرہ بھی لیا۔ بلاشبہ اس سردی کے موسم میں نماز باجماعت کی ادائیگی کے التزام پر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تحفہ تھا جو اس نے اس ڈینش شخص کے ذریعہ پیارے آقا اور آپ کے مقتدیوں تک پہنچایا۔

عربوں کے قبول احمدیت کا وقت

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے عربوں کو بہت محبتیں دیں اور ان میں تبلیغ کے خصوصی پروگرام شروع فرمائے جن میں خطبہ جمعہ کے عربی ترجمہ کی کیسٹس تیار کر کے عرب ممالک میں ارسال کرنا، عربی رسالہ ''التقویٰ'' کا اجراء، پروگرام لقاء مع العرب نیز عربی زبان میں کتب اور پمفلٹس کے تراجم وغیرہ شامل ہیں۔ آپ نے ایک دفعہ عربوں کے لئے عربی زبان میں خطاب ریکارڈ کروانے کا بھی ارادہ فرمایا۔ یہ خطاب حضور انور نے بہت اچھی طرح تیار فرمایا اور ایک دن مجھے ریکارڈنگ کے لئے تیاری کا ارشاد فرمایا۔ مَیں نے سٹوڈیو وغیرہ تیار کیا اور حضور انور کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ کافی دیر کے بعد مکرم پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کی زبانی حضور انورؒ کا پیغام ملا کہ ریکارڈنگ نہیں ہوگی۔ اس کے بعد حضور انور سے ملاقات ہوئی تو آپ نے خود ہی فرمایا کہ تمہارے دل میں آیا ہوگا کہ مَیں ریکارڈنگ کے لئے کیوں نہیں آیا۔ میرا خیال ہے کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔

عجیب بات ہے کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو اللہ تعالیٰ نے خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا تو ایک ملاقات میں حضور انور نے فرمایا کہ میرے عہد میں عربوں میں تبلیغ کے لئے راہ کھلے گی اور عربوں میں احمدیت کا نفوذ ہوگا۔

چونکہ میرے ذہن میں حضرت خلیفہ رابع رحمہ اللہ کا جملہ بھی تھا کہ ابھی وقت نہیں آیا، اس تناظر میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کا فرمان بہت ازدیاد ایمان کا باعث ہوا۔ اس کے بعد عملی طور

پر ہم نے دیکھا کہ ایم ٹی اے 3 العربیہ شروع ہوا اور عربوں کی طرف سے اتنے اچھے ردّ عمل اور احمدیت قبول کرنے نے ثابت کر دیا کہ واقعتاً حضور انور کے عہد میں عربوں میں تبلیغ احمدیت کے لئے ایک دروازہ کھل گیا ہے۔اور اب کثرت سے کتب وخطبات وخطابات کے تراجم بھی اس پیشگوئی کے پورا ہونے کی ایک بیّن دلیل ہیں۔

خوف امن میں بدل گیا

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی وفات ایک ایسا سانحہ تھا جس کے ہول اور دکھ کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔اس حزن وملال میں حضور انور کے ساتھ ایک ذاتی تعلق اور محبت اور حضور انور کی خاص شفقت سے محرومی کا دکھ بھی شامل تھا لیکن اس کے ساتھ ایک خوف کی ایسی کیفیت تھی جو شاید سب پر ہی طاری تھی لیکن مجھ پر اس خوف کی حالت کا رنگ اور ہی تھا جس کا کسی قدر اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مَیں حضور انور کی وفات کے دن سے لے کر انتخاب خلافت خامسہ تک مسجد فضل کے احاطہ سے باہر نہ جاسکا۔ایک خطرہ سا لگا رہتا تھا کہ نہ جانے کیا ہو جائے گا۔اور یہ احساس اس قدر شدید تھا کہ ایک دن مَیں نے سوچا کہ گھر جا کر نہا دھو کر کپڑے بدل کے واپس آجاتا ہوں، چنانچہ بڑی کوشش کر کے مسجد فضل کے احاطہ سے باہر نکلا اور اپنی گاڑی میں ابھی چند قدم کے فاصلے پر ہی گیا تھا کہ میری طبیعت میں سخت گھبراہٹ شروع ہوگئی چنانچہ مَیں فوراً واپس آ گیا۔ پھر جب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا انتخاب ہوگیا تو مَیں نے اپنے اندر کے خوف کو امن سے بدلتے ہوئے واضح طور پر محسوس کیا۔سارا خوف دور ہو گیا، اور اس کی جگہ امن اور اطمینان نے لے لی۔

غانا (Ghana) کا سفر

مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے پہلے دورۂ افریقہ میں مرافقت کا شرف بھی حاصل ہوا۔اس دورہ میں حضور انور کا استقبال، لوگوں کا والہانہ عشق ایک علیحدہ داستان ہے جس کا بیان شاید الفاظ میں ناممکن ہوگا۔ہم ابھی ''اکرا'' میں ہی تھے کہ مجھے پیٹ درد کی تکلیف شروع ہوگئی اور مَیں نے کھانا پینا تقریباً چھوڑ دیا۔'' اکرا'' اور

''کماسی'' میں راستے بھی اچھے تھے اور دیگر سہولتیں بھی میسر تھیں، لیکن حضور انور ان علاقوں سے بہت آگے دور دراز کے علاقوں میں بسنے والے احمدیوں سے بھی ملنے اور ان کو اپنی محبتوں اور شفقتوں سے مالا مال کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد کا سفر ایسے ناہموار راستوں پر ہوا جن میں اچھے خاصے کھڈے پڑے ہوئے تھے۔ تمام راستہ نہ صرف میری پیٹ درد جاری رہی بلکہ اس میں اضافہ ہوتا گیا۔ راستہ میں مَیں نے متعدد ڈاکٹروں سے دوائی وغیرہ لی لیکن کچھ فرق نہ پڑا۔ بہر حال بہت دشوار گزار راستوں سے ہوتے ہوئے ہم ''وا'' شہر میں پہنچے جہاں پر حضور انور کے ساتھ بعض اہم شخصیات کی ملاقات اور میٹنگ تھی۔ مَیں نے اپنے ساتھیوں کو اس کی ریکارڈنگ کے لئے بھیج دیا کیونکہ اس وقت میری حالت بہت تشویشناک تھی۔ شدتِ درد کی وجہ سے مَیں لوٹ پوٹ ہو رہا تھا، حتی کہ مَیں کرسی پر پیٹ کے بل اس طرح لیٹ گیا کہ میرا سر اور پاؤں ہوا میں تھے اور سارا وزن پیٹ پر تھا، اس طرح پیٹ کو دبانے سے درد میں کسی قدر کمی کا احساس ہوتا تھا۔ اس کے باوجود درد اتنی شدید تھی کہ میری برداشت ختم ہوگئی اور بلند آواز میں کراہنے لگا۔ مَیں نے رات اسی حالت میں گزاری۔ اگلے روز ہم نے ''ٹمالے'' جانا تھا۔ راستے میں ایک اور ہسپتال میں چیک اپ کروایا اور ڈاکٹروں نے دوا وغیرہ دی لیکن اس سے بھی کوئی فرق نہ پڑا۔ اس شہر میں ایک دن گزارنے کے بعد ہم نے آگے روانہ ہونا تھا۔ اگلے دن اس شہر میں ایک مبلغ سلسلہ کے گھر میں حضور انور اور آپ کے ساتھ جانے والے وفد کے ارکان کے لئے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ حضور انور اپنے اہل بیت کے ساتھ اسی گھر کے ایک علیحدہ کمرے میں تھے جبکہ باقی افراد وفد کے لئے کھانے کا انتظام ایک بڑے کمرے میں کیا گیا تھا۔ مَیں نے دو تین دنوں سے کچھ نہ کھایا تھا اس لئے بہت زیادہ بھوک لگی ہوئی تھی لیکن شدید درد کی وجہ سے بہت معمولی کھانے پر ہی اکتفا کیا اور چائے کا ایک کپ لیا جس میں وہاں کی مخصوص چینی کے چند مکعب نما ٹکڑے ڈالے۔ مَیں اس کمرے کے دروازے کے سامنے بیٹھا ہوا تھا جو اندر کی طرف کھلتا تھا۔ اچانک مَیں نے دیکھا کہ سب کھڑے ہو گئے۔ مَیں بھی جلدی سے اٹھا تو دیکھا کہ حضور انور میرے بالکل قریب کھڑے تھے۔ حضور انور نے پوچھا کہ کھانا سب نے کھالیا ہے؟ پھر پوچھا کہ چائے پی ہے؟ پھر دریافت فرمایا کہ چائے میں یہاں کی مخصوص چینی ڈال کر پی ہے؟ سب نے حضور انور کے سوالوں کا جواب اثبات میں دیا۔ پھر حضور انور نے مجھے فرمایا کہ

مجھے ذرا چینی پکڑائیں، لیکن مجھ سے پہلے ایک بچے نے دوڑ کر چینی کا جار اٹھایا اور حضورانور کے سامنے کر دیا۔ حضور نے مجھے فرمایا کہ اس میں سے ایک مکعب لو۔ مَیں نے ارشاد کی تعمیل کی، فرمایا: اوپر کرو، چنانچہ مَیں نے اوپر کیا تو حضورانور نے اس پر اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ایک دوا کے چند قطرے ڈال کر فرمایا کہ اسے کھالو۔ اسے کھاتے ہی میرے پیٹ میں اچانک ایک غیر معمولی تغیر پیدا ہوا اور مجھے ایسے لگا کہ مجھے آرام آ گیا ہے۔ ابھی مَیں یہی سوچ رہا تھا کہ حضور انور نے دریافت فرمایا کہ کیا درد سے کچھ افاقہ ہوا ہے؟ مَیں نے عرض کیا جی حضور کچھ فرق محسوس ہو رہا ہے۔ پھر حضور نے پوچھا کہ کیا دوائی کا ذائقہ کڑوا تھا؟ مَیں نے عرض کیا جی حضور، آپ نے فرمایا: اب سمجھو کہ آپ کا پیٹ بالکل ٹھیک ہو گیا ہے۔ حضورانور کے جانے کے بعد مَیں واش روم میں گیا اور اس کے بعد پیٹ درد کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا۔ جب درد سے رہائی ملی تو میری بھوک جاگ گئی اور مَیں نے دوبارہ پیٹ بھر کے کھانا کھایا۔ اس کے بعد حالانکہ سفر کے حالات بہت خراب رہے، اور کئی دوستوں کے پیٹ خراب ہوئے اور کئی بیمار بھی ہوئے، لیکن یہ محض خدا کا فضل اور پیارے آقا کی دعا کا اثر تھا کہ مجھے اس کے بعد سارے سفر میں نہ پیٹ کی کوئی تکلیف ہوئی نہ ہی صحت کے اعتبار سے کسی اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔

حضورانور کی دعا اور خدائی حفاظت

برکینا فاسو کے دورہ کے دوران ہم ڈوری سے واگا ڈوگو کی طرف واپس آ رہے تھے، راستہ کچا تھا اور گاڑیوں کے چلنے سے اس قدر گرد وغبار اٹھتا تھا کہ سامنے چلنے والی گاڑی بھی دکھائی نہ دیتی تھی۔ ایسی صورتحال میں گاڑی چلانا بہت مشکل تھا نیز حادثات کا بہت زیادہ خطرہ تھا۔ ہماری گاڑی سب سے آگے تھی۔ ایک جگہ پر مجھے احساس ہوا کہ ہمارے پیچھے آنے والی گاڑیاں شاید کہیں رک گئی ہیں۔ ہم نے اپنی گاڑی سڑک کے ایک جانب کھڑی کر دی۔ تقریباً دس منٹ کے انتظار کے بعد مَیں نے کہا کہ ہمیں واپس جا کر پتہ کرنا چاہئے کہ قافلے کی گاڑیاں کیوں رکی ہیں، گو کہ واپس جانا خطرہ سے خالی نہ تھا تاہم پریشانی کے باعث وہاں ٹھہرنا بھی ہمارے لئے ناممکن ہو گیا تھا۔ ہم نے واپسی پر تھوڑا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ مجھے حضورانور کی گاڑی نظر آئی۔ گاڑی بند تھی اور وفد کا کوئی ممبر باہر نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم نے بھی گاڑی روک دی، مَیں نے کہا مَیں جا کر

پتہ کرتا ہوں۔ اتنے میں مَیں نے دیکھا ایک گاڑی سڑک سے نیچے کھائی میں گری پڑی تھی، ذرا آگے بڑھا تو دیکھا کہ حضور انور اپنی گاڑی کے اندر ہی تشریف رکھتے ہیں اور ایسے لگا جیسے دعا کر رہے ہیں۔ حضور انور کو دیکھ کر جان میں جان آئی لیکن گری ہوئی گاڑی کے سواروں کے بارہ میں تشویش ہونے لگی۔ مَیں نے کچھ توقف کیا پھر حضور انور بھی اپنی گاڑی سے باہر تشریف لے آئے تو مَیں کسی قدر آگے بڑھا، گھبراہٹ سے میری حالت غیر ہو رہی تھی لیکن حضور انور نے گاڑی سے اتر کر میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ان کی گاڑی الٹ گئی ہے۔ پھر حضور انور سڑک کے کنارے پر تشریف لے گئے جہاں سے گری ہوئی گاڑی کو دیکھنے لگے۔ مجھے حضور انور کی مسکراہٹ کا مطلب اس وقت سمجھ میں آیا جب الٹی ہوئی گاڑی کا دروازہ کھلا اور یکے بعد دیگرے تمام افراد صحیح وسلامت باہر نکل آئے۔ یہ ضرور حضور انور کی دعا کا اعجاز تھا کہ باوجود اس کے کہ گاڑی کھائی میں جا گری تھی اور کئی جگہ سے ڈنٹ پڑ چکے تھے لیکن اس میں سوار احباب کو خراش تک نہ آئی تھی۔

مکرم میجر محمود احمد صاحب اس سفر میں حضور انور کی ہی گاڑی میں سوار تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ باوجود گرد وغبار کے ہم نے اس گاڑی کو سڑک سے اترتے اور الٹتے ہوئے دیکھ لیا، حضور انور نے یہ دیکھتے ہی دعا شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ نے پیارے آقا کی دعا کو سنتے ہوئے سب کو محفوظ رکھا۔ الحمدللہ۔

مکرم عبدالماجد طاہر صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب سب لوگ صحیح سلامت اس گاڑی سے باہر نکل آئے تو اس وقت تک ساتھ کے گاؤں کے کچھ لوگ بھی وہاں جمع ہو چکے تھے۔ حضور انور نے خدا تعالیٰ کے شکرانے کے طور پر ان تمام لوگوں میں نہایت فیاضی کے ساتھ صدقہ تقسیم فرمایا، اور ہمیں بھی فرمایا کہ ان لوگوں میں مزید صدقہ تقسیم کریں۔ اس وقت خدا کے اس پیارے کا اپنے خدا کا شکر ادا کرنے کا یہ طریق قابل دید تھا۔

پھر واگا ڈوگو پہنچنے پر حضور انور نے میجر صاحب کو فرمایا کہ اس الٹنے والی گاڑی کے مسافروں کو اپنی تسلی کے لئے بے شک ہسپتال لے جا کر چیک اپ کروالیں لیکن مَیں آپ کو بتا رہا ہوں کہ یہ سب ٹھیک ہیں اور ان کو کوئی اندرونی چوٹ نہیں لگی ہے۔

مکرم فتحی عبدالسلام مبارک صاحب

مکرم فتحی عبد السلام ہمارے مصری نواحمدی بھائی ہیں۔ جامعہ الأزہر کے تعلیم یافتہ ہیں اوراسلامی علوم ،تصوف اورفلسفہ وغیرہ میں کافی درک رکھتے ہیں۔ 2006ء سے الحوار المباشر میں بھی شریک ہورہے ہیں۔ ان سے ہم ان کی احمدیت کی طرف سفر کی کہانی اور بعض ایمان افروز واقعات سنتے ہیں۔

بعض ابتدائی حالات

مکرم فتحی عبدالسلام مبارک صاحب لکھتے ہیں کہ:

میری ولادت 9/مارچ 1946ء میں مصر کے ضلع ''منوفیہ'' کے ایک گاؤں ''تلوانہ'' میں ہوئی۔ میرے دادا جان کی وفات کے وقت والد صاحب ابھی کم سن ہی تھے، لہٰذا میرے والد صاحب کی پرورش ان کے بڑے بھائی نے کی۔ میرے والد صاحب بڑے ہوکر تصوف کی طرف مائل ہوئے اور نقشبندی طریقہ کے پیروکار رہے۔ انہیں قرآن سے عشق اور حفظ قرآن کی ایسی لو لگی کہ انہوں نے اپنے ایک بچہ کو دینی تعلیم کے لئے وقف کرنے کا عہد کر لیا۔ بڑا بیٹا ہونے کے ناطے حفظ قرآن اور جامعہ ازہر کے ذیلی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے میرا انتخاب کیا گیا۔ پانچ سال کی عمر میں مَیں نے حفظ قرآن شروع کرنے کے ساتھ ساتھ عام سکول کی پڑھائی کا بھی آغاز کردیا۔ کیونکہ ازہر کے ذیلی مدارس میں داخلہ کے لئے اہم شرائط یہ تھیں کہ بچہ حافظ قرآن ہو، ریاضی کی بعض مشقیں بھی آتی ہوں نیز عمر گیارہ سال سے کم نہ ہو۔

والد صاحب اور حفظ قرآن

قرآن کریم سے عشق کی وجہ سے میرے والد صاحب نے بھی میرے ساتھ قرآن کریم حفظ کرنا شروع کر دیا۔ اَن پڑھ ہونے کی وجہ سے والد صاحب قرآن کریم کی صحت کے ساتھ قراءت نہ کر سکتے تھے اس لئے بعض اوقات غلطی سرزد ہو جاتی جس کی بنا پر ان کے دوست انہیں ملامت کرتے تھے۔ ان کے یہ دوست احباب تو رقم جمع کر کے زمین وغیرہ خریدنے کے لئے کوشاں رہتے جبکہ میرے والد صاحب نے کچھ پیسہ جمع کر کے حج کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک دن خانہ کعبہ کے مضافات میں اپنے قیام کے دوران انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سفید لباس شخص ان سے پوچھتا ہے کہ تم اتنے غمگین و پریشان کیوں ہو؟ والد صاحب نے جواب دیا کہ بعض اوقات قرآن کریم کی قراءت کے دوران مجھ سے غلطی ہو جاتی ہے جس پر میرے دوست کہتے ہیں کہ تم قرآن نہ پڑھا کرو۔ اس پر اس سفید پوشاک شخص نے کہا کہ تم جس طرح پڑھ سکتے ہو پڑھتے جاؤ اور ان کی باتوں پر کان نہ دھرو۔ چنانچہ والد صاحب نے حج سے واپس آ کر پوری محنت اور تندہی سے حفظ قرآن شروع کر دیا اور بفضلہٖ تعالیٰ پورا قرآن کریم حفظ کرنے کے ساتھ ہی ان کی قراءت بھی ٹھیک ہوگئی۔

میرے والد صاحب کی عمر 88 سال ہے اور ان کی عمر کے آخری حصہ میں خدا کا خاص فضل یہ ہوا ہے کہ انہیں بیعت کر کے جماعت میں شمولیت کا شرف بھی حاصل ہو گیا ہے۔

ازہر کی تعلیم

مَیں نے دس سال کی عمر میں حفظ قرآن مکمل کر لیا اور پھر ازہر کے ایک ذیلی مدرسہ میں حنفی فقہ کی تعلیم شروع کر دی۔ پھر سیکنڈری سکول کی تعلیم کے لئے 1961 میں مجھے ازہر میں داخلہ مل گیا۔ مجھے مطالعہ کے بے حد شوق نے مجبور کیا کہ میں اپنے جیب خرچ سے پیسے بچا بچا کر کتب خریدتا اور مطالعہ کرتا۔ اس طرح مختلف موضوعات پر میں نے سینکڑوں کتب پڑھ لیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کی ہجرت

ہمارے ایک استاد جن کا نام محمد خلیفہ التونسی تھا ہمیشہ ہمیں تشدد اور مُلّا ازم سے منع کرتے تھے۔ میں یہ جان کر حیران ہوا کہ وہ عیسی علیہ السلام کی صلیبی موت سے نجات کے قائل ہیں اور ایک دفعہ انہوں نے کہا کہ عین ممکن ہے کہ عیسی علیہ السلام نے فلسطین اور یہودیوں کا علاقہ چھوڑ کر ہجرت کی ہو۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں عیسیٰ علیہ السلام کی ایک قبر بھی ہے۔ چونکہ ہمارے یہ استاد عرب دنیا کے مشہور و معروف عالم اور کئی کتابوں کے مصنف عباس محمود عقاد کے چہیتے شاگرد تھے اس لئے بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ دراصل یہ رائے انہوں نے عباس محمود عقاد صاحب سے اخذ کی ہے۔

خاکسار (طاہر ندیم) عرض کرتا ہے کہ اس نامور ادیب عباس محمود عقاد نے اپنی کتاب ''حیاۃ المسیح وکشوف العصر الحدیث'' میں قبر مسیح کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے انکشاف کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ اسے کسی طور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ازہر میں انجینئر نگ کی تعلیم

1963ء میں مصری صدر جمال عبد الناصر نے جامعہ ازہر کے ساتھ میڈیکل، انجینئر نگ اور زرعی کالجز وغیرہ کا بھی اضافہ کر دیا۔ اور میرے استاد محمد خلیفہ التونسی نے مجھے انجینئر نگ کالج میں پڑھنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ مَیں نے جامعہ ازہر کی دینی تعلیم کے ساتھ انجینئر نگ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مکینیکل انجینئر نگ میں سپیشلائزیشن کی۔ مجھے اس عرصہ میں ڈاکٹر عبد الحلیم محمود (جو بعد میں شیخ ازہر کے عہدہ پر بھی فائز رہے) اور معروف اسلامی شخصیت شیخ محمد غزالی کی شاگردی میں بھی کئی سال تک رہنے کا موقعہ ملا۔

شادی اور ملازمت

جامعہ ازہر سے فراغت کے آخری سال 1970ء میں میری شادی ہوگئی۔ 1971ء میں حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ انجینئر نگ میں ڈگری یافتہ نوجوان اگر چاہیں تو انہیں

ٹرینگ کے بعد فوج میں ملازمت مل سکتی ہے۔لہٰذا مَیں نے فوج کی نوکری اختیار کر لی، پھر کچھ عرصہ فوج میں ملازمت کے بعد مجھے وزارت صنعت میں بطور انجینئر خدمات بجالانے کا حکم دیا گیا۔ اس عرصہ میں مصری حکومتوں کی تبدیلی اور دینی جماعتوں کے خلاف کارروائیوں کے دوران قید و بند کی کافی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔

سفرِ عراق

زندگی کی تلخیوں سے مجبور ہو کر مَیں نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ مصر چھوڑ کر عراق کا سفر اختیار کیا اور 1986ء میں وہاں جا کر ائرکنڈیشنگ کا کام کرنے والی ایک کمپنی میں ملازمت اختیار کر لی۔ اس دوران مجھے حج کرنے کی بھی توفیق ملی۔ 1989ء میں میرے قلب و ذہن میں بڑی شدت کے ساتھ یہ احساس پیدا ہو گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو گئی ہے اور ایک وفات کے بعد ان کے آنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔ یوں میں جماعت احمدیہ کے بارہ میں کچھ جاننے سے قبل ہی اس کو قبول کرنے کے لئے ذہنی و قلبی طور پر تیار ہو گیا تھا۔

عراق کی جنگ کے بعض واقعات

کویت پر عراق کے قبضہ کے بعد دنیا کی تمام بڑی طاقتوں نے مل کر عراق کا محاصرہ کیا اور بمباری سے تمام بنیادی سہولتیں تباہ کر دی گئیں نیز بجلی کا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ پانی کا پریشر بہت کم تھا جس کی بنا پر زمین میں کنواں سا کھود کر اس میں پانی کے پائپ لگا دیئے گئے تھے جہاں سے سب لوگ باری باری پانی بھر کر لے جایا کرتے تھے۔ میں اپنے بیٹوں کے ساتھ نماز فجر کے بعد لائن میں کھڑا ہو جاتا اور تقریباً 4 گھنٹے کے انتظار کے بعد ہماری باری آیا کرتی تھی۔

ایک دن جب میں لائن میں کھڑا اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا اور ہماری باری تقریباً آنے ہی والی تھی کہ ایک شخص نے تنگ آ کر خدا کی قضاء و قدر پر اعتراض کیا اور ربّ العرش کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوا۔ مَیں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ یہاں سے فوراً بھاگ چلو کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ یہاں پر خدا کی طرف سے بجلی گر پڑے گی۔ میرے بیٹوں نے کہا کہ اب ہماری باری آنے والی ہے، تھوڑا صبر کر لیں ورنہ ہمیں دوبارہ لائن میں کئی گھنٹے تک کھڑا ہونا پڑے

گا۔لیکن مَیں نے کہا کہ نہیں ہمیں یہاں ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں رکنا ہے۔ہمارے وہاں سے جاتے ہی اس قدر شدید بارش ہوئی کہ پانی بھرنے کے انتظار میں کھڑے تمام لوگ بھاگ گئے، پھر یکدم بارش رک گئی اور چونکہ ہمارا گھر قریب ہی تھا اس لئے ہم نے بڑی آسانی سے جا کر پانی بھر لیا جبکہ لوگوں کو واپس آتے ہوئے کچھ وقت لگ گیا۔

الٰہی حفاظت

1۔حکومتی اداروں نے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ عالمی طاقتیں شاید عراق پر ایٹم بم گرادیں گی۔اس لئے انہوں نے ہر گھر میں ایک ایسا کمرہ مختص کرنے کا کہا جو گھر کے دیگر کمروں کی نسبت کسی قدر مضبوط اور چاروں طرف سے بند اور زیادہ محفوظ ہو۔ایک دن کسی انجانے خوف کی بناء پر ہم اہل خانہ اپنے گھر کے اس کمرے میں بیٹھے تھے اور سردی سے بچنے کے لئے آگ والا ہیٹر بھی چل رہا تھا۔ہم سب اسی کمرہ میں ہی سو گئے، رات کو اچانک میری آنکھ کھلی اور میں نے پانی مانگا، میری بڑی بیٹی اٹھی لیکن فوراً زمین پر گر گئی۔ مجھے پتہ چل گیا کہ دراصل آگ نے کمرے میں موجود تمام آکسیجن ختم کر دی ہے جس کی وجہ سے بچی کی یہ حالت ہوئی ہے۔اس لئے مَیں نے فوراً بچی کو اٹھایا اور کمرے سے باہر لے گیا۔اس کا سانس بہت ہی کمزور چل رہا تھا۔اس کو میں نے مصنوعی تنفس دیا۔اتنے میں مجھے باقی افرادِ خانہ کا خیال آیا، ان کو دیکھا تو ان سب کی بھی یہی حالت تھي ، لہٰذا میں ان کو بھی یکے بعد دیگرے کمرے سے باہر لاتا رہا اور مصنوعی تنفس دیتا رہا، وہ سب کے سب ہی بے ہوش تھے لیکن خدا تعالیٰ کی طرف سے بروقت مدد میسر آجانے کی وجہ سے خاص فضل ہو گیا اور خدا تعالیٰ نے ہمیں موت کے منہ سے بچا لیا۔فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

2۔ جب عراق نے کویت سے اپنی فوجیں بلانے کا فیصلہ کیا تو عراق کے جنوبی علاقے کی شیعہ آبادی نے اسے عراق کی ہزیمت تصور کرتے ہوئے جنوبی علاقے میں بغاوت کر دی اور اس کی آزادی کا اعلان کر دیا۔عراقی حکومت نے اس بغاوت کو کچلنے کے لئے ان علاقوں میں بہت زیادہ بمباری کی۔اسی طرح فوجی دستے دیگر علاقوں میں بھی حکومت کے خلاف سر اٹھانے والوں کا قلع قمع کرنے لگے۔بالآخر نجف شہر کی بھی باری آگئی اور بالخصوص اس محلّہ کی

جس میں ہماری رہائش تھی۔فوجی دستے ہمارے محلّہ سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہوکر بمباری کرنے لگے۔ابتدائی بمباری کے بعد اکثر لوگ گھروں سے نکل گئے، ان میں سے کچھ نے صحرا میں اور کچھ نے قبرستان میں پناہ لے لی۔لیکن مَیں نے کہا کہ ہم اپنا گھر نہیں چھوڑیں گے۔ہمارے بچے سہمے ہوئے ہمارے ساتھ چمٹے ہوئے تھے اور ہر بم کے گرنے پر خوف سے کانپنے لگتے تھے۔مَیں نے اپنے بچوں سے کہا کہ ہم نہ صحرا میں جائیں گے نہ قبرستان میں پناہ لیں گے۔کیونکہ وہ قادر وتوانا خدا زندہ خدا ہے اور وہ ہمیں یہیں پر محفوظ رکھ سکتا ہے کیونکہ امن کہیں بھی نہیں ہے صرف خدا ہی ہر جگہ محفوظ رکھ سکتا ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ موقعہ دیا ہے کہ تمہیں اس کی عظمت کا اندازہ ہو سکے اور اس کی قدرتوں پر ایمان پیدا ہو۔یہ کہہ کر مَیں خدا کے حضور دعا میں مشغول ہو گیا کہ اے رحمان رحیم اور مقتدر خدا تو اپنی کامل قدرتوں کا کرشمہ دکھا اور ہمیں محض اپنے فضل سے محفوظ رکھ۔درد والم سے عبارت یہ دعا بھی تمام رات جاری رہی جبکہ دوسری طرف ہر سات سیکنڈز کے بعد بمباری ہوتی رہی اور اس رات کم وبیش پانچ ہزار بم گرائے گئے،لیکن خدا تعالیٰ کے خاص فضل سے میرا گھر محفوظ رہا۔

بہر حال اس واقعہ کے بعد میں نے بہت مشکل سے ایک کار کرائے پر لی اور کئی مصیبتوں سے گزر کر اپنے اہل خانہ کے ساتھ اردن پہنچ گیا، جہاں پہنچ کر احساس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر اپنے فضل سے اور اپنی خاص قدرت سے اس جہنم سے مجھے اور میرے اہل خانہ کو معجزانہ طور پر نکالا ہے۔

ابن خلدون اور مصطفیٰ ثابت صاحب

عراق میں مختلف اسلامی جماعتوں کے رویہ سے بیزار ہو کر اردن میں معتزلہ طرزِ فکر کی طرف مائل ہو گیا لیکن بعد میں سلفی فرقہ کی دھمکیوں سے تنگ آ کر 1992ء میں اردن سے نکل کر واپس مصر آ گیا جہاں اس وقت کے مشہور ادباء اور علمی شخصیات سے تعلقات اور رابطہ رہا۔1995ء میں مصر میں میرا تعارف کچھ ایسے دوستوں سے ہوا جو یہاں کے ایک مرکز ابن خلدون میں مختلف لیکچرز اور اجتماعات اور ملاقاتوں کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ یہ مرکز قاہرہ میں امریکن یونیورسٹی کے ایک لیکچرار ڈاکٹر سعد الدین ابراہیم نے قائم کیا تھا۔اس مرکز میں

ہماری ملاقات مختلف سیاستدانوں، مفکرین، مختلف یونیورسٹیوں کے لیکچررز، حکومتی نمائندوں اور مشہور محقق حضرات سے ہوئی۔اس مرکز میں متعدد بار مجھے بھی لیکچر دینے اور مختلف موضوعات پر سوالات کے جوابات دینے کی توفیق ملی نیز مختلف سیمینارز میں میرے تبصرے اور سوالات کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔اس مرکز کے وزیٹرز میں سے ایک ڈاکٹر آمال ثابت صاحبہ بھی تھیں جو ویسے تو اپنے خاوند کے ساتھ ڈنمارک میں رہتی تھیں لیکن اکثر اوقات مصر میں موجودگی کے دوران اس مرکز میں باقاعدگی سے آتی تھیں۔مختلف اسلامی موضوعات کے بارہ میں بعض آراء سن کر انہوں نے وعدہ کیا کہ جب ان کے بھائی مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کینیڈا سے مصر آئیں گے تو وہ انہیں بھی اس مرکز میں لے کر آئیں گی۔ چنانچہ 1997ء میں مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب اس مرکز میں تشریف لائے اور اس کے ماحول کو بہت سراہا۔ 1998ء میں مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب دوبارہ مصر تشریف لائے تو اس مرکز میں میرا لیکچر بھی سنا جس کا عنوان تھا: Genetic Science اور جبر واکراہ کا نظریہ نیز انسانی عادات وتصرفات کو بدلنے کے بارہ میں قرآن کریم کا موقف۔مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب نے اس کی بہت تعریف کی، یوں میرا ان کے ساتھ ایک تعلق بن گیا۔ انہوں نے مجھے اپنے گھر دعوت دی جہاں بہت سے موضوعات پر بات ہوئی، جن میں آخری زمانہ کے بارہ میں احادیث اور ان میں مذکور بعض اہم موضوعات کے بارہ میں مَیں نے پوچھا تو مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب نے اس کے جواب میں مجھے تین گھنٹے کی ایک ویڈیو کیسٹ دکھائی جس میں مکرم حلمی الشافعی صاحب نے دجال کے متعلق احادیث میں مذکورہ امور کی ایک ایسی تاویل بیان کی جو مجھے بہت پسند آئی اور یہ معقول اور منطقی طرز فکر میرے دل کو لگی۔مَیں نے سوچا کہ ایک طرف اس دجال کے موضوع کے بارہ میں باہم متضاد امور بیان ہوئے ہیں اور دجال کی عجیب وغریب صفات بیان کرنے والی متعدد احادیث ہیں جن کو ظاہر پر محمول کر لیا جائے تو ایسی غیر حقیقی تصویر سامنے آتی ہے جس کی بناء پر انسان ان احادیث کے انکار تک جا پہنچتا ہے، جبکہ دوسری طرف یہ عقل وذہن کو مطمئن کرنے والا فہم اور منطقی تفسیر ہے، جن کی بناء پر یہ ساری حدیثیں سچی ثابت ہوتی ہیں، اور اصولی طور پر یہ موضوع درست ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ عقلمندی کا تقاضا تو یہی ہے کہ وہ راہ اختیار کی جائے جس میں احادیث کا انکار نہ لازم آتا ہو۔

جب مَیں نے مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب سے اس فہم اور نئے طرز فکر کے مصدر کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اگر ان احادیث کی شرح کے مطابق دجال ظاہر ہو گیا ہے تو اس کو قتل کرنے والے مسیح موعود اور امام مہدی علیہ السلام کا آنا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا یہ مفاہیم حضرت امام مہدیؑ لے کر آئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ تمام تجدیدی مفاہیم بذریعہ وحی ان پر کھولے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں کرنے کے بعد یہ ملاقات ختم ہوگئی اور مصطفیٰ ثابت صاحب بھی واپس چلے گئے لیکن وحی اور خدا تعالیٰ کے کلام کرنے کے موضوع نے مجھے پریشان کئے رکھا۔ کیونکہ مَیں معروف اعتقاد کے مطابق یہی عقیدہ رکھتا تھا کہ اب وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ ان تمام خیالات کے باوجود میری توجہ بار بار مصطفیٰ ثابت صاحب کے اخلاق اور ان کی تواضع اور چہرے پر نمایاں ہونے والی خشیت الٰہی کی طرف جاتی اور سوچتا کہ کیا یہ اس تعلیم کا نتیجہ ہے جو ان کے بقول امام مہدی لے کر آئے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا باطل بھی یہ سب کچھ پیدا کر سکتا ہے؟

انقلاب پیدا کر دینے والی کتاب

1999ء میں مصطفیٰ ثابت صاحب دوبارہ مصر تشریف لائے تو ہماری بات چیت دوبارہ شروع ہوئی۔ انہوں نے مجھے ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا عربی ترجمہ دیا جس نے میرے اندر ایک عجیب انقلاب برپا کر دیا۔

چنانچہ مَیں نے امام مہدی علیہ السلام کے بارہ میں تمام امور کی تفصیلی تحقیق کا فیصلہ کر لیا۔ مَیں اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ قرآن کریم میں ناسخ ومنسوخ کا عقیدہ غلط اور قرآن کی حرمت کے خلاف ہے۔ اسی طرح میں دینی آزادی کا قائل تھا، جب احمدیت کے بارہ میں تحقیق کرنے لگا تو دیکھا کہ احمدیت تو انہی باتوں کا پرچار کرتی ہے۔ اب بعض آیات قرآنیہ کے بارہ میں روایتی قسم کے سوالات کا مرحلہ تھا جن کو مَیں نے یکے بعد دیگرے مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کے سامنے پیش کرنا شروع کیا تو انہوں نے جواب دینے کی بجائے مجھے فائیو والیم کمنٹری تھما دی اور کہا کہ اس میں سب سوالوں کا جواب موجود ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ اس میں میرے تمام سوالوں کا جواب میرے ہی طرز فکر اور میری توقع کے عین مطابق لیکن بہت مدلل

اور مطمئن کرنے والا تھا۔

تأملات

مصطفیٰ ثابت صاحب چلے گئے اور پھر 2001ء میں دوبارہ مصر تشریف لائے لیکن مَیں نے اس عرصہ میں بہت سوچا کہ وحی الٰہی کا جھوٹا دعویٰ ظلم عظیم کہلاتا ہے۔جبکہ جو امور امام مہدی علیہ السلام لے کر آئے ہیں سب حق وہدایت اور روحانی علوم پر مشتمل ہیں اوران میں سے اِکّا دُکّا مفہوم تو یہاں وہاں کوئی نہ کوئی بیان کر دیتا ہے لیکن اس قدر سچے مفاہیم اتنی تعداد میں اس پوری صدی میں کسی بھی شخص کو اللہ تعالیٰ نے عطا نہیں فرمائے۔تو کیا اللہ تعالیٰ نے اس عظیم انعام سے ایسے لوگوں کو نوازا ہے جو ظلم عظیم کرتے ہوئے وحی الٰہی کا دعوی کرتے ہیں؟

درست سوچ کا آخری منطقی نتیجہ

بالآخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یا تو یہ شخص سچا ہے اور جو کچھ بیان کرر ہا سب سچ ہے، یا اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور تمام امور بھی غلط ہیں۔لیکن چونکہ ان کا فہم دینِ اسلام اس قدر خوبصورت، جذاب، اور دل کو موہ لینے والا ہے جسے کسی طور بھی باطل نہیں کہا جا سکتا، اس لئے ثابت ہوا کہ وہ خود بھی سچے ہیں اور یہ مفاہیم صرف سچوں کو ہی دیئے جاتے ہیں۔اور اگر امام مہدی سچے ہیں تو ان کے جملہ مفاہیم کو قبول کرنا واجب ہے کیونکہ وہ خدا کی راہنمائی سے ہدایت یافتہ ہے۔

جب 2001ء میں مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب تشریف لائے تو مَیں نے انہیں بتایا کہ مَیں امام مہدی علیہ السلام پر ایمان لے آیا ہوں۔انہیں شدت جذبات کی وجہ سے ایک لمحہ کیلئے میری بات کا یقین نہ آیا۔بہر حال انہوں نے اس کے بعد مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت وسوانح پر مبنی اپنی تالیف کردہ کتاب ’’السیرۃ المطہرۃ‘‘ کا مسودہ مجھے دیا جس کو پڑھنے کے بعد مَیں نے انہیں کہا کہ مجھے پہلے آپ نے یہ کتاب کیوں نہ دی کیونکہ مجھے امام مہدی علیہ السلام کی شخصیت کے بارہ میں اس تفصیل سے پہلے پتہ چل جاتا تو مَیں شاید اس سے پہلے احمدی ہو چکا ہوتا۔اس کے بعد مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی کتب کا مطالعہ شروع کیا اور معانی

ومفاہیم کا ایک بحر زخار میرے سامنے ٹھاٹھیں مارنے لگا۔
مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب اور ڈاکٹر حاتم صاحب کے ساتھ ملاقاتوں کے بعد میرے ایک بیٹے کے علاوہ باقی چاروں بچوں اور اہلیہ نے بھی یکے بعد دیگرے بیعت کر لی۔

تبلیغ و روحانی اولاد

2002ء میں میرے ساتھ تجرباتی طور پر کام کرنے والے انجینئرنگ کے ایک طالبعلم عمرو نبیل صاحب نے بعض مفاہیم اور تفاسیر کے بارہ میں میرے ساتھ بات کی۔ مَیں نے احمدیت کی دل موہ لینے والی تشریحات بیان کیں تو اس نے پوچھا کہ کیا یہ مفاہیم وتفاسیر آپ کی سوچ وفکر کا نتیجہ ہیں؟ کیونکہ اگر یہ آپ کے اپنے خیالات ہیں تو آپ عالم اسلام کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ مَیں نے کہا نہیں بلکہ میرا ایک ہندوستانی مرشد ہے اور یہ سب اس کی فہم وسوچ کا نتیجہ ہے۔

ایک دن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''نجم الہدیٰ'' پڑھ رہا تھا کہ یہ دوست آ گئے اور پوچھا کہ یہ کونسی کتاب ہے اور کیا وہ اسے پڑھ سکتا ہے؟ مَیں نے اسے کتاب دے دی۔ کچھ دیر کتاب کی ورق گردانی کے بعد یہ دوست مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیا اس کتاب کا مؤلف ہی آپ کا ہندوستانی مرشد ہے؟ مَیں نے کہا ہاں۔ اس پر اس نے کہا کہ کیا ان کے بارہ میں میری رائے بھی آپ سننا چاہیں گے؟ مَیں نے کہا کیوں نہیں۔ اس نے کہا: یہ شخص سچا ہے اور مَیں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔

مکرم عمرو نبیل صاحب نے بیعت کے بعد غیر معمولی تبدیلی پیدا کی اور ان کے کردار وگفتار میں واضح طور پر ایک فرق نظر آنے لگ گیا۔ جب یہ صورتحال ان کے والد مکرم نبیل حسین صاحب نے دیکھی تو اپنے بیٹے سے ان نئی طرز کے افکار وتفاسیر کے بارہ میں پوچھا کہ یہ تمہیں کون سکھاتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ سب مجھے فتحی عبد السلام نے سکھایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے اپنے گھر دعوت پر بلایا اور مختلف آیات کی تفسیر اور دینی مسائل کے فہم کے بارہ میں بات ہوئی۔ اس کے بعد مکرم نبیل صاحب نے جماعت کی کتب کا مطالعہ شروع کیا اور جماعت کے عقائد کے بارہ میں تحقیق کی اور بالآخر 2006ء میں ایک روز جمعہ کے دن ڈاکٹر حاتم صاحب

کے گھر آئے اور اپنی بیعت کا اعلان کر دیا۔

ترجمہ کتاب ''حیاۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم''

2004ء میں مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب نے مجھے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی کتاب Life of Muhammad کا عربی میں ترجمہ کرنے کا مشورہ دیا۔ جسے میں نے ایک سال بعد یعنی 2005ء میں مکمل کر لیا۔ مجھے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کتب پڑھنے کا شروع سے ہی بہت شوق ہے اور مَیں نے بڑے بڑے مؤلفین کی تمام کتبِ سیرت پڑھی ہیں لیکن یہ کتاب اپنے منفرد اسلوب بیان کی وجہ سے سب پر فوقیت لے گئی۔ مجھے اس کتاب کے ترجمہ کے دوران ایسے محسوس ہوا جیسے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چہرہ دیکھ لیا اور جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان زندہ موجود ہیں۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے کچھ اس پیرائے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو پیش کیا کہ اس کو پڑھ کر ایک انسان حقیقت میں اس مثال اور اعلیٰ ترین اسوۂ حسنہ کی حامل شخصیت کو پا لیتا ہے جس کی پیروی اور اقتداء کا تصور اس نے اپنے دل ودماغ اور قلب وذہن میں قائم کیا ہوتا ہے۔

ایم ٹی اے کے پروگرام الحوار میں شرکت

2006ء میں مجھے مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب نے الحوار المباشر میں بذریعہ فون شامل ہونے کے لئے کہا۔ میری فون کال کو پسند کیا گیا اور متعدد دفعہ بذریعہ فون شامل ہونے کے بعد اسی سال مکرم محمد شریف صاحب نے مجھے پروگرام میں شامل ہونے کیلئے بلا لیا۔

خلیفۂ وقت سے پہلی ملاقات

2006ء میں ہی میرے لئے خلیفۂ وقت سے ملاقات کا پہلا موقعہ پیدا ہوا۔ میرے جذبات کا عجیب عالم تھا۔ حضور انور سے ملتے ہی میرے ہونٹ آپ کے دستِ مبارک کے بوسے لینے لگے۔ امام مہدی کے لختِ جگر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موعود روحانی اولاد کو اپنی آنکھوں کے سامنے پا کر میری کیفیت ناقابل بیان تھی۔

اس ملاقات کے آخر پر حضور انور کی طرف سے "اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ" والی انگوٹھی کا تحفہ اور یادگار تصویر بے پایاں احسان تھا۔

ٹی وی پروگرامز

عیسائی پادری زکریا بطرس نے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کو اپنی بدزبانیوں کا نشانہ بنایا وہاں قرآن کریم پر بھی حملہ کیا اور اس موضوع پر بھی پروگراموں کی ایک سیریز چلائی جس کا عنوان تھا: هل القرآن كلام الله؟ یعنی کیا قرآن خدا کا کلام ہے؟ مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب نے مجھے اس کے بعض پروگراموں کا جواب دینے کے لئے کہا۔ مَیں نے اس کی تیاری کی اور 2006ء میں لندن میں پروگراموں کی ایک سیریز ریکارڈ کروائی جس کا نام ہے: نَعَمْ إِنَّهٗ كَلَامُ الله۔ یعنی: ہاں بے شک یہ خدا تعالیٰ کا ہی کلام ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مزید متعدد پروگراموں میں شرکت اور کئی پروگرامز ریکارڈ کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائی ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

مکرم مصطفیٰ ثابت صاحب کے دائیں جانب مکرم فتحی عبد السلام صاحب بیٹھے ہیں

انڈیکس

☆☆☆

☆☆☆☆

اسماء

مقامات

کتب، اخبارات ورسائل